معارف

اڈیٹر: مولوی وحیدالدین سلیم

نمبر ۱	جنوری سنہ ۱۹۰۱ء	جلد ۴

قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصول ڈاک ۵؍	مقام اشاعت دفتر معارف پانی پت	قیمت سالانہ مع محصول ڈاک للعہ

ب ۶۰ م ۵۸۰

فاروقی پریس دہلی میں طبع ہوا

مقاصد اور قواعد

۱۔ یہ علمی اور ادبی رسالہ جو بلادِ عثمانیہ کے نامور ترکی رسالوں کے نمونہ پر ہے اور جو (معارف) کے نام سے موسوم ہے، ہر مہینے کی آخری تاریخ کو پانی پت سے شائع ہوتا ہے۔ اسمیں (۳۲) صفحات پر مضامین اور (۸) صفحات پر ایک دلچسپ ناول ہوتا ہے۔

۲۔ اس رسالے کا مقصد یہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے اُردو زبان کے علم ادب کا دائرہ وسیع ہو، اور اُس میں ہر قسم کے علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین لکھے جائیں، مغربی اور مشرقی طرز کی عمدہ اور پاکیزہ نظمیں درج کیجائیں، انگریزی، عربی اور ترکی زبانوں کی نایاب کتابوں، اور اخباروں، اور رسالوں سے ہر قسم کے مفید اور دلچسپ اور پاکیزہ مضامین ترجمہ کئے جائیں، تاکہ مسلمانوں میں روشنضمیری، عمدہ تربیت اور تہذیب کی اشاعت ہو۔

۳۔ یہ ضرور نہیں کہ ہر پرچے میں ہر قسم کے مضامین شامل ہوا کریں، بلکہ ان اقسام کے مضامین یکے بعد دیگرے شایع کئے جاتے ہیں۔

۴۔ اسمیں ملک کے بڑے بڑے نامور جادو نگاروں اور اعلیٰ درجے کے انشاپردازوں کے مضامین شایع کئے جاتے ہیں۔ جو حضرات کسی مضمون میں اپنا نام درج کرانا نہیں چاہتے، انکا نام ظاہر نہیں کیا جاتا۔

۵۔ اس رسالے کی قیمت سالانہ مع محصول ڈاک عام لوگوں سے للعہ ہے جو پیشگی نقد قیمت بھیجنے یا ویلیو پے ایبل کے درخواست کرنے سے خریداروں کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ نمونے کے پرچے کے لئے دو ۲ کے ٹکٹ آنے ضرور ہیں۔ اس رسالے کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص، یا انجمن، یا مدرسے کے لئے کم نہیں ہو سکتی۔ ایسی درخواستوں کا مطلق جواب نہیں دیا جاتا۔ دولتمندوں اور حکمران طبقہ کے معزز لوگوں سے معمولی قیمت سے اُسقدر زیادہ قیمت لیجائیگی، جسقدر کہ وہ دینا پسند کریں، تاکہ علم و ہنر کی اشاعت میں انکو کسیقدر فیاضی کے اظہار کا موقع ملسکے۔ اس رسالے کے متعلق تمام خط و کتابت (**دفترِ معارف۔ پانی پت**) کے پتے سے **مولوی وحید الدین سلیم** اڈیٹر معارف کے نام ہونی چاہیئے اور رسالے کی قیمت بھی اُنھیں کے نام آنی چاہیئے، جواب طلب امور کیلئے آدھ آنے کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا ضروری ہے۔

۶۔ جو بزرگ اس رسالے کی خریداری منظور فرمائیں، اُن سے امید کیجاتی ہے کہ وہ اپنا نام اور ٹائٹل اور پتہ صاف لفظوں میں تحریر فرمائیں گے۔

۷۔ حضرات خریدارانِ معارف سے امید ہے کہ اپنے پتے کی تبدیلی سے وقتاً فوقتاً رسالے کی تاریخ اشاعت سے پہلے دفترِ معارف کو مطلع فرماتے رہینگے۔

۸۔ اگر کوئی پرچہ ڈاک میں گم ہوجائے تو تاریخ اشاعت سے ایک ماہ کے اندر اطلاع دینے پر بلاقیمت ملسکتا ہے، ورنہ قیمت بھیجکر طلب فرمائیں۔

۹۔ جو حضرات (معارف) کے لئے مضامین مرحمت فرمائیں، وہ خوشخط اور صاف لکھواکر بھیجیں، تاکہ چھپنے میں آسانی ہو۔ اور کوئی غلطی نہ رہ جائے۔

معارف

اڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم۔ مقام اشاعت: دفتر معارف پانی پت۔ خریداروں سے قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک للعہ، قیمت فی پرچہ نمونہ معہ محصول ڈاک ۵؍

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص یا انجمن یا مدرسے کے لئے کم نہیں ہو سکتی

یہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اسمیں علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین نکلتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کی نظمیں اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے۔

قیمت نقد بھیجئے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت دیجئے۔ نمونہ کے لئے ٹکٹ ارسال کیجئے۔ نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھئے۔ پتہ بدلنے پر فوراً اطلاع کیجئے۔ خط و کتابت یا ارسالِ زر اڈیٹر کے نام کیجئے۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجئے۔

جلد ۴ | جنوری سنہ ۱۹۰۱ء | نمبر ۱

وفاتِ حسرت آیاتِ حضرتِ علیا ملکہ معظمہ قیصرِ ہند

افسوس! صد ہزار افسوس!! کہ ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء کی شام کو حضور ملکہ معظمہ قیصرِ ہند نے اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت کی۔ اِس قیامت خیز اور عالم آشوب حادثے نے کرۂ زمین کے تمام ملکوں میں ہل چل ڈال دی ہے۔ ہر رنگ اور ہر قوم اور ہر مذہب کے باشندے یکساں ماتم کر رہے ہیں۔ کوئی ملک نہیں جسکے باشندے اظہارِ افسوس کیلئے جلسے نہ کر رہے ہوں۔ کوئی شہر نہیں جہاں حضورِ ممدوحہ کی یادگار قائم کرنیکی تجویزیں نہ ہو رہی ہوں۔ کوئی دل نہیں جسمیں غم اور اندوہ کے جذبات موجزن نہ ہوں۔ کوئی آنکھ نہیں جس سے آنسوؤں کا دریا نہ بہہ رہا ہو۔ ممالکِ متحدۂ برطانیہ کے تمام باشندوں کو یہ امید تھی کہ ڈائمنڈ جوبلی کے بعد حضورِ ممدوحہ کم سے کم ایک جوبلی اور منائینگی۔ مگر حیف صد حیف کہ موت کے ناگزیر وقت نے تمام امیدوں اور آرزوؤں پر پانی پھیر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

دنیا کی زندہ زبانوں میں شاید کوئی زبان ایسی ہوگی جسمیں حضورِ ممدوحہ کے دردناک مرثیے نہ لکھے جائیں۔ ہماری زبان میں بھی بیشمار مرثیے لکھے جا رہے ہیں جنکو اگر جمع کیا جائے تو غالباً ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائیگی۔ ہمارے پاس اشاعت کے لئے جو مرثیے بھیجے گئے ہیں ہم اُنمیں سے صرف ایک مرثیے اور ایک نوحہ پر اکتفا کرتے ہیں اور اُنھیں کو اپنے رسالے میں شایع کرتے ہیں۔ مرثیہ جو ترکیب بند کی شکل میں ہے اُسکے مصنف ہماری قوم کے ملک الشعرا مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مدظلہ العالی ہیں۔ اِس مرثیے میں مولانا نے علاوہ اُن ترقیوں کے جو حضورِ ممدوحہ کے عہدِ حکومت میں انگلش قوم کو ملکی فتوحات، صنعت و تجارت، علوم و فنون، بری و بحری طاقت میں نصیب ہوئیں اور علاوہ اُن برکتوں کے جو اُس زمانے میں ہندوستان کے مسلمانوں کو حاصل ہوئیں اور جنکے سبب سے وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر تعلیم کیطرف مائل ہوئے اُن خوبیوں اور نیکیوں کا ذکر بھی کیا ہے جو حضورِ ممدوحہ کی ذات میں خصوصیت کے ساتھ موجود تھیں اور جنکے سبب سے وہ اپنی قوم ہی میں ہر دلعزیز نہیں تھیں بلکہ تمام رعایا اُنسے دلی محبت رکھتی تھی۔ اُن خوبیوں اور نیکیوں کے نتائج بیان کرنے میں مولانا نے اُس مشہور اور فصیح و بلیغ سرمن کیطرف اشارہ کیا ہے جو حضرت مسیح نے کالوری پہاڑی پر دیا تھا اور جو متی کی انجیل میں موجود ہے۔ نوحہ جو مرثیے کے بعد درج کیا جاتا ہے اُسکے مصنف ہمارے لائق دوست خواجہ محمد یعقوب مجددی پانی پتی ہیں جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے ہیں۔ (اڈیٹر)

بندِ اوّل

شاہ ہوں یا ہوں گدا محکوم ہوں یا حکمراں
وہ نہیں مرتے کبھی جیتی ہیں جنکی نیکیاں
جاگتا ہے اُن کا تا روزِ قیامت نامِ نیک
گو کہ ہیں وہ بیخبر سوتے لحد کے درمیاں
چُپ ہیں۔ پڑ رہے بحر و بر میں پڑ رہی اُنکی پکار
گُم ہیں لیکن چپے چپے پر ہیں ثبت اُنکے نشاں
بیماں رہے جب تک۔ رہے ایسے مرنجان و مرنج
غیر سمجھے اُن کو اپنا۔ اَوْر دشمن مہرباں
اور چلے جس وقت دنیا سے گئے دنیا میں چھوڑ
خوبیوں کی اپنی۔ ایک اک کی زباں پر داستاں
اُن کا جینا کیسی نعمت ہوگی دنیا کے لیئے
جن کا مرنا اُن کے حق میں ہے حیاتِ جاوداں
زندگی سے آنکی ہرگز نیتیں بھرتیں نہیں
پائیں گر بالفرض عمرِ نوح بھی آکر یہاں
وقتِ رحلت یوں تڑستی اُن کو رہ جاتی ہے خلق
ایک بجلی سی چمک کر ہو گئی گویا نہاں
جن کی ایسی زندگی اور جنکی ایسی موت ہو
اُن کا اُٹھ جانا ہے بدبختی کا دنیا کی نشاں
آج گھر گھر ہے وہی ماتم جہاں میں۔ جس سے ہے
زلزلہ میں کینڈا سے لیکے تا ہندوستاں

اے کوئن اسکندرینا! تجکو کیا آئی اجل
لچھمی[1] دنیا کے ہاتھوں سے گئی گویا نکل

بندِ دوم

ہے تری نیکی سے امید اے زمیں کی بادشا
آسمانی[2] بادشاہت میں خدا دے تجکو جا
کر لیئے تھے سب یگانوں اور بیگانوں کے دل
نیکیوں سے تو نے اپنی فتح اے وکٹوریا[3]
ہے دلیل اُس کے لیئے کافی فقط تیری مثال
مرد پر عورت فضیلت کا کرے گر ادّعا
کیجیے اقبال مندی پر اگر تیری نظر
سامنے تیرے نہیں جچتا کوئی کشورکشا
مرتبہ ہے جو کہ سرحد سے تصور کی پرے
قوم کو وہاں تک ترے اقبال نے پہنچا دیا
کی تجارت نے ترقی عہد میں یہانتک ترے
سلطنت ہے اُس کے آگے ہیچ بے چون و چرا
جس قدر علمی فتوحات اِس زمانہ میں ہوئیں
دہر کی تاریخ میں ملتا نہیں اُن کا پتا

---

[1] ایک دیوی کا نام ہے جو ہندوؤں کے نزدیک دولت کی دیوی خیال کیجاتی ہے۔
[2] بائبل کی زبان میں آسمان کی بادشاہت سے وہی معنے مراد ہوتے ہیں جن کو قرآنِ مجید میں جنت و فردوس وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔
[3] وکٹوریا کے معنے لغت میں فتح کرنیوالی عورت کے ہیں۔

علم میں روزِ اَزل سے تھی جو اک طاقت نہاں
صاحبی[1] میں تیری یہہ راز آشکارا ہوگیا
ہوگئے ہر بُرِّ اعظم میں ترے برپا عَلَم
تیرے بیڑوں اور جہازوں سے سمندر پٹ گیا
شاعروں کے جس قدر مدحِ سلف میں تھے غلو[2]
حق میں تیرے وہ حقایق بن گئے سرتاپا

تھی خبر کس کو؟ ہوا اک خردل[3] کا پیڑ اتنا بڑا
جس کی شاخوں پر کریں بسرام مرغانِ ہوا

بندِ سوم

دستِ قدرت نے بنایا گو کہ تھا عورت تجھے
پر جواں مردوں پہ تھی عالم کے فوقیت تجھے
سچ ہے "وہ وارث[4] زمیں کے ہونگے جو ہونگے حلیم"
علم سے پہنے ملی آفاق میں مکنت تجھے
وہ تسلی پائیں گے دنیا میں جو جھیلیں گے غم
ہو چکے غم۔ بس تسلی دیگی اب راحت تجھے
تو مبارک[5] تھی کہ تجکو صلح تھی دل سے پسند
دیگا فرزندی کا اب اپنی خدا خلعت تجھے
تو مبارک[6] تھی کہ تھا پہلو میں تیرے پاک دل
ہو مبارک خلد میں دیدار کی نعمت تجھے

ملک[7] میں اک نور تھی تو جیسے دیوٹ پر چراغ
دیکھ کر ہوتا تھا روشن مُلک اور ملت تجھے
تو نمک[8] تھی سربسر گویا زمیں کے واسطے
ملک کی اصلاح تصور کرتی تھی خلقت تجھے
دشمنوں پر مہرباں تھی تو۔ بُروں سے تھی بھلی
حق نے دی اپنی خلافت کی تھی اہلیت تجھے
تجھ سے غیروں کو محبت تھی جو تھا اپنوں کو فخر
غیر اور اپنے کریں گے یاد مدت تجھے
برکتیں دنیا میں پھیلیں تیرے دم سے جس طرح
بس یونہی کنجِ لحد میں دے خدا برکت تجھے

فرد تھی اقبال میں تو بے نظیر اخلاق میں
تیرے مرنے سے ہے سناٹا سا اک آفاق میں

بندِ چہارم

ہوگیا برٹن تو تیرے عہدِ دولت میں نہال
ہم پہ بھی کچھ کم نہیں برسا ترا ابرِ نوال
شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا
وہ نہیں لاتے بجا شکرِ خدائے ذوالجلال
ہند نے پایا ترے دورِ حکومت میں وہ امن
اگلے دَوروں میں تھا جس کا کہیں خواب و خیال

[1] صاحبی سے مراد سلطنت یا عہدِ حکومت ۱۲ [2] غلو مبالغہ ۱۲ [3] حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں "آسمان کی بادشاہت ایک خردل کے دانہ کی مانند ہے جسے ایک شخص نے لیکر اپنے کھیت میں بویا۔ وہ سب بیجوں میں چھوٹا ہے پر جب اُگا تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا اور ایسا پیڑ ہوتا کہ ہوا کی چڑیاں آکر اُسکی ڈالیوں پر بسیرا کرتیں" (انجیل متی باب ۱۳) اس شعر میں ملکہ معظمہ کے بچپن کی طرف اشارہ ہے جبکہ اُنکی نسبت کسیکے سان گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ تختِ انگلستان کی وارث ہونگی اور اُنکی سلطنت اِس قدر ترقی کریگی۔

لی گئی قحط اور وبا میں ملک کی جو یہاں خبر
تھا زمانہ تیرا اُس میں آپ ہی اپنی مثال
مختصر آزادی کا تیرے عہد کی ممکن نہیں
سب کا اِس احسان میں جکڑا ہوا ہے بال بال
ہم سمجھ لیتے کہ ہیں ہر قید سے آزاد ہم
قیدِ احساں سے ترے چھٹنے کی گر ہوتی مجال
گرچہ ممکن ہے کہ تیرے عہدِ دولت مہد میں
ہوں رعیت میں تری کچھ لوگ زار و خستہ حال
پر خدا کی سلطنت میں بھی یہی ہے حالِ خلق
یہاں خوشی ہے۔ وہاں مصیبت۔ وہاں سماں ہے یہاں بھونچال
گو کوئی قانونِ قدرت خالی از حکمت نہیں
پر نہیں راس ایک کو جو ایک کے ہے حسبِ حال
ہوں قوانینِ الٰہی یا قوانینِ بشر
ہے برابر سب کا راضی اور خوش رہنا محال

الغرض اِس سے سوا خوبی نہ تھی امکان میں
کر گئی تو راج جس خوبی سے ہندوستان میں

بند پنجم

خود ہمارے حال سے اے عازمِ دار القرار
برکتیں عہدِ ہمایوں کی ہیں تیرے آشکار
ہم پڑے سوتے تھے غافل ایسی گہری نیند میں
جاگنے کا تھا نہ گویا قصد تا روزِ شمار
جہل و نادانی سے تھی نوبت گئی یہاں تک پہنچ
ہو گئے تھے خود وطن پر اپنے ہم گویا کہ بار
پر جگا کر چھوڑا بانگِ طبلِ شاہی نے ہمیں
ایسی ڈالی ملک میں ہر سو ترقی کی پکار
سُن کے اُٹھ بیٹھے صدائے طبل۔ جو تھے تیز ہوش
سر سے اُترا نیند کا صدیوں کی وہ آخر خمار
قوم میں ڈالی بنا تعلیم کی جس کے بغیر
کھو چکے تھے اپنا ہم ہندوستاں میں اعتبار
ہے علی گڈہ میں۔ ہماری یہ جو **قومی درسگاہ**
ہے حقیقت میں یہ تیرے نام کی اک یادگار
اُس کی رسمِ **فونڈیشن** اور **جشنِ قیصری**
دونوں تقریبیں ہوئی ہیں ایک ہی وقت آشکار

بقیہ نوٹ صفحہ (۳) [عہ] جیسے وہ اپنے پہاڑی وعظ میں فرماتے ہیں ۵ مبارک وے جو حلیم ہیں کیونکہ وے زمین کے وارث ہونگے (متی باب ۵) [عہ] ۴ مبارک وے جو غمگین ہیں کیونکہ وے تسلی پاوینگے (متی باب ۵) [عہ] ۹ مبارک وے جو صلح کرانے والے ہیں کیونکہ وے خدا کے فرزند کہلاوینگے (متی باب ۵) [عہ] ۸ مبارک وے جو پاک دل ہیں کیونکہ وے خدا کو دیکھیں گے (متی باب ۵) [عہ] ۱۴ تم دنیا کے نور ہو۔۔۔۔ ۱۵۔ اور چراغ بال کے پیمانہ کے تلے نہیں بلکہ چراغدان پر رکھتے ہیں تب اُن سب کو جو گھر میں ہوں روشنی دیتا ہے ۱۶۔ اسیطرح تمہاری روشنی آدمیوں کے سامنے چمکے تاکہ وے تمہارے نیک کاموں کو دیکھیں اور تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے ستایش کریں (متی باب ۵) [عہ] ۱۳ تم زمین کے نمک ہو۔۔۔۔ (متی باب ۵) یعنی تم دنیا کی اصلاح کرنیوالے ہو جسطرح کہ نمک کھانے کی اصلاح کرتا ہے ۱۲ [عہ] ۴۳۔ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا اپنے پڑوسی سے دوستی رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت ۴۴ پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں اُنکے لئے برکت چاہو جو تم سے کینہ رکھیں اُنکا بھلا کرو اور جو تمہیں دُکھ دیں اور ستاویں اُنکے لئے دعا مانگو ۴۵ تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے فرزند ہو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر اُگاتا ہے اور راستوں اور ناراستوں پر مینہ برساتا ہے (متی باب ۵)

[عہ] علیگڈہ محمڈن کالج کی فونڈیشن کی رسم ۸ جنوری سنہ ۱۸۷۷ء کو اور دربار قیصری پہلی جنوری سنہ ۱۸۷۷ء کو ہوا تھا ۱۲

نیچرل[۱] کہنے اُس کی یہاں آیا ترا قایم مقام
تونے[۲] خود اُس کو۔ کتابیں بھیجکر۔ بخشا وقار
جب تلک قایم ہے کالج۔ جب تلک باقی ہے قوم
یہہ شہنشاہی عطیہ یہاں رہے گا یادگار

ہے یقیں کالج کو پھلتا پھولتا دیکھیں گے ہم
جانشیں تیرا قدم بر تیرے رکھے گا قدم

بندِ ششم

ہے اب اے اڈورڈ ہفتم اُس کا تو نعم البدل
سایۂ شفقت گیا ہے جو ہمارے سرسے ٹل
ہے رگوں میں تیری خوں اڈورڈ اور البرٹ کا
ہونگے عقدے ملک کے تدبیر سے سب تیری حل
ہو پہننگ ابر میں جسکی اور جسکی پتال میں
ہونگے پھول اُس نخل کے کیسے مبارک اور پھل
ہے لطافت تجھ میں ماں کی اور حلاوت باپ کی
تیری گھٹی میں پڑا ہے شربت شیر و عسل
باپ کی بھی تجھکو کہہ سکتے ہیں۔ ماں کی بھی مثال
جیسے کہہ سکتے ہیں جل کو امرت۔ اور امرت کو جل
تم نے پھیلائی ہے۔ اور پھیلاؤگے نیکی سدا
ہیں گھرانے کی تمھارے نیکیاں ضرب المثل
ہو نکلو اس میں نہ شاید اسے بزرگ خاندان
گاسپل کا کہئے گر تم کو نمونہ فی المثل
جو محبت نے تمھاری یہاں تھیں کی ہیں سر
وہ نہیں کر سکتے سر میدان میں فوجوں کے دل
جس عقیدت کا گیا تھا ہند میں تو بیج بو
اب ملا ہے ملک کو اظہار کا اُس کے محل
ہے دعا حق سے کہ جبتک عدل سے قایم ہے ملک
تیری شاہی اور شہنشاہی رہے یارب اٹل

ملک ہر آفت سے تیرے عہد میں مامون رہے
دبدبہ بیٹے کا۔ ماں کی طرح روز افزوں رہے

نوحہ

وفاتِ حسرت آیات ملکۂ معظمہ مرحومہ

ہند پر شاق ہے اے قیصرہ رحلت تیری
تھی رعیت کے لئے موت قیامت تیری
کر لیا تھا تری سیرت نے دلوں کو تسخیر
گو کہ دیکھی تھی نہ ہمنے کبھی صورت تیری
نام اخلاق میں اتنا ہی ترا تھا روشن
جتنی تھی دولت و اقبال میں شہرت تیری

---

[۱] کالج کا بنیادی پتھر لارڈ لٹن وَیسرائے کشورِ ہند نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا ۱۲
[۲] حضور ملکۂ معظمہ نے چند کتابیں جنکی جلدیں طلائی اور جنکی چھپائی نہایت اعلٰے درجہ کی تھی اپنے دستخط خاص ثبت فرماکر کالج کو مرحمت کی تھیں ۱۲

قدر نعمت کی سدا ہوتی ہے یہاں بعد زوال
ہوئی معلوم تیرے مرنے سے عظمت تیری
ہے خبر تجھکو بھی اے قبر میں سونے والی!
یاد کرتی ہے بہت تجھکو رعیت تیری
امن نے کھول ترقی کے دیے دروازے
ملک سب ہوگیا گلزار بدولت تیری
جانشینی تجھے راس آئی چپ کی جس طرح
تیرے فرزند کو راس آئے خلافت تیری
شاہ اڈورڈ کا عالم یونہی محکوم رہے
جیسے عالم کے دلوں پر تھی حکومت تیری
عہد میں اُس کے رہے فتنہ سے محفوظ جہاں
جیسے محفوظ تھی فتنوں سے حکومت تیری

یادگارِ حضور ملکۂ معظمہ مرحومہ

اُس زمانہ میں جب کہ حضورِ ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند کی وفاتِ حسرت آیات کا صدمہ عالمگیر ہے اور ماتم کی آوازیں دنیا کے ہر ملک اور ہر شہر سے آرہی ہیں اور ہر شخص غم و الم میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے اِس بات پر بحث کرنی زیادہ موزوں ہے کہ کونسی تدبیر ہے جس سے حضورِ ملکۂ معظمہ مرحومہ کا نامِ نامی ابد الآباد تک لوگوں کے دلوں سے فراموش نہو اور اُن کی نیکیاں اور خوبیاں جن سے تمام رعایائے برطانیہ مستفیض اور شاد کام ہوتی رہی ہے مسلسل طور پر زندہ اور جاری رہیں اور کونسی یادگار حضورِ ممدوحہ کی ایسی ہوسکتی ہے جو بلحاظ حالاتِ زندگی حضورِ ممدوحہ کے زیادہ موزوں و مناسب ہے۔ ہمکو امید ہے کہ جس طرح گریٹ برٹن اپنی سلطنت کی شان کے موافق حضورِ ممدوحہ کی کوئی عالیشان یادگار انگلستان میں قایم کرے گا اُسی طرح دنیا کے اُن تمام ملکوں میں جہاں حضورِ ممدوحہ کی حکومت کے عَلَم برپا تھے اور جہاں حضورِ ممدوحہ کے نائب حکمران تھے اُن ملکوں کے مقتضاے حالات کے موافق شاندار یادگاریں قایم کی جائیں گی۔ علاوہ اُن پُر شوکت اور باعظمت یادگاروں کے جو مرکزی اور ملکی گورنمنٹوں کی طرف سے قایم ہوں گی ممالکِ متحدۂ برطانیہ کی عام رعایا بھی اِس بات کی کوشش کرے گی کہ اپنی بساط کے موافق مختلف نوع کی یادگاریں قایم کرکے اُس محبت و الفت کا ثبوت دیگی جو اُس کو حضورِ ممدوحہ کی ذات سے تھی ہم اِس موقعہ پر اُن یادگاروں پر کوئی بحث کرنی نہیں چاہتے جو خود سلطنت کی طرف سے قائم کی جائیں گی بلکہ ہمارے اِس مضمون کا موضوع صرف وہ یادگار ہے جو رعایا کی طرف سے تجویز کی جائیگی۔

اِسمیں شک نہیں کہ قدرتی طور پر ایسی یادگار کے قائم کرنے میں اختلافِ رائے ہوگا۔ اور ممالکِ محروسہ میں سے ہر ملک کا

رعایا اپنے ملک کے حالات اور اپنی قومی ضروریات کے لحاظ سے ایک نئی قسم کی یادگار تجویز کریگی۔ یہہ تو پہلا اختلاف ہے۔ مگر دوسرا اختلاف وہ ہوگا جو ایک ہی ملک کی رعایا کے درمیان ہوگا ایسا اختلاف شاید کسی اور ملک میں ہو مگر ہندوستان میں اسکا ظہور پذیر ہونا بہت زیادہ ممکن ہے۔ اِس اختلاف کی وجہ یہہ ہے کہ ہندوستان میں بہت سی مختلف قومیں آباد ہیں جنکے رنگ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ جنکی شکلیں ایک دوسرے سے نہیں ملتیں۔ جنکے لباس جدا جدا ہیں جنکے مذہب مختلف ہیں جنکے رسم و رواج الگ الگ ہیں ہر قوم کے لئے اُسکی جنسیت اور اُسکی قومیت کے لحاظ سے اور اُس درجہ تمدن کے لحاظ سے جسپر وہ پہونچگئی ہے ضرورتوں کا پیمانہ بالکل جدا ہے۔ یہہ بات توبیشک ہر گروہ اور ہر قوم کے نزدیک مسلم ہے کہ وہی یادگار عمدہ اور بہتر ہے جس سے لوگوں کو فیض پہونچے اور جس کا فائدہ مدت دراز تک جاری رہے مگر اِس بات میں ضرور اختلاف ہوگا کہ وہ یادگار کس نوع کی ہو۔ مثلاً جس قوم میں تعلیم وسعت کے ساتھ پھیلگئی ہے اور جسکے افراد کے دل و دماغ علم کی روشنی سے عام طور پر منور ہوچکے ہیں وہ اِس بات کی ضرورت بہت کم رکھتی ہے کہ عام اسکولوں یا کالجوں کی طرح نئے اسکول یا نئے کالج بطور یادگار حضور ممدوحہ کے قائم کرے اُسکی بڑی ضرورت کوئی اور ہوگی۔ مثلاً وہ اِس بات پر زور دیگی کہ عام چندہ سے صنعت و حرفت کی درسگاہیں تیار کی جائیں یا زراعت اور تجارت کی تعلیم کے لیے انسٹیٹیوشن قائم کیے جائیں مگر جس قوم نے ابھی عام تعلیم میں ترقی نہیں کی ہے اور جسکے افراد زیادہ تر جاہل ہیں وہ اِس بات پر آمادگی ظاہر کریگی کہ عام تعلیم کی ترقی کے لیے جدید اسکول کھولے جائیں یا جدید کالج تعمیر کیے جائیں۔

اِس اختلاف کا فیصلہ نہایت آسانی سے ہوسکتا ہے۔ جسکی تدبیر یہہ ہے کہ اگر ہندوستان کی مختلف اقوام کا مشترک چندہ جمع ہو تو اُس سے کسی مشترک ضرورت کے پورا کرنے کا انتظام کیا جائے اور اُس سے ایسی یادگار قائم کیجائے جس سے تمام اقوام مستفیض ہوں اور جس کا فائدہ عام طور پر سب کو پہونچے۔ برخلاف اسکے جو خاص ضرورتیں ہر قوم کو اپنے خاص حالات کے لحاظ سے محسوس ہورہی ہیں اُنکے رفع کرنے کا انتظام ہر قوم کو اپنے خاص چندے سے کرنا چاہیئے۔ مثلاً اگر ہندوؤں کو عام تعلیم میں ترقی کرنے کے بعد اِس بات کی ضرورت خاص طور پر پیش آئی ہے کہ وہ صنعت و حرفت کی تعلیم کو اپنی قوم میں عام طور پر پھیلائیں یا زراعت و تجارت کی درسگاہ قائم کریں تو اُن کو اپنے قومی چندے سے

اس قسم کی درسگاہیں کھولنی چاہئیں۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کی عام خواہش یہہ ہے کہ عام تعلیم کو اُن کی قوم میں فروغ ہو اور اُسکی اشاعت کا دائرہ وسیع کیا جائے تو اُنکو جدید اسکولوں یا کالجوں کی بنیاد رکھنے کے لئے اپنی ہی قومی چندے سے مدد لینی چاہیے۔ مگر قحط کے فنڈ کو ترقی دینے کی ضرورت مثلاً ایک ایسی ضرورت ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو برابر اور یکساں طور پر محسوس ہو رہی ہے اسکے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو سر جوڑ کر کوشش کرنی اور مشترک چندہ جمع کرنے کی تدبیریں سوچنی چاہئیں۔

مخصوص قومی ضرورتوں پر بحث کرتے ہوئے ہکو اپنی قوم کی ضرورتوں کا خیال خاص طور پر مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ ہندوؤں اور پارسیوں وغیرہ اقوام کی خاص قومی ضرورتوں پر بحث کرنے کا ہکو اس قدر حق نہیں ہے جسقدر کہ ہکو اپنی قوم کے متعلق امور پر بحث کرنے کا حق ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ ہماری قوم کو جو ضرورتیں محسوس ہو رہی ہیں وہ بیشمار ہیں اور ہر ضرورت کا پورا کرنا ہم پر لازم ہے۔ مگر جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہماری قوم کے بہت کم افراد ہیں جو فیاضی کے ساتھ قومی ضرورتوں پر چندہ دینے کا شوق رکھتے ہیں اور جنکو فی الواقع ایک ضرورت کے پورا کرنے کی

ویسی ہی دلچسپی ہے جیسی کہ دوسری ضرورت کے پورا کرنے سے ہے تو ہم کسی حال میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتے کہ تمام قومی ضرورتوں اور حاجتوں کا دفتر اُنکے سامنے کھولکر رکھدیں اور اُنکو حیرانی و پریشانی میں ڈالدیں اور اُنکی اُس قلیل فیاضی کے ارادہ میں بھی تذبذب پیدا کردیں جو ایک مدت کے بعد اُن میں پیدا ہوئی ہے اور نہ ہم اس بات کو مناسب سمجھتے ہیں کہ مختلف لوگوں کے سامنے مختلف قومی ضرورتیں بیان کرکے اُن پر اپنی تقریر و تحریر کا جادو ڈالیں اور کچھ لوگوں کا چندہ تو کسی ایک ضرورت کے پورا کرنے پر لگائیں اور کچھ لوگوں کا جمع کیا ہوا روپیہ کسی اور ضرورت کے رفع کرنے میں صرف کریں اور قوم کی مجموعی طاقت اور مجموعی فیاضی کو منتشر اور پراگندہ کردیں اور ہر ضرورت کو ادھورا رہنے دیں۔ اس بنا پر ہم کو نہایت ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کرنا لازم ہے کہ ہماری قومی ضرورتوں میں سے کونسی ضرورت سب سے زیادہ مقدم ہے اور کونسی ضرورت ایسی ہے جسکے پورا ہونے کے بعد ہکو دیگر ضرورتوں کے پورا ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔ جو ضرورت سب سے زیادہ مقدم اور سب سے زیادہ اہم ثابت ہو اُسی کے پورا کرنے پر سب سے پہلے ہکو اپنی پوری طاقت صرف کرنی چاہیئے

اور جب وہ پوری ہو جائے یا پوری ہونے کے
قریب آجائے تو پھر اور ضرورتوں کے پورا کرنیکی
خواہش کرنی چاہیئے اور اس کے لئے قوم سے
چندہ طلب کرنا چاہیئے اگر ہم ایسا نہ کرینگے تو ہماری
قوم تذبذب اور پریشانی میں مبتلا ہو جائیگی۔
اور ہماری قومی طاقت ایک مرکز پر جمع نہیں
رہے گی اور ہماری کل قوتیں منتشر ہو جائیں گی
اور ہم اس قابل نہیں رہیں گے کہ اپنی کسی ضرورت کو
بھی پورا کر سکیں کیونکہ موجودہ حالت میں جسقدر
دلچسپی قومی معاملات سے ہمکو پیدا ہوئی ہے
اُسی کے اندازہ کے موافق ہم ایک قلیل فیاضی
کی جرأت کر سکتے ہیں اور فیاضی کی یہ قلیل رقم
جو قومی اغراض کے لئے ہم اپنی جیبوں سے
نکال سکتے ہیں، اگر اس کا کچھ حصہ کسی کام
میں لگا دیا جائے اور کچھ حصہ کسی دوسرے
کام میں، تو ہم کسی کام کے سرانجام ہونیکی
توقع نہیں رکھ سکتے۔ پس اگر ہم فی الحقیقت
پستی اور تنزل کے بھنور سے نکلنا چاہتے ہیں
تو ہمکو بتدریج ترقی کرنی چاہیئے اور ایک
قدم جاکر دوسرا قدم آگے بڑھانا چاہیئے
تاکہ ہماری ترقی کی ہر بنیاد مستحکم اور ہر عمارت
مکمل ہو۔ ہمکو لازم ہے کہ ترقی کی اولیات میں
جو ہم سب سے زیادہ ضروری ہے اُسپر
سب سے پہلے اپنی تمام قوتوں کا زور
ڈالیں پھر دوسری مہم پر۔ پھر تیسری مہم پر
وہیں عمل ہوا۔

ہماری قوم کے بعض اخبار یقیناً غل مچائینگے
کہ ہندوؤں کی طرح ہمکو بھی صنعت و حرفت
یا زراعت و تجارت کی تعلیم گاہیں قائم کرنی
چاہئیں۔ بعض اخبار سفارش کرینگے کہ ایک
عالیشان یتیم خانہ قائم کیا جائے بعض کچھ
اور رائے دینگے اور بعض کچھ اور۔ مگر اس
مسئلہ کا فیصلہ کہ مسلمانوں کے لئے سب سے
مقدم کونسی ضرورت ہے سرسید مرحوم
و مغفور نہایت عمدگی اور خوبی سے اپنے
مدلّل اور برجستہ مضامین میں کر چکے ہیں
اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ ان تمام باتوں کی
مسلمانوں کو بیشک ضرورت ہے مگر سب سے
مقدم ضرورت تعلیم و تربیت کی ہے۔ تعلیم
و تربیت سے زیادہ مقدم اور مہتم بالشان
کوئی چیز نہیں ہے۔ جب مسلمان عام طور سے
تعلیم یافتہ ہو جائیں گے اور اُنکے دل و
دماغ عمدہ اور پاکیزہ تربیت کی روشنی سے
منور ہو جائیں گے تو وہ قومی ضرورتوں کو
اچھی طرح محسوس کریں گے اور قومی معاملات کو
نہایت دلچسپی کی نظر سے دیکھیں گے۔ جو
ضرورت اُنکے سامنے پیش کیجائیگی اُسکی
ساتھ ہمدردی کرنے اور اُسکی اعانت میں
چندہ دینے میں کوئی رکاوٹ اور کوئی
مزاحمت پیش نہیں آئیگی۔ یہ بالکل [illegible]

کہ ہماری قوم کو تہذیب کے تمام شعبوں میں
ترقی کرنیکے ضرورت ہے اور مسلمانوں کی
طبیعتوں کو جولانیاں دکھانیکے لئے ہزاروں
وسیع میدان ہیں مگر جس قوم میں تعلیم و
تربیت عام نہ ہو اُسکے ہر کام میں رُکاوٹ
اور ہر بات میں مزاحمت ہوتی ہے اور
اصلاح و ترقی کرنے میں ہزاروں مشکلات کا
سامنا ہوتا ہے۔ قومی ضرورتوں کے محسوس
ہونے اور قومی معاملات سے دلچسپی لینے کا
درحقیقت وہی وقت ہوگا جبکہ ہماری قوم
میں تعلیم عام طور سے پھیل جائیگی اور تربیت
عالمگیر ہوگی۔ تعلیم و تربیت کے نہ ہونے سے
تمام ترقیاں بند، تمام کوششیں بیکار اور تمام
اصلاحیں ادھوری رہتی ہیں اسلئے اگر ہم
اپنا تمام زور اور اپنی پوری توجہ تعلیم و تربیت
کے مسئلہ پر صرف نہ کرینگے تو ہماری قومی
ترقی کی سب بنیادیں کمزور اور سب عمارتیں
نامکمل اور سب کام ناقص اور ادھورے
ہونگے اور قوت اور دولت کی تقسیم و انتشار
سے کوئی معتد بہ نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔ پس
ہمارا فرض ہے کہ سب سے پہلے ہم عام تعلیم
اور اعلی تعلیم کے مسئلہ پر غور کریں جسکے بغیر
کوئی قومی ترقی نہیں ہوسکتی۔ اگر ہم سرسید
مرحوم و مغفور کی اس ہدایت کو پیش نظر
رکھیں اور اس فیصلہ کو اپنی قوم کے حق
میں ناطق خیال کریں تو حضور ملکۂ معظمہ مرحومہ
کی کوئی یادگار ہمارے لئے اس سے بہتر
نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنی قوم کی تعلیم و تربیت
کے لئے وکٹوریا میموریل اسکول اور وکٹوریا
میموریل کالج قائم کریں اور جو قومی اسکول
اور کالج اب موجود ہیں اُنکی وسعت اور
تکمیل کی فکر کریں اور عام تعلیم اور اعلے تعلیم
کیلئے غریب مسلمان طلبا کی امداد کے لئے وکٹوریا
میموریل اسکالرشپ قایم کریں جب تعلیم و
تربیت عام ہوجائیگی تو زراعت و تجارت یا
صنعت و حرفت کی تعلیم گاہیں بھی خود مسلمان
نہایت آسانی کے ساتھ قایم کرلیں گے اور
غریبوں، لاوارث بچوں اور یتیموں کے لئے ورکشاپ
اور پرورش خانے بھی جلد مہیا کرلیں گے۔

(عبدالعزیز بی۔ اے)

انیسویں صدی کا خاتمہ
اور
بیسویں صدی کا آغاز

یکم جنوری کا دن بھی کیسا عجیب دن تھا کہ
جب صبح کے وقت ہماری آنکھ کھلی تو ایک
صدی ہم سے رخصت ہو چکی تھی اور دوسری
صدی مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا رہی تھی
اس تاریخ کو جو آدمی زندہ و سلامت تھے
وہ یہہ کہکر فخر کرتے تھے کہ ہم نے دو صدیاں
دیکھ لیں اور اُنکا یہہ کہنا بالکل سچ تھا۔

ہم جب انیسویں صدی کے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو حیرت کا ایک عجیب عالم طاری ہو جاتا ہے۔ گذشتہ صدیوں میں دنیا کو ایسا انقلاب نہیں ہوا تھا جیسا کہ اس صدی میں ہوا۔ اگرچہ اس صدی کے مرقع میں اگلی صدیوں کی نسبت جنگوں اور خونریزیوں کے واقعات کم دکھائی دیتے ہیں اور علمی اور عقلی ترقیوں کے جلوے زیادہ نظر آتے ہیں، تاہم یہ صدی صلح و آشتی اور امن و امان ہی میں نہیں گزری بلکہ چھوٹی بڑی لڑائیاں برابر ہوا کیں ملکوں کی حدیں بھی بدلتی رہیں فتنہ و فساد کی آگ بھی مشتعل ہوا کی۔ اور قوموں کی ترقی و تنزل کے تماشے بھی برابر نظر آیا کئے۔ یورپ میں نپولین بوناپارٹ نے جو ہنگامے برپا کئے اور بجلی کی سی سرعت اور تیزی کے ساتھ جو حملے اس نے یورپ کے ملکوں پر کئے اور جو تہلکہ اس نے تمام سلطنتوں میں ڈالا اور جو عبرت خیز انجام اسکا واٹرلو کے میدان میں ہوا، اس کا تصور جب ہم کرتے ہیں تو بدن پر خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم جنگ کریمیا اور جنگ فرانس و جرمن اور جنگ روم و روس کی تاریخیں مطالعہ کرتے ہیں جو اسی صدی میں ہوئیں تو ہماری آنکھوں کے سامنے وہ خوفناک میدان جنگ پھر جاتے ہیں جنہیں توپوں کی گرج، تلواروں کی چمک، بندوقوں کی آتش فشانی اور خون کی بارش سے ایک قیامت خیز سماں دکھائی دیتا ہے۔ ہندوستان میں غدر سنہ ستاون کا ہنگامہ بھی اسی صدی کی یادگار ہے جسکے بعد سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہوا اور ہمارے ملک کی عنان حکومت کمپنی کے ہاتھ سے نکلکر حضور ملکہ معظمہ کے ہاتھ میں آئی امریکا اور اسپین کی بحری جنگ تو ابتک ہمارے حافظہ میں تازہ ہے جسکے بعد اسپین والوں کی رہی سہی طاقت کو بھی زوال ہو گیا اور اس کا علم ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو گیا چھوٹی بڑی لڑائیوں سے قطع نظر کرکے جنگ ٹرنسوال کو دیکھئے تو یہ بھی ایک خوفناک معرکہ تھا جس نے جنوبی افریقہ کے میدان کارزار میں خون کے دریا بہا دیئے اور جسکی دبی ہوئی چنگاریاں ابھی تک سلگ رہی ہیں اور کبھی کبھی تیزی کے ساتھ بھڑک اٹھتی ہیں۔ مسلمانوں کی جنگی اور ملکی طاقتوں کا زوال بھی اس صدی کے افسوسناک واقعات میں سے ہے۔ ٹیونس اور الجزائر پر فرانسیسیوں کا تسلط ہو جانا۔ یونان۔ کریٹ، بوسینیا۔ ہرزیگووینا۔ مانٹی نگرو۔ بلغیریا۔ سرویا مالڈیویا اور رومانیا وغیرہ صوبوں کا سلطنت عثمانیہ سے جدا ہو جانا بھی ان واقعات میں سے ہے جن پر ہمیشہ مسلمان آنسو بہائیں گے۔ ان تمام جنگوں اور خونریزیوں ا[illegible]

اور حالتوں کے مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ دُنیا کے نقشے کو اُٹھا کر دیکھیں تو وہ بہ نسبت اٹھارہویں صدی کے نقشے کے بہت کچھ بدلا ہوا نظر آئیگا۔ مگر نقشے میں آپکو وہی تبدیلیاں نظر آسکتی ہیں جو ملکوں کی وسعت اور حدود میں ہوئیں۔ تمدنی انقلاب دکھائی نہیں دینگے۔ اس صدی میں یورپ اور امریکا نے جو نئی نئی باتیں دریافت کیں اور جو نئی نئی چیزیں ایجاد کیں اگر انکی تفصیل لکھی جائے تو ایک ضخیم کتاب کئی جلدوں میں تیار ہو سکتی ہے ریل اور تار برقی اسی صدی کے معجزنما کرشمے ہیں جن سے دنیا میں ایسا تمدنی انقلاب پیدا ہوا ہے کہ اگر اُس کا فرنچ روولیوشن سے مقابلہ کیا جائے تو اسکے سامنے اُسکی کچھ ہستی نہیں ہے۔ دُخانی جہازوں کا سمندر پر سفر کرنا بھی اسی صدی کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ غباروں میں سوار ہو کر آسمان پر چڑھنا اور انکو اپنی مرضی کے موافق ہر طرف لیجانا بھی اسی صدی کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ گیس کی روشنی بھی اسی صدی میں دریافت ہوئی اور اُسکے ذریعہ سے بہت سے شہر منور کئے گئے۔ فوٹوگرافی کا فن بھی اسی صدی میں کمال کو پہونچا اور اُسکی مدد سے طبیعیات اور فلکیات میں ترقیاں ہوئیں۔ شارٹ ہینڈ رائٹنگ یعنے مختصر نویسی کا طریقہ بھی

اسی زمانہ کی ایجاد ہے جسکی مدد سے اسپیکروں کی اسپیچیں نہایت سرعت کے ساتھ قلمبند ہو سکتی ہیں۔ مصر کے وہ قدیم حروف بھی جو پہلے تصویریں اور بیل بوٹے خیال کئے جاتے تھے اور جنکو ہیروگلیفکس کہتے ہیں اسی صدی میں پڑھے گئے اور اُنکی مدد سے مصر کی نہایت قدیم زمانہ کی تاریخ لکھی گئی اسکے علاوہ کپڑا بُننے کپڑا سینے اور چھاپنے کی دخانی کلیں بھی اسی صدی میں ایجاد کی گئیں اِس صدی کے اخیر حصہ میں بجلی کی ہزاروں کلیں تیار کی گئی ہیں اور جو کام پہلے بھاپ سے لیا جاتا تھا اب بجلی سے لیا جاتا ہے۔ مثلاً ریلیں اور جہاز بجلی سے چلائے جاتے ہیں ہر قسم کی کلیں بجلی کی مدد سے کام دیتی ہیں۔ بجلی کی روشنی سے گیس کی روشنی کی جگہ کام لیا جاتا ہے۔ ایک ایسی روشنی بھی دریافت کی گئی ہے جسکے ذریعہ سے ہم انسان کے اندرونی اعضا کی تصویر کھینچ سکتے۔ فونوگراف جس میں بولنے والوں کی باتیں بند کر کے دوبارہ سُنی جا سکتی ہیں۔ ٹیلیفون اور بے تار کے خبر رسانی کا طریقہ بھی اِسی صدی کی تعجب انگیز اور نادر ایجادیں ہیں۔ عرضکہ یہ صدی عجائبات کی صدی کہلاتی ہے اور اُس نے دنیا کو ایسے ایسے عجیب قدرت کے راز کھولکر دکھائے ہیں کہ تمام دنیا دنگ ہو گئی ہے

اس صدی میں مسلمانوں کی کیا حالت رہی ؟ یہہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب نہایت دل خراش ہے۔ مسلمانوں کی ملکی اور جنگی طاقت کے زوال کا اس مضمون میں ہم ابھی اشارہ کر چکے ہیں۔ علمی اور تمدنی حالت بھی نہایت پست اور ادنی ہے۔ اُنکی تعداد بیشک دنیا کے ہر حصے میں ترقی کر رہی ہے اور افریقہ اور ایشیا میں بہت زیادہ تعداد کے لوگ مسلمان ہوتے جاتے ہیں مگر اس سے یہہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُنکی تمدنی حالت بھی ترقی کی طرف میلان رکھتی ہے۔ اس صدی میں مسلمانوں نے سوائے اِسکے کہ کافرستان کا چھوٹا سا پہاڑی ملک امیر عبد الرحمن خان فرمانروائے افغانستان کے زیر نگین آگیا ہے یا سلطان عبد الحمید خاں کی فوج نے یونان کے ایک چھوٹے سے حصہ پر قبضہ کر لیا ہے اور کوئی ملک فتح نہیں کیا۔ بر خلاف اِسکے بہت سے زرخیز اور وسیع ملک اُنکے دائرۂ حکومت سے نکل گئے ہیں۔ مسلمانوں کی جنگی اور فوجی طاقت کا بھی اسی افسوسناک واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے تمدنی حالت مسلمانوں کی تمام دنیا میں تقریباً یکساں طور پر پستی کی طرف جا رہی ہے۔ علمی حالت یہہ ہے کہ علوم قدیمہ کو زوال آگیا ہے اور علوم جدیدہ کا چرچا ابتک اُنمیں نہیں پھیلا

ہے۔ یہہ عام پستی اور تباہی اور ادبار کی نشانیاں جو اطراف و اکناف عالم کے رہنے والے مسلمانوں میں دیکھی جاتی ہیں اُن پر ایک نظر ڈالکر سوچنے والونکے دل میں یہہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اُن قوموں کے اختلاف کے جو سایۂ اسلام میں زندگی بسر کرتی ہیں اور باوجود آب و ہوا کے اُس اختلاف کے جس میں مسلمانوں کی مختلف قومیں بود و باش رکھتی ہیں، ہر ملک اور ہر آب و ہوا اور ہر قوم کے مسلمان کیوں یکساں ادبار کی حالت میں پائے جاتے ہیں اور وہ کونسا مشترک اور ایک سبب ہے جس نے بدبختی اور پستی کی حالت میں اُنکو یکساں طور پر مبتلا کر رکھا ہے ؟ یہہ ظاہر ہے کہ مذہب کے سوا کوئی ایسی مشترک چیز نہیں ہے جو مسلمانوں کو علی العموم ایک ہی زنجیر میں مسلسل کرتی ہو اور جب یہہ سبب قرار پا جائے تو ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ مذہب نہ تھا جس نے مسلمانوں کو گذشتہ زمانے میں ترقی کے سب سے بلند مرتبہ پر پہونچا دیا تھا اور کیا وہ مذہب نہ تھا جس نے مسلمانوں کو سیف و قلم دونوں کا مالک بنا دیا تھا، اب اُس مذہب پر کیا اُفتاد پڑی کہ اُس نے دنیا کے تمام مسلمانوں

یکساں طور پر تنزل میں مبتلا کر دیا ہے اور اُنکی تباہی اور ذلت کی کوئی حد نہیں رہی؟ اِس کا جواب یہہ ہے کہ بیشک وہ مذہب ہی تھا جس نے مسلمانوں کو اوج کمال پر پہونچا دیا تھا اور وہ بھی مذہب ہی ہے جس نے اُنکو ادبار کے عمیق اور تاریک غار میں دھکیل دیا ہے۔ مگر فرق یہہ ہے کہ وہ مذہب جو مسلمانوں کی ترقی کا باعث ہوا خالص اور بے میل اور پاک وصاف تھا اور یہہ مذہب جو آجکل مسلمانوں کی تباہی کا ذمہ دار ہے اُس سے بالکل جدا اور مختلف قوموں کی رسم ورواج اور تعصبات اور اوہام واباطیل کا مجموعہ ہے پس مسلمانوں کے تنزل کا باعث یہہ رسمی اسلام ہے، نہ کہ وہ ٹھیٹھ اسلام جو ترقی کا حامی اور تعصب کا دشمن تھا۔ یہی ایک نکتہ تھا جو سر سید احمد خاں مرحوم نے پا لیا تھا اور اسی بنیاد پر اُنھوں نے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ مرحوم نے مسلمانوں کی ترقی اور اصلاح حالت کے لئے جدید تعلیم سے بڑھکر کسی تدبیر کو موثر اور مفید نہیں پایا اُنھوں نے مسلمانوں میں مغربی تعلیم کی بنیاد ڈالی۔ اس تدبیر کے عمل میں لاتے ہی اُنھیں معلوم ہوا کہ وہ رسمی مذہب جس میں آجکل کے تمام مسلمان معتقد ہیں اُنکو علوم جدیدہ کی تعلیم سے روکے گا اور ترقی کا ایک قدم آگے بڑھانے نہیں دے گا اور اگر کچھہ مسلمان علوم جدیدہ سے واقف ہوئے تو اُس رسمی مذہب کو دیکھکر اُنکے دل میں یہہ خیال پیدا ہوگا کہ ہمارا مذہب علوم جدیدہ کے مقابلہ میں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں ٹھیر سکتا۔ پس کیا وجہ ہے کہ ہم ایسے مذہب کے پابند رہیں جو روشنی کا مخالف اور ترقی کا دشمن ہو۔ اِس خیال کے آتے ہی وہ اسلام سے برگشتہ اور منحرف ہوجائیں گے۔ سر سید مرحوم نے جب اِن تمام باتوں کو دل میں سوچ لیا تو اُنھوں نے قرآن مجید کی ایک نئی تفسیر لکھنی شروع کی اور تعصبات واوہام کے اُن تمام پردوں کو اُلٹ کر جو اسلام کے خوبصورت چہرے پر ڈالے گئے تھے، یہہ دکھانا شروع کیا کہ اسلام کی اصلی اور ٹھیٹھ تعلیم کیا ہے اور وہ تعلیم کسی طرح علوم جدیدہ کی دشمن اور ترقی کی مخالف نہیں ہے۔ یہہ سچ ہے کہ نادان مسلمانوں نے اُنکے رفارم کی سخت مخالفت کی مگر حق چھپا نہیں رہا اور کبھی چھپا نہیں رہ سکتا۔ جہاں بیشمار صدائیں مخالفت کی بلند ہوئیں، وہاں کچھہ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے اُنکی آواز پر کان لگائے اور

اسلام کے اُس پاک و صاف چشمے تک پہو نچنگے جو اگرچہ عوام کی نظروں سے اوجھل تھا مگو کدورت اور کثافت اُسمیں نام کو نہ تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ انیسویں صدی میں جس طرح مسلمانوں کو تنزل ہوا کیا بیسویں صدی میں بھی اُنکی یہی حالت رہیگی اور کیا وہ ترقی کے اُس بلند مرتبہ پر نہیں پہونچیں گے جسپر وہ ایک زمانہ میں پہونچ چکے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہہ امر واضح اور ثابت ہو چکا کہ مسلمانوں کے موجودہ تنزل کا باعث سوائے رسمی مذہب کے اور کچھ نہیں ہے اور اُنکی ترقی علوم جدیدہ کے حاصل کرنے پر منحصر ہے اور جب تک مسلمان رسمی مذہب کو چھوڑکر ٹھیٹھ اور اصلی مذہب اسلام کی طرف رجوع نہ کریں، یہ ترقی اُنکے لئے ناممکن ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ ایسا کریں گے بھی یا نہیں؟ اس سوال کے جواب پر غور کرنے کے لئے ہمکو اُن ملکوں پر نظر ڈالنی چاہیئے جہاں مسلمان آباد ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان دو قسم کے ملکوں میں آباد ہیں۔ ایک تو وہ ملک ہیں جہاں خود مسلمانوں کی عملداری ہے۔ دوسرے وہ ملک ہیں جہاں مغربی سلطنتیں حکمراں ہیں۔ پہلی قسم کے ملکوں میں مسلمانوں کو کامل آزادی نہیں ہے جس سے وہ اس بات پر مجبور ہیں کہ اپنی موجودہ حالت پر قانع رہیں۔ دوسری قسم کے ملکوں میں اُنکو کامل آزادی بھی ہے اور اُنکے لئے مغربی علوم کے حاصل کرنے کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ اِن ملکوں میں ایسے مسلمان رفارمر بھی موجود ہو گئے ہیں جو اُنکو ٹھیٹھ اسلام سے واقف کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ علوم جدیدہ اور مذہب اسلام میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ اور اصلی اور حقیقی اسلام ترقی کا مانع اور شائستگی و تہذیب کا دشمن نہیں ہے۔ اِن ملکوں کے مسلمان رفتہ رفتہ ترقی کریں گے اور روشنضمیر اور تعلیم یافتہ اور مہذب کہلائیں گے۔ پس مسلمانوں کی ترقی ایسے ہی ملکوں سے شروع ہوگی جہاں مغربی حکومتیں فرمانروا ہیں اور بتدریج اُن کا اثر اُن ملکوں پر بھی پڑیگا جہاں مسلمانوں کی عملداری ہے۔ یہ ترقی ہمارے نزدیک بیسویں صدی کے انجام تک ظہور پذیر ہوگی اور انیسویں صدی کے خاتمے پر جو مسلمان موجود ہیں اُنمیں اور اُن مسلمانوں میں جو بیسویں صدی کے انجام پر ہونگے زمین آسمان کا فرق ہوگا

اس وقت کے مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم عام طور پر پھیلی ہوئی ہوگی اور خود مسلمان علوم جدیدہ میں ماہر ہونگے اور اُنکے تربیت یافتہ اور شائستہ ہونے میں کوئی کمی نہیں پائی جائیگی۔ ہندوستان اور مصر وغیرہ ملکوں میں جو ایک گروہ ایسے مسلمانوں کا پیدا ہوگیا ہے جو رسمی مذہب کو چھوڑکر ٹھیٹھ اسلام کی طرف راغب ہیں اور جو جدید تعلیم کو نہایت کوشش اور سرگرمی سے حاصل کر رہے ہیں، اُنکے خیالات کا اثر رفتہ رفتہ پھیلتا جاتا ہے اور باقی مسلمان بھی اُنکے فیضِ صحبت سے متاثر ہوتے جاتے ہیں۔ ایسی انجمنیں اور مجلسیں بھی قائم ہوتی جاتی ہیں جو مسلمانوں کو تعلیم و تربیت کی طرف مائل کرتی ہیں اور اور ایسی کتابیں بھی تصنیف ہوتی ہیں، جن میں مسلمانوں کو علومِ جدیدہ کے حاصل کرنے کا شوق دلایا جاتا ہے اور جن میں یہ امر ثابت کیا جاتا ہے کہ علومِ جدیدہ اسلام کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہونچا سکتے اور ایسے اخبار اور رسالے بھی شائع ہو رہے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں روشن ضمیری اور اعلےٰ تربیت کی اشاعت ہو اور ایسے لکچر اور اسپیچیں بھی دی جاتی ہیں جن سے مسلمانوں کو شائستگی اور تہذیب کے طریقے اختیار کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے

اِن تمام آثار سے بقول ایک یورپین مصنف کے یہ پایا جاتا ہے کہ "اسلام برابر جنبش اور حرکت میں ہے اور آگے کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ مسلمانوں کے اُفق پر ترقی کے نئے ستارے طلوع ہو رہے ہیں اور امید ہے کہ رفتہ رفتہ اُنکی روشنی تمام دنیائے اسلام پر محیط ہو جائیگی" ہمکو انیسویں صدی کی نسبت بیسویں صدی میں مسلمانوں کی ترقی کی زیادہ امید رکھنی چاہیئے اور ہمیشہ خدا کے اِس پاک کلام کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ اے مسلمانو تم کبھی مایوس اور ناامید نہ ہونا کیونکہ سوائے اُنکے جو خدا کے وجود اور اُسکی صفات کے منکر ہیں کوئی بھی ناامید نہیں ہوسکتا۔ (ایک لبرل مسلمان)

ابراہیم موصلی

عباسیوں کے زمانے کا مشہور مغنی ہے۔ اُسکے آبا و اجداد ایرانی تھے، جو بنی امیہ کے عہدِ حکومت میں ایران کے ایک گورنر کے ظلم و ستم سے تنگ آکر کوفہ میں آبسے تھے۔ باپ کا نام ماہان تھا۔ اُسنے ایران کی ایک بڑی جمال نازنین سے

جو اسی زمانے میں جلاوطن ہو کر کوفہ
میں آئی تھی، نکاح کر لیا۔ ۱۲۵ ہجری میں
اُسکے بطن سے ابراہیم پیدا ہوا۔ ابراہیم
دو یا تین سال کا تھا کہ ماہان نے اس
دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت کی
اُس وقت بنی تمیم میں سے ایک خاندان
جو آلِ خزیمہ کے نام سے مشہور تھا،
کوفہ کے اُسی محلہ میں آباد تھا جہاں ماہان
اور اُسکے عزیز و اقارب رہتے تھے۔
اُنھوں نے خدا ترسی سے ابراہیم کی
پرورش کا ذمہ لے لیا اور وہ اسی خاندان
میں تربیت پاکر جوان ہوا اور تمیمی کے
لقب سے مشہور ہو گیا۔

ابراہیم کو موصلی اسلئے کہتے
ہیں کہ ایامِ شباب میں اُسکو گانا سیکھنے کا
شوق ہوا اور وہ کوفہ کے مشہور
مغنیوں کی صحبت میں آنے جانے لگا
اُسکے عزیزوں نے چشم نمائی کی تو وہ
بھاگ کر موصل میں جا رہا۔ یہاں آکر
اُس نے ایک مہ جبین عورت سے جسکا
نام دوشار تھا شادی کرلی۔ اسکے بعد اُس نے
ایک اور شادی کی اور یہ شادی جس
نازنین سے ہوئی اُسکا نام شاہک تھا۔
یہ دونوں نوجوان اور حسین عورتیں ایرانی
تھیں۔ پہلی بیوی سے غالباً کوئی اولاد
نہیں ہوئی مگر دوسری بیوی سے
دولتِ عباسیہ کا نامور مغنی اسحٰق موصلی
اور اُسکے سوا کئی اور بچے پیدا ہوئے
موصل میں آکر اُس نے موسیقی کے فن
میں جسکے لیے قدرت نے اُسکو نہایت
موزوں پیدا کیا تھا، کمال حاصل کیا۔
ابراہیم کے زمانے میں کوئی مغنی اس
فن میں اُسکے ساتھ ہمسری کا دعویٰ
نہیں کر سکتا تھا۔ اس فن میں اُسکو زریاب
کا شاگرد بنایا جاتا ہے جو نہایت مشہور
عالمِ موسیقی تھا اور جس نے بہت سی نئی
راگنیاں ایجاد کیں۔

ابراہیم خود بیان کرتا ہے کہ مجھے
موسیقی میں کمال پیدا کرنے کا شوق
اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ خراسان
میں گیا اور شہر رے میں ایک شخص کے
پاس ٹھہرا جو میرا دوست تھا۔ اتفاقاً
رے کے گورنر کے پاس منصور کی طرف سے
اُس کا ایک غلام فرمان لیکر آیا۔ اُس نے
میرے گانے کا چرچا سنا تو اُسکے دل
میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میرا گانا سنے
جب میں نے دو چار راگنیاں گا کر اُسکو
سنائیں تو اُس نے خوش ہو کر مجھکو
ایک قیمتی پوستین مجھے انعام میں دیا
اسکے بعد وہ فرمان کا جواب لیکر چلا گیا

اور جب دوبارہ واپس آیا تو لوگوں نے سات ہزار درم اور بہت سے جوڑے خلعت کے اُسکو عنایت کیئے۔ خلعت و انعام لیکر وہ میرے پاس آیا اور تین دن تک میرا گانا سنتا رہا۔ چلتے وقت اُس نے دو ہزار درم اور آدھے جوڑے خلعت کے مجھکو انعام کے طور پر دیئے یہ پہلی دفعہ ہے کہ میں نے گانے پر انعام پایا۔ میں نے اپنے دل میں قسم کھالی کہ میں اس روپیہ کو گانا سیکھنے کے سوا کسی اور کام پر صرف نہ کروں گا کیونکہ آج اُسی کی بدولت یہ فتوحات ہوئی ہے۔

سب سے پہلے جس خلیفہ نے میرا گانا سُنا وہ مہدی تھا۔ لوگوں نے اُسکے سامنے میری تعریف کی۔ میں اُس وقت عیسے بن سلیمان کی خدمت میں رہتا تھا مہدی نے مجھے اپنے پاس بُلالیا۔ مجھے نبیذ پینے کی عادت تھی اور مہدی کا حکم تھا کہ میں کبھی نبیذ نہ پیوں میں اپنی عادت سے مجبور تھا اور کئی کئی دن تک غائب رہتا تھا اور دوستوں کی صحبت میں عیش منایا کرتا تھا اور جب مہدی طلب کرتا تو بدمستی ہی کی حالت میں اُسکے سامنے چلا جاتا تھا ایک دن اُس نے غضبناک ہو کر مجھے تازیانوں سے پٹوایا اور قید خانے میں بھجوا دیا۔ قید سے سوا لے تنگی اور پریشانی کے اور کیا فائدہ ہو سکتا تہا۔ مگر اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے لکھنا پڑھنا اچھی طرح سیکھ لیا۔ ایکدن اُس نے پھر اپنے سامنے بلوایا اور دھمکایا کہ اگر عام لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا اور نبیذ پینا ترک نہ کرے گا تو میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! میں نے گانے کا فن اس لئے سیکھا ہے کہ دوستوں کی صحبت میں بیٹھکر اُس سے لطف اُٹھاؤں۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ میں یاران جلسہ کو خیر باد کہدوں تو اِس فن کو اور نبیذ پینے کو ایک ساتھ ترک کر دیتا۔ مہدی نے جب میرا جواب سُنا تو غصہ سے تیوری پر بل ڈالکر کہا کہ خیر کم سے کم ہارون اور موسےٰ کے پاس تو جانا ترک کرنا پڑے گا۔ یہ دونوں شاہزادے نبیذ پینے میں بدنام تھے۔ میں نے کہا کہ امیر المومنین یہ بات مجھکو بسر و چشم منظور ہے۔ مہدی نے کہا کہ اگر تو بھولے سے بھی کبھی اُنکے پاس جا نکلا اور میں نے یہ خبر سُن پائی تو تیرے ساتھ بُری طرح سے پیش آؤنگا میں اُنکے پاس نہ جانے کا اقرار کرکے واپس چلا آیا اور قید سے نجات پائی۔

اِس واقعہ کے بعد سے شاہزادوں کے پاس جانا بالکل ترک تو نہیں کیا مگر کبھی کبھی خفیہ طور پر اُنکی مجلس میں شریک ہوتا رہا۔ ایک دفعہ ابان نے جو شاہزادوں کا غلام تھا مہدی کو میری آمد و رفت کی خبر کر دی۔ مہدی نے مجھے بُلا کر تین سو تازیانوں کی سزا دی۔ پھر قید کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اِس دفعہ قید خانے میں سخت تکلیف اُٹھائی۔ اور اُسی قید کی حالت میں میں نے چند اشعار کہے جنکا مضمون یہ ہے کہ "جاڑے کی لمبی اور تاریک راتوں میں صبح تک تارے گنتا رہتا ہوں۔ میرے پاؤں میں بھاری بھاری بیڑیاں ہیں جنکی تکلیف مجھے جھیلنی پڑتی ہے۔ ایک ذلت کی جگہ میں جو فی الواقع بُری جگہ ہے میں سخت سے سخت تکلیفیں جھیلتا اور اُنپر صبر کرتا ہوں۔ آزادی کے زمانے میں میرے بہت سے دوست تھے مگر قید کی حالت میں تو بہت کم دوست دکھائی دیتے ہیں۔ جب مصیبت کے زمانے نے طول کھینچا تو دوست بھی ملول ہو کر جدا ہو گئے اب بھلا ایک دوست دوسرے دوست سے کیا توقع رکھ سکتا ہے۔

کچھ مدت کے بعد مہدی نے پھر رہائی کا حکم دیا اور مجھے نہایت سخت قسمیں دیکر کہا کہ خبردار آیندہ شاہزادوں کے جلسے میں کبھی شریک نہ ہونا اور نہ اُنکو اپنا گانا سنانا اور نہ اُنکے ساتھ نبیذ پینا۔

ابراہیم کے اِس دفعہ رہا ہونے کا سبب مورخوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ مہدی نے رقص و سرود کی مجلس مرتب کی۔ عین اُسوقت میں جبکہ نبیذ کا دَور چل رہا تھا ابراہیم کی عرضی مہدی کے سامنے پیش کی گئی جسمیں چند اشعار بھی تھے اور اُن کا مضمون یہ تھا کہ "کاش میرے دوستوں اور ہمایوں کو کوئی میرا یہ پیغام جاکر سناوے کہ اے عیش پرستو تمکو بارش کے وقت گلاب کے پھولوں کی خوشبو پر نبیذ کے پے درپے جام پینا مبارک ہو۔ مگر ایک نظر مجھکو بھی دیکھو کہ میں دوستوں سے تنہا اور تکلیفوں اور مصیبتوں کے ہجوم میں گھرا ہوا ہوں۔ شاید کوئی ایسا بھی ہو جسکی آنکھیں خشک ہوں مگر میری آنکھیں تو برابر سیلاب اشک بہا رہی ہیں"۔ مہدی نے اِن اشعار کو پڑھا تو اُسپر نہایت رقت طاری ہوئی اور اُس نے فوراً ابراہیم کی رہائی کا حکم دیا۔

مہدی کے بعد جب ہادی تخت نشین ہوا

تو ابراہیم بغداد سے غائب ہو گیا۔ اُسکو غائب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مہدی نے اُسکو سخت سخت قسمیں دیکر کہا تھا کہ موسیقی پینے ہادی اور ہارون کے پاس نہ جانا۔ ہادی نے جو موسیقی کا قدر دان اور ابراہیم کے اِس فن میں باکمال ہونے سے اچھی طرح واقف تھا اُسکے تلاش کرانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ ابراہیم کو آخرکار دربارِ خلافت میں پھر جگہ ملی اور اُسکو اپنے فن کے چمکانے کا نہایت عمدہ موقع ہاتھ آیا۔ اُس نے اپنے فن کی بدولت ایک دن میں ڈیڑھ لاکھ دینار انعام پایا۔ اُس کا بیٹا اسحٰق بیان کرتا ہے کہ اگر ہادی زندہ رہتا تو ہم اپنے گھر کی دیواریں سونے چاندی کی بنوا لیتے۔ علاوہ تنخواہ اور جائداد کی آمدنی اور معمولی انعاموں کے میرے باپ کو جو نقد روپیہ ہاتھ آیا اُسکی تعداد (۲۴۰۰۰۰۰۰) دو کروڑ چالیس لاکھ درم سے زیادہ تھی۔ دس ہزار درم ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ جیسی آمدنی افراط سے تھی ویسا ہی خرچ بھی تھا۔ مہمانوں کے لئے ہر وقت کھانا تیار رہتا تھا۔ ہر روز تین بکریاں باورچی خانے کے لئے آتی تھیں۔ ایک بکری کا گوشت تو دیگ میں چڑھایا جاتا تھا اور ایک بکری کا گوشت صاف کرکے علیحدہ رکھا جاتا تھا اور ایک بکری زندہ باورچی خانے میں بندھی رہتی تھی۔ جب مہمان آتے تو دیگ کا گوشت اُتار لیا جاتا اور مہمانوں کے سامنے لایا جاتا تھا اور صاف کیا ہوا گوشت دیگ میں چڑھا دیا جاتا تھا۔ زندہ بکری کو ذبح کرکے اور اُس کا گوشت صاف کرکے رکھدیا جاتا تھا اور ایک اور زندہ بکری باورچی خانے میں باندھ دی جاتی تھی غرضکہ مہمان نوازی پر تیس ہزار درم ماہوار کی رقم خرچ ہوتی تھی۔ ہمارے عزیز اور رشتہ دار گانا سیکھنے کے لئے اپنی کنیزوں کو ہمارے گھر میں بھیجدیا کرتے تھے۔ جب تک وہ تعلیم پاتیں، ہمارے ہی گھر پر رہتی تھیں۔ ایک وقت ایسی کنیزوں کی تعداد اسی کے قریب ہو گئی۔ انہیں سے ہر کنیز کو کھانا اور کپڑا ہمارے ہی گھر سے دیا جاتا تھا اور جب کوئی تعلیم پاکر واپس جاتی تھی، تو میرا باپ اُسکو بہت سا روپیہ اور کپڑوں کے قیمتی جوڑے دیتا تھا۔ اسی شاہانہ خرچ کے سبب سے جب میرے والد کا انتقال ہوا تو اُس کے ذمے

سات سو دینار قرضہ تھا جسکو میں نے ادا کیا اور اُس وقت گھر میں تین ہزار دینار کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔

ابراہیم کے گھر میں خود اسکی متعدد کنیزیں تھیں جنکو گانا سکھایا جاتا تھا اور جب وہ موسیقی کے فن میں مہارت پیدا کر چکی تھیں تو اُنکو فروخت کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک کنیز چھتیس ہزار دینار کو ہارون رشید کے ہاتھ فروخت کرنی چاہی مگر ہارون نے چاہا کہ ابراہیم اصل قیمت سے چھ ہزار دینار کم لے۔ جب ہارون نے یہ پیغام اپنے وزیر فضل بن ربیع کی معرفت کہلا بھیجا تو ابراہیم نے کہا کہ اگر امیرالمومنین کی یہی مرضی ہے کہ اِس کنیز کو کم قیمت پر حاصل کریں تو میں چھ ہزار کی جگہہ بارہ ہزار دینار کم کرنے کو تیار رہوں جب یہہ جواب فضل نے ہارون کو جاکر سنایا تو اُس نے شرمندہ ہوکر کہا کہ جاؤ اُسکو پوری ہی قیمت ادا کردو۔ ایک معمولی آدمی ہوکر اِسقدر استغنا اُسکے مزاج میں کہاں سے آیا ہارون نے جس وقت قیمت کے کم کرنے کا پیغام ابراہیم کے پاس بھیجا تھا اُس وقت اسحٰق موجود تھا۔ اُس نے کہا کہ ابا جان! بارہ ہزار کی رقم تھوڑی نہیں ہوتی۔ یہہ آپ کیا غضب کرتے ہیں آپ کو پوری ہی قیمت لینی چاہیئے۔

ابراہیم نے کہا کہ بیٹا تم بالکل احمق ہو تم یہہ نہیں جانتے کہ اگر میں پوری ہی قیمت لینے پر راضی ہوں تو ہارون اپنی طبیعت پر جبر کرکے پوری قیمت تو بھیجدیگا مگر اسکے ساتھ ہی وہ مجھ سے ناخوش بھی ہوگا اور اپنے دل میں کینہ بھی رکھیگا اور اُسکی نظر میں میری قدر اور وقعت بھی کم ہو جائیگی۔ موجودہ حالت میں میں نے گویا اُسپر اور اُسکے وزیر فضل پر احسان کیا اور اُن دونوں کو خوش بھی کر دیا اور میری وقعت اور عزت بھی اُنکی نظروں میں زیادہ ہوگئی۔ اسحٰق کہتا ہے کہ جب چھتیس ہزار دینار کی پوری رقم ہمارے گھر میں پہونچی تو میرے باپ نے میری طرف خطاب کرکے کہا کہ کیوں بیٹا! اب بتاؤ کہ تمہاری راے درست تھی یا میری راے؟ میں نے کہا کہ ابا جان! آپ ہی کی راے بہت درست تھی۔

ابراہیم نے مہدی اور ہادی اور ہارون رشید تینوں خلفا کے دربار میں عزت حاصل کی اور اُن میں سے ہر ایک نے اُسکے فن کی داد دی اور

اسکو انعام سے مالا مال کیا۔ مگر تین دفعہ وہ قید خانے میں بھی بھیجا گیا۔ دو دفعہ تو مہدی کے زمانے میں اور ایک دفعہ ہارون رشید کے زمانے میں۔ ہارون نے کسی بات پر خفا ہوکر اُس کو رقہ کے جیلخانے میں بھیجدیا تھا اور کچھ مدت تک وہ اسی جیلخانے میں رہا۔ ایک دن ہارون نے عیش و نشاط کی مجلس مرتب کی جب نبیذ کا دُور چلنے لگا اور مجلس گرمائی تو اُس نے عیسیٰ بن جعفر سے پوچھا کہ کیوں عیسے! اس جلسے میں تمھارے نزدیک کوئی کمی تو نہیں ہے؟ عیسے نے کہا کہ امیر المومنین جس جلسے کا آپ خود اہتمام کریں اُس میں کمی کیونکر ہوسکتی ہے مگر ایک کمی البتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس جلسے میں ابراہیم موصلی موجود نہیں ہے جو موسیقی کا کامل اُستاد ہے اور جو اپنے دلفریب نغموں سے حاضرین کو بہت محظوظ کرسکتا ہے ہارون نے فوراً ابراہیم کے لئے رہائی کا حکم جاری کیا اور اُسی وقت جلسے میں لایا گیا۔ مگر اس طرح کہ اُسکے ہاتھوں میں ہتکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں بیڑیاں اور ہتکڑیاں کاٹی گئیں اور عود اُسکے ہاتھ میں دیا گیا۔ جب اسنے عود بجانا اور گانا شروع کیا تو تمام مجلس گرما گئی۔ اور ہارون نے خوش ہوکر کہا کہ ابراہیم! تو نے جس طرح اپنی خوش الحانی اور موسیقی دانی سے آج ہمکو محظوظ کیا ہے، اسی طرح ہم تجھکو انعام دیکر محظوظ کرینگے۔ اسحٰق کا بیان ہے کہ دوسرے دن صبح کو دو لاکھ درہم خلیفہ کی طرف سے ہمارے مکان پر پہنچ گئے

ابن جامع جو اُس زمانے کا ایک نہایت مشہور مغنی تھا، اُس نے ایکدن ابراہیم سے کہا کہ میں نے آج خواب میں دیکھا ہے کہ میں اور تم دونوں ایک اونٹ پر سوار ہونا چاہتے ہیں تم تو سوار ہونے کے وقت اُس اونٹ کے ایک پہلو سے جھکتے جھکتے زمین پر جا پہونچے ہو اور میں دوسرے پہلو سے اُچھل کر اُسکے کوہان پر جا پہونچا ہوں غالباً اسکی تعبیر یہی ہوگی کہ میں موسیقی کے فن میں تم پر سبقت لیجاؤں گا۔ ابراہیم نے کہا کہ تمھارا خواب تو سچا ہے مگر اسکی تعبیر صحیح نہیں ہے۔ صحیح تعبیر یہ ہے کہ میں اور تم دونوں گویا ایک ترازو میں تھے۔ میرا پلہ تو جھکا رہا مگر تمھارا اونچا اُٹھ گیا اور اس سے یہ مراد ہے کہ تم مجھ سے پہلے اِس دنیا سے اُٹھ جاؤگے اور میں تمھارے بعد زندہ رہونگا

اسحٰق کا بیان ہے کہ میرے باپ نے جو
تعبیر خواب کی بیان کی تھی وہ بالکل پوری
ہوئی اور ابن جامع کا انتقال میرے
باپ کے انتقال سے پہلے ہوگیا۔

ایک دن ابراہیم ہادی کے دربار میں
گیا۔ ہادی نے اُس سے کہا کہ ابراہیم!
اگر تم آج میرے مذاق کے موافق اشعار
گاؤ اور مجھکو خوش کرو تو جو تم طلب کرو
وہی پاؤگے۔ ہادی کی طبیعت کا پہچاننا
ہر شخص کا کام نہیں تھا۔ جو لوگ اُسکی
طبیعت اور مذاق کو پہچانکر اُسکی مرضی
کے موافق کام کرتے تھے، اُنکو تو وہ
مالا مال کر دیتا تھا مگر جو اُسکی مرضی کے
خلاف کرتے اُنکو ایک درم انعام بھی
نہیں ملتا تھا۔ بلکہ بعض دفعہ سخت سزا
دیتا تھا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ جب
ہادی نے مجھ سے گانے کی فرمایش
کی تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ
وہ بہ نسبت دیگر مضامین کے عاشقانہ
مضامین کو بہت پسند کرتا ہے۔ اس
خیال سے میں نے ابو صخر ہذلی کے
چند اشعار گانے شروع کئے جن کا
مضمون یہ تھا کہ وہ زمانہ میرے اور
اُسکے درمیان جدائی ڈالنے کی کوشش
میں سرگرم تھا اور اُسکی دوڑ دھوپ
دیکھکر مجھے تعجب آتا تھا مگر جب جدائی
ہو چکی تو فوراً ہی ساکن ہوگیا گویا کہ
اُسمیں حرکت کرنیکی طاقت ہی نہ تھی
اے فراق! تو ہر رات میرے سینہ میں
آگ بھڑکاتا رہ اور اے امید وصال!
تیرا وعدہ تو شاید قیامت ہی کے دن
پورا ہوگا۔ اے فراق! تو میرے ساتھ
اتنی سختیاں کر چکا ہے کہ فراق کی سختیاں
اتنی کبھی نہیں ہوا کرتیں۔ تیرا ذکر سنکر
مجھے اس طرح پھریریاں آتی ہیں جس
طرح پرندے بارش کے پانی سے بھیگکر
اپنے پر جھڑ جھڑاتے ہیں۔ میں تو کبھی تجھسے اس طرح
جدا ہوکر رہا کہ گویا مجھ میں محبت کا نام و نشان تک
نہیں رہا اور کبھی تیرے دیدار کے اشتیاق میں اس طرح
بیتاب ہوکر دوڑا کہ گویا میں صبر وتحمل کی برداشت
بالکل نہیں کرسکتا۔ اُس خدا کی قسم ہے جو ہنساتا اور رلاتا
اور مارتا اور جلاتا ہے اور جسکے سوا کسی کی حکومت
اِس دنیا میں نہیں ہے کہ
تونے مجھسے جدا رہنے کی ایسی ٹھان
لی ہے کہ اگر میں جنگل میں وحشی جانورد
کسی جوڑے کو چلتا پھرتا دیکھتا ہوں
جو خوف کے وقت بھی ایک دوسرے سے
جدا نہیں ہوتے تو مجھے اُنکو دیکھکر رشک
آتا ہے۔ میں جب اِن اشعار کو گاکر
سنا رہا تھا تو ہر شعر پر ہادی مارے

خوشی سے اُچھل اُچھل پڑتا تھا۔ اشعار کے ختم ہونے پر ہادی نے کہا کہ اب تم بیشک انعام طلب کر سکتے ہو۔ میں نے کہا کہ امیرالمومنین! جو آرزو میرے دل میں ہے کیا آپ اُس کو پورا کرینگے؟ ہادی نے کہا کہ ہاں جو کچھ کہنا ہے جلد کہو۔ میں نے کہا کہ حضور مجھکو مدینِ مروان کا حاکم بنا دیں۔ یہہ بات سُنتے ہی ہادی کی آنکھیں انگارے کی طرح سرخ ہو گئیں اور اُس نے تیور پر بل ڈالکر کہا کہ او احمق! کیا تو بھری مجلس میں میری تشہیر کرنی چاہتا ہے اگر میں تجھے کہیں کی حکومت دیدوں تو لوگ اس بات کا آپس میں ضرور چرچا کرینگے اور کہیں گے کہ خلیفہ ایک راگ سُنکر ایسا خوش ہوا کہ اُس نے گویّے کو ایک ضلع کا حاکم کر دیا۔ یہہ کہکر ہادی نے اپنے مصاحب سے کہا کہ اس کو اُس خزانے میں لے جاؤ جو میرے لئے مخصوص ہے۔ اگر یہہ تمام روپیہ بھی اُٹھا کر لیجا سکے تو اُسکو منع نہ کرنا۔ میں خزانے میں گیا تو پچاس ہزار دینار سے زیادہ نہ اُٹھا سکا اور یہ رقم لیکر میں اپنے گھر کو واپس آیا۔

اسحٰق کا بیان ہے کہ میرے باپ نے نو سو راگنیاں تصنیف کی تھیں۔ تین سو راگنیوں کا نام اُس نے دیناری رکھا تھا۔ تین سو کا ورمی اور باقی راگنیوں کو فلسی کہا کرتا تھا۔ پہلی قسم کی راگنیاں وہ تھیں جنہیں وہ بغداد کے تمام مغنیوں پر سبقت لے گیا تھا۔ دوسری قسم کی راگنیوں کو اور مغنی بھی ادا کر سکتے تھے۔ تیسری قسم کی راگنیاں صرف تفریح کے لیے تھیں اور یہہ سب سے ادنےٰ درجہ کی تھیں۔ میں نے اخیر کی تین سو راگنیوں کو ترک کر دیا تھا اور جو کوئی مجھ سے پوچھتا تھا میں یہی کہا کرتا تھا کہ میرے باپ نے چھہ سو راگنیاں تصنیف کی ہیں اور اس سے زیادہ کوئی راگنی مجھکو معلوم نہیں ہے۔

اسحٰق موصلی نے بیان کیا ہے کہ ایک امیرزادہ میرے باپ سے فنِ موسیقی کی تعلیم پاتا تھا۔ کچھہ دنوں کے بعد اُس نے غلطی سے یہ خیال کر لیا کہ میں اب اس فن میں ماہر ہو گیا ہوں میرے باپ کی موجودگی میں اُس نے مجھ سے اپنی نسبت رائے دریافت کی۔ میں نے کہا کہ میری رائے میں تو تمہاری طبیعت اس فن کیلیے

موزوں نہیں ہے۔ اگر کوئی اور کام کرو تو شاید اس فن کی نسبت اس میں زیادہ ترقی کر سکو۔ میرے باپ نے بلند آواز سے چلا کر کہا کہ او نادان لڑکے چپ رہ۔ تجھے اس بات کی کیا تمیز ہے۔ پھر امیرزادے کی طرف خطاب کرکے کہا کہ عزیز من اس لڑکے کی بات پر کچھ خیال نہ کرنا۔ تمہاری طبیعت اس فن کے لئے ناموزوں ہرگز نہیں ہے۔ اگر تم برابر مشق کرتے رہے تو ایک دن کامل ہو جاؤ گے جب وہ امیرزادہ ہمارے مکان سے اٹھکر چلا گیا تو میرے باپ نے مجھ سے کہا کہ اگر ایسے لاکھ عطائی ہوں تو تیرا کیا نقصان ہے۔ بلکہ ان کے ہونے سے تو ہمارا سراسر فائدہ ہے۔ اگر یہہ نہ ہوتے تو ہمارے کمال کو کون پہچانتا۔ یہہ لوگ غنی ہیں اور ہم مغنی جو غنی ہیں وہ ہمیشہ مغنیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر جب وہ گانا سیکھتے ہیں تو عطائی پن سے ایک قدم آگے نہیں بڑھاتے اور جب کہیں گاتے ہیں تو اُنکے گانے پر چاروں طرف سے لوگ آوازے کستے ہیں۔ پھر وہ ذلیل اور شرمندہ ہو کر ہماری ہی مدد کے محتاج ہوتے ہیں اور ہم اُنکی دولت سے خوب ہاتھ رنگتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد امیرزادہ برابر ہمارے مکان پر آتا اور گانا سیکھتا رہا۔ میرے باپ کا قاعدہ تھا کہ جب امیرزادہ اچھی طرح گاتا تو وہ "بارک اللہ فیک" کہا کرتا اور اگر گانے میں کوئی نقصان ہوتا تو "بارک اللہ علیک" کہا کرتا تھا۔ یہہ دونوں فقرے اکثر اُسکی زبان پر رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ امیرزادہ نے بھی اس اشارہ کو سمجھ لیا۔ ایک دفعہ اُس نے ایک راگنی چھیڑی مگر میرا باپ اُسکی طرف متوجہ نہیں تھا اور اُس نے کوئی فقرہ زبان سے نہیں کہا۔ امیرزادہ نے میرے باپ سے کہا کہ اُستاد یہ راگنی جو میں گا رہا ہوں "فیک" ہے یا "علیک"؟ میرا باپ بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اب سے میں تم پر خاص توجہ کروں گا۔ تم مجھے ذہین اور ہوشیار نظر آتے ہو۔ میرے باپ نے فی الحقیقت ایسا ہی کیا اور وہ امیرزادہ موسیقی میں کامل الفن ہو گیا۔

ابراہیم بیان کرتا ہے کہ میں ایکدفعہ تنگ دست ہو گیا اور میں نے

فضل بن یحییٰ سے کہا کہ امیرالمومنین نے
تو آجکل انعام دینے سے قسم کھا رکھی
ہے۔ اگر ہو سکے تو آپ ہی کچھ مدد کیجئے
فضل نے کہا کہ میرے پاس بھی آجکل
اتنا روپیہ نہیں ہے کہ میں تمکو راضی
کر سکوں مگر ہاں خوب یاد آیا۔ وہ تمہاری
کنیز جو خوش رو بھی ہے اور خوش گلو بھی
آخر کیا ہوئی؟ میں نے کہا کہ آپ شاید
ضیا کو کہتے ہیں۔ وہ تو میرے پاس ابتک
موجود ہے۔ فضل نے کہا کہ کل ایک
شخص تمہارے مکان پر آئے گا اور
اُس کنیز کو تم سے خریدنا چاہے گا۔ تم
پچاس ہزار سے ایک حبہ کم نہ لینا۔
دوسرے دن کی صبح کو میرے پاس
ایک شخص آیا اور اُس نے بھاؤ تاؤ
کرنا شروع کیا۔ میں نے پچاس ہزار
دینار قیمت طلب کی۔ اُس نے کہا کہ
میرے پاس تو اِس وقت تیس ہزار
دینار ہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو حاضر
ہیں میں نے اِس خیال سے کہ روپیہ
ہاتھ سے نہ جانے پائے تیس ہزار دینار پر
ضیا کو بیچڈالا۔ دوسرے دن جب
میں فضل کے پاس گیا تو اُس نے کہا
کہ افسوس ہے تمنے میرا کہنا نہ مانا
اور بیس ہزار کا خسارہ اُٹھایا۔ وہ کنیز
تحفہ کے طور پر مجھکو دی گئی ہے۔ تحفہ
پیش کرنے والا بے تکلف پچاس ہزار دینار
دے سکتا تھا۔ میں نے کہا کہ رقم کثیر
سنکر مجھسے انکار نہ ہو سکا اور میں نے
فوراً معاملہ طے کر لیا۔ فضل نے ضیا کو
محل سے بُلایا اور اُسکا ہاتھ میرے ہاتھ
میں دیا اور کہا کہ کل ایک اور شخص تمہارے
مکان پر اِس کنیز کو خریدنے آئیگا مگر
دیکھنا خبردار تیس ہزار دینار سے کم پر
راضی نہ ہونا۔ میں شکریہ ادا کرکے ضیا کو
واپس اپنے مکان پر لے آیا۔ دوسرے
دن ایک اور شخص آیا اور اُس نے
کنیز کے معاملہ میں گفتگو کی۔ میں نے تیس
ہزار دینار طلب کئے۔ اُس نے بیس ہزار
دینار گن کر میرے سامنے رکھدیئے
اور کہا کہ اگر اِس قیمت پر راضی ہو تو
یہہ موجود ہے۔ اسقدر کثیر رقم دیکھکر پھر
میرے مونھ میں پانی بھر آیا اور میں نے
اسی قیمت پر ضیا کو بیچڈالا۔ جب میں
فضل کے پاس دوبارہ گیا تو اُس نے
مجھے پھر ملامت کی اور کہا کہ حیف صد حیف
تم نے پھر سستے داموں بیچڈالا اور
دس ہزار دینار کا نقصان اُٹھایا۔ یہہ
کہکر اُس نے کنیز کو دوبارہ میرے سپرد
کرنا چاہا مگر میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں

اب اُسکو آزاد کر چکا اُس رقم میں سے جو اُسکی بدولت میرے ہاتھ آئی میرے لئے پچاس ہزار دینار ہی کافی ہیں۔ دس ہزار دینار میں اُس کو دیتا ہوں تاکہ وہ جس طرح چاہے اپنی شادی میں صرف کرے۔ یہ کہکر میں نے دس ہزار دینار پیش کئے اور فضل کے احسان کا شکریہ ادا کر کے واپس چلا آیا۔

ابراہیم کہتا ہے کہ میں نے گانا سب سے پہلے ایک دیو انے سے سیکھا تھا جو مغرا لفظ کہنے سے جوش میں آتا تھا اور پتھر مارنے لگتا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ اُسکو حجاز کے قدیم مغنیوں کی بہت سی عمدہ عمدہ راگنیاں یاد ہیں۔ اور وہ اُنکو خوب ہی ادا کرتا ہے۔ میں اُسکو اپنے مکان پر لے آیا تھا اور کھانا کھلا کر اور دلجوئی کی بہت سی باتیں کر کے اُس سے گانا سنا کرتا تھا۔ جب تک جنون اُسکے سر پر سوار رہتا۔ خوب گاتا تھا۔ جہاں اُسکو ہوش آیا فوراً ہی میرے پاس سے بھاگ جاتا تھا۔

برامکہ کے زوال سے پہلے ہارون رشید اور اُسکے وزیر جعفر برمکی میں غایت درجہ کا اتحاد تھا۔ ایک دفعہ ہارون رشید نے چاہا کہ دربار میں جو بڑے بڑے باکمال مغنی موجود ہیں وہ میرے اور جعفر کے درمیان تقسیم ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا دوسرے مغنیوں کے علاوہ ابن جامع تو ہارون رشید کے حصہ میں آیا اور ابراہیم جعفر کے حصے میں۔ اب خلیفہ کے مصاحب اور ارکان دولت جمع ہوئے تاکہ مغنیوں کے کمال کا بالمقابلہ امتحان کیا جائے۔ ہارون کے حکم سے ابن جامع نے تین نئی راگنیاں گا کر سنائیں۔ اسکے بعد ہارون نے اُن راگنیوں کے گانے کا ابراہیم کو حکم دیا۔ ابراہیم نے کہا کہ حضور میں اِن راگنیوں سے گوش آشنا نہیں ہوں۔ یہ سنکر ہارون اپنی فتح پر نازان ہوا اور ابن جامع کو انعام سے مالا مال کر دیا مگر جعفر کو ابراہیم کے مات کھانے کا سخت رنج تھا۔ مکان پر آکر ابراہیم نے محمد زف کو ابن جامع کے پاس بھیجا تاکہ اُس سے خفیہ طور پر اُن راگنیوں کو سیکھ آئے۔ محمد زف بلا کا ذہین شخص تھا۔ وہ ایک دفعہ جس راگنی کو سن پاتا اُسکو اُسی طرح دوبارہ گا کر سنا دیتا تھا۔ اُس نے کسی طرح ابن جامع کی وہ راگنیاں اُڑا لیں اور ابراہیم کو آکر

سکھا دیں۔ دوسرے دن ابراہیم نے دربار میں جا کر ہارون سے کہا کہ امیر المومنین کل جو میں نے عرض کیا تھا کہ میں ان راگنیوں کو نہیں جانتا جنکو ابن جامع نے گا کر سنایا تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ میں نے اُس وقت آپ کی اُس خوشی میں جو ابن جامع کی فتح سے ہو سکتی تھی، خلل ڈالنا پسند نہیں کیا۔ ہارون نے کہا کہ سبحان اللہ! یہ بھی عجیب بات ہے۔ اگر تم اُن راگنیوں کو جانتے ہو تو اچھا ابھی سنا دو۔ ابراہیم نے وہ تینوں راگنیاں ابن جامع کے انداز میں گا کر سنا دیں۔ ابن جامع اس بات کو دیکھکر دنگ رہ گیا۔ ہارون نے ابراہیم سے کہا کہ سچ بتا تو نے یہ راگنیاں کیونکر سیکھیں؟ ابراہیم نے کہا کہ امیر المومنین یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ ایک مغنی کوئی راگنی اپنے ذہن سے نکالے اور اُس کو دوسرا مغنی نہ جانتا ہو۔ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں تعریف تو اس بات کی ہے کہ ابن جامع قدیم مغنیوں کی ایسی راگنیاں گا کر سنائے جنکو میں نہیں جانتا اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ قدما کی کوئی راگنی ایسی نہیں ہے جس کے سننے میں واقف نہ ہوں۔ ہارون نے نہایت انصاف سے اُسکے اِس دعوے کو تسلیم کیا۔ اور اُس کو بھی انعام دیکر نہال کر دیا۔

ابراہیم بن مہدی جو ہارون رشید کا سوتیلا بھائی تھا، اگرچہ موسیقی کے فن میں کامل مہارت نہیں رکھتا تھا مگر اُسکے مزاج میں تعلی بہت تھی اور وہ ہمیشہ دعوے کیا کرتا تھا کہ دربار کے مغنیوں سے میں کسی بات میں کم نہیں ہوں۔ ابراہیم موصلی سے ہمیشہ اسکی نوک جھوک رہتی تھی۔ ایک دفعہ ہارون نے مغنیوں کو حکم دیا کہ صبح کو دربار میں حاضر ہوں۔ اور ہر مغنی کوئی نئی چیز گا کر سنائے ابراہیم بن مہدی نے ہر چند کوشش کی مگر کوئی نئی راگنی اُس سے تیار نہ ہو سکی اب اُسکو اندیشہ ہوا کہ میں اپنے حریف ابراہیم موصلی کو کیونکر مونھ دکھاؤنگا۔ کچھ دل میں سوچکر وہ فوراً ابراہیم موصلی کے غسلخانے کے نیچے جا کھڑا ہوا جہاں وہ رات کے وقت نئی راگنی کی دھن میں سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا اور ایک تازہ راگنی کو بار بار گا کر اسکی مشق کر رہا تھا۔ شہزادے نے وہ راگنی سیکھ لی اور چپ چاپ اپنی جگہ چلا آیا۔ دوسرے دن صبح کو جب دربار

خلافت میں تحفے جمع ہوئے تو ابراہیم
بن مہدی نے ابراہیم موصلی سے
پہلے اُسکی تصنیف کی ہوئی راگنی کو
گاکر سنا دیا۔ ہارون نے خوش ہوکر
اُسکو بہت سا انعام و اکرام دیا۔ ابراہیم
موصلی دل ہی دل میں حیران تھا کہ میں نے
اِس راگنی کو آج رات ہی تو ایجاد کیا ہے
یہہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اُسکو کوئی دوسرا
گاکر سُنائے۔ یہہ تو ایسی راگنی بھی نہیں
تھی جو مجھ سے پہلے کسی نے گائی ہو۔
اُس نے ہارون سے اس بات کی
شکایت کی۔ ہارون نے شہزادے
سے دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ امیر المومنین
اگر ابراہیم موصلی سچ کہتا ہے تو آپ ہی
انصاف کیجئے کہ میں اُسکی رات کی بنائی
ہوئی راگنی سے کیونکر واقف ہوسکتا
ہوں۔ ابراہیم موصلی جب اچھی طرح
دربار میں خفیف اور شرمندہ ہوچکا
تو ابراہیم بن مہدی نے دربار سے
نکلکر رات کا قصہ اُس سے بیان کیا
اور جو انعام اُسے ملا تھا اُس میں سے
ایک حصہ اُس کو دیکر راضی کر لیا۔

ایک دن ابراہیم محمد بن یحیے بن خالد
پاس جا نکلا اور وہ مہرجان کا دن تھا
جو پارسیوں کا ایک تہوار ہوتا ہے۔ اِس
تہوار کے دن یہہ دستور ہے کہ سب
آدمی اپنے دوستوں اور بزرگوں
کے پاس ہدیے اور تحفے بھیجتے ہیں۔
محمد نے ابراہیم کو اپنے پاس بٹھا لیا
اور اُس سے وعدہ کیا کہ جسقدر تحفے
آج میرے سامنے پیش کئے جائیں گے
وہ سب تمکو دیئے جائیں گے۔ محمد نے
اپنے ایک مصاحب کو اِس بات کے
لئے مقرر کیا کہ جسقدر تحفے آئیں اُن
سب کو جمع کرتا رہے۔ جو تحفے اُسدن
آئے اُن میں ایک سونے کا ہاتھی بھی
تھا جسکی آنکھوں کی جگہ دو یاقوت جڑے
ہوئے تھے۔ محمد نے اپنے مصاحب سے
کہا کہ ابراہیم کو اس ہاتھی کی خبر نہ کرنا
میں اس کو اپنی فلاں محبوبہ کے پاس
بھیجوں گا۔ اگر اُس نے واپس کیا تو
ابراہیم کو دیدیا جائے گا۔ جب سارے
تحفے جمع ہوچکے تو محمد نے خود ہی اُس
ہاتھی کی صورت کی نسبت اپنا ارادہ سچ
سچ بیان کر دیا اور یہہ بھی کہا کہ اگر
اُسکے پاس سے واپس آیا تو وہ بھی
تمکو دیا جائے گا۔ ابراہیم نے کہا کہ
جناب یہہ شرط پہلے ہوچکی ہے کہ جسقدر
تحفے آئیں گے وہ سب مجھی کو دیئے
جائیں گے۔ کیا آپ اس شرط سے

خلاف کرنا چاہتے ہیں۔ محمد نے شرما کر
کہا۔ نہیں۔ میں شرط کے خلاف اب
کوئی بات کرنی نہیں چاہتا۔ ابراہیم
نے کہا تو اب یہ تمام تحفے مع ہاتھی کے
میرے ہو چکے۔ محمد نے کہا بیشک یہ
سب تحفے تمہارے ہو چکے۔ ابراہیم نے
کہا تو اپنے مال کی نسبت مجھے اختیار
ہے، جو چاہے کروں۔ لیجیے یہ ہاتھی
میں آپکی محبوبہ کی نذر کرتا ہوں۔
یہ تحفہ آپ کے فلاں مصاحب کو دیتا
ہوں اور یہ آپ کے فلاں ملازم کو۔
ابراہیم یہ کہتا جاتا تھا اور ایک
ایک تحفے کو حاضرین جلسہ اور محمد کے
مصاحبوں اور ملازموں کو تقسیم کرتا
جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سارے تحفے
ختم ہو گئے اور خود اُس نے دو
سیب اُٹھا لئے اور کہا کہ یہ میرا حصہ
ہے۔ حاضرین کو ابراہیم کے اس
استغنا پر سخت تعجب ہوا۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ جعفر برمکی نے
ایک دفعہ مجھسے انعام کا وعدہ کیا۔ جب
میں وعدہ کے دن اُسکے پاس پہونچا
تو اُس نے مجھ سے کہا کہ ابراہیم!
تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تمھیں
ایک ایسی بات بتا دی جائے جس سے
تم ہزاروں درم کما سکو۔ میں نے کہا
کہ آپ مجھے ایسی ہی بات بتائیں جس سے
میں ہزاروں درم کما سکوں۔ جعفر نے
کہا کہ خلیفہ کو بچپن سے ذوالرمۃ کے
اشعار یاد ہیں اور اُنکو وہ بہ نسبت دیگر
شاعروں کے اشعار کے زیادہ پسند کرتا
ہے اور اگر کوئی مغنّی اُن اشعار کو گا کر
سُنائے تو وجد میں آکر جھومنے لگتا
ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر تم اس
شاعر کے اشعار یاد کر لو اور اُنکو گا کر سناؤ
تو خلیفہ تم سے بہت خوش ہوگا اور
تمھیں انعام و اکرام سے مالا مال کر
دے گا۔ مگر ایک بات یاد رکھناؤ
وہ یہ ہے کہ جب تم خلیفہ کی خدمت
میں حاضر ہو کر ذوالرمۃ کے اشعار
گاؤ اور خلیفہ خوش ہو کر تمھیں انعام
دینا چاہے تو تم بجائے انعام لینے
کے خلیفہ سے اس بات کی اجازت
لے لینا کہ تمہارے سوا کوئی مغنّی
ذوالرمۃ کے اشعار نہ گاسکے۔ میں نے
جعفر کے کہنے پر عمل کیا اور خلیفہ سے
اس بات کی اجازت حاصل کر لی
اسکے بعد میں نے تنوا سے زیادہ
راگنیاں بنائیں اور ذوالرمۃ کے غزل
کو اُن راگنیوں کے سانچے میں ڈھالکر

خلیفہ کو وہ راگنیاں سنائیں۔ ہر راگنی پر
خلیفہ نے خوش ہو کر مجھے انعام دیا
اور فی الحقیقت میں نے جعفر کی بتائی
ہوئی تدبیر سے ہزاروں نہیں،
بلکہ لاکھوں درم کمائے اور میرے
برابر کسی مغنی نے انعام نہیں پایا۔
علی بن عبد الکریم بیان کرتا ہے
کہ ایک دفعہ ابن جامع ابراہیم سے
ملنے آیا تو ابراہیم نے اپنی کنیزوں کو
گانے اور بجانے کا حکم دیا یہ سب
کنیزیں تعداد میں تیس (۳۰) تھیں اور ہر
ایک کے ہاتھ میں ایک ساز تھا
اور ہر ساز میں چار تار تھے۔ سب نے
ساز اور آواز ملا کر گانا بجانا شروع
کیا تو ابن جامع نے کہا کہ مجھے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ ان سازوں میں
سے کسی میں ایک تار بگڑا ہوا ہے
ابراہیم نے ایک کنیز کو اشارہ کر کے
کہا کہ تم اپنے ساز کے تیسرے تار کو
درست کرو۔ جب اس نے وہ تار
درست کر لیا اور سب نے ملکر پھر
گانا اور بجانا شروع کیا تو ابن جامع
نے کہا کہ ہاں اب کوئی نقص نہیں
معلوم ہوتا۔ علی بن عبد الکریم جس نے
اس واقعہ کو چشم دید بیان کیا ہے

کہتا ہے کہ میں اول تو ابن جامع
کی اس ذہانت پر حیران تھا کہ اس نے
(۱۲۰) تاروں میں سے ایک تار کے
بگڑنے کو کیونکر معلوم کر لیا۔ دوبارہ
اس بات سے حیران ہوا کہ ابراہیم
نے خاص اس تار کی تعیین کس
طرح کی۔

ابراہیم کے اور بھی عجیب عجیب
قصے ہیں جو تاریخ اور ادب کی کتابوں
میں لکھے ہوئے ہیں مگر اس مختصر سے
مضمون میں ان سب قصوں کے
بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔
اسکی وفات ۱۸۸ھ ہجری میں قولنج
کے دورے سے ہوئی جبکہ وہ
عمر کی (۶۳) منزلیں طے کر چکا تھا
جس دن اس کی وفات ہوئی
اسی دن کسائی اور عباس بن احنف
نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی
کو رحلت کی۔ ان میں سے پہلا شخص
علم نحو کا مشہور استاد اور دوسرا
عربی زبان کا مشہور غزل گو شاعر تھا
کہتے ہیں کہ ابراہیم نے مرنے
سے پہلے دو شعر کہے تھے جن کا
مضمون یہ ہے کہ "میرا طبیب
علاج کی تکلیفیں جھیلتے جھیلتے اب

معارف کی چوتھی جلد

معارف یکم جولائی ۱۸۹۸ء سے شائع ہونا شروع ہوا ہے اور اسکی پہلی جلد یکم جون ۱۸۹۹ء کو ختم ہوئی ہے۔ دوسری جلد یکم جولائی ۱۸۹۹ء سے شروع ہو کر یکم جون ۱۹۰۰ء کو تمام ہوئی ہے۔ تیسری جلد کا آغاز جولائی ۱۹۰۰ء سے ہوا ہے اور اس کا اختتام قاعدہ کی رو سے جون ۱۹۰۱ء کو ہونا چاہیئے۔ چونکہ اس طرح حساب کرنے میں اکثر خریداروں کو غلط فہمی ہوا کرتا ہے اس لئے ہم نے اُن کی آسانی کے لئے یہہ ارادہ کیا ہے کہ تیسری جلد کو دسمبر ۱۹۰۰ء پر تمام کر دیں۔ اور جنوری ۱۹۰۱ء سے نئی یعنی چوتھی جلد شروع کریں۔ تاکہ آیندہ معارف کا سال جنوری سے دسمبر تک سمجھا جائے اور خریداروں کو حساب کرنے میں کوئی دقت نہ پیش آئے۔ اسمیں شک نہیں کہ ایسا کرنے سے تیسری جلد صرف چھہ رسالوں کی رہ جائے گی۔ مگر یہہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے خریداروں کو کوئی نقصان ہو۔ کیونکہ جن حضرات سے جولائی ۱۹۰۰ء سے جون ۱۹۰۱ء تک یعنی پورے سال کی قیمت وصول ہو چکی ہے اُن کو ہم چھٹے سال کے چھہ رسالے دیدینگے اور اُن سے درخواست کرینگے کہ وہ اس سال کے باقی چھہ مہینوں کے لئے قیمت پیشگی ارسال فرمائیں اور اس طرح وہ پوری چوتھی جلد کے خریدار بھی ہو سکیں گے۔

منیجر معارف

معارف کا مقام اشاعت بدل گیا

علی گڈہ سے پانی پت

چونکہ اڈیٹر معارف کو علی گڈہ کی آب و ہوا راس نہیں آئی اور وہاں آنکی صحت اکثر خراب رہتی تھی اسلئے اُنھوں نے دفتر معارف کو اپنے وطن پانی پت میں منتقل کر لیا ہے اور اب رسالہ معارف بجائے علیگڈہ کے پانی پت سے شائع ہوا کرے گا۔ حضرات خریداران معارف ہر قسم کی خط و کتابت دفتر معارف پانی پت کے پتہ سے کریں اور ارسال زر بھی اسی پتہ پر ہونا چاہیئے۔

منیجر معارف

معارف

اڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم

جلد ۴	فروری سنہ ۱۹۰۱ء	نمبر ۲
قیمت سالانہ مع محصولڈاک	مقام اشاعت: دفتر معارف پانی پت	قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصولڈاک

مطبع فاروقی دہلی میں طبع ہوا

فرمانِ اعلحضرت فرمانروائے انگلستان و قیصرِ ہند ادام اللہ ملکہ
بنام
والیانِ ریاست و رعایائے ہند

جناب والدۂ مکرمہ و مرحومہ کی وفاتِ حسرت آیات کے سبب سے ما بدولت کو تاج و تخت کی وراثت ملی ہے اور یہہ وراثت زمانۂ دراز تک ہمارے خاندان میں رہکر نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہونچی ہے - اب ہماری خواہش یہہ ہے کہ والیانِ ریاست و رعایائے ہند کو ہم اپنا سلام بھیجکر اُنھیں اِس بات کا یقین دلائیں کہ اُن کی بہبودی تہ دل سے ہم کو مدِ نظر ہے - ہماری نیک نام مادرِ مرحومہ اِس ملک کی پہلی حکمراں تھیں، جنھوں نے معاملاتِ ہند کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور اِس بات کے اظہار کے لئے کہ اُن کو اِس وسیع ملک کی حکومت کے ساتھ خاص اور گہرا تعلق تھا اُنھوں نے قیصرۂ ہند کا خطاب اختیار فرمایا تھا۔

تمام اُمورِ متعلقۂ ہند سے حضور ملکۂ معظمہ بہت زیادہ اور غیر متغیر ذاتی دلچسپی رکھتی تھیں - اور یہہ بات ہمیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ہندوستان کے کروڑ ہا باشندے مرحومہ کی ذات و تخت سے محبت اور وفاداری کا کسقدر اظہار کرتے تھے۔

جناب مرحومہ کی دیرپا اور پُرشوکت حکومت کے اخیر سال میں اِس امر کا اظہار نمایاں طور پر اُس ہمدردانہ تائید سے کیا گیا، جو والیانِ ریاست نے جنوبی افریقہ کی جنگ میں کی - اِسکے علاوہ اُن بہادرانہ خدمتوں سے بھی، جو ہندوستانی فوج اپنے خاص ملک کی حدود کے باہر عمل میں لائی، یہہ امر بخوبی واضح اور روشن ہوا۔

حضور مرحومہ ہی کی مرضی اور اجازت کی بدولت ہم نے ہندوستان کی سیر کی اور اِس قدیم اور مشہور سلطنت کے والیانِ ریاست اور رعایا اور شہروں سے ذاتی واقفیت حاصل کی۔

ہندوستان میں آنے سے ہمارے دل پر اُسوقت جو جو گہرے اثر ہوے تھے، اُنھیں ہم کبھی نہیں بھولیں گے اور قیصرۂ معظمہ کے عمدہ نمونے کی پیروی کرکے اپنی رعایائے ہند کے ہر طبقہ کے لوگوں کی عام بہبودی کو اُسی طرح ملحوظِ خاطر رکھیں گے اور اُن کی لازوال وفاداری اور محبت کے ویسے ہی مستحق رہیں گے جیسی کہ حضرتِ علیا ملحوظ رکھتی اور یہہ اوقات مستحق تھیں۔

قلعۂ ونڈسر
۴ فروری ۱۹۰۱ء

دستخط
ایڈورڈ (آر، و آئی)

اڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی
اشاعت: دفتر معارف پانی پت۔ مقام
خریداروں سے قیمت سالانہ عہ
محصول ڈاک للعہ۔ قیمت فی پرچہ نمونہ
معہ محصول ڈاک ۵مر

معارف

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص یا انجمن یا مدرسے کے لئے کم نہیں ہو سکتی۔

یہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اسمیں ملکی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی ترقی، تاریخی اور ادبی مضامین نکلتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کی عمدہ نظمیں اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے۔

قیمت نقد بھیجے یا ویلیو پےایبل کی اجازت دیجئے۔ نمونہ کے لئے ٹکٹ ارسال کیجئے۔ نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھئے۔ پتہ بدلنے پر فوراً مطلع کیجئے۔ خط و کتابت یا ارسال زر اڈیٹر کے نام کیجئے۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجئے۔

جلد ۴ | فروری سنہ ۱۹۰۱ع | نمبر ۲

علوم طبیہ اور مدارس طبیہ

فن طب کسی قوم اور کسی ملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ صدہا اشخاص کی اور صدہا سال کی جانکاہیوں کے بعد موجودہ حالت تک پہونچا ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم کی روایتوں اور افسانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وجود بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ کلدانی جو فرات اور دجلہ کے درمیان آباد تھے اور جو توریت کے سب سے قدیم قوم کے لوگ تھے اس فن سے آگاہ تھے اس کا سبب یہہ ہے کہ ہر شخص اپنی زندگی میں اس کا محتاج ہے۔

ہندوستان اور ایران میں بھی یہہ فن قدیم زمانہ سے موجود تھا۔ اور وید اور ژند کے زمانہ میں اس فن کے بڑے بڑے باکمال ان ملکوں میں موجود تھے۔

تاریخ میں سب سے پہلے جس ملک کی طبابت کا ذکر ہوا ہے وہ یونان ہے۔ یونان میں اسقلیبیوس کو فن طب کا آدم قرار دیا ہے مگر بعض اسکو دیوتا اور بعض انسان قرار دیتے ہیں۔ مدت دراز تک یہہ فن اسکی اولاد میں محدود رہا۔ بقراط اور جالینوس فن طب کے بڑے نامور ہیرو ہیں جنہوں نے بسط کے ساتھ اس فن پر بحث کی اور اسکی اشاعت عام طور پر کی اور اسکو زبانی روایتوں سے تحریر کے درجہ تک پہونچایا اور قدیم اصولوں میں تبدیلیاں کیں۔

یونانیوں کے بعد اسکندریہ کے مدرسے میں اس کو ترقی ہوئی پھر رفتہ رفتہ یونانی زبان سے طب کی کتابیں سریانی میں ترجمہ کی گئیں۔

اسکے بعد اسلام کا زمانہ شروع ہوتا ہے جس کو محققین نے سات دوروں میں تقسیم کیا ہے اور وہ دورے حسب ذیل ہیں۔

دورِ اول

(سنہ ۱ھ - سنہ ۱۳۲ھ)

اِس دَور میں فنِ طب عربوں میں علم کے درجہ تک نہیں پہونچا تھا۔ اُنھوں نے بعض طبی معلومات محض تجربہ سے حاصل کیں۔ مگر جو قومیں عرب کے آس پاس آباد تھیں وہ تمدن میں عربوں سے زیادہ نامور تھیں خاصکر فنِ طب اُن میں بہت ترقی کر گیا تھا۔ بعض عرب ان قوموں سے علاج معالجہ سیکھکر اپنے وطن کو آتے تھے۔ فنِ طب کے ساتھ اِس دَور میں جو شغف عربوں کو پیدا ہوا وہ اُن طبی حدیثوں کی بنیاد پر تھا جو پیغمبرِ اسلام سے منقول ہوکر عام وخاص میں مشہور تھیں۔ اِس دَور میں خلفاء اور فاتح سپہ سالار باہر کے ملکوں میں عیسائی اور یہودی اطبا کو نوکر رکھتے تھے۔ مگر سنہ ۱۳۲ھ تک عرب کے کسی طبیب نے اِس فن کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔

دَورِ دوم

(سنہ ۱۳۲ھ - سنہ ۳۰۰ھ)

اِس دَور میں رفتہ رفتہ عربوں کو فنِ طب کا شوق ہوا۔ مگر مشہور اطبا جنکے تجربہ اور حذاقت اور تصنیف کا ڈنکا بجا ہوا تھا وہ اکثر یہی تک عیسائی تھے چنانچہ بختیشوع کا خاندان نسلاً بعد نسلٍ اِس دور میں نامور رہا۔ یہہ وہ دَور ہے جس میں خلفاء عباسیہ نے یونان کی علمی کتابوں کے ترجمے کرائے اور بڑے بڑے مشہور اور لایق مترجموں کو اپنے دربار میں جمع کیا۔ جن علماء نے فنِ طب کی کتابوں کا ترجمہ کیا اُن میں سے حنین اور اُسکی اولاد نہایت اعلےٰ درجہ کے مترجم تھے اور یہہ سب عیسائی تھے۔ ثابت بن قرہ اور اُسکی اولاد نے بھی نہایت عمدہ ترجمے طب کی کتابوں کے کئے اور یہہ سب صابی المذہب تھے۔

دورِ سوم

(سنہ ۳۰۰ھ - سنہ ۴۰۰ھ)

اِس دَور میں مسلمانوں کو فنِ طب پر غور کرنے اور بحث کرنے اور تحقیق کرنے کا شوق ہوا۔ مشرق میں یہہ تحریک جس شخص نے پیدا کی وہ ابوبکر رازی تھا۔ مغرب میں اور جزیرہ نمائے اندلس میں اس دَور کے بڑے بڑے نامور اطبا ابن جلجل۔ ابن جزار۔ ابو القاسم مجریطی تھے۔

دورِ چہارم

(سنہ ۴۰۰ھ - سنہ ۶۰۰ھ)

اس دَور میں فنِ طب مسلمانوں میں اوجِ کمال کو پہونچا۔ مشرق میں ابن سینا۔ ابن بطلان۔ ابن جزلہ۔ ابن تلمیذ اور تین شخص جن میں سے ہر ایک کا نام ہبۃ اللہ تھا۔ اور امام فخر الدین رازی۔ اور اندلس میں ابن خلدون کرمانی ابن وافد۔ ابو القاسم زہراوی۔ ابن زہر کا خاندان۔ ابن رشد کا خاندان اور مصر میں ابن ہیثم ابن رضوان۔ ابن جمیع اور ابن میمون اعلیٰ درجہ کے مصنف اور فنِ طب کو بلند درجہ پر پہونچانے والے اور اپنے تجربوں اور مشاہدوں اور

تحقیقات سے انکو کامل کرنے والے تھے۔

دورِ پنجم
(سنہ ۶۵۶ھ - سنہ ۸۵۰ھ)

اس دور میں جس کو دورِ تقلید کہتے ہیں، متقدمین کی کتابوں پر شرحیں لکھی گئیں یا انکے خلاصے کئے گئے۔ اس دور کی تصنیف میں جدت بہت کم پائی جاتی ہے۔ نجیب الدین سمرقندی۔ عبداللطیف بغدادی۔ ابن بیطار۔ ابن ابی اصیبعہ اور ابن نفیس ہی ایسے چند اطبا ہیں جنکی تصنیفات سے یہ دور دورِ چارم سے مشابہت رکھتا ہے جن اطبا نے متقدمین کی تقلید کی اور انکی کتابوں کے خلاصے یا ان پر شرحیں لکھیں ان میں بہت کم اس قابل ہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے۔

دورِ ششم
(سنہ ۸۵۰ھ - سنہ ۱۰۰۰ھ)

اس دور میں عام طور پر عربی زبان اور اسکے تمام علوم کو زوال ہوا جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ فنِ طب کو بھی تنزل ہو۔ اس دور میں ترکوں کی حکومت دور دور تک پھیل گئی تھی جنھوں نے عربی زبان پر بہت کم توجہ کی یہی سبب ہے کہ اس دور میں جن اطبا نے عربی زبان میں فنِ طب پر کچھ لکھا وہ تعداد میں بہت ہی قلیل ہیں۔ اور ان میں سوائے دمیری۔ نفیس بن عوض۔ اور داؤد انطاکی کے کوئی قابلِ تذکرہ نہیں ہے۔

جو علوم مثل تفسیر، حدیث، فقہ، صرف، نحو اور معانی و بیان کے مستقل طور پر عرب میں پیدا نہیں ہوئے اور دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں سے عربی زبان میں ترجمہ کئے گئے وہ دخیل کہلاتے ہیں علوم طبیہ بھی دخیل تھے اور غیر قوموں سے لئے گئے تھے۔ اور انکی ترقی طبیعیات اور فلسفہ کے ساتھ ساتھ ہوئی۔ ان علوم کا منبع عام طور پر ہندی فارسی۔ سُریانی کتابیں اور خاصکر یونانی کتابیں ہیں۔ یونانی سے اول سُریانی میں ترجمہ ہوا۔ پھر سُریانی سے عربی میں ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ ابتدائے دولتِ عباسیہ میں قریباً سب اطبار عیسائی یا صابی المذہب علمار تھے۔ جو سُریانی زبان میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے اس فن پر مثل فلسفہ اور طبیعیات کے خاص توجہ کی۔ جب طبیعیات اور فلسفہ کو تنزل ہوا تو فنِ طب پر بھی رفتہ رفتہ زوال آگیا۔

دورِ ہفتم
(زمانۂ حال)

اس عہد میں ترکوں کا تمدن یورپ میں حکومت کرنے کے باعث سے بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اور انھوں نے ترکی زبان میں یورپ کے اکثر علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ کر لی ہیں خاصکر طب کے مستقل مدرسے قائم کئے ہیں اور بیشمار کتابیں اس فن کی اپنی زبان میں منتقل کر لی ہیں۔

یورپ طب میں برابر ترقی کرتا جاتا ہے اور ترک
اُنکی ترقی یافتہ معلومات کو برابر اپنی زبان میں
لے رہے ہیں۔ مصر میں خدیو کے خاندان نے
بھی اس فن پر خاص توجہ مبذول کی ہے اور
ایک مستقل محکمہ طب کی کتابوں کے ترجمہ کے
لئے مقرر کر دیا ہے۔ بیروت میں عیسائیوں کا
مڈیکل کالج اور مصر کا محکمۂ ترجمہ دونوں اس
بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ جدید طب کا ذخیرہ
بھی عربی زبان میں آجائے۔ چنانچہ بہت سی
ضخیم کتابیں اس فن کی عربی میں ترجمہ ہوگئی ہیں
ایران میں ناصر الدین قاچار مرحوم کے زمانہ سے
طب کی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ ہوتا
شروع ہوا ہے۔ اور متعدد کتابیں اس فن
کی فارسی میں آچکی ہیں۔

یورپ میں فنِ طب زمانۂ حال میں بیحد ترقی
کر گیا ہے۔ اور متعدد شاخوں میں تقسیم ہوگیا
ہے اور ہر شاخ پر مستقل کتابیں یورپ کی ہر زبان
میں لکھی گئی ہیں اور ہر شاخ کی تحقیقات اور
اکتشافات کے لئے مخصوص مجلسیں علما کی سرگرم
ہیں۔ طب کی شاخیں یہ ہیں۔

۱۔ مڈیسین (علم طب)
۲۔ تھریپوٹکس (علم ادویہ)
۳۔ سرجری۔ (علم جراحی)
۴۔ فارمیسی (علم دوا سازی)
۵۔ کیمسٹری (علم کیمیا)
۶۔ اناٹومی (علم تشریح)
۷۔ فزیالوجی (علم افعال الاعضاء)
۸۔ فارماکالوجی (علم الاقرباذین)
۹۔ امبریالوجی (علم الجنین)
۱۰۔ افتھلمالوجی (طب العیون)
۱۱۔ ڈنٹالوجی (طب الاسنان)
۱۲۔ بیکٹریالوجی (علم الجراثیم)
۱۳۔ مڈوائفری (فن قبالہ)
۱۴۔ وٹرنری (علم بیطاری یا طب الحیوان)
۱۵۔ ہائی جین۔ (حفظانِ صحت)

ان میں سے ہر ایک شاخ میں روز افزوں
ترقی ہے۔ اور فنون طبیہ میں سے کوئی فن
اُس مرکز پر نہیں رہا جس پر وہ پہلے تھا۔ ہماری
قوم کی ترقی من حیث الفن کبھی نہیں ہو سکتی
جب تک کہ وہ فن ہماری زبان میں نہ آئے اور
جب تک کہ وہ فن اخیر سے اخیر ترقی کی حالت
کا ہماری زبان میں موجود نہ ہو۔ پس جس طرح
زمانۂ سابق میں مسلمانوں نے فنِ طب کو کلدانیوں
ایرانیوں۔ ہندوستانیوں۔ یونانیوں۔ مصریوں
اور سریانیوں وغیرہ قوموں سے لیا اور
اس میں فرد اوریغ نہیں کیا اسی طرح جب تک کہ
ہم بھی اپنے آبا و اجداد کی سنت پر نہ چلیں
اور غیر قوموں سے اس فن کو بیدریغ اپنی
زبان میں ترجمہ نہ کریں اور اُنکی اصلی تعلیم نہ
دیں ہماری ترقی اس فن میں نہیں ہو سکتی

اسکے علاوہ ہمکو موجودہ مسلمانوں کے حال پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ ترک ترکی میں۔ مصر اور شام کے باشندے عربی میں۔ ایرانی فارسی زبان میں طب کی کتابوں کے ترجمے کر رہے ہیں اور اس فن کو ترقی یافتہ حالت تک اپنی زبان میں لا رہے ہیں اور اپنے ہموطنوں کو اسکی تعلیم دے رہے ہیں۔ ہمکو بھی اُنکے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے اور اُردو زبان کو طب کی جدید کتابوں سے مالا مال کرنا اور اسی زبان میں اس فن کو پڑھانا چاہیئے۔ قدیم طب کا جسقدر حصہ عربی زبان میں ہے اور اِس زمانہ میں بھی اُسمیں کوئی خطا ثابت نہیں ہوئی اُس کو بجنسہ اُردو میں لانا چاہیئے۔ پھر انگریزی سے براہِ راست یا عربی۔ ترکی اور فارسی ترجموں سے بالواسطہ اُردو میں جدید طب کو ترجمہ کرنا اور اُس کو اپنے ملک میں پھیلانا چاہیئے۔ اپنی زبان میں پڑھانے سے اصلی فن کی تعلیم میں بہت کم وقت صرف ہوتا ہے اور فن کے تمام مسائل خوب ذہن نشین ہوتے ہیں۔ فنِ طب کی عملی تعلیم کے لئے ہر قسم کی صاف اور تازہ دواؤں کے نمونے۔ جسم انسانی کے مختلف حصے۔ تشریح کے آلات۔ دواسازی کے ادوات مہیا کرنے چاہئیں۔

حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب نے مدرسۂ طبیۂ دہلی اسی اصول پر قائم کیا۔ اور طبِ یونانی اور طبِ مغربی کی مرکب تعلیم بھی شروع کی ہے تاکہ ایک حد تک قدیم طب کی اصلاح ہو۔ اُنکے مدرسہ میں دواؤں کے نمونے۔ تشریح کے آلے۔ جسم انسانی کے مختلف حصے بھی بطور نمونے کے موجود ہیں۔ انگریزی تشریح بھی پڑھائی جاتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ قدیم طب کی کتابیں عربی یا فارسی زبان میں پڑھائی جاتی ہیں اور اُسکے لئے طالب علموں کو اول سے عربی اور فارسی زبان میں اعلےٰ درجہ کی استعداد پیدا کرلی ضروری ہوتی ہے۔ علاوہ اسکے اِن کتابوں میں منطق اور نجوم وغیرہ کا حصہ بھی شامل ہے جس میں طلباء کو بیفائدہ وقت ضائع کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ طبی مسائل جو اِن کتابوں میں ہیں اُردو زبان میں ترجمہ کر دیئے جائیں اور اُن میں سے زائد مضامین کو خارج کر دیا جائے تو بہت جلد طلباء اس فن کے اصلی مسائل پر عبور حاصل کرسکتے ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ حاذق الملک اس ضروری اصلاح کی طرف جلد توجہ فرمائیں گے بلکہ ہمکو یہہ بھی امید ہے کہ حکیم صاحب ممدوح اُن کتابوں کا جو عربی اور فارسی میں جدید طب پر لکھی گئی ہیں اُردو میں ترجمہ کرا کے داخلِ درس کرینگے اور اُنکے استقلال اور جفاکشی سے یقین ہے کہ اس مدرسہ کو ہم ایک دن عالیشان محمڈن میڈیکل کالج کے درجہ پر پہونچا ہوا دیکھینگے

اور اُس وقت وہ ایک چشمہ ہوگا جس سے طبِ یونانی اور طبِ مغربی کی دھاریں پھوٹکر نکلیں گی اور ملک کو سیراب کریں گی اور قوم میں اصلی ترقی کی بنیاد پڑے گی۔ آخر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ حکیم صاحب اِس مدرسہ کی اصلاح اور ترقی میں جو کوشش کر رہے ہیں اُنکو اس میں کامیابی ہو۔

(طاہر مرزا۔ دہلی)

مَردوں کے فرائض

ہکو تعین دلایا گیا ہے کہ ذیل کا مضمون ایک معزز خاتون قدرت بیگم کا ہے جو حیدرآباد دکن کی ایک روشن ضمیر اور تعلیم یافتہ باپ کی بیٹی ہیں۔ اُنھوں نے بغیر کسی تمہید کے اِس مضمون کو شروع کیا ہے اور اُن باتوں کو بتایا ہے جن سے خانہ داری کی زندگی بجائے تلخی اور مصیبت کے آرام و راحت سے بسر ہو سکے۔ اِس مضمون کے طرزِ ادا سے ہکو شبہ ہوتا ہے کہ قدرت بیگم ایک فرضی نام ہے اور یہہ مضمون کسی مرد کا لکھا ہوا ہے مگر بعض دوستوں کے اصرار سے ہم یہہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ قدرت بیگم صاحبہ کو یہہ قدرت حاصل ہے کہ جس مضمونکو چاہیں مَردوں کی طرح ادا کر سکیں اور ہکو خوشی ہے کہ اب عورتیں ہمارے ملک میں ایسی لایق ہو گئی ہیں کہ مَردوں کو اُنکے فرائض بتا سکتی ہیں مگر کیا اچھا ہوتا کہ وہ اپنے قلم سے اُن فرائض کو تحریر فرمائیں جو عورتوں کے ذمے واجب ہیں

(اڈیٹر)

مردوں پر لازم ہے کہ چند باتیں اختیار کریں جن سے اُنکی عورتیں نہایت عاقل اور نعم الرفیق بن سکیں (اول) علم سکھانا (دوم) اِس بات کا التزام کرنا کہ ایک مرد ایک ہی عورت سے نکاح کرے (سوم) عورت کو امورِ خانہ داری کا اختیار دینا (چہارم) سخت مشقت اور محنت کے کام عورتوں سے نہ لینا (پنجم) انتظامِ خانہ داری کی ترکیب عورتوں کو سکھانا (ششم) ادنے ادنے بات پر طلاق نہ دینا۔ میں امورِ مذکورہ بالا کی تفصیل ذیل میں کرتی ہوں۔

عورتوں کو علم سکھانا اور اُن کی عزت کرنا

دنیوی آسائش حاصل کرنے اور کاروبارِ تمدنی کے بڑھانے اور تدبیرِ منزل کے آسان کرنیکی تدبیر یہہ ہے کہ عورتوں کو علم سکھانا چاہیے۔ مگر علم سکھانا بچپن سے چاہیے تاکہ حالتِ شباب میں اُس کا لطف اُٹھا سکیں اور تربیت کا ثمرہ تیار رہے۔ اگر اگلے لوگ اِس بات کو اپنے اوپر لازم جانکر تعلیمِ نسواں میں مصروف ہوتے تو پچھلے لوگوں کو اُنکے اخلاق درست کرنے کی

اِس قدر ضرورت نہ پڑی جسقدر کہ اب ہے۔
بے علم عورت کو کتنی ہی نیکی سکھاؤ اُس کا
فائدہ اسقدر حاصل نہیں ہوتا جسقدر تعلیم یافتہ
عورت کو کوئی نیکی کی بات سکھانے سے فائدہ
ہوتا ہے کیونکہ بے علم عورت مثل اندھے کے
ہے۔جب اُس کو کوئی نیک بات بتاؤ تو اُسکے
دلمیں وہ بات قرار پکڑنے نہیں پاتی کہ دوسری
جاہل عورتیں اُسکے برخلاف باتیں کہکر اُس
نیکی سے اُسکو باز رکھتی ہیں۔جب اُن کو علم
حاصل ہوجائے گا تو وہ خود نیکی اور بدی میں
تمیز کرسکیں گی۔اُنکے ذہن میں سمجھنے کی طاقت
پیدا ہوگی اور ملکہ قیاس کرنے کا حاصل ہوگا
عدل کا ملکہ بھی جو انسانیت کی خاصیت ہے
اور جس سے حقوق کا ٹھیک طور پر ادا کرنا
مراد ہے، بسبب علم کے اُن میں ترقی پکڑیگا
وہ خدا اور انسان کے حقوق میں علیحدہ علیحدہ
تمیز کرسکیں گی۔بہت سی خرابیاں اور فساد
اور لڑائیاں جو اب عورتوں کے سبب سے
ہوتی ہیں اگر بکلم موقوف نہ ہوجائیں گی
تو کم تو بالضرور ہی ہوجائیں گی۔علم
تدبیر المنزل اور سیاست مدن جن پر دنیا کی
آبادی اور سرسبزی کا مدار ہے اور علم اخلاق
جس سے کسی فرد بشر کو چارہ نہیں ہے، وہ
اُنکو سیکھکر اپنے خاندان کی نعم الرفیق
اور اپنے شوہروں کی دلپسند ہمدم بنکر
دنیا کے کاروبار اور زندگی کے عیش میں
بڑی مددگار ہوں گی۔اس امر میں مردوں کو
کوشش کرنی واجب ہے کہ جہاں تک
ہوسکے اپنی اولاد کو علم پڑھائیں تاکہ اُنکی
اولاد کو تو وہ آرام نصیب ہو جسکے خواہاں
اب وہ ہیں اور اُنکو نہیں ملتا۔اگر وہ بھی
مثل اپنے اجداد کے کوشش نہ کریں گے
تو اُنکی اولاد بھی اُنکی کچھ زیادہ احسانمند نہ
ہوگی۔صرف اسیقدر احسانمند رہے گی
جیسے کہ اب وہ اپنے اپنے آبا و اجداد کے
ہیں اور انسانیت کے نتائج بھی ظہور نہ پائیں گے
اور جو خرابیاں کہ اب برپا ہیں وہ بدستور
باقی اور قائم رہیں گی۔

علم دل کی آنکھیں کھولتا ہے اور عالم کی
قدر دونوں جہان میں بڑھاتا ہے۔کاروبار
دنیوی اور معاملاتِ معاشرت سکھاتا ہے۔
اپنے اقارب اور اعزہ میں معزز کر دکھاتا
ہے۔صدہا ترکیبیں پاکیزہ عیش اور عمدہ
زندگی کی سمجھاتا ہے۔سعدی علیہ الرحمہ بھی
فرماتے ہیں ؎

میاموز جز علم گر عاقلی ٭ کہ بےعلم بودن بود غافلی

علم کے حاصل کرنیکے پانچ طریقے ہیں
جس شخص نے اِن پانچوں طریقوں سے
علم حاصل کیا ہے وہ عالم کامل ہے اور
اُس کا علم پورا ہے۔اور جس نے ایک

بادوہی طریقے سے علم حاصل کیا ہے اسکا
علم ادھورا ہے وہ طریقے یہ ہیں۔
مشاہدہ۔ قراءت۔ تدریس۔ مباحثہ۔ مطالعہ
مشاہدہ سے اسطور پر علم حاصل ہوتا ہے کہ
حادثات یا واقعات یا حالات دنیوی جو ہمارے
سامنے روز و شب گزرتے ہیں انکو یا اول
کہو کہ خدا کی قدرت کو دیکھکر ہمارا ذہن کچھ
نتایج استنباط کرتا ہے۔ اس طرح کا علم بہت
یقینی ہوتا ہے اور یہہ مرتبہ بعد سفر کرنے اور
دور دراز ملکوں کے دیکھنے اور رعایا پر خلائق کا
امتحان کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

قراءت یعنے کتابوں کے پڑھنے سے تمام
معلومات متقدمین اور متاخرین کی اور خیالات
اور حالات باشندگان ممالک بعیدہ کے حاصل
ہوتے ہیں۔ اسپر زیادہ محنت کرنی چاہیئے
اور یہہ طور علم حاصل ہونے کا بہت آسان
اور سہل الوصول ہے۔ ہر جگہ حاصل ہوسکتا
ہے۔ ہمارے وقت میں سرکار انگریزی نے
مدارس زنانہ بھی از راہ دریا دلی جاری کردیئے
ہیں جن میں ہر ایک لڑکی لکھنا پڑھنا سیکھ کر
علم کا ملکہ حاصل کرسکتی ہے مگر جہاں کوئی مدرسہ
نہیں ہے اور پڑھانے والی استانیاں میسر
نہیں ہیں اُسجگہہ کے حاکم سے درخواست
کرنے پر اُسکا بندوبست ہوسکتا ہے۔
یا لوگ خود چندہ سے ایسا مدرسہ قایم کرسکتے
ہیں جن میں لڑکیاں تعلیم پائیں۔

تدریس سے اِس طور پر مطلب حاصل
ہوتا ہے کہ استاد جو عالم ہے اور بہت سی
کتابیں پڑھا ہے وہ حسب استعداد اپنے
طلبا کے کوئی مضمون منتخب کرکے شاگردوں کو
سنائے اور سب شاگرد چپ چاپ بیٹھکر سنیں
اِس طریق سے صدہا کتابیں جنکے پڑھنے کی
فرصت نہیں ہے اور علم تحقیقی جو اصل نتیجہ
محنت کا ہے اور جسکی سب کو ضرورت پڑتی
ہے جلد تر شاگردوں کو آجاتا ہے۔ یہہ طریق
بہت پسندیدہ اور مفید ہے۔ اِس طرح سے
علم یقینی بہت جلد حاصل ہوتا ہے اور صدہا
کتابیں پڑھنے سے بھی انسان بچ جاتا ہے۔

تھوڑے سے علم کے حاصل ہونے کے بعد اگر
آپسمیں مباحثہ کیا جائے، تو اُس علم کو قیام
اور پختگی حاصل ہونے کے سوا نئی نئی باتیں
جو ایک شخص کو معلوم نہیں ہوتیں دوسرے
شخص سے بسبب مباحثہ کے جلد آجاتی ہیں
اور وہ بحثیں جن پر مباحثہ ہوچکا ہے خوب
یاد ہوجاتی ہیں۔ یہہ بات عورتوں کو جب
حاصل ہوتی ہے جبکہ چند پڑھی ہوئی عورتوں
سے باہم ملاقات ہو یا خواندہ مردوں سے
گفتگو کرنی نصیب ہو۔

مطالعہ ایک بہت ہی اچھا اور عام طریقہ علم
حاصل ہونے کا ہے اُس کا یہہ دستور ہے

کہ خواہ درسی کتابیں ہوں یا غیر درسی اُنہیں سے ایک ایک کتاب کو سرے سے آخر تک بطور خود مطالعہ کریں اور اُسکے مضامین اچھی طرح سمجھ لیں اس ترکیب سے اکثر اہل علم جنکو اول علم میں کچھ ملکہ نہ تھا بسبب مطالعہ اور مشق روزمرہ کے ایسے نامور عالم ہوگئے ہیں کہ دنیا میں اب وہ بڑے فاضلوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مطالعہ کے لئے تنہا مکان اور توجہ اور عقل صائب درکار ہے۔ اسکے بعد خود بخود انسان کے دل پر علم کا فیضان ہوتا ہے مگر یہہ شرط ضرور ہے کہ جس زبان کی کتابیں مطالعہ کیجائیں، اُس زبان میں اچھی مہارت ہو تاکہ زباں دانی کی دقت نہ اُٹھانی پڑے۔ صرف مضمون فہمی کی ضرورت باقی رہے اور اگر مطالعہ کرنے والا اُس زبان میں ماہر نہ ہوگا تو دقتوں میں گرفتار ہوکر گھبرا جائیگا۔ ایک تو اُسکو زبان کی مشکلات حل کرنی پڑیں گی۔ دوسرے مطلب سمجھنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ اسی لئے ہندوستان کی عورتوں کے مطالعہ کے واسطے ایسی کتابیں بننی ضروری ہیں جو سلیس عبارت میں لکھی جائیں۔ بعض دفعہ ایسا اتفاق بھی ہوتا ہے کہ بہت سی کتابیں جمع دیکھکر انسان گھبرا جاتا ہے کبھی ایک کتاب کا مطالعہ شروع کرتا ہے کبھی دوسری کتاب کا اور اس سبب سے سب کتابیں بے مطالعہ کے رہ جاتی ہیں اور علم کچھ نہیں حاصل ہوتا۔ پس یہہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر یہہ صورت ظہور میں آئے تو مطالعہ کرنیوالا اِس بات کا التزام کرلے کہ جب تک ایک کتاب پوری نہ پڑھ لے دوسری کتاب کو ہاتھ نہ لگائے سب کتابیں الماری میں بند کرکے رکھدے ایک ایک نکالتا اور اُسکو ختم کرتا جائے تاکہ رفتہ رفتہ کامل اور مستعد عالم ہو جائے۔

جب عورتیں علم کے حاصل کرنے کی عادی ہو جائینگی اور اُنکو مطالعہ کرنے کا شوق ہو جائے گا تو یقین ہے کہ خود عورتیں کتابیں تصنیف کریں گی جیسا کہ آجکل انگریزوں میں بہت سی عورتیں مصنف ہیں جنکی تصنیفات مرد اور عورتیں دونوں پڑھتی ہیں۔

عورتوں کی تعلیم کے لئے اِس مقام پر چند کتابوں کا بیان کرنا ضروری ہے جن کے پڑھنے سے امید ہے کہ وہ لایق ہوجائینگی اور اُنکو دنیا کے متعلق معلومات بھی حاصل ہونگی اور وہ اِس قابل بھی ہو جائینگی کہ شوہروں کو خوش رکھ سکیں اور گھر کا انتظام سنبھال سکیں یہہ کتابیں گو ابتک تیار نہیں ہوئیں مگر تعلیم یافتہ مرد اگر کوشش کریں تو بہت جلد تیار ہو سکتی ہیں۔

(اول کتاب، گھر کا حساب۔ ہے جس میں وہ تمام ضروری قاعدے حساب کے بیان کرنے چاہئیں جو گھر کے کاموں میں کارآمد ہوسکتے ہیں اور گھر کے کاموں ہی کے متعلق اُس میں

سوال جواب ہونے چاہئیں۔

(دوسری کتاب) تاریخ عالم ہے اسمیں دنیا کی ابتدائی حالت سے آخر تک کے واقعات بیان کرنے چاہئیں اور مختصر طور سے بتانا چاہیئے کہ دنیا کیونکر آباد ہوئی۔ کن قوموں نے ترقی کی اور کن قوموں کو تنزل ہوا اور ترقی اور تنزل کا کیا سبب ہوا۔ اسمیں مسلمانوں کی تاریخ کا بڑا حصہ شامل کرنا چاہیئے۔

(تیسری کتاب) جغرافیۂ عام ہے۔ اسمیں دنیا کے ملکوں کے موجودہ حالات بیان کرنے چاہئیں اور ہر ملک کے متعلق وہ تمام باتیں آجانی چاہئیں جن کا جاننا عورتوں کو ضروری ہے۔

(چوتھی کتاب) انتظام خانہ داری ہے۔ اسمیں اُن تمام باتوں کا بیان ہونا چاہیئے جس سے گھرداری کا سلیقہ عورتوں میں پیدا ہو اور وہ اصول اور قاعدے بیان ہونے چاہئیں جن پر گھر کے انتظام کا دارومدار ہے۔

(پانچویں کتاب) علاج خانگی ہے۔ اسمیں اُن تمام بیماریوں کا بیان ہونا چاہیئے جو کثرت سے ہوا کرتی ہیں عورتوں اور بچوں کی بیماریوں کا بیان خاصکر اسمیں شامل کرنا چاہیئے اور اُن بیماریوں کے آسان آسان علاج بھی بیان کرنے چاہئیں۔

(چھٹی کتاب) عورتوں کی سوانح عمریاں ہے۔ اسمیں اُن مشہور عورتوں کے حالات لکھنے چاہئیں جو تعلیم یافتہ اور لایق ہو گزری ہیں۔ یہ عورتیں مسلمان ہوں یا ہندو یا عیسائی غرضکہ ہر قوم اور ملک کی عورتوں کا بیان اُس میں ہونا چاہیئے۔

(ساتویں کتاب) مذہبی عقائد و احکام ہے۔ اسمیں وہ تمام ضروری احکام اور عقائد مذہبی بیان کرنے چاہئیں جن کا جاننا ہر فرقہ کی مسلمان عورتوں کو لازم ہے۔

(آٹھویں کتاب) معاشرت نسواں ہے۔ اسمیں وہ تمام باتیں درج کرنی چاہئیں جن سے ہر عورت جو ماں یا بہن یا بیوی بنکر زندگی بسر کرتی ہے ہدایت پا سکے۔

(نویں کتاب) خانگی مشغلے ہے۔ اسمیں سینا پرونا کھانا پکانا وغیرہ تمام خانگی مشغلے اور اُنکے طریقے بیان کرنے چاہئیں۔

(دسویں کتاب) تفریح نسواں ہے۔ جس میں ورزش اور کھیل وغیرہ کے وہ قاعدے بیان ہونے چاہئیں جو خالی وقتوں میں عورتوں کے لئے مفید ہو سکیں

اب یہ بات کہ عورتوں کو معزز کرنا چاہیئے سو یہ بات بہت ضروری ہے کیونکہ جس قوم میں عورت کی عزت نہیں اور جو عورت کو مثل بہائم کے سمجھتے ہیں اُس قوم میں درحقیقت انسانیت کی بو اب تک نہیں آئی ہے اور جس قوم میں عورت کو بڑی عزت اور خاطرداری سے رکھتے ہیں اور اُنکو

اپنے برابر اور اپنا ہمدم تصور کرتے ہیں، اُنکی لیاقت اور ادب اور ظرافت اور بزرگی اور تربیت اور انتظام خانہ داری اور محبت کو ترقی ہوتی ہے۔

عورتیں اِس بات کا حق رکھتی ہیں کہ اُن پر کسی طرح کا جبر نہ کیا جائے اور اُن امور میں جنمیں اُن کو خود مختار اور آزاد ہونا چاہیئے، اُن پر کسی طرح کا پہرہ نہ رکھا جائے، نہ اُن کی روک ٹوک کی جائے۔ نہ اُنکے ساتھ ذلت کا برتاؤ ہو۔ اگر کسی قوم میں یہہ حق عورتوں کو نہ دیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اُن لوگوں پر بُری خصلت اور وحشیانہ طبیعت غالب ہے۔

مردوں کو اس بات کا التزام کرنا ضرور ہے کہ ایک مرد ایک ہی عورت سے نکاح کرے۔

بیاہ اور شادی کرنے سے یہہ غرض ہوتی ہے کہ خاوند اور بیوی ایک دل ہو کر اپنے گھر کا انتظام کریں اور آسایش اور آرام سے دنیا میں زندگی بسر کریں اور جو مصیبت اُن دونوں یا ایک پر پڑے ایک دوسرے کا ہمدرد ہو کر اُس مصیبت کو دفع کریں اور ایک جان و دو قالب ہو کر پیار سے رہیں تاکہ دونوں کو دنیوی آرام و راحت حاصل ہو اور اُنکی پیار اور محبت کو دیکھکر اُنکے اقارب اور رشتہ دار بھی پیار اور محبت سے ملیں جلیں تاکہ دنیا کے تمدن کو مدد عظیم پہونچے جو کہ اصلی مقصد شادی کا ہے اور اولاد بھی پیدا ہو تاکہ افرادِ انسانی کو بقا ہو اور مرد کے نام کو صفحۂ دنیا پر قیام ہو اور نقل سے اُس کے آبا اور اجداد کا جو وتیرہ چلا آیا ہے، وہ قایم اور جاری رہے۔ بس یہہ فائدہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ یہہ التزام نہ کیا جائے کہ ایک مرد صرف ایک ہی جورو کرے۔ جوازِ تعددِ ازدواج کی رسم بالکل موقوف کرنی واجب ہے اُس کے دلائل بتفصیل ذیل ہیں۔

(اوّل) یہہ کہ عورت مرد کی اور مرد عورت کا دوست، جفت۔ جوڑا۔ کہلاتا ہے۔ اِن الفاظ کا اطلاق حقیقت ہو سکتا ہے جبکہ صرف ایک مرد کی ایک ہی منکوحہ عورت ہو کیونکہ دوست کے معنے ہیں دو راست یعنے دو ملکر بسبب محبت کے گویا ایک ہو گئے ہیں علیٰ ہذا القیاس لفظ جفت اور جوڑا اُسیوقت بول سکتے ہیں جبکہ صرف دو ہی نر و مادہ ہوں۔ اگر ایک شخص خواہ مرد یا عورت اور اُس جوڑے میں بڑھ جاوے تو ہم اُس کو جوڑا اور جفت ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ یہہ ایسی بدیہی بات ہے کہ یہہ الفاظ بھی دوسری عورت کرنے سے اِبا کرتے ہیں۔

(دوسری) یہہ بات بہت موٹی ہے اور ہر ایک کے خیال میں آسکتی ہے کہ انسان حیوان کی ایک نوع ہے۔ پس بالضرور جو خواص حیوان کے ہیں، انسان میں بھی پائے جائیں گے۔ اگرچہ وہ اُنکو بسبب انسانیت کے بہت درست اور مہذب کر کے حیوانیت سے فضیلت حاصل کرے۔ مگر اصلی خاصیت اُسمیں ضرور ہو گی کوئی حیوان اپنی مادہ کے پاس دوسرے حیوان کو جانے دیگا

روا دار نہیں ہوتا اور خواہش جماع میں بھی ہر ایک فرد بشر شریک ہے۔ پس جس طرح کہ مرد اپنی عورت کو دوسرے مرد کے پاس جاتا ہوا دیکھ کر غصہ میں آتا ہے اسی طرح عورت کو بھی بسبب اس کے کہ انسان کا فرد ہے اور بہیمیت اور حیوانیت میں شریک ہے خدا نے غصہ دیا ہے۔ وہ بھی ہرگز اِس بات کو روا نہیں رکھتی کہ اُس کا مرد کسی دوسری عورت کے پاس جائے۔

(تیسری) ایک دل میں دو شخصوں کی محبت نہیں سما سکتی۔ جسوقت ایک عورت کو تم چاہتے ہو تو بیشک دوسری عورت کی محبت کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتے اور اگر دوسری کی طرف میلان خاطر ہے تو بیشک اوّل سے تمکو نفرت ہوئی ہوگی۔ پس جو لوگ دو یا کئی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں وہ اپنی بیویوں کی نظروں میں ہمیشہ معتوب رہتے ہیں۔

اگرچہ بظاہر شرم یا حیا یا کسی خاص رسم یا جواز مذہبی کے باعث سے کوئی عورت مونہہ سے مخالفت نکر سکے مگر فی الحقیقت اُس کو نہایت رنج اور بڑا دُکھ ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ گھر کا انتظام خراب ہو جاتا ہے ہمیشہ نان نفقہ کی نالشین پیش ہوتی ہیں۔ دونوں بیویوں کے رشتہ داروں میں جنگ اور عداوت برپا ہوتی ہے۔ قطع نظر اسکے دو جورو والے کے گھر میں کسی طرح کا انتظام نہیں ہوتا کیونکہ اُن دونوں کو یہہ خیال رہتا ہے کہ جسقدر روپیہ میرے ہاتھ لگ سکے لے لوں او خاوند کی طاقت کو جس پر وہ پھولا نہیں سماتا گھٹاؤں غرض کرو تو اِس صورت میں محبت ایک کو بھی نہیں ہوتی بلکہ ایک اور قباحت یہہ ہوتی ہے کہ جس طرح خاوند اپنے راز کو اُن دونوں پر افشا کرنا نہیں چاہتا تاکہ اُن میں فساد برپا نہ ہو۔ اسی طرح دونوں عورتیں بھی اپنے اپنے دل کا بھید اُس خاوند سے بلا تحاشا نہیں کہہ سکتیں۔

(چوتھی) جہاں تعدد ازدواج کا رواج ہوتا ہے وہاں ہر ایک عورت طالب کسی اور مرد کی رہتی ہے کیونکہ جسوقت ایک عورت کو یہہ یقین ہو جاتا ہے کہ مجھ سے میرا خاوند اسقدر خوش نہیں ہے جسقدر دوسری سے ہے یا اُسکی بقدر بیویاں ہیں کہ ہر ایک کو وہ خوش نہیں رکھ سکتا تو اِن دونوں صورتوں میں وہ خالی عورت طالب کسی اور ایسے مرد کی ہوگی جو صرف اُسی کا دوست ہو کر رہے اور کسی اور عورت کا خواہاں نہ ہو پس جو شخص تعدد ازدواج کا خواہاں ہے وہ خود ان قباحتوں کی بنیاد ڈالتا ہے۔

(پانچویں) خدا تعالےٰ نے جب آدم کو دنیا میں پیدا کیا تو اُس نے ایک عورت جس کا نام حوا ہے پیدا کر کے اُس کی جورو بنائی تاکہ آدم اُسکے ساتھ خوش رہے اور چونکہ دنیا کی آبادی کرنی منظور تھی اسلئے آدم کی (۹۳۰) برس کی

عمر مقرر کی پس اگر خدا کو دو عورتوں کا ایک مرد کی جورو بناکے رکھنا منظور ہوتا تو یہہ قرین قیاس تھا کہ اس وقت کئی سو عورتیں پیدا کرکے آدم کے حوالے کر دیتا اور اس طرح دنیا بھی جلد بس جاتی اور (۹۳۰) برس کی عمر کا مقرر کرنا بھی ضرور ہوتا جب خدا نے یہہ نہ کیا اور بجائے کم عمر کے آدم کی عمر ۹۳۰ برس کی قرار دی اور بجائے کئی جوروؤں کے صرف ایک ہی جورو سے اولاد بڑھائی تو اس سے صاف ثابت ہے کہ جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے وہ خدا کی مرضی کے خلاف کرتا ہے۔

(دیکھئے) سوکنوں کی اولاد میں ہرگز محبت نہیں ہوتی جب تک انکی اولاد زندہ رہے گی اور جسقدر انکی اولاد آگے کو جاری ہوگی ان میں عداوت بڑھتی چلی جائیگی۔ پس جو شخص تعدد ازواج کو روا رکھتا ہے گویا فساد اور عداوت کی بنیاد دنیا میں قایم کرنی چاہتا ہے جو خلافِ مرضی الٰہی ہے کیونکہ خدا کی یہہ مرضی ہے کہ سب لوگ باامن و آمان دنیا میں بسیں اور ایک دوسرے سے نہ لڑیں۔ اگر غور کرکے دیکھو تو شریکوں کی نااتفاقی اور خانہ جنگی کا یہی بڑا سبب ہوتا ہے اور اس عداوت کے نتیجے جو دنیا میں ظہور پاتے ہیں وہ نہایت سخت خطرناک ہیں چنانچہ اکثر سننے میں آیا ہے کہ ایک سوت دوسری سوت کے مرگ اور قید اور رسوائی سے بہت خوش ہوتی ہے اور جہاں تک اس کا مقدور ہوتا ہے اپنی سوت کے مروا ڈالنے پر آمادہ رہتی ہے اور اسکے قریبوں اور رشتہ داروں سے بھی عداوت رکھتی ہے۔ اکثر عورتوں نے اپنی سوتوں کی اولاد کو قابو پاکر قتل کر ڈالا ہے۔ اکثر مقدما جو عدالت میں پیش ہوتے ہیں وہ عورتوں ہی کے ہوتے ہیں۔ اسکا باعث صرف یہہ ہے کہ ان کو اپنے مردوں کی طرف سے اطمینان حاصل نہیں ہے کیونکہ وہ سوائے ایک کے کئی عورتیں کر سکتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ کوئی عورت مہر کا دعویٰ کرتی ہے۔ کوئی طلاق لینے کی خواہش کرتی ہے کوئی نان و نفقہ کی مدعیہ ہوتی ہے۔ غرضکہ عورت کی طرف سے کسی طرح کی نالش ہو اگر غور کرکے دیکھئے تو اس کا اصلی باعث وہ اندرونی رنج ہے جو مرد کی طرف سے اسکو حاصل ہوا ہے اور جو ہمیشہ مثل گھن کے اسکے جسم کو کھائے جاتا ہے اور وہ حقیقت میں اپنے دل کا بخار اس طرح نکالنا چاہتی ہے یہہ رنج دوسری بیوی کا ایسا برا ہوتا ہے کہ اسکی برداشت پیغمبروں کی بیویوں نے بھی نہیں کی ہے آپنے بیوی سارہ اور بیوی ہاجرہ کا قصہ سنا ہوگا جو حضرت ابراہیم عم کی بیویاں تھیں اصلی بیوی سارہ تھیں جب مدت تک انکے شکم سے اولاد نہ ہوئی تو انھوں نے جو اولاد کی نہایت مشتاق تھیں اپنے خاوند سے کہا کہ آپ میری باندی ہاجرہ کو گھر میں ڈال لیں تاکہ کسی طرح آپ سے اولاد پیدا ہو شاید میں بھی اسکے باعث خوش رہوں۔ حضرت ابراہیم نے ایسا ہی کیا۔ مگر جب بیوی

ہاجرہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اُس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا اور خدا نے بیوی سارہ کو بھی اُنکے شکم سے ایک بیٹا اسحاق نامی دیا تو بسبب اسکے کہ بیوی ہاجرہ بیوی سارہ سے برابری کا دعوےٰ کرنے لگی تھیں بیوی سارہ اسکی تاب نہ لا کر ناراض ہو گئیں اور حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ہاجرہ کو مع اُسکے بچے کے میرے گھر سے باہر نکالدو اور حضرت ابراہیمؑ کو خدا کا بھی یہی حکم پہونچا تھا کہ بیوی سارہ کو راضی کرو اور بیوی ہاجرہ کو باہر نکالدو چنانچہ وہ صرف ایک بوتل پانی کی اور ایک روز کا کھانا دیکر بیوی ہاجرہ کو ایسے جنگل میں جہاں پانی بھی میسر نہ آتا تھا چھوڑ آئے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ اگر خدا کو دو عورتوں کا یکجا رکھوانا منظور ہوتا تو بیوی ہاجرہ کو عرب کے جنگل میں دلیس نکالا کیوں دلوا تا۔ اگرچہ اسکی توجیہ بعض متعصب یہہ بیان کرتے ہیں کہ خدا کو عرب کی زمین آباد کرنی اور بیوی ہاجرہ کی اولاد حضرت اسمٰعیل سے بڑھانی منظور تھی مگر اس کا جواب یہہ ہو سکتا ہے کہ اوّل تو عرب کے لوگ دعوےٰ کرتے ہیں کہ جب بیوی ہاجرہ وہاں جا کر بسیں تو عرب کی کئی قومیں جو حضرت نوحؑ کی اولاد سے تھیں پہلے سے وہاں بستی تھیں۔ اس کے علاوہ اگر بالفرض حضرت اسمٰعیل ہی کی اولاد کو پھیلانا اور بڑھانا منظور تھا تو بہت آسان بات تھی کہ بیوی ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کے گھر میں رہتیں اور حضرت اسمٰعیل عرب میں جا بستے اور

اُنسے آگے کو اولاد جاری ہو جاتی۔ تا حاصل یہ ہے کہ خدا کا یہہ مطلب ہی نہ تھا۔ خدا تعالےٰ کی یہہ مرضی تھی کہ صرف بیوی سارہ کو خوش کرے اور دو سوت کو ایک گھر میں نہ رکھے اور حضرت ابراہیمؑ جو خدا کو بہت پیارے تھے اُنکے گھر میں ایک ہی بیوی رہی چنانچہ آدمؑ کے وقت میں بھی اُسکی مرضی یہی تھی کہ ایک مرد کے لئے ایک ہی عورت ہو۔ اس مقام پر بعض متعصب شاید یہہ اعتراض کریں گے کہ شریعتِ محمدی میں چار بیویاں کرنی جائز ہیں مگر اُن سے یہہ کہدینا چاہیئے کہ جس آیت میں چار بیویاں کرنے کا حکم ہے اگر اُس کا شانِ نزول تم دیکھو گے تو تعددِ ازدواج کے ناجائز ہونے میں تم کو ذرا بھی شک نہ رہیگا کیونکہ وہ آیت جس وقت نازل ہوئی اُس وقت عرب کے لوگ یتیموں کا مال کھا جاتے اور بدکاری کرنے میں بہت ڈوبے ہوئے تھے۔ اس آیت کا مطلب یہہ تھا کہ تم لوگ بدکاری نہ کرو۔ اگر چاہو تو جن عورتوں پر تمہارا دل آجائے اُن سے شادی کر لو۔ مگر اُنکی تعداد چار سے نہ بڑھے۔ اگر اُسوقت صراحتہً تعددِ ازدواج کی ممانعت ہو جاتی تو وہ لوگ ہرگز مذہب اسلام کے پابند نہ رہتے مگر اُسی حکم کے بعد یہہ دوسرا حکم قرآن شریف میں موجود ہے۔ فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ یعنے اگر تم کو خوف ہو کہ تم سے عدل نہ ہو سکیگا یعنے سب بیویوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو صرف ایک ہی

بیوی تم کو کرنی چاہیئے پس اس سے صاف ثابت ہے کہ حقیقت میں صرف ایک ہی بیوی کرنیکی اجازت ہے کیونکہ عدل ہو نہیں سکتا اور ممکن نہیں کہ کئی عورتوں میں سے ایک پر زیادہ دل نہ آجاسئے یہہ میرا ہی قول نہیں ہے بلکہ خود خدا نے فرمایا ہے کہ تم ہرگز عدل نہ کر سکوگے۔ اگرچہ توجیہہ جو میں نے لکھی ہے درست ہے مگر متعصب لوگ جن کا ایمان فقہا کے اُن اقوال پر ہے جو عدل کے معنوں میں اُنھوں نے لکھے ہیں وہ شاید اعتراض کرینگے۔ اُن کا یہہ جواب ہے کہ وہ توجیہیں کمزور ہیں قرآنِ مجید میں عدل کا لفظ پایا جاتا ہے اور اُس میں محبت اور پوشاک اور نان نفقہ و دل خوش طبعی سب باتیں شامل ہیں۔ ہر ایک طرح کا عدل چاہیئے شارع نے خوب سوچکر حکم دیا ہے اور اجازت کے ساتھ عدل کی قید لگادی ہے جس سے سمجھنے والے کو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ سوائے ایک جورو کے دوسری جورو کرنے کی قرآنِ مجید سے ہرگز اجازت نہیں ہے۔

جس ملک میں عورتوں کو یہہ یقین نہیں ہوتا کہ ہمارے سوا دوسری عورت ہمارے خاوند نہیں کر سکتے ہیں وہاں کی عورتیں محبت اور یکدلی سے خانہ داری کا انتظام نہیں کرتی ہیں مگر جس ملک میں عورتوں کو مردوں پر بھروسا ہوتا ہے وہاں کی عورتیں بہت ہمدردی اور الفت کے ساتھ گھر کے کاموں میں مشغول پائی جاتی ہیں اور اُس ملک کی عورتیں اُن مردوں کو قبول بھی نہیں کر سکتیں جن میں تعددِ ازواج کو جائز رکھا گیا ہے۔ جو رنج اور دکھ انسان کے دلپر دو جوروؤں کے ہونے سے ہوتا ہے اُسکی برابری دنیا کا کوئی رنج نہیں کر سکتا داناؤں کے نزدیک دو شیرنیوں کے درمیان بیٹھنا دو جوروؤں کے درمیان بیٹھنے سے آسان ہے۔

کئی عورتوں سے نکاح کرنا کچھ مسلمانوں اور ایشیا والوں ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اور ملکوں میں بھی یہہ خراب رسم جاری ہو رہی ہے چنانچہ بشوانا لینڈ میں جو ملک افریقہ میں ہے اور جزائر کوریل یعنے مونگی کے جزیروں میں اور امریکہ جنوبی میں بھی یہہ قباحت موجود ہے اور اِن ملکوں کے باشندے کئی کئی بیویاں کرتے ہیں۔

افریقہ میں یہہ دستور ہے کہ جب ایک مرد پہلے ہی پہل ایک عورت سے شادی کرتا ہے تو خاوند اور بیوی دونوں ملکر ایک جھونپڑا بناتے ہیں اور بھیڑ بکری جمع کرتے ہیں۔ جب وہ مرد دولتمند ہو جاتا ہے تو ایک دوسرا گھر تعمیر کرتا ہے اور ایک اور عورت سے نکاح کرتا ہے۔ پھر اُس دوسری جورو کے ہمراہ ملکر کماتا اور بکریاں جمع کرتا ہے۔ جب دو چار برس میں اُسکے پاس کافی مال جمع ہو جاتا ہے تو تیسری جورو کرتا ہے اور اُسکے واسطے ایک علیحدہ جھونپڑا بناتا ہے۔

پھر اسی طرح بھیڑ بکری جمع کرکے اور ایک اور رعایا بناکر چوتھی کرتا ہے - یہہ حال افریقہ کا ہے -
چونکہ ابھی تک اُن لوگوں میں علم کا ظہور نہیں ہوا اور اُنکی عقل کی آنکھ نہیں کھُلی بلکہ بہت مال جمع کرنے اور عورتوں ہی کے اکٹھا کرنے کو عیش سمجھتے ہیں اسلئے اُس بُری عادت میں گرفتار ہیں جب سمجھیں گے تو اِس بیہودہ حرکت سے باز آئیں گے اُنکی عورتیں نہایت خراب اور بدکار ہوتی ہیں اس کی وجہ صرف یہہ ہے کہ اُن کو اپنے خاوندوں کی طرف سے اطمینان نہیں ہے - جب اُنکے خاوندوں کو دوسری عورت کی خواہش ہے تو اُن کو دوسرے مرد کی ضرور تلاش ہوتی ہے -
جزائر کوریل یعنے اُن جزیروں میں جو موتیے کی ہیں ایک ایک حاکم کے ماتحت کئی کئی شہر ہوتے ہیں - اُن شہروں کا انتظام اس طرح ہوتا ہے کہ ہر حاکم ہر ایک شہر میں جسپر اُسکی حکومت ہے ایک جورو کرکے اُسی شہر میں چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہاں کی رعایا کی خاطر جمع رہے - جب دورہ کرتا ہوا جاتا ہے تو اپنے گھر پر اُترتا ہے -
امریکہ جنوبی میں بھی ایک مرد کی کئی عورتیں ہوتی ہیں مگر پہلی بیوی سب سوکنوں سے زیادہ معزز اور ذی اختیار ہوتی ہے اور انتظام خانہ داری سب اُسی کے سپرد ہوتا ہے تاہم ہر ایک کا باورچیخانہ علیحدہ رہتا ہے - جب اُن کا خاوند گھر میں آتا ہی

تو ہر ایک بیوی علیحدہ قسم کا کھانا لاکر دسترخوان پر چُن دیتی ہے اور ہر ایک بیوی کے ذمے یہہ بات واجب ہوتی ہے کہ خاوند کے لئے ایک برس کی پوشاک بنادے - مثلاً سب سے پہلے ایک بیوی نے پوشاک بنادی - جب وہ سال پورا ہوگیا تو دوسری بیوی نے تیار کردی غرضکہ جسقدر بیویاں ہوتی ہیں اُتنے ہی برسوں کے بعد اوّل بیوی کی باری آتی ہے -
یہانتک اِس بات کا بیان تھا کہ کئی بیویاں کرنا برخلاف عقل کے ہے اور جو جو قباحتیں از روئے عقل کے کئی بیویوں کے کرنے میں تھیں وہ بیان کی گئیں - اب یہہ بات بھی قابل بیان کے ہے کہ بعض ملکوں میں یہہ رسم ہے کہ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے ہیں اگر کئی خاوندوں سے نکاح نہو تو وہاں کی کوئی عورت ایک مرد کو پسند نہیں کرتی - یہہ رسم کوہ ہمالیہ کے زیر دامن اور منصوری اور لنڈھورا اور شملہ وغیرہ پہاڑوں کے اطراف میں جاری ہے وہاں یہ رسم ہے کہ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے ہیں - چنانچہ کئی بھائیوں میں ایک جورو مشترک ہوتی ہے - اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اُس کا کوئی بھائی نہ ہو تو وہ ساری عمر کنوارا رہتا ہے اور اُس کو کوئی جورو میسر نہیں ہوتی اُن پہاڑیوں میں دستور ہے کہ فرض کرو چار بھائی ہیں اور اُن سے ایک عورت کی شادی

کی گئی تو ایک بھائی جو سب سے بڑا ہے ایک
برس تک اُس عورت کے ہمراہ گھر پر رہتا ہے
اور تین بھائی کمانے کے واسطے کسی اور شہر
یا گانو میں چلے جاتے ہیں۔ بعد پورا ہونے
ایک برس کے ایک بھائی اُن تینوں میں سے
آتا ہے اور سب کی کمائی کا روپیہ جمع کرلاتا ہے
پھر وہ ایک سال تک اُس عورت کے ہمراہ
رہتا ہے۔ یہہ بڑا بھائی اُس کی نوکری یا کام پر
چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اپنی اپنی باری سے بعد
ایک ایک برس کے ہر ایک بھائی آتا اور کمائی
لاتا ہے ایسا کرنے سے ان بھائیوں کا مطلب
یہہ ہے کہ عورت کبھی رانڈ نہ ہونے پائے۔
اگر ایک بھائی جوان ہو اور دوسرا شیر خوار تو
اُن دونوں کی شادی ایک ہی عورت سے
ہوگی۔ جب تک شیر خوار بھائی جوان ہو بڑا بھائی
اُس عورت کے ساتھ رہے گا جوان ہونے
کے بعد وہ عورت اُسکی بھی بیوی ہوجائیگی
اب سوچنا چاہیئے کہ جس طرح حیا اس بات کی
مانع ہے کہ ایک مرد کی کئی بیویاں ہوں اسی
طرح حیا اس بات کو بھی منع کرتی ہے کہ ایک
عورت کے کئی خاوند ہوں پہاڑیوں نے
جہالت کے سبب سے بیشرمی کی بات گوارا
کرکے ایک بیہودہ رسم جاری کرلی ہے۔ اگر
حقیقت میں سوچیئے تو وہ لوگ حیوانیت کے
درجے میں ہیں ابھی تک انسانیت کے درجے
میں نہیں آئے کیونکہ جس طرح حیوانوں میں
دیکھا جاتا ہے کہ ہرنوں کے گلے میں ایک نر
ہوتا ہے اور ایک مادہ سگ کی تعاقب میں کئی کتے
ہوتے ہیں اور کوئی کسی کا مزاحم نہیں ہوتا
یہی خاصیت اُن میں بھی موجود ہے۔ اگر اس
رتبہ سے بڑھکر ترقی کریں تو انسانیت کے
رتبہ کو پہنچیں۔

عورت کو امور خانہ داری کا اختیار دینا چاہیئے

جب اس دنیا کی آبادی کا مدار مرد اور عورت پر
منحصر ہوا کیونکہ ابتدا میں صرف ایک مرد اور
ایک عورت پیدا کرکے خدا نے اِس دنیا کو
بسایا تو قدرت نے بھی اُنکے کاموں کو اس
طور پر تقسیم کردیا کہ وہ کام جو سخت تھا یعنی
انتظام ملک یا کسب روزی وغیرہ سے جو کام
متعلق تھا وہ مرد کے سپرد کیا اور جو کام خانہ داری سے
متعلق تھا مثلاً گھر کی چیزوں کو مرتب رکھنا،
نوکروں سے کام لینا، خوراک و آرام کی
اشیا کا مہیا کرنا، تاکہ ضرورت کے وقت فوراً
کام آوے، وہ عورت کے سپرد کیا کیونکہ وہ
بسبب اپنی نازک خلقت ہونے کے گھر میں
بیٹھکر آسایش کے تمام اسباب مہیا کرسکتی
ہے۔ اسمیں کچھہ اسقدر دشواری اور سختی نہیں
ہے جیسے کہ روزی پیدا کرنے کے کام میں ہے
اسلیئے یہہ کام عورتوں سے متعلق ہوا اور
ان دونوں جنسوں میں سے ہر ایک نے ابتدا سے

نے اپنے اپنے کام کو بالطبع اختیار کر لیا اب اگر ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے کام میں دخل دے گا، تو بالضرور وہ دوسرے کا مغضوب ہوگا۔ اگر کچھ زور اس کا نہ چلا تو دل میں تو بیشک اُس سے نفرت رکھے گا۔

جن ملکوں میں علم نے ترقی پائی ہے اور امورِ طبیعیکی خوب طرح تحقیقات کی ہے، اُنھوں نے اپنے تمام امور میں طبیعت اور فطرت کو حاکم کیا ہے تاکہ آسایشِ دنیاوی، جو نتیجہ اس آبادیکا ہے، ظہور پاسکے وہ لوگ اچھی طرح اپنے اپنے کام کو سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے فرض کے پابند رہتے ہیں۔ اسیواسطے اُن ملکوں میں جہاں طبیعت کو حاکم نہیں مانا ہے اور جہاں لوگ بہت سی بیعقلی کی باتیں کرتے ہیں، وہاں مرد عورتوں کے اختیارات میں دخیل ہیں اور عورتیں مردوں کے اختیار لینا چاہتی ہیں۔ اسی لئے موافقت کا ہونا جو نتیجہ طبیعت اور فطرت کے پیروی کا ہے مفقود ہو جاتا ہے اور خاوند اور بیوی میں جھگڑے اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔ پس مناسب یوں ہے، کہ ہر ایک مرد اور عورت کے اختیارات علیحدہ علیحدہ ہوں تاکہ موافقت کی جڑ مضبوط ہو جائے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ ملک یونان کی عورتیں قدیم زمانہ میں مردوں سے علیحدہ ایک بند مکان میں اس طرح رہا کرتی تھیں کہ مردوں کے ساتھ ملکر کبھی نہ بیٹھ سکتی تھیں مردوں کی نشست کا مکان علیحدہ ہوا کرتا تھا اور وہاں مرد اُن سے الگ تھلگ رہا کرتے تھے عورتیں ایک علیحدہ مکان میں جسکے چاروں طرف فصیل کھچی ہوئی ہوتی تھی رہا کرتی تھیں اُن کو سلطنت کے معاملات میں کچھ دخل نہ تھا مردوں اور عورتوں میں میل جول اور اختلاط نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ یونانی عورتیں اپنے خاوندوں پر شبہ کرکے ہزارہا طرح کا فساد برپا کرنے لگیں، اور تُند خوئی اور زباں درازی نے اُن میں ظہور پایا۔

ملک روم کی عورتیں بہ نسبت یونانیوں کے ذرا اچھی حالت میں تھیں بہت قدیم زمانہ میں تو انکا بھی یہی دستور تھا کہ اپنے ہاتھ سے سوت کاتا کرتی اور کپڑے سیا کرتی تھیں۔ جب کسی لڑکی کا نکاح ہو جاتا اور وہ اپنے خاوند کے گھر پر آتی تو ساس اُس کے آگے پانی اور آگ لاکر رکھا کرتی تھی۔ اُن کا اس رسم سے یہہ مطلب ہوتا تھا کہ آگ اور پانی یہی دو بڑے جزو خانہ داری کے ہیں تو آج سے اُن کی مالک ہوئی۔ رومیوں میں عام طور پر سب کاروبار گھر کا بیوی کے حکم سے ہوا کرتا تھا مگر شراب کے صندوق کی کُنجی صرف خاوند ہی کے پاس رہا کرتی تھی اور اُس میں بیوی یا باندی یا نوکر کا ہرگز اختیار نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ اُس ملک کی عورتوں کی عزت اور حرمت بہت تھی

مگر ان کو یہہ اختیار ہرگز حاصل نہ تھا کہ مردوں کے ہمراہ بیٹھ کر کھانا کھائیں مرد علیحدہ مکان میں کھانا کھاتے اور عورتیں علیحدہ جیسا کہ اب ہندوستان میں درمیان قوم ہنود کے جاری ہے ایام سلطنتِ قیاصرہ میں عورتوں کے اختیارات میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ وہ امورِ سلطنت میں بھی دخیل ہوگئیں۔ اس سے یہ خراب نتیجہ حاصل ہوا کہ گھر کے کاروبار کی خبرداری جو اُنکے ذمہ تھی بالکل اُنھوں نے چھوڑ دی اور اپنی زینت اور بناؤ سنگار میں ایسی مصروف ہوئیں کہ اُن کے خاوند تنگ ہوگئے ہمارے نزدیک اُن کو معاملاتِ سلطنت میں دخل نہ دینا چاہیئے تھا کیونکہ اِس سخت کام کے واسطے مرد ہی بنا ہیں۔ عورتوں کی نازک خلقت جب ایسے کام میں مصروف ہوئی تو اُس نے سختی کی خو اور عادت پیدا کرنی شروع کی یہہ عادت چونکہ طبیعت اور فطرت کی طرف سے مرد کو ملی ہے اور عورتوں کے حصہ میں نہیں آئی، اس لئے مردوں کے دل میں اُن سے نفرت پیدا ہوگئی۔

بعض یونانی مورخ جرمن عورتوں کی تعریف لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن میں ادب اور عفت اور نجابت بہت تھی قدیم زمانہ کے جرمن لوگوں میں یہہ دستور تھا کہ سوائے ایک عورت کے کوئی شخص دوسری نکح سکتا تھا اور انگریزوں کی طرح خاوند اور بیوی دونوں ملکر بندوبستِ خانہ داری میں مصروف رہا کرتے تھے اسلئے وہاں کے مردوں اور عورتوں میں بڑا اتفاق تھا اور عورتوں نے بڑی ناموری اور شہرت حاصل کی تھی۔

ایسا مشغلہ بھی عورتوں کو نہیں کرنا چاہیئے جس میں خانہ داری کا انتظام خراب ہوجائے یا اولاد کی پرورش اور گھر کے ضروری کاموں میں ہرج ہو مثلاً ملک مصر، ترکستان، روم اور عجم میں اکثر عورتیں تفریح کے واسطے تمام دن حمام میں گھسی رہتی ہیں اور دن بھر بناؤ سنگار کرتی ہیں۔ ان باتوں سے دنیوی کاموں میں ہرج عظیم واقع ہوتا ہے۔

بلادِ ایشیا میں عورتیں بالکل محبوس نہیں ہیں۔ اگر کسی ضروری کام کے واسطے باہر نکلنا چاہیں تو مسلمان عورتیں برقع اوڑھ کر نکل سکتی ہیں اور ہندوستان میں ہندو عورتیں تو بالکل مجاز ہیں کہ جہاں چاہیں وہ بے تکلف جاسکتی ہیں۔ یہہ اختیار عورت کو حاصل رہنا چاہیئے کیونکہ اس سے خانہ داری کے بہت سے کاموں کے انصرام کرنے میں مرد کو عورت سے بڑی مدد ملتی ہے اور اگر اُسکے باہر نکلنے کی بالکل روک کردی جائے تو وہ اپنے تئیں شغل بیہودہ کے خیال کرتی ہے اور اُس کی عقل کو ترقی نہیں ہوتی۔ اکثر دفعہ کار ضروری کا انصرام نہیں ہوسکتا اور یہہ حرکت ایک طرح کی بے انصافی اور

بے اعتباری پر بھی دلالت کرتی ہے۔ مسلمانوں کے مذہب میں برقع اوڑھ کر باہر نکلنے کی اجازت ہے اور ہندو عورتیں گھونگھٹ کرکے نکل سکتی ہیں یہہ رسم تھی۔ چنانچہ زمانۂ قدیم میں درمیان ملک ہسپانیہ کے پیروں کا چھپانا عورتوں پر فرض تھی. بعد اصلاح ہونے اور عقل زیادہ ہونے کے اب یہہ رسم موقوف ہو گئی.

عورتوں سے محنت اور مشقت کے کام نہیں لینے چاہئیں

مردوں کا عورتوں کے ساتھ اس سے زیادہ نفرت انگیز اور ذلیل برتاؤ نہیں ہو سکتا کہ وہ عورتوں کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھیں اور اُن سے محنت اور مشقت کے کام لیں چنانچہ ایشیا۔ افریقہ اور امریکا کے وحشی باشندے اپنی عورتوں سے جنکی خلقت فطرتی لحاظ سے نازک ہوتی ہے ایسے ایسے سخت کام لیتے ہیں جن کو دیکھکر انسان کو رحم آتا ہے اور اُن کے خاوندوں کی بیرحمی اور بیوقوفی ظاہر ہوتی ہے۔ اِن لوگوں کی عورتیں خیمہ لگاتی ہیں۔ آٹا پیستی ہیں، جنگل سے گھاس لکڑی لاکر لاتی ہیں، اُپلے تھپتی ہیں کھانا پکاتی ہیں اولاد کو پرورش کرتی ہیں اور کھیت میں جاکر ہل چلاتی ہیں، غرضکہ وہ تمام مشقت کے کام کرتی ہیں اور مرد اُنکے چین سے گھر پر بیٹھ کر حقہ کشی کرتے یا جنگلوں میں جاکر شکار کرتے ہیں. باوجود ان مشقتوں اور تکلیفوں کے ان بیچاری عورتوں کی کبھی قلعی نہیں ہوتی نہ کبھی آرام سے گھر پر بیٹھنا نصیب ہوتا ہے کبھی اپنے خاوندوں کے ہمراہ بیٹھکر کھانا کھانے یا ہنسنے بولنے یا عیش منانے کا موقع نہیں ملتا۔ اُن کا صرف یہہ کام ہے کہ وہ دسترخوان چُن کر اور طرح طرح کا کھانا اُسپر لگا کر الگ ہو جاتی ہیں اور مرد اس پر بیٹھ کر کھاتے اور اُنکو شل باندی غلام کے تصور کرتے ہیں. اِس برتاؤ کا نتیجہ یہہ ہے کہ اُن عورتوں اور مردوں کے درمیان ہمیشہ فساد قایم رہتا ہے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ یہہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ خدا نے عورت کو شل مرد کے آزاد پیدا کیا ہے اور مرد کو سخت کام کے واسطے اور عورت کو ملایم اور نازک کاموں کے واسطے بنایا ہے مگر چونکہ یہاں برعکس قدرت کے ایک نے دوسرے کا کے کام میں دخل دیا ہے، اسلئے مخالفت کا ہونا اور جھگڑوں کا برپا ہونا ایک لازمی بات ہے یہہ صاف ظاہر ہے کہ وہ عورتیں ایسے سخت کام دل سے ہرگز پسند نہیں کرتی ہیں مگر کیا کریں اپنے مردوں سے مجبور ہیں، چنانچہ یہہ بات اُن گیتوں سے صاف ظاہر ہے جو امریکا میں دریائے اوری نیکو کے ساحل پر بسنے والی قوموں میں جاری ہیں۔ اِن قوموں میں جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو عورتیں دُلھن کو مخاطب کرکے ایک گیت اپنی زبان میں گایا کرتی ہیں جس کا مطلب ہماری

زبان میں یہ ہے:

اے لڑکی تو اب عورتوں میں ملی ہے
مبارک ہو ظالم کے پھندے پھنسی ہے
اب آیا ہے بدبختی کا وقت تیرا
فلک نے کر ظلم پر اب کسی ہے
سلائے گا سو توں کو تیرے پلنگ پر
ترے بھاگ میں رونا اور کوٹھری ہے
وہ کھائیگا پیوے گا سیریں کرے گا
تو خدمت میں ہر وقت اسکے کھڑی ہے
تو خدمت ہزار اسکی دل سے کریگی
پہ وہ یہہ کہے گا یہہ جورو بری ہے
سو آج کے پھر نہ ہو چین تجھکو
بڑی بھاری تجھ پر مصیبت پڑی ہے
دنوں کو بھرے دھوپ میں کام کرتی
ہر ایک پل جہاں دیکھو وہاں تو کھڑی ہے
کبھی پانی بھرنے کو جائیگی باہر
کبھی روٹیاں تو پکانے لگی ہے
نکل گھر سے جنگل میں ڈنگر چرائے
لئے بوجھ سر پر تو گھر کو چلی ہے
نہ آئے ذرا رحم موذی کو تجھپر
اگرچہ تجھے سو طرح بیکلی ہے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب عین شادی کے دن وہ ایسے مصیبت آمیز گیت گاتی ہیں تو انکے دلوں میں کسقدر رنج بھرا ہوا ہوگا۔ ایساہی حال ہندوستان جنوبی اور پنجاب اور وسط ہند کا ہے۔ اگرچہ بعض بعض بڑے شہروں میں امرا اور شرفا کے خاندانوں کے سوا بعض غریب بھی بسبب علم کے کچھ سمجھنے لگے ہیں اور مشقت اور محنت کے کاموں سے عورتوں کو نجات دیتے جاتے ہیں مگر دیہات اور قصبات میں ابتک وہی جہالت کی رسم جاری ہے اور عورتوں سے بہت سخت کام لینے واسطے مرد پیدا ہوا ہے ابتک سمجھتے ہیں۔ اگر یہہ مرد اور عورتیں پڑھ جائیں تو البتہ یہہ توقع ہو سکتی ہے کہ موافق طبیعت اور فطرت کے دونوں اپنا کام کرینگے اور موافقت کی بنیاد مستحکم ہو جائیگی اور ایسی بیہودہ قومی کی عادتیں چھوٹ جائیں گی اور عمدہ اور پاکیزہ رسمیں جاری ہو کر مرد اور عورت دونوں کو زندگی کا لطف نصیب ہوگا

انتظام خانہ داری کی ترکیب عورتوں کو سکھانا

انتظام خانہداری کی ترکیب عورتوں کو سب سے اول سکھانا بہت ضروری ہے یعنے کھانا پکانا کپڑا سینا۔ جالی کاڑھنا۔ سوزنی وغیرہ کا بنانا نقاشی کرنا۔ فیتہ بننا۔ گوٹا بننا۔ کپڑا رنگنا۔ نوکروں سے گھر کا کام لینا۔ روپیہ بکفایت شعاری خرچ کرنا۔ اسباب زندگی کا مہیا کرنا مگر دائم اسباب اپنے قبضہ میں رکھنا یہہ سب کام عورتوں کے متعلق ہیں اور انکی تعلیم بچپن سے ہونی چاہیئے۔ جس عورت کو ان باتوں کی تعلیم نہیں ہوئی وہ بیکار ہے۔ اچھے خاندان کی

لڑکیوں کو اُن کے ماں باپ چھوٹی ہی عمر میں یہ سب کام سکھا دیتے ہیں اور بعض عورتیں ہوشیار اور جوان ہو کر سیکھ لیتی ہیں اور جو عورتیں کوڑھ مغز اور بیعقل ہیں، وہ دونوں حالتوں میں نہیں سیکھتی ہیں اور اپنے خاوندوں کی نظروں میں ہمیشہ بے عزت اور ذلیل رہتی ہیں۔ گھر کا انتظام بہت مشکل کام ہے ہر ایک عورت اس کام کے سرانجام کرنے کے لایق نہیں ہوتی یہہ بھی ایک علم ہے جس کو تدبیر منزل کہتے ہیں اس کے سیکھنے کے لئے عقل صائب درکار ہے اور یہہ بات بہت ضروری ہے کہ عورتیں تدبیر منزل کی کتابیں زیادہ پڑھیں مگر اِس فن میں ہماری زبان اُردو میں ابتک کوئی کتاب تصنیف یا تالیف نہیں ہوئی۔ فارسی میں ایک حصہ تدبیر منزل کا اخلاقِ جلالی اور اخلاقِ ناصری وغیرہ کتابوں میں درج ہے جو ہمارے زمانہ کے حالات کے مناسب نہیں ہے اور اُسمیں بھی بہت ہی تھوڑا سا بیان ہے جو کسی طرح کافی نہیں ہوسکتا۔ اس زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق اس فن میں ایک جامع کتاب لکھنی نہایت ضرور ہے۔ انتظام خانہ داری کے واسطے عورت کو لازم ہے کہ عقلِ رسا اور تجربہ پیدا کرے اور کفایت شعاری کو جہاں تک ہوسکے کام میں لاتے اور حساب کا وہ حصہ جو متعلق گھر کے حساب کے ہے، اُسمیں خوب مہارت پیدا کرے۔

عقلِ رسا کی ضرورت اسواسطے ہے کہ نوکروں سے کام لینا اور گھر کے سب کام جاری رکھنا اور اُن لوگوں کے حقوق جو ایک گھر میں شامل رہتے ہیں سمجھنا اور پھر کسی کے کام یا حق میں خلل نہ آنے دینا اور ہر ایک کام کی بُرائی یا بھلائی جان لینا بدون عقلِ رسا کے نہیں آتا۔

ایک گھر میں جو لوگ شامل رہتے ہیں اُن سب کو ملاکر ایک کُنبہ کہتے ہیں اور ہر ایک کُنبہ کا ایک سرپرست ہوتا ہے، جسکو گھر کا مالک کہتے ہیں۔ خواہ وہ اُس عورت کا خاوند ہو یا اُسکے خاوند کا باپ ہو جیساکہ ہندوستان میں رسم ہے باپ کے جیتے جی بیٹا گھر کا سرپرست نہیں ہوتا اور اگر باپ اسقدر عقل یا ذہن کی رسائی نہیں رکھ سکتا تو بیٹا جو لئیق ہوتا ہے، وہ تمام گھر کا سرپرست شمار کیا جاتا ہے اور سب لوگ اُسکی مرضی کے پابند رہا کرتے ہیں۔ وہ سرپرست اگر مرد ہو تو اُسکی عورت ورنہ کوئی اور عورت جو اُسکی رشتہ دار ہوتی ہے، وہ انتظامِ خانگی میں گویا اُسکی وزیر اور کارکُن ہوتی ہے۔ پس ہر ایک کُنبے میں جسقدر رشتہ کے آدمی ہوتے ہیں وہ سب اُس گھر کے ارکان کہلاتے ہیں اور ان تمام ارکان کی خدمات اور حقوق کا پہچاننا بدون واقفیت شرع کے ناممکن ہے جس مذہب کے وہ لوگ ہیں، اُسی مذہب کے وہ پابند ہوں گے اور اُنکے حقوق بھی اُنکی

شرع میں مسطور ہوں گے کار گن یا منتظم عورت کو
ان حقوق سے ضرور واقف ہونا چاہیئے
تاکہ خانہ داری کا انتظام درست ہو۔

سب سے اول عورت کو اِس بات کی تعلیم ہونی
چاہیئے کہ اپنے مذہب کی پابند ہو اور خدا کی
مرضی کو سب باتوں پر مقدم سمجھے اور یہہ عقیدہ
دل میں رکھے کہ جتنے حادثے یا خوشیاں ہم پر
نازل ہوتی ہیں، وہ صرف خدا کی مرضی کے
مطابق اور اُسکے حکم سے ہوتی ہیں۔ سوا
ایک خدا کے کسی پیغمبر یا ولی یا شہید یا دیوتا
یا دیوی یا بھوت یا پری کو اُسکے فعل یا حکم میں
اختیار نہیں ہے۔ جو عورت اِس طرح کا عقیدہ
رکھتی ہے اُسکے گھر کا انتظام بہ نسبت مُشرک عورت
کے بہت عمدہ رہتا ہے اور اُس میں کبھی کچھ
خلل واقع نہیں ہوتا۔

نوکروں سے کام لینا بھی بہت مشکل
ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بعضے نوکر
بہت دھوکا دیا کرتے ہیں حساب میں غبن کرتے
ہیں۔ اسباب چُراتے ہیں۔ بیدلی سے کام
کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ اور بہت طرح سے
تکلیف دیتے ہیں۔ ایسے نوکر اکثر چالاک اور
تیز ہوا کرتے ہیں۔ اُنکی شناخت یہہ ہے
کہ وہ اپنے آقا کی دلمیں اپنی جگہہ پیدا کرنے کو
دوسرے نوکروں کی بُرائیاں اور اپنی خیر خواہیاں
اُنکی چوریاں اور اپنی ثابت قدمیاں دکھایا
کرتے ہیں ایسے نوکروں سے زیادہ ہوشیار
رہنا چاہیئے کیونکہ اکثر دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ
اس طرح کے نوکر آقا کے دل میں جگہ کرکے اچھی
طرح ہاتھ رنگا کرتے ہیں بعض دفعہ ایسے نوکر
حقیقت میں خیر خواہ بھی نکل آتے ہیں اسلئے
یہہ قاعدۂ کلیہ ہے کہ عقلمند وہ شخص ہے جو شکی
ہو۔ ہر ایک بات پر یقین نہ کرے آزمایش میں
رہے۔ بار بار ایسا کرنے سے تجربہ کاری اور
عقل رسا پیدا ہوجاتی ہے۔

ممالک ایشیا میں نوکروں کے انتخاب کرنے
کے لئے چند شرطیں ہیں۔ اِن شرطوں کے
پابندی سے اچھا نوکر ہاتھ آتا ہے خواہ عورت
ہو یا مرد۔ وہ شرطیں یہہ ہیں:

(اوّل) معیوب آدمی کو نوکر رکھنا چاہیئے یعنی
گنجا۔ کانڑا۔ کوتاہ گردن۔ تنگ پیشانی۔ لنگڑا
لُولا۔ دائم المرض۔ اگر ان عیبوں میں سے
کوئی عیب نوکر میں ہو تو اُس کو ہرگز اپنی
ملازمت میں نہ رکھیں کیونکہ اُن میں جسقدر جسمانی
عیب ہوتے ہیں اُسیقدر اُنکے اخلاق
ناشایستہ اور ناقص ہوتے ہیں یہہ تجربہ کی
ہوئی بات ہے۔

(دوم) وہ لوگ جو بڑی بیماری میں مبتلا ہوں
جیسے جذامی۔ یا برص والے وہ بھی نوکری کے
قابل نہیں ہوتی اور اپنی حفظ صحت کے واسطے
بہت ضروری ہے کہ ایسے لوگوں سے اجتناب کیا جا

(سوم) وہ لوگ جو مدت تک کسی کے پاس
نوکر رہے ہوں اور جو اس بات کے
متوقع رہتے ہوں کہ اگر ہوسکے تو چوری
کیجئے۔ ایسے لوگ بعد تجربہ کے جلد معلوم ہوسکتے
ہیں اور یہہ بھی نوکر رکھنے کے لایق نہیں
ہوتے۔

(چہارم) وہ لوگ جنھوں نے اُس کام کی کبھی
نوکری نہ کی ہو جس کام پر تمھیں نوکر رکھنا مطلوب
ہے مثلاً تم کو ایک باورچی درکار ہے تو جس
شخص نے پہلے کسی کے پاس پکانے کی نوکری
نہ کی ہو اگرچہ وہ پکانا جانتا ہو اُس کو نوکر رکھنا
نہیں چاہیئے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اکثر آدمی
جو نوکری کے خواہاں ہوتے ہیں جب وہ
اوّل ہی اوّل نوکری کرتے ہیں تو اُن کو
نوکری کے حقوق ادا کرنے اور آقا کی فرمانبرداری
کرنے میں ذرا دقت معلوم ہوا کرتی ہے
اور وہ بعد مدت کے ہوشیار ہوتے اور
برداشت کے عادی ہوتے ہیں اسکے علاوہ
اگر نوکر اُس کام کو جس کے لئے اُس کو نوکر رکھا
ہے نہ جانتا ہوگا تو تم کو سکھانا پڑے گا پھر
اگر کام سیکھ جانے کے بعد ناموافقت ہوئی
تو وہ نوکری چھوڑ کر چلا جائے گا اُس وقت
تم کو بہت بڑا رنج ہوگا کہ ایک شخص کو اپنے
کام کا بنا کر کھو بیٹھے پھر کام سکھانا بھی تو وقت
اور تضیع اوقات سے خالی نہیں ہے اگر نوکر
رکھنے کا لطف تم کو حاصل کرنا ہے تو ناتجربہ کار
آدمی کو ہرگز نوکر نہ رکھو۔

نوکر کے انتخاب کر لینے کے بعد یہہ ضروری
ہے کہ نہ تو اُس کو ایسا مونہہ لگائے کہ سر پر
چڑھ جائے اور نہ اُس کو ایسا ذلیل رکھے کہ
وہ بددل ہو جائے اور نوکری چھوڑنے کی
فکر میں رہے۔ نوکر سے اعتدال کی حالت میں
کام لینا چاہیئے آقا کو لازم ہے کہ حسب موقع
تندخوئی اور سردمہری یا التفات کو کام میں
لائے اور نوکروں سے ایسا سلوک رکھے
کہ وہ آقا کے گھر کو اپنے گھر کے سمجھ کر نمک حلالی
سے کام کریں۔

نوکروں کو جلد جلد نکال دینا اور نئے نئے
نوکر بدلنا بہت خراب بات ہے اس میں
بڑی بڑی قباحتیں ہیں۔ اگر کسی نوکر کو دھمکانا
ہو تو یہہ بہتر ہے کہ علیحدہ مکان میں بلاکر
اُسکو اسکی برائی سے آگاہ کریں اور چشم نمائی
کریں برملا اُسکے عیب پر اُسکو آگاہ کرنے سے
ضد اور نفرت اور اصرار پیدا ہوتا ہے۔

جو نوکر کھانا پکانے یا اسی قسم کے کارِ
خانگی میں مصروف رہتے ہیں اُن کو ضرور
ہے کہ پاک وصاف رہیں تاکہ کسی کو اُن سے
نفرت پیدا نہو۔ کھانا درستی اور صفائی سے
پکایا جائے تاکہ رغبت سے کھایا جائے اور
خون خالص جس پر زندگی کا مدار ہے بدن میں پیدا ہو۔

رہی کا مکان بہت صاف اور درست اور پکا
ہو اور اس طرح کا بنا ہوا ہو جس میں چاروں
طرف کی ہوا داخل ہو سکے تاکہ ہمیشہ مکان
کی خراب ہوا نکلتی اور تازہ ہوا داخل ہوتی
رہے۔ اور اس کے ذریعہ سے پھیپڑے کا
خون صاف ہوتا رہے۔

گودام میں خوراک کے متعلق تمام چیزوں کو
مہیا رکھنا چاہیئے۔ جن لوگوں کی ماہواری
آمدنی ہے اُن کے گودام میں کم سے کم ایک
مہینے کی خوراک کا جمع رہنا ضروری ہے
اسی طرح جنکی آمدنی چھ مہینے کے بعد ہوتی ہے
اُن کے گودام میں چھ مہینے کی خوراک تیار
رہے تاکہ ضرورت کے وقت خریدنے کی
نوبت نہ آئے۔ اس میں بڑا ہرج اور زیادہ
خرچ ہوتا ہے مگر بعض اشیا ایسی ہیں جن پر
زندگی موقوف نہیں ہے بلکہ اُن کو بطور زیبائش
یا تفریح کے استعمال کرتے ہیں جیسے پان،
چھالیا، تمباکو وغیرہ یہہ چیزیں بقدرِ ضرورت
ہر روز بازار سے خرید کرنی چاہئیں۔ اسمیں
فائدہ یہہ ہے کہ ایک تو خرچ کم ہوتا ہے
دوسرے انسان کثرت کے ساتھ انکا عادی
نہیں ہونے پاتا۔

کفایت شعاری خانہ داری کا ایک جزو اعظم
ہے جو عورت اس کی پابند نہیں ہوتی اُسکے
گھر میں کبھی رونق نہیں ہوتی۔ مال جمع کرنیکی
یہہ ترکیب ہے کہ اپنی آمدنی کو تین حصے
میں تقسیم کرے ایک ثلث آمدنی کا خرچ کرے۔
دو ثلث جمع کرے۔ جب تھوڑا سا روپیہ جمع
ہو جائے تو اُسکی ملک خرید کرے۔ پھر جب
اور جمع ہو تو کھیت اور باغ میں لگائے
جب اور جمع ہو جائے تو زیور اور گھوڑا گائے
بھینس وغیرہ جانور خرید کرے۔ جو عورتیں کہ
صرف نقد روپیہ جمع کرتی ہیں اُن کو بڑا نقصان
ہوتا ہے۔ سر دست تو یہہ نقصان ہے کہ جسقدر
روپیہ ہے وہی رہتا ہے۔ بڑھتا نہیں۔ حالانکہ
سوداگری میں نقد روپیہ لگائیں تو وہ روپیہ
بڑھتا جاتا ہے۔ دوسرا نقصان اُس وقت
ہوتا ہے جب چوری ہو جائے اس لئے
یہہ بات ضروری ہے کہ روپیہ کئی جگہ لگایا
جائے تاکہ ایک جگہ نقصان ہو تو دوسری جگہ
سے وہ نقصان پورا ہو سکے۔

بچوں کی پرورش کرنا اور اُن کی صحت
کی حفاظت کرنا اور ہر وقت اُن کا خیال
رکھنا عورتوں پر واجب ہے۔ بعض دفعہ
ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ بچہ کی پرورش کے
لئے دودھ پلانے والی عورت رکھنی ہوتی
ہے ماں کا دودھ بچہ کے حق میں جیسا مفید
ہوتا ہے دوسری عورت کا نہیں ہوتا لیکن
اگر ایسی ضرورت ہو تو جوان عورت جس کا
دودھ بہت اچھا اور زندگا ہو بچے کے دودھ

پلانے پر نوکر رکھنی چاہیئے۔ اگر ایسی عورت
میسر نہ آئے تو گدھی کا دودھ دینا چاہیئے۔
اُسکی شرائط بحر حکمت کی اول جلد میں درج
ہیں۔ جب بچہ ہوشیار ہو تو عورتوں کو لازم
ہے کہ پہلے گھر پر اُس کو حروف کی شناخت
اور گنتی اور پہاڑے اور لکھنا اور عبارت
پڑھنا سکھائیں۔ پھر اُسکو اسکول میں داخل
کریں اور اُسکی تعلیم پر کتنا ہی روپیہ خرچ
ہو کچھ پروا نہ کریں اور اُس کو اچھی طرح تعلیم
دلوا کر لایق بنائیں۔ ایسے ایسے انتظام خانہ داری
میں شامل ہیں اور یہہ سب عورتوں کے ہاتھ
سے ہوتے ہیں۔

اونی اونی بات پر طلاق دینے اور ظہار کرنیکی رسم بکلی موقوف کرنی چاہیئے

طلاق دینے کے معنے ہیں عورت کو چھوڑ دینا
اور پھر اُسکو بیوی بنا کر نہ رکھنا اور ظہار کے
یہہ معنے ہیں کہ عورت کو یہہ کہنا کہ تو مانند
میری ماں یا بہن وغیرہ کے ہے یعنے اُن
عورتوں کے مانند ہے جو مردوں پر حرام ہیں
یہہ بات بھی گویا اُسکو چھوڑنے اور طلاق دینے
کے معنوں میں ہے۔ اول ہمیں یہہ دیکھنا
چاہیئے کہ آیا طلاق دینا عورت کا جو بعض
مذاہب میں جائز رکھا گیا ہے وہ فی نفسہ
اچھا ہے یا بُرا اور کس کس قوم میں کس حالت
میں یہہ بات جائز رکھی گئی ہے۔ اگر مذہب
یا شرع سے قطع نظر کرو تو طلاق کا جائز ہونا
فی نفسہ اچھا ہے اور اسکا اختیار مرد ہی کے
ہاتھ میں ہونا چاہیئے کیونکہ بعض صورتیں ایسی
وقوع میں آسکتی ہیں کہ مرد کو عورت کے ساتھ رہنا
گوارا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اگر طلاق دینا
جائز نہ ہو تو ایسے مردوں اور عورتوں کی تمام
عمر تلخی اور تکلیف اور رنج والم میں گذریگی
فرض کرو کہ کوئی عورت بدچلن ہو گئی تو اگر
طلاق کا دینا جائز نہ رکھا جائے تو تمام عمر وہ مرد
جسکی عورت بدچلن ہے ایسے رنج میں بسر کریگا
کہ شاید وہ اُس رنج کے ہونے سے موت کو زیادہ
پسند کرے۔ اسی بنا پر ہر ایک شرع میں عورت
کی بدچلنی کے واسطے سزائیں مقرر ہوئی ہیں
مثلاً یہودیوں کی شرع میں بدکار عورتوں کو
سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ مسلمانوں کے مذہب
میں سنگسار کرنے یا کوڑے مار کر
جلاوطن کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

چند ملک ایشیا میں ایسے ہیں جہاں خاوند کو اس
بات کا اختیار حاصل ہے کہ اُسکی بیوی اگر
بدکار ثابت ہو تو اُس کا سر منڈوا کر اور اُسکو
خوب مار پیٹ کر شہر بدر کر دیتا ہے اور بدکار
مرد کو بھی ڈھونڈ کر سزا دیتا ہے۔ اسی طرح
بعض ملکوں میں بدکار عورت کو تشہیر کر کے
اور اُس کا نام رسوائی رکھکر اُس کے وطن
سے نکال دیتے ہیں۔ اور بلاد ہندستان میں یہہ

رسم ہے کہ جب کبھی کوئی مرد یا عورت ایسے گناہ میں پکڑی جائے تو اُس مرد کو فوراً قتل کر ڈالتے ہیں اور عورت کو اُسکے خاوند کے سپرد کر دیتے ہیں کہ وہ خود اسکو جو چاہے سزا دے۔ اکثر بار ایسا ہوتا ہے کہ خاوند اپنی بدکار بیوی کو قتل کر ڈالتا ہے۔ جزیرہ یا پونیا میں بھی ایسی حالت میں خاوند کو اپنی بیوی کے قتل کر ڈالنے کا اختیار حاصل ہے۔

اہل اسلام میں سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اُسیوقت عورت کو طلاق دیدے یا اُسکے ماں باپ کے سپرد کرکے پھر اُس سے کچھ کام نہ رکھے۔ یورپ میں کئی ملک ایسے ہیں جنمیں طلاق دینے کا اختیار مرد کو بالکل حاصل نہیں ہے۔ وہاں اگر ایسی ضرورت پیش آتی ہے تو اُس عورت کے رشتہ داروں کے روبرو یا قاضی کے سامنے طلاق ہوسکتی ہے۔

رومن کیتھلک مذہب میں ہرگز کسی صورت میں طلاق نہیں ہوسکتی۔ اُنکا پادری کبھی مفارقت کا حکم نہیں دے سکتا مگر پوپ کا حکم کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر پوپ شوہر اور بیوی کے جدا ہونے کا حکم دے تو وہ مرد اور عورت پھر کبھی نہیں مل سکتے گو کہ اُن کو ساری عمر بدون اولاد کے زندہ رہنا پڑے۔ پروٹسٹنٹ مذہب میں طلاق ہوسکتی ہے مگر بعد طلاق کے میاں بیوی دونوں اپنی شادی کسی سے نہیں کرسکتے۔ نہ تو وہ مرد کوئی عورت کرسکتا ہے اور نہ وہ عورت کوئی مرد کرسکتی ہے بخلاف اہل اسلام کے کہ جب طلاق ہوگئی تو پھر مرد کو اختیار حاصل ہے کہ دوسری عورت کرے اور عورت کو اختیار ہے کہ دوسرا خاوند کرے

ملک ختا کے آئین و قوانین کے مطابق ادنے سے لیکر پادشاہ چین تک کوئی شخص دوسری جورو نہیں کرسکتا لیکن کنیزیں جتنی چاہے گھر میں ڈال سکتا ہے حرم بنانے کا ملک چین میں یہ دستور ہے کہ عورت کے ماں باپ کو روپیہ دیکر خواہ کثیر ہو یا قلیل اُس عورت کو برضامندی اُن سے خرید کرلیتے ہیں اور ایک نوشتہ اِس مضمون کا لکھدیتے ہیں کہ ہم کبھی اِس عورت کو روحانی یا جسمانی ایذا نہیں دیں گے۔ پھر اُس عورت کو گھر میں ڈال لیتے ہیں اور کچھ زیادہ رسومات کے ادا کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ اُس حرم کو یہہ لازم ہوتا ہے کہ بیاہتا بیوی کی تابعدار رہے اور جو اولاد اُس سے پیدا ہوتی ہے وہ بیوی کی اولاد تصور کیجاتی ہے اور وہ بچے بھی اُس کو اپنی ماں سے زیادہ بزرگ سمجھتے ہیں اور اصلی بیوی کے انتقال کے بعد حرم کی اولاد تین برس تک اُسکا ماتم کرتی ہے۔

شوہر کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ اصل سے

قصور پر بھی عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔
دستور قدیم کے بموجب عام طور سے ان سات
قصوروں پر عورت واجب الطلاق ٹھہرتی تھی
(اول) یہہ کہ عورت ضدی ہو اور اپنے خاوند
کے خلاف مرضی کرنے کی عادی ہو گئی ہو۔
(دوم) یہہ کہ بانجھ ہو اور اُس سے اولاد
پیدا ہونے کی توقع نہ رہی ہو۔
(سوم) یہہ کہ وہ بدکاری میں پکڑی جائے
(چہارم) یہہ کہ وہ حرموں کی اولاد کو نہ چاہے
اور خاوند سے بسبب حرموں کے نفرت کرے۔
(پنجم) یہہ کہ اُس کو کوئی لاعلاج مرض مثل جذام
یا برص کے ہو جائے۔
(ششم) یہہ کہ وہ زبان دراز اور موکھ پھٹ
ہو یا خاوند کا بھید عورتوں میں بیٹھکر کہا کرتی ہو۔
(ہفتم) یہہ کہ وہ چوری کی عادی ہو اور خاوند کا
اسباب چُرا کر ماں یا بھائیوں کو دیتی ہو۔
ان وجوہاتِ مذکورۂ بالا میں سے اگر ایک
وجہ بھی عورت میں پائی جائے تو گھر میں
رکھنے کے قابل نہیں ہوتی مگر تین شرطیں طلاق کی
مانع ہیں اگر انہیں سے کوئی بات پائی جائیگی
تو اُس عورت کو طلاق نہ ہو سکے گی۔
(اول) یہہ کہ اگر اُس عورت کے ماں باپ
مر گئے ہوں اور بڑا بھائی بھی نہ ہو تو اُس
حالت میں اُسکو طلاق نہیں ہو سکتی مگر بدکاری کی
حالت میں اُس کو یہہ سزا ملتی ہے کہ خاوند
اُس کو لونڈی بنا کر مثل حرم کے رکھ سکتا ہے
یا اُس کو اختیار ہے کہ کسی اور مرد کے ہاتھ
بیچ ڈالے۔
(دوم) یہہ کہ جس حالت میں عورت کے خاوند کے
ماں باپ میں سے کوئی مر گیا ہو اور وہ عورت
تین برس کی مدت تک اُس کے ماتم میں
مشغول ہو تو اس صورت اُس پر طلاق نہیں
پڑ سکتی۔
(سوم) جب یہہ بات ثابت ہو گئی ہو کہ عورت
اپنے خاوند کی خدمت گاری اور جان نثاری
میں مدت العمر رہی ہے یا کوئی سلوک خاوند
کے ساتھ اُس نے ایسا کیا ہے کہ اُس کا
عوض نہیں ہو سکتا تو بجز حالتِ زنا کے اور
کسی قصور میں اُس عورت کو طلاق نہیں
دیجائے گی۔
اگر کسی کی بیاہتا بیوی بھاگ جائے اور
پھر پکڑی آئے تو حکامِ شہر کو مطلع کرنے کے
بعد خاوند کو اختیار ہے کہ اُس کو طلاق دے
یا کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالے اور خود اپنی
شادی کسی اور عورت سے کرے۔ اگر وہ کسی
مرد کے ہمراہ بھاگ گئی تھی تو فوراً قتل کیجائیگی
اگر کوئی مرد مفقود الخبر ہو اور تین برس تک
اُس کی خبر نہ آئی ہو تو اُس کی عورت بشرط
اجازتِ حکام دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور
اگر بدون اجازتِ حاکم کے نکاح کر لیا ہو اور

پھر اُس کا خاوند عدالت میں اگر مستغیث ہوا ہو تو فوراً اُس عورت کے واسطے قتل کا حکم جاری کیا جائے گا۔ کوئی ناظم ملک بدون اطلاع سرکار کے کسی عورت سے شادی نہیں کرسکتا۔ دو بھائی۔ دو بہنوں سے شادی نہیں کرسکتے۔ مُلکِ ختا میں بے اولاد شخص کمبخت کہلاتا ہے۔

طلاق کے باب میں جیساکہ میں لکھ چکی ہوں، بعض ملکوں میں سخت قاعدے ہیں اور بعض ملکوں میں نرم ہیں مگر سچ یہ ہے کہ طلاق آخری علاج ہے۔ پہلا علاج نہیں ہے بغیر اس کے کہ کوئی ضرورت پیش آئے طلاق دینا نہایت معیوب ہے۔ باوجود اسکے کہ اسلام نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے مگر اسکے ساتھ ہی یہہ بھی کہدیا ہے کہ طلاق ایسی جائز اور مباح چیز ہے، جو اور تمام چیزوں سے خدا اور رسول کی نظر میں بہت زیادہ بُری اور خوفناک ہے۔ اِس سے صاف یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ طلاق کو کھیل سمجھتے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر اپنی عورتوں کو جدا کر بیٹھتے ہیں، وہ حقیقت میں اسلام اور اُسکے احکام کے ساتھ ہنسی کرتے ہیں۔ اُن کو چاہیئے کہ خدا سے ڈریں اور خدا کے رسول سے شرم کریں اور ذرا ذرا سی شکایتوں پر طلاق دینا اور ظہار کرنا بالکل ترک کردیں اور اپنی زندگی کے عیش کو تلخ نہ کریں اور اپنی بے زبان اور بیکس بیویوں کی خوشیوں کو برباد نہ کریں۔

مجھے جن باتوں پر بحث کرنی تھی وہ ختم ہو چکیں اور جن اصولوں کا ذکر کرنا تھا اُن کا ذکر تمام ہوچکا۔ اگر مرد اُن فرائض کو جو اسکے ذمے ہیں پورا کرینگے تو اُن کی زندگی آرام و راحت میں بسر ہوگی اور اُن کا گھر دنیا میں جنت کا نمونہ ہوگا اور وہ اور اُن کے اہل و عیال ہمیشہ خوش رہیں گے۔ ورنہ اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ جو بیہودہ رسمیں آجکل رائج ہیں اور جن باتوں پر آجکل عمل کیا جاتا ہے، اگر وہ اسی طرح جاری رہیں اور اُنپر عمل کرنا ترک نہیں کیا گیا تو اُن کا انجام بہت خوفناک ہوگا اور مردوں اور عورتوں کی خوشیاں یک قلم برباد ہوں گی اور اُنکے گھر دوزخ کا نمونہ ہوں گے اور ہماری قوم روز بروز پستی اور تنزل کے بھنور میں ڈوبتی جائیگی۔ دنیا کی کسی قوم کی ترقی کا اندازہ اسی بات سے ہوسکتا ہے کہ اُس قوم کی عورتوں کی حالت دیکھی جائے اور مردوں کا جو برتاؤ عورتوں کے ساتھ ہے اُسپر نظر ڈالی جائے۔ اگر مردوں کا برتاؤ عورتوں کے ساتھ اچھا ہو تو یقیناً اُس قوم کی حالت ترقی یافتہ ہے ورنہ اُسکے تنزل میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (قدرت بیگم)

اندلس کے مسلمان اور اُن کی نیچرل شاعری

تمام فلسفی مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ قوموں کے تمدن اور مذہب اور لٹریچر پر اُن ملکوں کی آب وہوا کا اثر پڑتا ہے جن میں وہ قومیں بود وباش رکھتی ہیں۔ عرب کی شاعری پر اگر نظر ڈالو تو یہہ کلیہ نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوجاتاہے۔ جب تک عرب کی شاعری جزیرہ نما میں محدود رہی اُس میں اُنھیں قدرتی اور مصنوعی چیزوں کا بیان ہوتا رہا جو اُس ریگستان اور سنگلاخ ملک میں پائی جاتی تھیں مگر جب وہ عرب سے باہر نکلکر عراق شام۔ عجم۔ مصر۔ افریقہ اور اندلس میں پہونچی تو اُس میں اُن ملکوں کی آب وہوا کا اثر آتا گیا۔ اندلس جس کو زمانہ حال میں اسپین کہتے ہیں اُس میں مسلمانوں نے کئی صدی تک نہایت شان وشوکت سے سلطنت کی۔ خاصکر بنی امیہ کے عہدِ حکومت میں اُسکی رونق اور آب وتاب کی کوئی حد نہیں رہی۔ اِس زمانہ میں علما اور شعرا نہایت قدر ووقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور ہر شخص علم یا شاعری کی دُھن میں معروف دکھائی دیتا تھا۔ شعرا حب وطن کے جوش سے لبریز تھے۔ وہ حسن وعشق کا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ فطرت کے منظروں پر دلدادہ تھے۔ عیش پرستی کی اُمنگیں اُنکے دلوں میں موج زن تھیں۔ اُنکے اشعار سے نفاست۔ لطافت۔ پاکیزگی اور نزاکت ٹپکی پڑتی ہے۔ یہہ کیفیت جو اُن کے اشعار میں پائی جاتی ہے اُس کو اِس ملک کی آب وہوا یا تمدن کا اثر کہنا کچھ بھی بیجا نہیں ہے۔ ہم اس موقع پر اندلس کے مسلمان شاعروں کے بعض خیالات بیان کرتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوجائیگا کہ اُس ملک کی آب وہوا کیسی تھی۔ وہاں کا تمدن کس درجہ کا تھا اُن کے اخلاق وعادات کیسے تھے۔ اور اُن کے طرزِ معاشرت کی کیا حالت تھی۔

ایک شاعر جس کا نام ابن سفر ہے اندلس کی نسبت لکھتا ہے کہ "عیش کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا لطف اگر ہے تو اندلس ہی میں ہے، جہاں خوشی دلوں کو چھوڑکر کبھی نہیں جاتی اندلس کے سوا کسی اور ملک میں زندگی کا مزا نہیں ہے۔ نہ کسی اور جگہ شراب پینے میں لطف آتا ہے۔ یہاں کی سرزمین سے کوئی ملک کیونکر ہمسری کرسکتا ہے جبکہ یہاں کے درختوں کے سایے اور پانیوں کے ہلکورے ہردم شراب پینے پر اکساتے رہتے ہیں۔ یہاں کے سبزہ زار دیکھکر آنکھوں میں تازگی کیوں نہ پیدا ہو اسلئے کہ جدھر آنکھ اُٹھاکر دیکھو یہی معلوم ہوتا ہے

کہ صنعا زمین کی بنی ہوئی ریشمی چادریں کوسوں
تک بچھا دی گئی ہیں۔ یہاں کے دریا چاندی
کے، زمین مشک کی، سبزہ زار ریشم کے اور سنگریزے
موتیوں کے ہیں۔ یہاں کی ہوا میں خاص
لطافت ہے جسکو ذرا چھو کر نکل جاتی ہے' وہ
کیسا ہی سنگدل اور بے حس کیوں نہو فوراً نرم ہوکر
پگھل جاتا ہے اور طرح طرح کی اُمنگیں اُس کے
دل میں جوش مارنے لگتی ہیں۔ یہاں صبح کے
وقت جب نسیم چلتی اور شبنم کے قطرے برساتی
ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ چاروں طرف گلاب کا
چھڑکاؤ ہو رہا ہے۔ اندلس اور ملکوں سے الگ
تھلگ اور ممتاز ہے' اسلیئے کہ سمندر کا پانی چاروں
طرف سے اُس کے گرد محیط ہے۔ اور یہہ شاداب
ملک ایک پری جمال معشوق کی طرح اُس کی گود میں
بیٹھا ہوا ہے۔ میدانوں میں پھول خوشی سے
مُسکراتے۔ پرندے چہچہے کرتے اور درختوں
کی نازک اور نرم شاخیں رقص کرتی ہیں۔ یہیں نے
اس ملک میں زندگی کی باگ ڈھیلی کر دی ہے۔
میرے نزدیک یہی ملک ہے جسکو لطافت اور
رونق کے سبب سے باغ کہہ سکتے ہیں اور
اُس کے سامنے اور تمام ملک جو سطح زمین پر
پھیلے ہوئے ہیں جنگل سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتے"

ابن سعادہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ طلیطلہ
میں اُستاد ابوبکر مخزومی سے ملنے گیا تو اُنھوں
نے پوچھا کہ تم کہاں سے آتے ہو؟ میں نے کہا
قرطبہ سے۔ پوچھا کب آئے؟ میں نے کہا ابھی
چلا آتا ہوں۔ اُنھوں نے کہا ذرا میرے نزدیک
آؤ تا کہ قرطبہ کی خوشبو تمھارے جسم سے میرے
دماغ میں آئے۔ یہہ کہکر اُنھوں نے میرے سر کو
سونگھا اور چند اشعار فی البدیہہ کہے جن کا مضمون
یہہ تھا کہ "اے پیارے قرطبہ! کیا میں دوبارہ تجھ
تک پہونچ سکتا ہوں اور کیا ایسا مبارک زمانہ
کبھی آ سکتا ہے؟ میں دعا کرتا ہوں کہ تیرے
مغربی پہلو پر خدا ہمیشہ موسم بہار کے بادل برسائے
اور تیرے باغوں میں بجلیاں چمکیں اور گرمیں تیری
راتیں بمنزلہ دن کے ہیں تیری زمین مثل باغ کے
کے ہے اور تیری مٹی سونگھنے میں عنبر کی تاثیر کرتی ہے"

عامر بن ہشام قرطبی اندلس کا ایک مشہور شاعر
ہے۔ اُسکے اشعار حب وطن کے جوش سے بھرے
ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ جبکہ وہ مفلس ہو گیا تھا دوستوں
نے اُسکو صلاح دی کہ مراکو میں موحدین کے دربار
میں جائے اور اُنکی فیاضیوں اور قدردانیوں سے
فائدہ اُٹھائے۔ اُس نے اپنے دوستوں کے جواب
میں ایک نہایت فصیح و بلیغ قصیدہ لکھا ہے۔ جس میں
وہ لکھتا ہے کہ "خدا میری آنکھوں سے قرطبہ کی
سیر گاہوں کو دور نہ کرے۔ جب روزی ہلال
میں بغیر محنت اور بغیر طمع کے مل جاتی ہے تو میں
یہاں سے کہاں جا سکتا ہوں۔ قرطبہ کے سواد کو
کون چھوڑ کر جائے۔ اگر کوئی چاہے تو دین اور
دنیا دونوں یہیں مل سکتے ہیں۔ شہر وسیع ہے

آسمیں ایک دریا ہے جس کا پانی کبھی میلا اور گندلا نہیں ہوتا۔ اُسکے کناروں پر گھنے اور سرسبز باغات ہیں۔ کاش میری عمر نوح کی عمر سے ہمسری کرتی تاکہ میں آمیں دیرتک پھر سکتا۔ کاش میرے پاس قارون کا خزانہ ہوتا تاکہ میں کبھی تنگدست نہ ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں دولت اور زندگی دونوں کو بدمستی اور حسن پرستی میں لٹادیتا۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ میں تنگدست ہوں اور جو لوگ مجھ سے کم درجہ کے ہیں وہ دولتمند اور آسودہ حال ہیں۔ افسوس افسوس اُن لوگوں کی کیسی تلخ زندگی ہے جنکا مزاج شاہانہ اور حالت فقیرانہ ہے۔ عقل والوں کی زندگی دنیا میں مکدر ہے اور اگر صاف زندگی ہے تو دیوانوں کی ہے۔ دوستو تم مجھکو یہاں تنگدست دیکھکر نصیحت کرتے ہو کہ میں وطن سے نکلکر کہیں باہر چلا جاؤں۔ یہ نصیحت تو بہت عمدہ ہے مگر میرا دل مجھ سے لڑتا ہے اور میری بات نہیں مانتا۔ ممکن ہے کہ میں یہاں سے کوچ کر جاؤں مگر وہ تو یہیں اٹک پڑیگا۔"

ابن سعید جو اندلس کا مشہور مورخ ہے اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میں ایام طفولیت میں ایک دفعہ اُس مشہور سیرگاہ میں وارد ہوا جسکو مرج الخز کہتے ہیں۔ میرے ساتھ وزیر ابو جعفر وقشی کا بیٹا ابوالحسین بھی تھا۔ جب ہم دونوں اس سیرگاہ میں پہونچے تو آفتاب غروب ہوچکا تھا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا تھا۔ اس وسیع سبزہ زار میں ہر طرف نہریں دوڑ رہی تھیں۔ میں نے اور ابوالحسین نے دیکھا کہ ایک مرغابی نہر کے کنارے پر تیرتی ہوئی آئی اور نشاط کے عالم میں پر جھاڑتی ہے اور پانی کے قطرے اُسکے پر دن سے اُڑکر سبزہ پر پھیلتے ہیں۔ میں نے ابوالحسین سے کہا "واہ کیا دلکش منظر ہے۔ آؤ ہم تم دونوں طبع آزمائی کریں اور اس منظر کی کیفیت اشعار میں بیان کریں۔ ابوالحسین نے میری رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور کہا کہ "مرج الخز میں آج کیا اچھا دن ہے جہاں باغ بھی ہے اور نہر بھی ہے۔ مرغابی اُسکے اطراف میں کھیلتی ہے اور جب چلتی ہے تو موتی بکھیرتی ہے۔ آفتاب اب ہم سے جدا ہونے کو ہے گویا کہ وہ ایک دلفریب معشوق ہے اور مغرب میں کوئی عاشق اسکا انتظار کر رہا ہے جام گردش میں ہیں اور ہوش اُڑائے لئے جاتے ہیں اور ہم سب زمانہ کی غفلتوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔"

ابوالحسین کے بعد میں نے کہا کہ "واہ کیا اچھا دن ہے جو مرج الخز کی سواد میں ہم بسر کر رہے ہیں۔ نہر رہ رہ کر مسکراتی اور ناز سے اٹھلاتی جا رہی ہے۔ آمیں مرغابیاں نشاط کے عالم میں تیر رہی ہیں اور سندس کے فرش پر موتی بکھیرتی جاتی ہیں۔ ایک نامعلوم ہاتھ ہے جو آفتاب کی نورانی چہرہ پر نقاب ڈالتا ہے۔ ہم اس سیرگاہ میں شراب کے جام گردش میں لا رہے ہیں جن سے اگر مردے بھی زندہ ہو کر بولنے لگیں تو کچھ تعجب نہیں ہے۔ ہم صبح کو خاموشی اور سکون کی حالت میں اس سبزہ زار میں داخل ہوئے اور شام کو عالم طرب میں گیت گاتے اور جھومتے نکلے۔"

غالباً یہ چند مثالیں اندلس کی شاعری کی اُس امر کے ثبوت کے لئے جس کا ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے کافی ہوں گی۔

(عزیز الرحمن عزیز)

[illegible] نئے نئے مضامین

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت مجلد	محصول ڈاک
۱	اکسیر دولت	۸ر	۱ر
۲	کیمیائے دولت	۸ر	۱ر
۳	فلسفۂ سیاسیہ ومالیہ	۶ر	۰ر
۴	شرقی طبیعیات کی ابجد	۴ر	۰ر
۵	غربی طبیعیات کی ابجد	۴ر	۳ر
۶	شرقی وغربی طبیعیات پر محاکمات	۲ر	۳ر
۷	اہل یونان کی طبیعیات کی تاریخ	۴ر	۰ر
۸	اہل اسلام کے علوم طبیعیہ کی تاریخ	۴ر	۰ر

(۹) سائنس اور مذہب کی رزم وبزم - عہ ر - ۱ر

یہہ کتابیں خان بہادر شمس العلما مولانا مولوی ذکاءاللہ صاحب فیلو الہ آباد یونیورسٹی کی جدید تصنیفات ہیں ان کتابوں میں اکثر ایسے مضامین ہیں جو اُردو زبان میں ابتک بہت کم لکھے گئے ہیں - ان کتابوں کی صرف سوا سو جلدیں چھپوائی گئی ہیں اور اسی سبب سے اُنکے چھپوانے میں زیادہ صرف ہوا ہے مگر اُن کی قیمت اُنکی لاگت کے قریب قریب رکھی گئی ہو اور ذاتی نفع کے خیال سے قیمت میں کچھ اضافہ نہیں کیا گیا ہے - یہہ کتابیں ایسی معلومات سے لبریز ہیں جن پر آج مہذب قوموں کو فخر و ناز ہے - اگر ان مضامین کے مطالعہ سے ہندوستان کے باشندے محروم رہیں تو نہایت افسوس کی بات ہے - پہلی تین کتابوں میں پولٹیکل سائنس یعنی علم دولت پر بحث کی گئی ہے - ان میں وہ اصول بیان کئے گئے ہیں جن پر عمل کرنے سے قوموں کی دولت وثروت میں ترقی ہوتی ہو - یہہ اصول یورپ کی اُن قوموں نے نہایت غور اور کاوش سے مدون کئے ہیں جنکی عظمت اور شان وشوکت کا تمام دُنیا میں ڈنکا بجا ہوا ہے - ہندوستان کے باشندوں کے لئے جو روز بروز افلاس کے تاریک غار میں اُترتے جاتے ہیں ان مضامین کا مطالعہ کرنا اور ان اصولوں پر عمل کرنا نہایت ضروری ہو اور اُنکے لئے ان کتابوں سے زیادہ کارآمد کوئی کتاب نہیں ہو سکتی -

پانچ کتابوں میں جو پہلی تین کتابوں کے بعد فہرست میں درج ہیں یہہ بتایا گیا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے دماغ میں جو یہہ خیال سمایا ہوا ہے کہ جن علوم جدیدہ کی ترقی کا شور وغل یورپ میں برپا ہے وہ ہمارے ہی باپ دادا کے علوم کا سرقہ ہے یہہ محض جہالت اور تعصب پر مبنی ہے - ان کتابوں میں مشرق اور مغرب کے علوم طبیعیہ کے اصول اور مسائل لکھکر اُن پر محاکمہ کیا گیا ہے اور اُن کی تاریخ لکھکر یہہ بتایا گیا ہے کہ یونانیوں اور مسلمانوں کی طبیعیات اور زمانۂ حال کی طبیعیات میں زمین آسمان کا فرق ہے اور ایک کو دوسری سے کچھ نسبت نہیں ہے -

اخیر کتاب میں تفصیل کے ساتھ اس بات پر نہایت دلچسپ بحث کی گئی ہے کہ مذہب اور سائنس میں کیسے کیسے معرکے برپا ہو چکے ہیں اور دونوں میں سے جب کسی ایک نے اپنی حد سے آگے بڑھکر قدم اُٹھایا

معارف

جلد ۴ | مارچ سنہ ۱۹۰۱ء | نمبر ۲

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک للعہ | مقام اشاعت دفتر معارف پانی پت | قیمت فی پرچہ مع محصول ڈاک [illegible]

[illegible] میں سید عبدالسلام [illegible] کے اہتمام سے طبع ہوا

یہہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اسمین علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین نظم ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کی عمدہ نظمیں اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے۔

معارف

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص یا انجمن یا مدرسے کے لئے کم نہیں ہو سکتی

اڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم - مقام اشاعت دفتر معارف پانی پت۔ عام خریداروں سے قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک عہ۔ قیمت فی پرچہ نمونہ معہ محصول ڈاک ۵۔

قیمت نقد بھیجئے یا ویلیوپےایبل کی اجازت دیجئے، نمونہ کے لئے ٹکٹ ارسال کیجئے، نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھئے۔ پتہ بدلنے پر فوراً اطلاع دیجئے۔ خط و کتابت یا ارسال زر اڈیٹر کے نام کیجئے۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجئے

جلد ۴ | مارچ سنہ ۱۹۰۱ء | نمبر ۳

مسلمانون کا طرزِ حکومت زمانۂ گذشتہ میں

مسلمانوں کے سو سے زیادہ خاندان مختلف زمانوں میں دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکومت کر چکے ہیں ہر ملک اور ہر زمانے میں اُن کا طرزِ حکومت اور طریقِ انتظام جُدا جُدا تھا۔ ابن خلدون نے جو بیان مسلمانوں کے طرزِ حکومت اور طریقِ انتظام کا لکھا ہے، وہ بہت دلچسپ ہے۔ ہم اِس مضمون میں اِس نامور مورخ کی تحریر سے مدد لیکر یہہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ملک کی حفاظت اور حمایت۔ تحصیل خراج و اجرائے احکام کے کیا کیا طریقے تھے، جو مسلمانوں کے مختلف حکمران خاندانوں نے جاری کئے تھے اور رفتہ رفتہ کیا کیا تبدیلیاں اِن طریقوں میں ہوئی تھیں۔

وزارت

خلافتِ راشدہ کے زمانے میں بسبب سادگی اسلام کے سلطنت کا لفظ مستعمل نہ تھا، اسلئے وزیر کا لفظ بھی اُس وقت پیدا نہیں ہوا تھا، مگر خلافت کے بعد جب سلطنت مقرر ہوئی اور پادشاہی القاب جاری ہونے لگے، تو وزیر کا لفظ بھی مستعمل ہوا۔ عبد الملک کے زمانے میں جو خاندانِ بنی امیہ کا نامور پادشاہ تھا، وزیر اُس عہدہ دار کا نام رکھا گیا، جو عرب کے قبیلوں اور گروہوں کے انتظام اور نگرانی میں سلطان کی اعانت کرتا، اور اُسے صلاح دیتا تھا۔ بنی امیہ کے تمام پادشاہوں کے وزیر سب امور میں مختار رہے۔ عہدوں کا دینا، ملکی امور کا انتظام کرنا، ملکی حدود کی محافظت رکھنی، لوگوں سے

مطالبہ کرتا، ارکان پر دار وگیر کرتا، فوج کا دفتر دیکھنا، تنخواہ تقسیم کرنی، یہ تمام باتیں وزیر کے اختیار میں تھیں۔ عباسیوں کی سلطنت میں وزیر کا رتبہ کچھ بڑھا۔ یعنے احکام حل و عقد کے اجرا میں وہ پادشاہ کا نائب مقرر ہوا۔ اور فوجی حکومت بھی اُسکو حاصل ہوئی، غیر قوموں سے صلح و جنگ کا اختیار بھی اُسکو دیا گیا، تمام احکام و فرمان اُس کی مُہر و دستخط سے جاری ہونے لگے، غرض کہ وزیر اُس شخص کا لقب ٹھرا، جو قلم اور سیف دونوں کے لحاظ سے پادشاہ کا نائب ہوتا تھا۔

ہارون رشید کے عہد حکومت میں اِس عہدے کو ایسی رونق ہوئی کہ جعفر برمکی کا لقب سُلطان مشہور ہوا، اور آخر وزارت کی دو قسمیں ہوگئیں، ایک وزارتِ اجرائے احکام، اور دوسری وزارتِ تفویض۔ پہلی صورت میں وزیر پادشاہ کا نائب ہوتا تھا، مگر دوسری صورت میں وہ خود حاکم مختار یعنی سُلطان ہوتا تھا۔ چونکہ خلفائے عباسیہ نے اپنے لئے خلیفہ کا لقب مقرر کیا تھا اسلئے وزیر کا سُلطان سے ملقّب ہونا اُن کی شان کے خلاف نہ تھا، مگر جب شاہان عجم کو سلطنت ملی، اور خلافت کی رسمیں مٹ گئیں، اور وہ اپنے آپ کو خلیفہ نہ ٹھرا سکے، تو اُنھوں نے اپنے آپکو امیر اور سلطان کا لقب دیا اور اپنے نائب کے لئے وزیر کا لفظ استعمال کرنے لگے۔

اسکے بعد جب ترکوں کی سلطنت مصر میں آئی، تو وزیر اُس عہدہ دار کا لقب مقرر ہوا، جو صرف خراج کا کام کرتا تھا، اسکے سوا ایک اور عہدہ دار جو لشکر اور اُسکے انتظام و نگرانی کا پورا اختیار رکھتا تھا، اُس کا لقب نائب مقرر ہوا۔ سلطنتِ بنی امیہ میں جو اندلس میں قائم ہوئی، وزیر کے کام تقسیم کیے گئے اور انجام امور سلطنت کے لئے چار وزیر مقرر ہوئے ایک صیغۂ مال کا جسکے عہدہ کا کام تحصیل خراج اور انتظام اخراجات تھا، دوسرا صیغۂ عدالت کا جس کے متعلق عدالت کی کچہریوں اور انفصال مقدمات کا انتظام تھا، تیسرا وزیر مُلکی جسکے ذمہ اجرائے احکام و فرامین کا کام تھا، چوتھا وزیر امورات متعلقۂ حدودِ ملکی و دُوَلِ خارجہ۔

ان چاروں وزیروں کے لئے ایک کچہری مقرر تھی، جس میں وہ اپنا اپنا کام انجام کرتے، اور اپنے اپنے صیغہ اور علاقہ کے اُن معاملات کا جو سلطنت سے تعلق رکھتے تھے انتظام کرتے تھے، ان چاروں وزیروں اور پادشاہ کے درمیان پیام رسانی کے لئے ایک عہدہ دار مقرر کیا گیا، جس کا نام حاجب رکھا گیا۔ اِس عہدے کو پادشاہ کے مقرب ہونیکے سبب سے ایسا عروج ہوا، کہ اُس کا درجہ وزیروں سے بھی بڑھ گیا اور آخر سلطنت کے

یہی حال رہا۔

افریقہ اور قیروان میں جو سلطنت شیعوں کی تھی، اُس میں بھی یہہ القاب اور یہہ عہدے جاری ہوئے، اور انھوں نے بھی گذشتہ سلطنتوں کی پیروی کی۔

حاجب

بنی امیہ اور بنی عباس کی سلطنت میں یہہ لقب اُسی شخص کا رہا، جو پادشاہ کے پاس کسی کو نہ آنے دے، اُس وقت یہہ عہدہ کوئی اعلےٰ رتبے کا عہدہ نہ تھا، کیونکہ وزیر جب چاہتا اِس عہدے میں تصرف کرسکتا تھا۔ مصر میں یہہ عہدہ نائب کے ماتحت رہا، مگر جب بنی امیہ کی سلطنت اندلس میں قائم ہوئی، تو اُنکے ہاں یہہ عُہدہ نہایت معزز ہوگیا، اور اب وزیروں اور پادشاہ کے درمیان یہی عہدہ دار واسطہ قرار پایا، یہاں تک کہ ہر ایک قسم کی پیام رسانی اور اُس کا جواب اُسی کی ذات پر منحصر ہوگیا، جوں جوں اِس سلطنت کو استقلال ہوتا گیا، حاجب کا عُہدہ بھی معزز ہوتا چلا گیا، بلکہ سلطنتِ بنی امیہ کے زوال اور طوائف الملوکی کے وقتوں میں بھی یہہ عُہدہ منسوخ نہیں کیا گیا۔

افریقہ شمالی اور مغربی کی سلطنتیں چونکہ اِس درجے کی سلطنتیں نہیں ہوئیں، اسلئے اُنکے ہاں یہہ عُہدہ نہیں پایا گیا، عبیدیوں کی سلطنتِ مصر میں اِس عُہدے کا کچھ پتہ ملتا ہے اور یہہ اُس زمانے کا ذکر ہے جبکہ وہ زیادہ شائستہ اور مہذب ہوگئے تھے۔ موحدین کی سلطنت کو بھی کچھ شہرت نصیب نہیں ہوئی، اسلئے اُنکے ہاں بھی سوائے وزیر کے اور کوئی عُہدہ اس نام کا نہیں تھا۔ ابوحفص کی اولاد نے جو حکومت افریقہ میں قائم کی اُس میں اوّل اوّل یہہ عہدہ نہ تھا، مگر جب مُلک میں وسعت ہوئی تو پادشاہ نے ایک داروغہ مقرر کیا، جس سے محل، باورچیخانہ، اصطبل، لباس خانہ، گودام، مودی خانہ، اور توشہ خانہ کی حفاظت، اخراجاتِ ضروری کا انتظام، اور عاملانِ خراج کی تنخواہ کی تقسیم متعلق تھی، پھر اُسی داروغہ کا نام اُس سلطنت میں حاجب رکھا گیا، یہہ حاجب اگر لکھنا اچھا جانتا، تو اُسکو یہہ خدمت بھی سپرد ہوتی تھی کہ فرمانوں پر اپنی کچھ علامت کر دیا کرے۔ رفتہ رفتہ پادشاہ اور اور عہدے داروں کے درمیان حاجب پیغام رساں بھی ہوا، اور آخرکار سپہ سالاری کا عُہدہ اور پھر مشیر کا عُہدہ بھی حاجب ہی کو سپرد ہوا اور اس لئے یہہ عُہدہ اُس سلطنت میں سب عُہدوں سے زیادہ معزز ہوگیا،

اور اِس سلطنت کے بارھویں بادشاہ تک یہہ عہدہ مستقل طور سے قایم اور برقرار رہا، لیکن جب اِس بادشاہ کا پوتا ابوالعباس مستقل بادشاہ ہوا تو اُس نے یہہ حاجب کا عُہدہ قطعاً موقوف کر دیا، اور سب کاروبار اپنی ذات سے انجام دینے لگا۔ بنی عبدالواد کی سلطنت میں جن میں حکمرانی کا کچھ سلیقہ نہ تھا، حاجب اُس عہدہ دار کا نام ہوا، جو بادشاہ کا ذاتی کام انجام دیتا تھا، اور کبھی کبھی اُسکو حساب اور فرمانوں کے اجرا کا کام بھی سپرد ہو جاتا تھا۔ مصر میں تُرکوں کے عہدِ حکومت میں چند تُرک جو اہلِ شہر پر احکام جاری کرتے تھے، اُن کو حاجب کہتے تھے، لشکر کے مقدمات کا فیصلہ حاجب کو سپرد ہوتا تھا، اور جو لوگ عدول حکمی کرتے تھے، اُن سے حاجب ہی سرکاری احکام کی بجبر تعمیل کراتا تھا، لیکن چونکہ تمام ملازموں کی موقوفی اور تقرری، اور اُنکی تنخواہوں کا تصفیہ اور دیگر امور نائب کے یدِ قدرت میں ہوتے تھے، اسلئے وہاں حاجب کا عُہدہ نائب کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔

دیوان

دیوان کا دفتر سلطنت کے ضروری کارروائیوں میں سے ہے۔ تحصیلِ خراج کا انتظام، آمدنی اور خرچ میں سلطنت کے حقوق کی حفاظت، ہر سپاہی کا نام اور تنخواہ دفتر میں درج کرنا، یہہ سب دفتر دیوانی کا کام تھا۔ جس مکان میں دیوان کا عملہ اور دفتر رہتا تھا، اُس مکان کا نام بھی دیوان ہوتا تھا۔ دفتر اجرائے خطوط کا نام بھی دیوان ہی کہا جاتا تھا اور اُس دفتر کے اہلکار جس جگہ پادشاہی ڈیوڑھی پر حاضر رہتے تھے، اُس جگہ کا نام بھی دیوان ہوتا تھا، اِنکے علاوہ جو شخص ان سب کارخانوں اور کارگزاریوں کا نگراں ہوتا تھا اُسکو بھی دیوان کہتے تھے۔

مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے دیوان کا دفتر مقرر کیا، اور سب کے اتفاق سے عقیل ابن ابیطالب اور مخرمہ بن نوفل اور جُبیرؑ بن مُطعم جو کارِ تحریر سے واقف تھے، اِس کام پر مامور ہوئے، اُنھوں نے ایک دفتر مرتب کیا، جس میں ہر ایک شخص کا نام و نسب درج کیا گیا تاکہ لشکروں کی ترتیب اور اُن کا انتظام بھی درست ہو جائے۔ اِس دفتر میں سب سے پہلے اُن لوگوں کا نام لکھا گیا، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، اسکے بعد اُن لوگوں کا جو اُن سے قریب تھے پھر اُن کا جو دُور کی قرابت رکھتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس درجہ بدرجہ سب لوگوں کے نام اسمیں درج ہوئے، اول یہہ انتظام محرم سنہ

میں ہوا اور دفتر خراج و دفتر محصول جیسا پہلے تھا، ویسا ہی اب بھی رہا، یعنی عراق کا دفتر فارسی زبان میں، اور شام کا دفتر رومی زبان میں۔

خلافت کے بعد جب سلطنت نے رونق پائی، اور لکھنا پڑھنا، اور حساب و کتاب لوگ جان گئے، تو عبد الملک بن مروان کے حکم سے سلیمان بن سعد نے جو صوبۂ اردن کا گورنر تھا تمام شام کے دفتر کو ایک برس دن کے اندر رومی زبان سے بالکل عربی میں کر دیا۔ رومی منشی بے روزگار ہو گئے۔ حجاج بن یوسف کے وقت میں صالح نے فارسی کا دفتر بھی بادشاہ کے حکم سے عربی میں کر لیا، اور یہہ امر فارسی منشیوں کو بہت شاق گذرا۔

بنی عباس کی سلطنت میں لشکروں کا کام بیت المال کی آمدنی و خرچ کا حساب اور وہ ممالک جو صلح سے فتح ہوئے، اور وہ جو بزورِ شمشیر مسخر کئے گئے، اُن کا حساب علیحدہ علیحدہ رکھنا، دفتر میں حسب لیاقت کام کو اہلکاروں پر تقسیم کرنا، ناظروں اور منشیوں کے لئے قواعد اور شرطیں مقرر کرنا، اور حساب کو ایک باقاعدہ حالت میں لانا یہہ سب خدمات دیوان کے دفتر سے متعلق رہیں۔

اندلس میں بنی اُمیہ اور اُنکے بعد کی سلطنتوں میں اِس عہدہ دار کا نام صاحب الاشغال رکھا گیا۔ بنو ابی حفص کی سلطنت میں جو افریقہ میں قائم ہوئی تھی اور جو سلطنتِ اندلس کی یادگار تھی، ایسا ہی برتاؤ رہا، مگر جب حاجب کا عہدہ غالب ہوا، تو اِس کام والے بھی سب اُنکے تابع ہو گئے، اور اُن کی وہ پہلی سی عزت نہ رہی۔ بنی مرین کی سلطنت میں بھی آمدنی اور خرچ کا عہدہ ایک ہی شخص کو دیا جاتا تھا، اور وہی سب دفتروں اور حسابوں کی تصحیح کیا کرتا تھا۔ گویا یہی عہدہ دیوان کا عہدہ تھا۔ دیوان کی تصحیح کے بعد بادشاہ اور وزیر دفتر کو ملاحظہ فرماتے تھے اور آمدنی اور خرچ کی صحت کے واسطے اُنکے دستخط ضروری ہوتے تھے، ترکوں کی مشرقی سلطنت کی عظمت اور وسعت کے لحاظ سے یہ کل ذمہ داری ایک ہی عہدہ دار کے ہاتھ میں نہ رہ سکی، بلکہ حساب کے متعدد عہدہ دار ہو گئے، جنکی نگرانی ایک مقتدر وزیر کے ذمہ تھی۔

دفتر انشا

اکثر سلطنتوں میں جن میں کچھ تہذیب اور ترقی نہیں تھی اب تک اِس دفتر کی طرف کچھ توجہ نہیں ہوئی، لیکن جس طرح رفتہ رفتہ سلطنتوں میں تہذیب زیادہ

ہوتی گئی، اسی طرح بتدریج اِس دفتر
کی اور اُسکے منشیوں کی بھی قدر بڑھنے لگی۔
سلطنتِ اسلام میں بڑی توجہ اِسپر رہی
کہ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت قایم
رہے، اسلئے اُس وقت کے منشی اپنا
مطلب نہایت عمدہ عمدہ اور فصیح و بلیغ عبارتوں
میں ادا کرتے تھے۔ خلفاء اور اُن صحابہ
کی خدمتوں میں جنھوں نے شام اور عراق
میں فرمانروائی کی، وہ لوگ انشا کے کام پر
مامور ہوتے تھے، جو اُنکے قرابت دار
اور قبایلِ عرب میں معزز ہوتے تھے، کیونکہ
وہ شاہی اسرار کے امین ہوتے تھے؛ مگر
جب زبان بگڑ گئی، اور اُسکو درستی
سے استعمال کرنا ایک فن قرار پا گیا، تو
جو کوئی اِس فن میں خوب ماہر ہوتا تھا،
وہی اِس عہدہ پر مامور ہوتا تھا۔
بنی عباس کی سلطنت میں اِس عہدہ
کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی تھی، ہر
طرح کے فرمانوں کا اجرا منشی کے متعلق
ہوتا تھا جنکے آخر میں خود منشی کا نام بھی
لکھا جاتا تھا، اور اوپر پادشاہ کی مُہر ثبت
ہوتی تھی۔ اِس مہر میں یا تو بادشاہ کا نام
کندہ ہوتا تھا، یا اُسکی تصویر ہوتی تھی۔
لیکن جب کبھی یہہ کام مستقل طور سے کسی
وزیر یا حاجب کو سپرد ہوا، یا پادشاہ نے
خود اپنے ہاتھ میں لیا، تو منشی کی توقیر
ہمیشہ گھٹ جاتی تھی۔ اور چونکہ اِن منشیوں
کو پادشاہوں کے حضور میں حاضر رہنا
پڑتا تھا، اور جو کچھ خط و کتابت پادشاہوں
میں ہوتی تھی اُس کو وہ حضورِ شاہی میں
پیش کرتے تھے، اِس لئے یہہ بھی ضرور
تھا کہ جو لوگ اِن عہدوں پر مامور ہوں
وہ شریف خاندانوں میں سے، اور بامروت،
ذی وجاہت، اور صاحبِ علم ہوں۔
اِن سب منشیوں پر شاہی خاندان میں کا
کوئی شخص افسر ہوتا تھا، اور اُس کی وجہ
بھی یہی تھی، کہ چونکہ اِس دفتر سے پادشاہوں
کے بہت سے اسرار متعلق ہوتے تھے،
اِس لئے اُن کی حفاظت کے لئے ایسے
افسر کا ہونا ضروری تھا، جسپر پادشاہ کا
بہت کچھ اطمینان ہو، اور اِس قسم کا
اطمینان سوائے اہل خاندان اور قرابتداروں
کے کسی اور پر کمتر ہوتا ہے۔

شرطہ یا پولیس

افریقہ میں اِس عہدہ کا نام حاکم تھا۔
اندلس میں صاحب المدینہ۔ اور مصر کی سلطنت
میں اُس کو والی کہتے تھے؛ مگر یہہ عہدہ
سپہ سالار سے اکثر کم رتبہ سمجھا جاتا تھا۔
شریعتِ حقّہ محمدیہ میں بلا تحقیق وقوعِ جرم
کوئی شخص سزایاب نہیں ہوسکتا تھا؛

لیکن پادشاہوں کے ہاں بعض اوقات بلا ثبوتِ جُرم بھی محض قیاس کی بنا پر عبرتًا کسی کسی کو سزا دیجاتی تھی اسلیئے بنی عباس کی سلطنت میں ایسے لوگوں کی سزا اسی عہدہ دار سے متعلق تھی جس کو صاحب الشرطہ کہتے تھے۔ کبھی کبھی اُس کو شرع کے بموجب بھی قصاص کا اختیار کچھ دیا جاتا تھا، جو حقیقت میں قاضی کا کام ہوتا تھا، مگر صاحب الشرطہ معزز خاندانوں پر اپنے احکام جاری نہیں کرسکتا تھا۔ اندلس میں بنی امیہ کی سلطنت میں اِس عہدہ نے بہت عروج پایا، اور اِس عہدہ پر دو شخص مقرر ہونے لگے۔ ایک اوّل درجے کا، دوسرا ادنٰے درجے کا۔ اول درجے کے صاحب الشرطہ کے احکام معزز لوگوں پر بھی جاری ہوتے تھے، اور دوسرے درجے کے احکام باقی عام آدمیوں پر۔ اول درجے کے عہدہ دار کے واسطے پادشاہوں کی ڈیوڑھی پر کُرسی رکھی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ عہدہ اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہوگیا۔ جو وزیر یا حاجب ہونے کی قابلیت اور لیاقت رکھتے تھے؛ اندلس کی تاریخ میں بعض بڑی بڑی عمارتوں کی نسبت یہہ ذکر بھی پایا جاتا ہے کہ وہ صاحب الشرطہ کے اہتمام سے تعمیر ہوئی ہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے، کہ سررشتۂ تعمیرات میں بھی کبھی کبھی اِس عہدہ دار کی مداخلت ہوتی تھی۔

موحدین کی سلطنتِ مغرب میں بھی اوّل اوّل یہہ عہدہ بہت معزز تھا، مگر پھر تو اُسکی ایسی مٹی خراب ہوئی کہ ہر ادنٰے اور اعلٰے اُسپر مقرر ہونے لگا۔ مشرق میں تُرکوں کے ہاں یہہ عہدہ برابر اُن تُرکوں کو ملتا رہا، جو اِس عہدے کے بہت مناسب تھے۔

جہازرانی

ابتدائے اسلام میں فنِ جہازرانی کی طرف مسلمانوں کو کچھ رغبت نہیں ہوئی، بلکہ حتے الامکان اُس سے بچتے رہے، لیکن جب مسلمانوں کی سلطنت نے ترقی پائی اور دُور دُور تک اُن کی حکومت پھیل گئی اور سمندر کے کناروں تک وہ مُلک کے مالک ہوگئے، تو اُس وقت اُنھوں نے بھی اِس طرف توجہ کی اور پھر بہت ہی جلد اُس میں ایسی ترقی کرلی کہ اُنھوں نے جہازوں پر سوار ہوکر اُن جزیروں اور مُلکوں کو فتح کیا، جن کے درمیان سمندر حائل تھا۔

امیر معاویہ کے زمانے تک مسلمان جہازی لڑائی سے بالکل ناآشنا رہے؛

مگر پھر اُنھوں نے مسلمانوں کو جو اب تک محض ناواقف تھے، اِس بات کی اجازت دی، کہ جہازوں پر سوار ہو کر جہاد کریں۔ اور اب اُن کو ایسے لوگوں سے پالا پڑا، جنھوں نے گویا جہاز کے تختوں ہی پر پرورش پائی تھی۔ مسلمانوں نے بھی آخرکار اِس طرف توجہ کی اور اُن ملکوں کی طرف اپنی ہمتوں کو مصروف کیا، جو سمندر کے ساحل پر واقع تھے، عبد الملک نے جو بنی امیہ میں نامور خلیفہ ہو گزرا ہے اپنے افریقیہ کے عامل حسان بن نعمان کو حکم دیا کہ تونس میں ایک کارخانہ بحری جنگ کے سامان کا قایم کرے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اُس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ مسلمانوں نے جہازوں پر سوار ہو کر ملکوں کو فتح کیا۔ زیادۃ اللہ الاول کے عہد میں اُس کے سپہ سالار اسد بن الفرات نے صقلیہ کو فتح کیا پھر اسی بادشاہ کے عہد میں قوصرہ بھی فتح ہوا۔ عبیدیین اور بنی امیہ کے زمانہ میں افریقیہ اور اندلس میں بحری لشکروں نے ڈیرے ڈالے۔ عبد الرحمن ناصر کے عہد میں اندلس کے بندرگاہوں پر دو سو جہازوں کے قریب لنگر زن تھے اور اسی قدر جہاز افریقیہ میں تھے، اور ہر مملکت کے بنادر میں جہازوں کے بنانے کا کام جاری تھا۔ ہر ایک جہاز پر دو سردار ہوتے تھے، ایک تو وہ جو سامان جنگ اور سپاہ کا منتظم ہوتا تھا۔ دوسرا ہَوا کا مبصر ہوتا تھا اور اُس کا رُخ پہچان کر جہازوں کو چلنے کا حکم دیتا تھا۔ جب کوئی مہم اختیار کیجاتی تھی، تو ایک لنگرگاہِ معین میں سب جہاز جمع ہو جاتے تھے، اور بحری سپاہ و سرداران شاہی اُن میں سوار ہوتے اور کوئی بہت بڑا خاندانی شخص اُن سب کا سپہ سالار ہوتا تھا۔

اِس تمام ساز و سامان و کر و فر کا نتیجہ یہہ ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت سمندر کے سب اطراف میں غالب ہو گئی، اور مخالفوں کی کوئی چھاؤنی ساحلِ بحر پر باقی نہ رہی، جس پر مسلمان قابض نہ ہو گئے ہوں۔ فتح و ظفر نے مسلمانوں کے جہازوں میں اپنا مسکن کر لیا، ہر ایک مقام پر اُن کو فتح حاصل ہوئی اور دُور دُور تک کے جزیرے اُن کے قبضے میں آ گئے، میوقہ (میجورکا)، منرقہ (منورکا)، یابسہ (ایویکا)، سردانیہ (سارڈینیا)، صقلیہ (سسلی)، قوصرہ، مالطہ (مالٹا)، اقریطش (کریٹ)، قبرص وغیرہ جزیروں میں جو بحرِ روم میں واقع تھے، مسلمانوں کے نشان لہرانے لگے؛ مسلمانوں کے لشکر اس کے بعد سمندر کو عبور کر کے صقلیہ کے اُس بڑے میدان میں اُترے،

جو شمال میں اُسکے مقابل واقع ہے اور فرنگ پہ
جا پھونچے اور وہاں خوب کامیاب ہوئے ۔
عیسائی اپنے جہازوں پر بیٹھکر شمالی مشرقی
جزیروں میں چلے گئے، جہاں فرنگ (فرانسیسی)
اور رومانیہ (رومی)، اور صقالبہ (اسکلاوونین)
رہتے تھے اور وہاں سے آگے نہ بڑھے ۔
یہاں بھی مسلمانوں نے شیرانہ حملہ کیا اور اپنے
جہازوں سے سمندر کو گھیر لیا اور ہر طرف
اُنکے جہاز ہی جہاز نظر آنے لگے اور اُنکے
مخالف اِسقدر مغلوب اور مرعوب ہوئے کہ
اُنکے جہاز کا ایک تختہ بھی سمندر میں بہتا ہوا
نظر نہ آیا، مگر جب مسلمانوں کی سلطنت عبیدیہ
اور بنی امیہ میں بد دلی اور نااتفاقی اور سستی
اور خرابی آگئی، تو عیسائیوں نے پھر جزایر
شرقی پر حملہ کیا، اور صقلیہ (سسلی)، اور
اقریطش (کریٹ)، اور مالطہ (مالٹا) کو مسلمانوں
سے چھین لیا ۔ اِسکے بعد اُنھوں نے شام کے
کناروں پر یورش کی اور طرابلس، عسقلان،
صور اور عکا کو مسلمانوں سے لے لیا، اور
وہ شام کے تمام بندرگاہوں پر قابض ہوگئے
پھر اُنھوں نے بیت المقدس میں اپنا عبادتخانہ
یعنی چرچ تعمیر کیا ۔ اور طرابلس میں بنی خزرون پر
غالب آئے، اور قابس اور صفاقس پر جزیہ
مقرر کیا اور عبیدین کی دارالحکومت مہدیہ کو
بلکین بن زیری کی اولاد سے چھین لیا ۔

عیسائیوں کا یہ غلبہ سنہ [illegible]ھ ہجری میں ہوا،
اسکے بعد سنہ [illegible]ھ ہجری میں موحدین کی سلطنت
نے پھر زور پکڑا اور اُنکے ہاں جہازوں کو
ایسی قوت اور رونق حاصل ہو کہ نہ اُس
سے پہلے کبھی ہوئی تھی اور نہ اسکے بعد ہوئی،
مگر آپس کی نااتفاقیوں کی وجہ سے دوبارہ
پھر ویسا غلبہ نہ ہوا، چنانچہ جب سلطان صلاح الدین
نے جو مصر اور شام کا مشہور بادشاہ ہے،
عیسائیوں سے شام کے بندر چھین لئے
اور بیت المقدس کو پھر فتح کر لیا اور عیسائیوں
کے جنگی جہاز ہر طرف سے سلطان کے مقابلہ
کے واسطے آئے، تو سلطان نے یعقوب
منصور بادشاہ مغرب سے جو موحدین کا
بادشاہ تھا مدد چاہی، لیکن چونکہ خط میں اُسکو
امیر المومنین کا لقب نہیں لکھا گیا تھا، اِسلئے
مدد کرنے سے اُس نے بالکل انکار کیا اور
اسلئے عیسائی سمندر پر غالب آگئے اور
مسلمانوں کی سلطنتیں رفتہ رفتہ ضعیف ہوگئیں۔
یعقوب کے مرنے کے بعد جب موحدین کی
سلطنت کم زور ہوگئی تو فوراً جلالقہ (اہل گیلیشیا)
بلاد اندلس پر غالب ہوگئے اور مسلمانوں کی
بحری قوت بالکل کم زور ہوگئی۔ عیسائی
سمندر پر اچھی طرح سے مسلط ہوگئے۔ مسلمانوں پر
ضعف اور سستی طاری ہوگئی اور سوائے
اُن مسلمانوں کے جو سمندر کے کناروں پر

رہتے تھے اور کسی میں پھر اتنی لیاقت نہ رہی جو بحری جنگ کے سامان کو درست کرتا اور وہ ہر طرف اپنی سستیوں اور کاہلیوں کی بدولت اپنی موروثوں کی مفتوحہ سلطنتیں کھو چکے اور بالکل کمزور ہو گئے۔ اب تو مسلمانوں کی سلطنتیں جو مختلف ملکوں میں قایم تھیں، برباد ہو چکی ہیں۔ جو باقی ہیں اُن میں بحری اور بری انتظام اسقدر ترقی کے درجے پر نہیں ہے، جسقدر غیر قوموں میں ہے اور جسقدر پہلے زمانے میں بمقابلہ غیر قوموں کے تھا۔ سلطنت اور حکومت کے علاوہ اور باتوں میں بھی مسلمان دُنیا کے اِس سرے سے اُس سرے تک برابر پستی او تنزل کی حالت میں ہیں اور اُن کی ایسی افسوسناک حالت ہے کہ سوائے مایوسی کے کوئی نتیجہ نظر نہیں آتا۔ کاش مسلمان پھر سنبھالا لیں اور اُنکی دماغی اور عقلی، علمی اور اخلاقی، ملکی اور تمدنی قابلیتیں پھر از سرِ نو شگفتہ اور سرسبز ہوں اور وہ اپنی گذشتہ ناموری کا علم دُنیا کے اطراف میں پھر بلند کر سکیں۔ آمین۔

(عزیز الرحمٰن عزیز)

ابو تمام طائی

دیوانِ حماسہ عربی زبان کے علم ادب میں ایک مشہور کتاب ہے، اُسکے جامع کا نام ابو تمام ہے۔ ابو تمام عرب کے اُسی قبیلہ کی طرف منسوب ہے، جسکی طرف حاتم طائی کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ابو تمام طائی کے لقب سے مشہور ہے، یاقوت نے اپنی کتاب معجم البلدان میں لکھا ہے کہ اُسکی ولادت سنہ ۱۸۸ ہجری میں ہوئی۔ اُس کا اصلی نام حبیب اور باپ کا نام اوس ہے۔ جاسم دمشق کی نواح میں ایک چھوٹا سا خوشنما اور سرسبز گاؤں ہے۔ اِس گاؤں میں ابو تمام پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ اُس کا باپ اوس عیسائی تھا اور دمشق میں شراب فروشی یا عطر فروشی کی دُکان کرتا تھا۔ اگرچہ ابو تمام کا بچپن جاسم ہی میں گذرا، مگر اُس کی جوانی کے ایام مصر میں بسر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ القاہرہ میں تھا، تو ایک مسجد میں سقّے کا کام کرتا تھا اور اسی پیشہ پر اُس کی گزران تھی، بعض مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ دمشق میں جہاں اُس کا باپ رہتا تھا، وہ ایک جولاہے کا شاگرد تھا اور کپڑا بننے کا کام اُس سے سیکھا کرتا تھا، مگر اِس پر سب کا اتفاق ہے کہ دونوں میں سے کسی کام میں اُس نے بہت دن بسر نہیں کئے۔

اُس زمانے میں عام طور پر بلادِ اسلامیہ میں شاعری کا چرچا تھا اور شاعروں کی بہت قدر کیجاتی تھی۔ اُسکی طبیعت میں بھی قدرتی طور پر شاعری کا ملکہ تھا، یہہ ملکہ خود بخود حرکت میں آیا اور اُس نے اوّل عربی زبان کے ادب کیطرف توجہ کی۔ جب ادب کی تحصیل کرچکا، تو شعرگوئی کی طرف مائل ہوا اور اُس میں کمال پیدا کیا۔

علامہ ابوالفرج اصفہانی اپنی مشہور تصنیف کتاب الاغانی میں لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں ابوتمام کی نسبت رائے رکھنے والے دو گروہ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں، جو اُسکی تعریف میں بے انتہا مبالغہ کرتے ہیں اور اُس کو زمانۂ قدیم و حال کے تمام شعرا پر ترجیح دیتے ہیں۔ دوسرے گروہ کے لوگ تعصب اور دشمنی سے اُسکے عمدہ اور پاکیزہ اشعار کو چھپاتے ہیں اور اُسکے اُن اشعار کو پیش کرتے ہیں، جو ناقص اور بیہودہ ہیں؛ مگر یہہ طریقہ انصاف سے بعید ہے۔ اُسکے جو اشعار عمدہ اور پاکیزہ ہیں، اُنکو دُنیا کی نظر سے پوشیدہ کرنا اور اُن اشعار کو پیش کرنا، جو ادنےٰ درجے کے ہیں، نہایت بے انصافی اور نادانی کی بات ہے اور ایسا کرنا صاف صاف حسد پر دلالت کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابوتمام نے ایک شاعر کے سامنے اپنا قصیدہ پڑھکر سُنایا، جو فصاحت کے زیور سے آراستہ اور بلاغت کے جواہر سے لبریز تھا۔ اُس شاعر نے ایک شعر کے سوا اُسکے باقی تمام اشعار کی بیحد داد دی اور خوب تعریف کی۔ جس شعر پر وہ اٹکا، اُسکی نسبت اُس نے کہا کہ اگر یہہ شعر اِس قصیدہ میں نہ ہوتا، تو یہہ قصیدہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بیمثل ہوتا۔ ابوتمام نے کہا کہ میں خود اِس شعر کے عیب سے واقف ہوں؛ مگر شاعر جو اشعار کہتا ہے، وہ اُسکے نزدیک بمنزلہ اُسکی اولاد کے ہوتے ہیں۔ جس طرح کوئی باپ اپنے کسی بچے کی موت کا خواہاں نہیں ہوتا، اگرچہ وہ کتنا ہی بدصورت ہو، اسی طرح کوئی شاعر اِس بات کو پسند نہیں کرسکتا کہ جس شعر پر اُس نے اپنا خونِ جگر ٹپکایا ہے، اگرچہ وہ شعر کیسا ہی ادنےٰ درجے کا ہو، اُسکو اپنے کلام میں سے ساقط کردے اور اُس پر قلم پھیر دے۔ علامۂ اصفہانی اِس حکایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ ابوتمام کی شاعرانہ فضیلت کا اقرار اُن بزرگوں اور شاعروں اور ادب کے ماہروں نے کیا ہے، جنکی لیاقت مسلّم ہے اور جن کی فضیلت کا ہر کہ ومہ اعتراف کرتا ہے۔ میسر مجاشی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے محمد بن عبدالملک وزیر کو یہہ کہتے سُنا ہے کہ زمانۂ حال کے شاعروں میں سب سے

زیادہ فوقیت اُس شخص کو حاصل ہے جس نے
یہ شعر کہا ہے:

وما ابالی وخیر القول اصدقہ
حقنت لی ماء وجہی او حقنت دمی

یعنی میں سچ کہتا ہوں اور سچ کہنے میں کسی
بات کی پروا نہیں کرتا۔ میرے نزدیک کسی کی
آبرو اُتارنا اور قتل کرنا، دونوں برابر ہیں۔
میں نے وزیر سے یہ بات سُنکر ابو تمام کی
نسبت کوئی رائے قایم نہیں کی اور اس
بات کا منتظر رہا کہ کوئی مستند شاعر یا ادیب
اُسکی نسبت جو رائے رکھتا ہو اُس کو معلوم
کروں۔ ایک دن حُسنِ اتفاق سے ابراہیم
بن ابو العباس صولی سے ملاقات ہوئی،
جو علومِ ادبیہ میں کامل الفن ہونے کا دعوی
رکھتا تھا۔ میں نے اُس سے دریافت کیا کہ
آپ کے نزدیک اِس زمانے میں سب شاعروں
سے زیادہ اعلیٰ درجہ کا شاعر کون ہے؟
اُس نے کہا کہ جس شاعر نے ذیل کے دو شعر
کہے ہیں، وہ سب سے اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے۔

نسبٌ کأن علیہ من شمس الضحی
نوراً ومن فلق الصباح عمودا
ورثوا الابوۃ والحظوظ فاصبحوا
جمعوا جدوداً فی العلی وجدودا

یعنی بنو وائل کا خاندان ایسا واضح اور روشن
نسب رکھتا ہے گویا [illegible]
اُس پر اپنی روشنی ڈال رہا ہے اور سپیدۂ
سحری اُس پر جلوہ افگن ہے۔ بنو وائل اسلاف
کی فضیلت کے ساتھ اقبال کی عظمت بھی
رکھتے ہیں اور نسب کی شرافت کے ساتھ
حسب کا کمال بھی اُنکی ذات میں جمع ہے۔
یہ اشعار بھی پہلے شعر کی طرح ابو تمام کے ہیں۔
اِنکو سُنکر میں نے یقین کر لیا کہ فی الحقیقت
ابو تمام کو اپنے زمانے کے تمام شاعروں پر
فضیلت حاصل ہے۔

محمد بن یزید نحوی کا بیان ہے کہ ایک
دفعہ عمارہ بن عقیل جو شاعری اور ادب میں
بہت بلند پایہ شمار کئے جاتے ہیں، بغداد
میں وارد ہوئے۔ بغداد کے جوق جوق
باشندے اُنکی فیضِ صحبت سے مستفیض
ہوئے اور اُنکے دیوان کی ہزاروں نقلیں
لی گئیں۔ بغداد کے بہت سے شاعروں کا
کلام نکتہ چینی کی نظر سے اُن کے سامنے
پیش کیا گیا اور اُن سے رائے لی گئی۔ ایکدن
بھری مجلس میں ایک شخص نے کہا کہ ہمارے
شہر میں آجکل ایک شاعر ہے، جو اپنے
تئیں یکتا اور بے نظیر سمجھتا ہے؛ مگر لوگوں کی
رائیں اُسکی نسبت مختلف ہیں۔ میں چاہتا
ہوں کہ اُسکے کلام کی نسبت آپ کی رائے
معلوم کروں۔ عمارہ نے کہا کہ اگر اُسکے اشعار

مخالفوں کے درمیان محاکمہ کروں اور بے رو و رعایت رائے دوں۔ اُس نے ذیل کے اشعار پڑھنے شروع کئے:

غدت تستجیر الدمع خوف نوی غد
وعاد قتاداً عندہا کل مرقد
وانقذہا من غمرۃ الموت انہ
صدود فراق لاصدود تعمد
فاجری لہا الاشفاق ومعاً موردا
من الدم یجری فوق خد مورد
ہی البدر یغنیہا توردُ وجہہا
الی کل من لاقت وان لم تورد

یعنی جب اُس محبوب نے میری سفر کرنے کا حال سُنا، تو آنسو بہانے لگی اور بجائے استراحت کرنے کے کانٹوں پر لوٹنے لگی؛ مگر جب اُسکو معلوم ہوا کہ میرا اُس سے جدا ہونا فراق کے باعث سے ہے، نہ بغض و نفاق کے باعث سے تو وہ ہلاکت سے بچ نکلی۔ وہ جدائی کے خوف سے اپنے گلرنگ رخساروں پر گلابی آنسو بہانے لگی۔ اُسکا چہرہ چودھویں رات کے چاند کے مانند چمکتا ہے اور دیکھنے والوں کی نظر میں ہمیشہ گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ اور تر و تازہ رہتا ہے؛ مگر اُسکے حسن اور لطافت کو غازہ کا احسان اُٹھانا نہیں پڑتا۔

یہہ اشعار پڑھکر وہ خاموش ہوگیا۔

ثمارہ نے کہا تم خاموش کیوں ہوگئے؟ کچھ اور پڑھو۔ اُس نے ذیل کے دو اشعار اور پڑھے:

ولکنّنی لم احوِ وفراً مجمّعاً
ففزت بہ الّا بشمل مبدّد
ولم تعطنی الایام نوماً مسکّناً
الذّ بہ الّا بنوم مشرّد

یعنی جب تک میں نے غربت اور سفر کی تکلیف نہیں اُٹھائی، دولت و ثروت حاصل نہیں کی اور جب تک خوفناک منزلوں میں پریشان خواب نہیں دیکھے میٹھی اور گہری نیند کی لذت نہیں پائی۔

ثمارہ نے کہا کہ اِس سے پہلے غربت و مسافرت کے بہت سے مضامین شاعروں نے باندھے ہیں؛ مگر بخدا اِس خیال میں یہہ اور شاعروں پر سبقت لے گیا ہے۔ اگر اِس سے آگے اور اشعار یاد ہوں، تو وہ بھی ضرور پڑھو۔ اُس نے ذیل کے دو شعر اور پڑھے:

وطول مقام المرء فی الحی مخلق
لدیباجتیہ فاغترب تتجدد
فانّی رایت الشمس زیدت محبّۃ
الی الناس ان لیست علیہم بسرمد

یعنی وطن میں دیر تک ٹھہرنا انسان کے چہرے کو بے رونق کر دیتا ہے۔ تم کو

چاہیئے کہ سفر کرو، تاکہ لوگوں کی نظر میں تر و
تازہ دکھائی دو۔ آفتاب دُنیا کے لوگوں کو
اسلئے عزیز اور محبوب معلوم ہوتا ہے کہ
وہ ہمیشہ اُنکے سر پر نہیں چمکتا۔

عمارہ نے کہا: بس کافی ہے۔ اور
اشعار پڑھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔
اگر اشعار کی خوبی الفاظ کی جودت اور مضمون
کی لطافت پر منحصر ہے، تو میں خدا کی قسم
کھاکر کہتا ہوں کہ اِن اشعار کا کہنے والا اِس
زمانے کے تمام شاعروں سے بالاتر ہے۔

ابو تمام کے زمانے میں دعبل ایک مشہور
شاعر تھا۔ اُسکے اور ابو تمام کے درمیان ہمیشہ
چشمک رہتی تھی۔ ایک دفعہ دعبل نے اپنے
چند شعر پڑھکر کہا کہ ابو تمام نے ان اشعار کا
مضمون چرا کر اپنے اشعار میں باندھ لیا ہے۔
اُسکے دوستوں میں سے ایک شخص نے
کہا اور وہ اشعار کونسے ہیں؟ دعبل نے
ابو تمام کے اشعار پڑھکر سُنائے۔ اُس کے
دوست نے کہا کہ میری نزدیک سچی بات
یہہ ہے کہ مضمون تو تمہارے اور ابو تمام
کے اشعار کا ایک ہے، مگر ابو تمام نے
تم سے زیادہ عمدہ پیرایہ بیان کا اختیار
کیا ہے اور اُسکے الفاظ بھی تمہارے الفاظ
سے زیادہ مناسب اور موزوں ہیں۔
اگر ابو تمام نے یہہ مضمون تمہارے اشعار
سے چرایا ہے، تو اُس نے اپنے عمدہ اور
پاکیزہ طرزِ بیان سے اُسکو زمین سے آسمان پر
پہونچا دیا ہے اور اگر تم نے اُسکے اشعار
سے اِس مضمون کی چوری کی ہے، تو
مجھے افسوس کے ساتھ یہہ کہنا پڑتا ہے
کہ تم اُسکے خیال اور طرزِ بیان کے برابر
نہیں پہونچ سکے بلکہ اُسکی گرد کو بھی نہیں
پا سکے۔ دعبل کو اپنے دوست کے اِس
بیان پر اگرچہ غصہ بہت آیا تھا، مگر زہر کے
سے گھونٹ پیکر خاموش ہو گیا۔

اسی طرح ایک دفعہ دعبل ایک بھری
مجلس میں ابو تمام کی مذمت کرتا تھا اور
اُس کے کلام پر بار بار نکتہ چینی کر رہا تھا۔
حاضرین میں سے ایک شخص نے جس کا نام
عصابہ تھا، کہا کہ میں ابو تمام کے ایک قصیدہ
میں سے چند اشعار تمہارے سامنے پڑھتا
ہوں، مگر شرط یہہ ہے کہ تم تعصب کی پٹی
آنکھوں سے کھول ڈالنا اور انصاف سے
ان اشعار پر غور کرنا۔ اگر ان اشعار کی عمدگی
اور خوبی ثابت ہو جائے، تو آیندہ کبھی
اُسکی مذمت نہ کرنا اور اگر تم منصفانہ طور
سے یہہ فیصلہ کرو کہ یہہ اشعار فی الحقیقت
اِس قابل نہیں ہیں کہ اُن کی تعریف کیجائے،
تو میں بھی آیندہ تمہارا ہمزبان اور ہمداستان
ہوں گا اور کبھی ابو تمام کی تعریف نہیں کرونگا

اب میں وہ اشعار پڑھتا ہوں۔ دیکھنا کہیں اُنکو حسد اور تعصب کی نگاہ سے نہ دیکھنا یہہ کہکر عصابہ نے ابو تمام کے اشعار پڑھنے شروع کئے، جن کا مضمون یہہ تھا کہ میرا ممدوح مثل ایک سیلاب کے ہے کہ اگر تم اُسکے سامنے آپڑو، تو وہ تمھیں کچل ڈالتا ہے؛ لیکن اگر دونوں پہلو سے اُسکی اطاعت کرو، تو وہ قابو میں آجاتا ہے۔ میں خوب تجربہ کرچکا ہوں کہ جو شخص کسی طرح کا ضرر نہیں پھونچا سکتا، اُس سے نفع کی توقع رکھنی بے سود ہے۔ اسی طرح جو شخص نفع نہیں پھونچا سکتا، اُس سے ضرر کا اندیشہ رکھنا حماقت ہے۔ دنیا کے آدمی تو مرنے کے بعد قیامت ہی کو دوبارہ زندگی پاینگے؛ مگر ہم اِسی دنیا میں اُسکی فیاضیوں سے بار بار زندہ ہوتے ہیں۔ اور اُسکی لطف وعنایت کی نظریں ہمارے قالب میں ہر وقت نئی روح پھونکتی ہیں"! یہہ اشعار سُنکر دعبل نے کہا کہ ابو تمام کے شاعرانہ کمالات کا مجھ سے زیادہ کون قائل ہوسکتا ہے؛ مگر بات یہہ ہے کہ تم اُس کو اُس درجہ سے بہت اونچا لیجاتے ہو، جس درجہ پر کہ وہ حقیقت میں ہے۔ اگر تم اور شاعروں پر اُسکو ترجیح نہ دو، تو میں اُسکے فضل وکمال کا دل سے اقرار کرتا ہوں۔ عصابہ نے کہا کہ اگر ابو تمام کو دوسرے شاعروں پر فوقیت اور فضیلت نہ ہوتی، تو تم جیسا بلند پایہ شاعر اُس کے ساتھ کبھی دست وگریبان نہ ہوتا۔

کہتے ہیں کہ جب عراق اور شام میں ابو تمام کی شاعری کا چرچا پھیل گیا اور اُسکے کمالات کا شہرہ ہوا، تو معتصم باللہ عباسی نے جو اُس زمانے میں آلِ عباس کی مسندِ حکومت پر جلوہ افروز تھا، سُرمن رائی میں اُس کو بُلایا اور اُسکے فصیح وبلیغ اشعار سُنکر دنگ رہگیا۔ اُس نے ابو تمام کو اپنے زمانے کے تمام شاعروں پر فضیلت دی اور اُسکو اپنے دربار کا ملک الشعرا قرار دیا اور انعام و اکرام سے مالا مال کردیا۔ جو قصیدے ابو تمام نے معتصم کے نام سے لکھے ہیں، وہ اُسکے دیوان میں موجود ہیں اور اُن سے اُسکی قدرتِ بیان اور ندرتِ خیال کا اچھی طرح اندازہ ہوسکتا ہے۔ منجملہ اُن قصیدوں کے ایک قصیدہ اُس نے عموریہ کی فتح پر لکھا ہے۔ ہم اس سے پہلے کہ اس قصیدہ کے مضامین کا نمونہ پیش کریں، فتح عموریہ کا تاریخی حال ذیل میں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

کامل ابن اثیر میں لکھا ہے کہ ۲۲۰ھ ہجری میں معتصم نے افشین کو جو اُسکی فوج کا نامور سپہ سالار تھا، بابک خرمی کے مقابلہ میں بھیجا۔ بابک اپنے تئیں ایک جدید مذہب کا

پیشوا خیال کرتا تھا اور اِس مذہب کا بانی مزدک نامی ایک شخص باشندۂ ایران تھا۔ بابک نے اِس جدید مذہب کی حمایت میں اپنی جان لڑادی تھی اور بیشمار عجمیوں کی فوج اپنے گرد جمع کر لی تھی اور آرمینیا اور آذربائیجان میں اُس نے قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ افشین نے اُسکے ساتھ کئی دفعہ ایسی بہادری اور شجاعت سے مقابلہ کیا کہ اُسکے حواس قایم نہیں رہے۔ اُس نے معتصم کی فوجوں کو منتشر کرنے کے لئے ایک تدبیر سوچی اور وہ یہہ تھی کہ خفیہ طور سے اُس نے ایک خط توفلس کو جو اُس زمانے میں روم کا فرمانروا تھا، اِس مضمون کا لکھا کہ آجکل معتصم کی تمام فوجیں آرمینیا کی حدود پر ہیں اور دارالخلافہ میں کوئی فوج باقی نہیں رہی ہے۔ اگر آپ بلادِ اسلامیہ پر اپنا عَلَمِ اقبال بلند کرنا چاہیں اور ممالک عباسیہ پر قابض ہونا چاہیں تو اِس سے بہتر کوئی موقع نہیں ملیگا۔ توفلس نے اِس خط کو پڑھکر موقع کو غنیمت سمجھا اور ایک لاکھ فوج کی جمعیت سے بلادِ اسلام پر حملہ آور ہوا۔ اِس فوج نے زبطرہ اور ملطیہ وغیرہ قلعوں کو فتح کر لیا اور بہت سے مسلمانوں کو قتل کر ڈالا اور بہت سوں کو قید کر لیا۔ جب معتصم کے سامنے یہہ واقعہ بیان کیا گیا، تو اُس نے ایک غلام سے پینے کا پانی مانگا تھا اور وہ غلام پانی کا گلاس ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔ مخبروں نے اِس واقعہ کا ایک جزء یہہ بھی بیان کیا کہ زبطرہ میں ایک حسین عورت کو جو آلِ ہاشم میں سے ہے، ایک عیسائی نے گرفتار کر لیا ہے۔ جب اِس ظالم عیسائی نے اُس مظلوم عورت کی عفت میں خلل ڈالنا چاہا، تو اُس نے بلند آواز سے کہا: وامعتصماہ!! اِن الفاظ کو سُنکر اُس عیسائی نے طنز سے کہا: وہ دیکھ! معتصم ابلق گھوڑے پر سوار ہے اور تیری دستگیری کو آپہونچا ہے! یہہ سُنکر معتصم کی آنکھوں سے خون برسنے لگا اور مارے غصہ کے موچھوں سے چنگاریاں اُڑنے لگیں۔ اُس نے غلام کے ہاتھ سے پانی کا گلاس نہیں لیا اور لبیک لبیک کہتا ہوا تخت سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ جب تک میں اِس مظلوم عورت کو ظالم عیسائی کے پنجے سے نہ چھڑا لوں گا ہرگز پانی نہ پیوں گا۔ اُس نے فوراً حکم دیا کہ جسقدر ابلق گھوڑے اصطبل میں موجود ہوں، یا جسقدر سترسن راستے میں مل سکیں، حاضر کئے جائیں۔ چنانچہ مورخوں کا بیان ہے کہ اُس روز ایک لاکھ پچاس ہزار ابلق گھوڑے مہیا کئے گئے۔

اور اُن پر معتصم کی فوج سوار ہو کر قلعۂ زبطرہ کی طرف روانہ ہوئی۔ معتصم ایسا مستقل اور راسخ ارادہ رکھتا تھا کہ عباسیوں میں کوئی فرمانروا اس باب میں اُسکی ہمسری نہیں کر سکتا تھا۔ زمانہ دورانہ سے نجومیوں کا ایک گروہ دربار خلافت میں چلا آتا تھا اور اُسی کی پیشین گوئیوں پر تمام فرمانروا عمل کرتے تھے۔ جب معتصم کی فوج زبطرہ کو روانہ ہوئی، تو تمام نجومیوں نے بالاتفاق یہہ پیشین گوئی کی کہ اس معرکہ میں عباسیوں کی فوج کو ضرور ہزیمت ہوگی اور اس شکست سے مسلمانوں کو بیحد نقصان ہوگا اور آل عباس کی حکومت کو سخت صدمہ پھونچیگا۔ اگرچہ اس پیشین گوئی نے فوج کے آدمیوں کو ہراساں کردیا تھا، مگر معتصم کے ارادہ میں ذرا فرق نہیں آیا اور اُسکے استقلال کے تیور ذرا نہیں بگڑے۔ اُس نے اپنی فوج کے ساتھ رہکر اُس کی ہمت اور شجاعت کے قالب میں جان ڈالدی اور نہایت دلیری اور بسالت سکے رومیوں کی سرحد پر حملہ کیا۔ اوّل قلعۂ زبطرہ کو فتح کیا اور ہاشمی عورتوں کو عیسائی کے پنجہ سے چھڑایا۔ پھر انقرہ کو، جس کو اِس زمانے میں انگورہ کہتے ہیں فتح کیا۔ اِس کے بعد اُس نے عموریہ کا رُخ کیا۔ عموریہ اُس زمانے میں عیسائیوں کا بہت بڑا اور مضبوط شہر تھا۔ اُس کا قلعہ نہایت سنگین اور مستحکم تھا۔ اُسکے گرد ایک وسیع خندق تھی، جو ہر وقت پانی سے لبریز رہتی تھی۔ معتصم نے اِس قلعہ کا محاصرہ کیا اور چند روز تک محاصرہ کئے پڑا رہا۔ حُسنِ اتفاق سے اِس قلعہ کی دیوار میں ایک روز ایک چوڑا سوراخ ہوگیا۔ اور اُس سوراخ سے معتصم کی فوج قلعہ میں داخل ہوگئی۔ قلعہ بہت جلد فتح ہوگیا اور ناطس جو شہنشاہِ روم کی طرف سے اُس قلعہ کا حاکم اور مذہبی پیشوا تھا گرفتار ہوگیا اور اِس طرح نجومیوں کی پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی۔ یہہ واقعہ سنہ ۲۲۳ ہجری کا ہے۔

ابو تمام اِس سفر میں معتصم کے ہمرکاب تھا۔ اُس نے ایک طویل قصیدہ میں اِس واقعہ کا نہایت فصاحت و بلاغت سے خاکہ کھینچا ہے۔ ہم اِس موقع پر اُس میں سے چند اشعار کا مضمون بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ تلوار بہ نسبت نجوم کی کتابوں کے زیادہ صحیح حال بیان کرتی ہے اور وہ حق و باطل میں خوب تمیز کرتی ہے۔ فتح و شکست کا حال اُن نیزوں سے معلوم ہوتا ہے، جو فوج کے درمیان چمکتے اور

آنکھوں کو خیرہ کرتے ہیں، نہ اُن سات
ستاروں سے جو آسمان کی بلندی پر چمکا
کرتے ہیں۔ وہ پیشین گوئی اب کہاں
گئی؟ وہ نجوم کے دلائل کیا ہوئے؟
وہ نجومیوں کے اوہام اب کدھر ہیں جنکو
اُنھوں نے جھوٹ کے قالب میں ڈھالکر
بیان کیا تھا۔ یہہ مکار اور دغاباز لوگ بُرجوں
اور ستاروں کی ایک خاص ترتیب دیکھکر
یا کسی دُم دار ستارے کے طلوع وغیرہ
کا اندازہ کرکے دُنیا میں حادثوں اور مصیبتوں
کے نازل ہونے کی پیشین گوئیاں کیا کرتے
ہیں، حالانکہ وہ واقعات وحالات سے
بالکل بیخبر اور غافل ہوتے ہیں، جو پردۂ
تقدیر میں پوشیدہ ہیں۔ اگر کسی واقعہ کا
اُسکے وقوع سے پہلے حال بیان کرنا
ممکن ہوتا، تو وہ مصیبت جو عموریہ کی فتح
میں صلیبوں اور صلیب پرستوں پر نازل
ہوئی، نجومیوں سے پوشیدہ نہ رہتی یہہ
فتح اِس قابل ہے کہ اُسکو فتح الفتوح کہا
جائے۔ اِسکی عظمت کو نہ کوئی شاعر
اپنے اشعار میں بیان کرسکتا ہے، نہ کوئی
خطیب اپنے خطبہ میں ادا کرسکتا ہے۔
اے عموریہ کے معرکے! تیری مبارک
زمانے نے مسلمانوں کی امیدوں اور
آرزوؤں کو پورا کردیا ہے۔ عموریہ
اپنے باشندوں کے لئے بمنزلہ ایک
مادرِ مہربان کے تھا، جس کی ننگ وناموس
کی حفاظت وحمایت میں وہ اپنی ماؤں اور
باپوں کو قربان کرڈالتے تھے۔ عموریہ ایک
ایسی جوان معشوقہ ہے، جس کو نہ ذوالقرنین
رام کرسکا، نہ نوشیرواں۔ سکندر کے زمانے
سے بلکہ اُس سے بھی زیادہ قدیم زمانے
سے اب تک کسی حادثے نے اُسکی رونق
اور تروتازگی میں فرق نہیں ڈالا۔ لیل ونہار
کی گردشوں میں زمانہ بوڑھا ہوگیا تھا،
مگر عموریہ اب تک جوان تھا اور اُسکے شباب
اور حُسن کی لطافت میں کوئی خلل نہیں
آیا تھا، یہاں تک کہ خدا نے اپنے قوانین
قدرت کو جنبش دی اور اِس قلعہ پر وہ دن
آپہونچا، جو دُنیا کی تمام ناپائدار اور فانی
چیزوں کو پیش آنے والا ہے۔ جب انگورہ
فتح ہوا اور اُس کا میدان لاشوں سے
پٹ گیا اور اُسپر ویرانی اور اُداسی کا عالم
طاری ہوگیا، تو عموریہ کی فتح کا شگون خود
بخود ظاہر ہوگیا۔ عموریہ یہہ دیکھکر کہ انگورہ برباد
ہوچکا ہے اور اُسکی سنگینی اور صلابت کچھ
کام نہ آئی، اپنی ویرانی اور تباہی کے خواب
دیکھنے لگا۔ دیکھو! دیکھو!! اب کتنے بہادر
اور دلیر آدمی عموریہ کے میدان میں تڑپ
رہے ہیں اور کسقدر شہسوار اور جنگجو سپاہی

آنکھیں بند کئے یہاں سو رہے ہیں۔ سب کے سر
اور چہرے خون سے رنگین ہیں۔ ان
شہسواروں اور جنگجویوں نے کسی پیغمبر کی
شریعت کے موافق نہیں، بلکہ تلوار کی شریعت
کے موافق اپنے خون سے خضاب کیا ہے۔
کفر و ضلالت کو بالکل خبر نہ تھی کہ مصیبت ان
کی کیسی بھاری فوج نیزوں اور تلواروں
کے ساتھ ایک زمانۂ دراز سے اُسکی گھات
میں سو رہی ہے۔ یہہ اُس خلیفہ کی تدبیر کا
نتیجہ ہے، جو ہر کام میں خدا پر بھروسا رکھتا
ہے اور جو خدا ہی کی مرضی کے موافق انتقام
لینے پر تیار رہتا ہے اور جو اُسکی فرمانبرداری
دل سے کرتا ہے اور جو اُسی سے ثواب
کی توقع رکھتا ہے۔ وہ جس قوم یا ملک پر لشکر
کشی کرتا ہے، اوّل ہیبت اور جلال کی فوج
کو اُسکی طرف روانہ کرتا ہے۔ اے غیرتمند
خلیفہ! تو اپنے تخت پر بیٹھا ہوا زبطرہ کی ایک
ہاشمی عورت کی فریاد کو سُن لیتا ہے اور اُسکی
جواب میں لبیک کہتا ہے۔ پھر نیند کو اپنی
آنکھوں پر حرام کرلیتا ہے اور آبِ زلال
کے گلاس کو زمین پر پٹک دیتا ہے اور ننگی
تلوار سے اُس مظلوم عورت کی حمایت کرتا
ہے۔ اے حامیِ اسلام خلیفہ! تونے ایک
مظلوم عورت کی فریاد کا جواب جو ننگی تلوار
سے دیا، اگر تو یہہ جواب نہ دیتا، تو بیشک جوابکا
حق کسی طرح ادا نہ ہو سکتا۔ تیری فوج نے
مشرکوں کے خیمے سرنگوں کر دیئے، مگر انکے
مال و اسباب کی طرف کچھ توجہ نہیں کی۔ ان
بیشک وہ بہادر آدمی جو شیروں کی طرح میدان
میں اپنے دشمنوں پر حملہ کرتے ہیں، جان کے
سوا اُن کی کسی چیز کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔
اگر زمانے کے اجزا میں کوئی اتصال ہوتا،
تو عموریہ کی فتح اور جنگِ بدر کے درمیان
ضرور ایک قریبی رشتہ تھا۔ اِس معرکے سے
بنو اصفر یعنی رومیوں کے چہروں پر زردی
چھا گئی ہے اور عرب کے بوڑھوں اور نوجوانوں
کے چہرے چمک اُٹھے ہیں۔"

کہتے ہیں کہ جب معتصم اِس قصیدہ کو
سُن رہا تھا، تو اُس کا ارادہ تھا کہ ابو تمام کو
تیس ہزار درم انعام دیگا؛ مگر ایک شعر کو سنکر
ایسا بیتاب ہوا کہ بے اختیار اُسکی زبان سے
نکلا: یا ابا تمام دنّرتَ دراہمک یعنی اے ابو تمام
تونے اپنے انعام کے درہموں کو دیناروں سے
بدل دیا۔ چنانچہ جب ابو تمام قصیدہ تمام کر چکا،
تو تیس ہزار دینار اُس نے انعام پایا۔ بعض
کہتے ہیں کہ اس قصیدہ کے صلہ میں معتصم
نے ابو تمام کی جاگیر میں موصل اور اُسکے نواح
و مضافات کی زمین لکھدی تھی۔

کہتے ہیں کہ ابو تمام اپنے زمانے میں
جس امیر یا فرمانروا کی مدح کرتا تھا، اُس سے

کسی شاعر کو صلہ پانے کی توقع باقی نہیں
رہتی تھی۔ احمد بن یزید مہلبی کا قول ہے
کہ کسی شاعر کی یہہ مجال نہ تھی کہ ابو تمام کی
زندگی میں کسی ممدوح سے ایک درم بھی
پاسکے۔ جب اُس کا انتقال ہوگیا، تو تمام
شاعروں میں وہ روپیہ تقسیم ہوگیا، جو تنہا
اُسی کو ملتا تھا۔

علامہ ابو الفرج اصفہانی لکھتے ہیں
کہ ایک دفعہ ابو تمام نے بصرہ جانے کا ارادہ
کیا۔ اُس زمانے میں بصرہ کا شاعر عبد الصمد
بہت مشہور تھا اور اِس شہر کے باشندوں میں
اُس کا کلام بہت مقبول تھا۔ جب اُس نے
ابو تمام کے آنے کی خبر سُنی، تو اُسے اِس
بات کا اندیشہ ہوا کہ بصریوں کی نظر میں ابو تمام
کی شاعری کے سامنے اُس کا کلام نہیں
چمکے گا۔ اُس نے تین شعر لکھکر ابو تمام کے
پاس اِس غرض سے بھیجے کہ وہ بصرہ میں
آنے سے باز رہے۔ اِن اشعار کا مضمون
یہہ تھا کہ "تمہارا سفر دو حال سے خالی نہیں
ہے۔ یا تو تم کسی محبوب کی تلاش میں نکلتے
ہو اور اُسکے وصال کی آرزو میں سرگردان
پھرتے ہو، یا کسی ممدوح کی جستجو میں سفر
کرتے ہو اور اُس سے فیاضی کی امید
رکھتے ہو؛ مگر تم خود ہی اِس بات پر غور کرو
کہ جب عشق کی ذلت یا سوال کی بیعزتی
تمھارے چہرے پر چھا جاتی ہے، تو آبرو
کی توقع تم کسی حالت میں نہیں کرسکتے۔"

ابو تمام نے یہہ اشعار پڑھکر سمجھ لیا کہ بصرہ
کے باشندے عبد الصمد کے فریب میں
آئے ہوئے ہیں اور اُس کو اعلےٰ درجہ کا
شاعر خیال کرتے ہیں۔ اُس کو اندیشہ ہے
کہ اگر میں بصرہ میں وارد ہوا، تو یہہ طلسم
ٹوٹ جائیگا۔ اُس نے وہاں جانے کا ارادہ
ترک کردیا اور تین شعر لکھکر اُسکو بھیجدیئے۔
اِن اشعار کا مضمون یہہ تھا کہ "تو جو لاشئے
سے بھی کمتر ہے، میری نسبت جھوٹ اور
فریب کی باتیں لکھتا ہے۔ بیشک میری طرف
سے کینہ تیرے دل میں پوشیدہ ہے اور
اِن باتوں کی بنیاد حسد پر ہے۔ تو نے مجھپر
حملہ کرکے اپنے تئیں خطرے میں ڈالدیا ہے۔
تیری مثال بالکل دراز گوش کی سی ہے،
جو شیر کی بو پاکر اُسی کی طرف دوڑتا اور
موت کے پنجے میں گرفتار ہوجاتا ہے۔"

حسن بن رجاء جو فارس کا فرمانروا تھا،
اُس کے دربار میں جب ابو تمام پہونچا، تو
باوجود بخل کے جو قدرتی طور پر اُسکی طبیعت
میں موجود تھا، اُس نے ابو تمام کو دس ہزار
درم انعام دیا اور دیگر امراء سے بھی اُسکو
انعام دلوایا۔ ابو تمام نے ایک دفعہ حسن بن
رجاء کے سامنے اپنا ایک فصیح و بلیغ قصیدہ

پڑھنا شروع کیا اور پڑھتے پڑھتے اُن اشعار پر
پھونچا، جن کا مضمون یہہ تھا کہ فیاض آدمیوں
کے پاس دولت نہیں رہتی اور اس کا ثبوت
یہہ ہے کہ بلند مقامات پر پانی کبھی نہیں ٹھہرتا،
اگر اسکی مثال آنکھ سے دیکھنی ہو، تو وہاں
آکر دیکھو، جہاں میں جو شعر و سخن کو زندہ
کرتا ہوں، ایک ایسے فیاض امیر کی مدح
میں گوہر فشانی کرتا ہوں جو مال و دولت
کے لئے بمنزلہ موت کے ہے"۔ حسن بن رجار
اِن اشعار کو سُنکر سرو قد کھڑا ہو گیا اور
کہنے لگا کہ اِس قصیدہ کی عظمت میری
نگاہ میں اسقدر ہے کہ میں اُسکو بیٹھکر نہیں
سُن سکتا۔ ابو تمام بھی امیر کو کھڑا ہوا دیکھکر
ادب سے کھڑا ہو گیا اور اِسی حالت
میں اُس نے قصیدہ کو تمام کیا۔ حسن بن رجار
جب اِس قصیدہ کو سُن چکا، تو اُس نے
ابو تمام سے معانقہ کیا اور اُسکو اپنے برابر
مسند امارت پر بٹھا لیا۔

ابو تمام فارس میں دو مہینے سے
زیادہ نہیں ٹھہرا، مگر اس زمانے میں ایک
ایسا واقعہ پیش آیا، جس سے وہ موت
کے مونھ میں جا ہی چکا تھا، مگر بال بال بچگیا۔
حسن بن رجار سے لوگوں نے شکایت
کی کہ ابو تمام نماز نہیں پڑھتا۔ اُس نے
ابو تمام کو جب بُلا کر دریافت کیا، تو اُس نے
کہا کہ میں بغداد سے فارس تک صدہا کوس
کی منزلیں طے کر کے آیا ہوں اور میں نے
سفر کی بیشمار صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت
کی ہیں۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ میں
ایسی مشقت اور تکلیف کا تو آسانی سے
تحمل کر سکتا ہوں، مگر نماز پڑھنے میں مجھپر
سُستی اور کاہلی طاری ہو جاتی ہے اور
اُس میں اُٹھنا بیٹھنا مجھے شاق معلوم ہوتا
ہے!! حاشا و کلا! یہہ بات نہیں ہے۔
اصل یہہ ہے کہ اگر مجھے اِس بات کا یقین
ہو جائے کہ نماز پڑھنے والوں کو کوئی ثواب
یا انعام آخرت میں ضرور ملیگا، تو میں کبھی
نماز کو ترک نہ کروں۔ حسن بن رجار اِس
بات کو سُنکر نہایت غضبناک ہوا اور اُس نے
ابو تمام کے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا،
مگر خدا جانے کیا واقعہ پیش آیا کہ وہ اِس
ارادہ کو عمل میں نہیں لا سکا۔ نامور مورخ
مسعودی ابو تمام کے اِس قول کو محض
ظرافت خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ
ابو تمام کے مزاج میں بے پروائی پرلے
درجہ کی تھی اور اُس نے جو جواب دیا،
وہ درحقیقت ظرافت پر مبنی تھا۔ اِس سے
اُسکے عقیدہ پر استدلال نہیں ہو سکتا۔
حق العباد میں وہ کیسا ہی ہو، مگر حق اللہ
کی نسبت اُس کا اصلی اور دلی خیال اُس

شعر سے معلوم ہوتا ہے، جس کا مضمون یہہ ہے کہ جو شخص خدا کا مقروض ہے، اُس کو لازم ہے کہ بہ نسبت دیگر قرضخواہوں کے خدا کے قرض کو مقدم جانے اور اسکے ادا کرنے میں جلدی کرے ؎

محمد بن سعید جو حسن بن رجا کا سکرٹری تھا، بیان کرتا ہے کہ جب ابو تمام ارض الجبل میں امیر محمد بن ہیثم کے پاس پہونچا اور اُس نے امیر کی مدح میں ایک فصیح و بلیغ قصیدہ پڑھکر سُنایا، تو امیر نے ایک ہزار دینار اور ایک گرانبہا خلعت اُس کو عطا کیا۔ اِس خلعت اور انعام کی تعریف میں اُس نے فوراً ایک قطعہ پیش کیا، جس کے الفاظ لطافت اور روانی کے لحاظ سے دجلہ اور فرات کو شرمائے دیتے تھے اور مضامین کی سنگینی اور رنگینی الوند اور البرز کے سبزہ زاروں کو مات کرتی تھی۔ امیر نے اِس قطعہ کو سُنکر کہا کہ میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں کہ میری توشہ خانے میں اِس وقت جسقدر بیش بہا اور قیمتی کپڑے موجود ہیں اور جسقدر ریشمی اور زر نگار لباس اِس وقت مہیا ہیں، وہ سب ابو تمام کے ہو چکے۔ ابو تمام نے امیر کا شکریہ ادا کیا اور تمام توشہ خانے کو سمیٹ کرلے گیا۔

کہتے ہیں کہ جس زمانے میں خلافت عباسیہ کی طرف سے خراسان کی حکومت آلِ طاہر کے ہاتھ میں تھی اور عبداللہ بن طاہر مسندِ حکومت پر جلوہ افروز تھا، ابو تمام سیر و سیاحت کرتا ہوا خراسان میں جا نکلا جب قومس میں پہونچا، تو اُس کے ایک دوست نے پوچھا کہ تم کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟ اُس نے جواب میں دو شعر کہے، جن کا مضمون یہہ ہے کہ "جب اونٹوں کو سفر کرنے سے میری طاقت طاق ہو گئی اور اونٹوں پر کوفت اور تھکان کی حالت طاری ہو گئی، تو قومس میں لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اِسقدر سُرعت اور تیزی کے ساتھ سفر کرنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا تم آفتاب کے مطلع تک پہونچنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا، نہیں، میں تو جود و کرم کے مطلع تک پہونچنا چاہتا ہوں"۔ اُس زمانے میں نیشاپور خراسان کا دار الحکومت تھا اور آلِ طاہر کے فرمانروا اسی شہر میں اپنا عَلَمِ حکومت بلند کرتے تھے جب ابو تمام اِس شہر میں پہونچا، تو جوق جوق شعرا اُسکے گرد جمع ہو گئے اور اُنھوں نے درخواست کی کہ وہ کچھ اپنا کلام پڑھکر سنائے۔ ابو تمام نے اُس وقت کوئی شعر نہیں پڑھا اور کہا کہ جس کو سننا ہو، وہ کل امیر کے دربار میں آئے، جہاں میں

امیر کی مدح میں ایک تازہ قصیدہ پڑھنے والا ہوں۔ جب دوسرا دن ہوا، تو عبد اللہ بن طاہر کے دربار میں سب شعرا جمع ہو گئے اور ابو تمام نے اپنا ایک فصیح و بلیغ قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ اِس قصیدہ کے مطلع میں ابو تمام نے اُس واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا، جس میں مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حُسن و جمال کو دیکھکر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ ابو العمیثل نے جو آلِ طاہر کا مخصوص شاعر اور اعلےٰ درجہ کا انشا پرداز تھا، اِس شعر کو سُنکر کہا: لِمَ لَا تَقُولُ مَا یُفْهَمُ یعنی تم کیوں ایسے اشعار نہیں کہتے، جو سمجھ میں آسکیں؟ ابو تمام نے فوراً جواب دیا: لِمَ لَا تَفْهَمُ مَا یُقَالُ یعنی جو اشعار کہے جاتے ہیں، تم اُن کو کیوں نہیں سمجھتے؟ حاضرین اِس حاضر جوابی سے دنگ رہ گئے۔ ابو تمام جب اپنے قصیدہ کو تمام کر چکا، تو تمام شعرا نے، جو اُس وقت دربار میں موجود تھے، بالاتفاق بلند آواز سے کہا کہ حضور کے سوا کوئی امیر اِس قابل نہیں ہے کہ اُسکی مدح میں ایسے بلند پایہ اور بے نظیر اشعار کہے جائیں۔ اُنھیں شاعروں کے حلقہ میں ریاحی نام ایک شاعر تھا۔ اُس نے امیر کو مخاطب کر کے کہا کہ حضور! آپنے جو وعدہ انعام و صلہ کا میرے قصیدہ پر کیا تھا، وہ بھی اِسی نامور شاعر کو دیا جائے۔ میں ایسے بے نظیر اور قادر الکلام شاعر کے ہوتے اپنے تئیں کسی انعام و صلہ کا مستحق نہیں جانتا۔ عبد اللہ بن طاہر نے کہا کہ ہم نے تیرے انعام کو بھی دو چند کر دیا، کیونکہ تونے انصاف پرستی سے کام لیا ہے اور حسد اور تعصب سے کجرائی اور غلط فہمی میں نہیں پڑا۔ رہا ابو تمام اُس کو ہم اُسکی شان کے موافق علیحدہ انعام دینگے۔ یہہ کہکر عبد اللہ بن طاہر نے حکم دیا کہ ایک ہزار اشرفیاں اُس پر نثار کیجائیں۔ ابو تمام نے اُن اشرفیوں میں سے کچھ نہیں لیا اور ادب سے سینے پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ عبد اللہ بن طاہر یہہ دیکھکر غضبناک ہوا اور اُس نے غصے کے لہجے میں کہا کہ ابو تمام ہمارے عطیے کو حقیر جانتا ہے اور ہماری توہین کرتا ہے، اب یہہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی مراد کو پھونچے اور جس مقصد سے اُس نے خراسان کا سفر کیا ہے، وہ پورا ہو۔

اِس نا ملایم واقعہ کے بعد ابو تمام مدت تک نیشاپور میں ٹھہرا رہا، مگر عبد اللہ بن طاہر نے اُس کے معمولی روزانہ اخراجات کے سوا کسی انعام کے جاری کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اِس اثنا میں اُسکے دو صغیر سن بچے انتقال کر گئے۔ ابو تمام نے اُن کا دلگدا

مرثیہ لکھا اور اُسکی خدمت میں پیش کیا۔ مرثیہ کے اشعار کا مضمون یہہ تھا کہ "زمانہ انسان کو اپنی مصیبت کے تیروں کا ضرور نشانہ بناتا ہے، خواہ وہ انسان پہاڑ پر ہو یا میدان میں۔ کل اقبال ہمارے دروازہ پر آیا اور ہم نے سمجھا کہ وہ مدت تک ہمارے پاس ٹھہرا رہیگا، مگر صبح ہوتے ہی اُس سے کوچ کیا۔ لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا تھا کہ یہہ دو درخشندہ ستارے ایک لمحہ طلوع کرکے موت کے افق میں ڈوب جائیں گے۔ اگر خزاں کے زمانے میں باغ پر کوئی آفت آسمانی نازل ہو، تو اُس کی نسبت اُس باغ پر زیادہ رونا اور نالہ وزاری کرنا چاہیئے، جو عین بہار کے موسم میں لُوٹ لیا جائے۔ اگر کوئی نسب داں اِن دو نونہالوں کے نسب پر غور کرے، تو وہ ایک کو شرافت کے ایک بازو کا اور دوسرے کو دوسرے بازو کا زیور خیال کریگا۔ میں فضیلت کی اُن نشانیوں پر افسوس کرتا ہوں، جو اُن میں نمودار تھیں اور اگر وہ دیر تک زندہ رہتے، تو وہ نشانیاں ترقی کرتیں اور کریمانہ اخلاق اور شریفانہ عادات بن جاتیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اُن کے سکون کی حالت رفتہ رفتہ متانت اور وقار سے بدل جاتی اور بچپن کی شوخیاں ذہانت اور زیرکی میں منتقل ہو جاتیں اور اُنکا خندہ پیشانی ہونا فیاضی کے سانچے میں ڈھل جاتا۔ میری اس قیافہ شناسی پر کوئی شخص تعجب نہیں کر سکتا، کیونکہ جب پہلی رات کو باریک اور خمدار ہلال آسمان پر ظاہر ہوتا ہے تو ہر شخص کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہہ ایک دن بدرِ کامل بن جائیگا۔" اس مرثیے کو سننے کے بعد بھی عبد اللہ بن طاہر کا دل نہیں پسیجا اور اُس نے ابو تمام کو کوئی انعام نہیں دیا اور ہمیشہ لیت و لعل کرتا رہا جب ہوا کے اعتدال کا زمانہ گذر چکا اور سردی کا موسم چمک اُٹھا، تو ابو تمام نے بطور شکایت کے چند اشعار لکھے، جن کا مضمون یہہ تھا کہ "گرمی کا موسم گذر گیا اور اُس کا کوئی نشان دُنیا میں باقی نہیں رہا؛ مگر اب میرے پاس نہ تو کوئی کپڑا پہننے کو ہے، نہ کوئی چادر اُوڑھنے کو۔ پس میری آنکھوں کو لازم ہے کہ گرمی کے رخصت ہونے پر اس طرح آنسو برسائیں، جس طرح کوئی جدائی کو روتا ہے، یا وصال کے زمانے کو یاد کرکے نوحہ کرتا ہے۔ زمانہ کا دایاں ہاتھ تو اپنی فیاضیاں دکھا چکا۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ اُسکا بایاں ہاتھ اپنا کام کرے۔" ابو العمیثل نے یہہ اشعار سُنے تو وہ اخیر شعر کے کنایہ کو سمجھ گیا اور

فوراً ابو تمام کے پاس پھونچا اور ہمدردی اور دلجوئی کی باتیں کرکے اُس سے وعدہ کہ وہ امیر کو اُسکے حال پر ضرور متوجہ کریگا۔ چنانچہ ایک دن وہ عبد اللہ بن طاہر کے پاس پھونچا اور کہا کہ حضور کی فیاضیوں کا چرچا دُنیا میں دُور دُور تک پھیل گیا ہے اور جوق جوق شعرا حضور کی مدح سرائی کے لئے اطراف و اکناف سے چلے آتے ہیں۔ حضور کی بندہ پروری اور ذرہ نوازی کی شہرت کا اِس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوگا کہ ابو تمام بغداد سے صدہا کوس کی منزلیں طے کرکے نیشاپور میں حضور کے آستانے پر پھونچا ہے اور اُس نے شعر و سخن کے وہ جواہر پارے نذر میں پیش کئے ہیں جو سلف سے آج تک کسی امیر کے حصے میں نہیں آئے۔ اُس کا فصیح و بلیغ کلام نکتہ سنجوں اور ادیبوں کی نظر میں اعجاز کے مرتبہ تک پھونچگیا ہے عرصہ دراز ہو چکا ہے کہ وہ اِس توقع پر دار الحکومت میں پڑا ہوا ہے کہ حضور کی فیاضی کے چشمے میں جب کبھی تموج پیدا ہوگا اُسکی امیدوں اور آرزوؤں کی کھیتی سرسبز و شاداب ہو جائیگی۔ باوجود اِسکے حضور نے اب تک اُس کو اپنے بساط جلال سے دور اور اپنی توجہ اور عنایت سے محروم کر رکھا ہے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اُسکی شان اور رتبہ کے موافق اُس سے برتاؤ نہیں کرتا اور اُسکی گوہر فشانیوں اور جادو بیانیوں کو سرسری نظر سے دیکھتا ہے، تو اُس کو اِس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ اُسکی زبان بجائے موتیوں کے زہر بھی اُگل سکتی ہے اور اُس کا بیان مدح اور قدح دونوں پر قدرت رکھتا ہے۔ حضور اگر اُن تمام قصائد سے جو آلِ طاہر کی شان میں اُسکے قلم سے نکلے ہیں اور جن میں جواہرات کے خزانے پوشیدہ ہیں، قطع نظر کر لی جائے اور چند منٹ کے لئے یہہ فرض کر لیا جائے کہ اُس نے اِن بےمثل اور بےنظیر قصیدوں میں سے ایک بھی نہیں کہا ہے، تاہم وہ دو شعر ہی اُسکی قدردانی کے لئے کافی ہیں، جن میں اُس نے بیان کیا ہے کہ میں آفتاب کے مطلع تک پھونچنا نہیں چاہتا، بلکہ جود و کرم کے مطلع تک پھونچنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ عبد اللہ بن طاہر نے ابو العمیثل کی سفارش کو منظور کیا اور اُسی روز ابو تمام کو دربار میں بُلاکر دو ہزار اشرفیاں اور ایک گرانبہا خلعت سے اُسکو سرفراز کیا اور حکم دیا کہ جب ابو تمام ہماری قلمرو میں سفر کرے، تو سرحد تک اُسکی رہبری

اور حفاظت کی جائے۔

کہتے ہیں کہ ابو تمام نیشاپور سے رے میں آیا اور وہاں چند روز قیام کر کے عراقِ عرب کی طرف روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں اُس کا گذر ہمدان میں ہوا۔ یہاں پہونچکر وہ ابوالوفا ابن سلمہ کے مکان پر فروکش ہوا، جو ہمدان کا ایک نوجوان امیر تھا۔ سلمہ ہمیشہ اپنے بیٹے ابوالوفا کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ دُنیا کے عیش و آرام کی بنیاد دولت و فروت پر ہے۔ اسلئے جہاں تک ممکن ہو، دولت جمع کرنے میں کوشش کرنی چاہیے، مگر ابوالوفا کی طبیعت میں ابتدا سے علم کا شوق تھا اور اپنا وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا تھا۔ اُس نے بیشمار روپیہ نایاب کتابوں کے جمع کرنے میں خرچ کر ڈالا تھا اور اُس کا کتب خانہ عجائباتِ روزگار میں سے شمار ہوتا تھا۔ جب ابو تمام اُس سے ملا، تو اُس نے نہایت اصرار سے اُس کو اپنے مکان پر ٹھہرایا اور اُسکی تعظیم و مدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ اتفاق سے وہ موسم سردی کا تھا اور برف اِس کثرت سے گری تھی کہ پہاڑوں کی گھاٹیاں اور آمد و رفت کی تمام راہیں مسدود ہو گئی تھیں۔ ابوالوفا اِس قدرتی منظر کو دیکھکر نہایت خوش ہوا اور اُس نے ابو تمام سے کہا کہ جناب یوں تو ہر سال یہاں برف گرتی ہے اور دریا جم جاتے ہیں اور سردی شدت سے ہوتی ہے، مگر اِس سال سردی اور برف کی جو شدت ہوئی ہے، ایسی کسی سال نہیں ہوئی تھی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے نصیب جاگ گئے ہیں، کیونکہ اسی بہانے سے یہاں جناب کا قیام ممکن تھا۔ اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے غریب خانے پر آپ اُس وقت تک قیام فرمائیں، جب تک کہ برف کا برسنا موقوف ہو اور گھاٹیوں کی برف پگھل جائے اور سردی کی شدت کم ہو جائے اور آمد و رفت کے رستے کھل جائیں۔

ابو تمام نے مجبوراً اُس نوجوان امیر کی درخواست کو منظور کیا اور مشغلے اور تفریح کے لئے اُس نے اپنے میزبان سے چند کتابیں طلب کیں۔ ابوالوفا نے اپنا کتب خانہ کھول دیا۔ اِس کتب خانے میں شاعری اور ادب کی کتابیں کثرت سے تھیں۔ اُسنے اطمینان کے ساتھ عرب کے ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے شعراء کے دیوان مطالعہ کرنے شروع کئے اور اُن میں سے ایسے اشعار منتخب کرنے لگا، جو اُن دیوانوں کی جان تھے

اور جن سے بہتر اور پاکیزہ اشعار اُن میں نہیں مل سکتے تھے۔ علامہ اصفہانی نے لکھا ہے کہ ابو تمام جس درجہ کا شاعر تھا، اُس سے اُس کا مذاق سخن فہمی بدرجہا بلند واقع ہوا تھا۔ منتخب اشعار کے جمع کرنے کے وقت اُس نے ایک سادہ بیاض پر اُن مضامین کے عنوان لکھ لیئے تھے جن پر عرب کی شاعری کی بُنیاد ہے اور وہ عنوان حسب ذیل تھے:

(۱) جنگ و پیکار (۲) مرثیے اور نوحے (۳) اخلاق و عادات (۴) عشق و محبت (۵) ہجو و مذمت (۶) مہمان نوازی (۷) صفات اسپ (۸) سیر و سفر (۹) ظرافت (۱۰) عورتوں کی مذمت۔ اِن میں سے ہر عنوان کی ذیل میں اُسنے مختلف شعرا کے منتخب اشعار جمع کیئے۔ اور یہہ اشعار اِس کثرت سے جمع ہو گئے کہ اُن سے پانچ کتابیں مرتب ہو گئیں۔ دیوان حماسہ جو آجکل عربی مدارس میں متداول ہے، اِنھیں پانچ کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔ حماسہ کے معنے سختی اور شدت کے ہیں اور چونکہ اِس کتاب کے پہلے باب میں جنگ و پیکار کے مضامین ہیں، اِس لیئے اِس کتاب کا نام بھی اُس باب کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہہ نادر اور لاجواب کتابیں آلِ سلمہ کے کتب خانے میں محفوظ تھیں اور کتب خانے کے مالک اُن کے دکھانے میں نہایت بخل کرتے تھے۔ مدت دراز کے بعد جب اِس خاندان پر زمانہ کی گردش سے انقلاب آیا اور اِس کتب خانہ کی کتابیں پراگندہ اور منتشر ہوئیں، تو دینور کے ایک عالم کو جس کا نام ابو یحیی تھا، اِن پانچ کتابوں میں سے ایک کتاب ہاتھ لگی اور یہہ وہی کتاب ہے، جو آجکل دیوانِ حماسہ کے نام سے مشہور ہے۔ ابو یحیی نے اصفہان میں جو اُس زمانے میں علما اور اُدبا کا مرکز تھا، اُس کتاب کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ جو لوگ شاعری اور ادب کا مذاق رکھتے تھے، اُن کو یہہ کتاب ایسی پسند آئی کہ اُسکی ہزاروں نقلیں لی گئیں اور رفتہ رفتہ اُسکی شہرت عالمگیر ہو گئی اور اِس مضمون کی جو کتابیں اُس سے پیشتر متداول تھیں، سب کا رواج جاتا رہا۔ بہت سے مصنفوں نے اُسپر شرحیں لکھیں۔ علمائے ادب و نحو و لغت نے اُسکی اشعار سے سند لینی شروع کی اور یہہ کتاب آخر کار درس میں جاری ہو گئی۔ علمائے عربیت کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ یہہ کتاب فی الحقیقت ادب میں بے نظیر ہے۔

ابو تمام کا مذاقِ سخن اسلیئے پاکیزہ اور اعلےٰ درجہ کا تھا کہ وہ اکثر شاعری اور

ادب کی کتابوں کے مطالعہ میں محو رہتا تھا۔ بیشمار عمدہ اشعار اُسکی زبان پر تھے اور جب کبھی اُس سے کسی مضمون کے متعلق عمدہ اور پاکیزہ اشعار کی درخواست کی جاتی تھی، وہ اِسقدر اشعار اُس مضمون پر پڑھتا تھا کہ لوگ اُسکے عجیب حافظہ کو دیکھکر دنگ رہ جاتے تھے۔ ایک دفعہ جبکہ وہ قزوین میں ٹھہرا ہوا تھا اُس کا ایک دوست اُس سے ملنے گیا، تو اُس نے دیکھا کہ اُسکے چاروں طرف اِسقدر کتابیں اور دیوان جمع ہیں کہ اُن کے ہجوم میں وہ خود اچھی طرح نظر نہیں آتا۔ اُس کو اُس دوست کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اُس نے کسی ضرورت سے کتابوں کے انبار میں سے گردن نکالی، تو اُس دوست نے سلام کیا اور پوچھا کہ آپ کتابوں کے مطالعہ میں اسقدر تکلیف کیوں برداشت کرتے ہیں؟ ابو تمام نے کہا کہ مجھکو کتابوں کے مطالعہ میں ذرا تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ نہایت لذّت اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اگر میں کسی وقت اِس مشغلے سے محروم ہوتا ہوں، تو مجھکو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں دیوانہ نہ ہو جاؤں۔ اُس دوست کا بیان ہے کہ میں نے ابو تمام سے پوچھا کہ اِن تمام کتابوں میں سے، جو آپ کے گرد جمع ہیں، کن کتابوں سے آپ زیادہ مانوس ہیں؟ ابو تمام نے کہا ایکیہہ کتاب جو میری دائیں طرف ہے، ہاروت ہے اور یہہ کتاب، جو بائیں طرف ہے ماروت ہے اور میں اِن دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا اِن سے جادو سیکھ رہا ہوں۔ میں نے یہہ بات سُنکر جو ذرا غور سے دیکھا، تو اُسکی دائیں طرف مسلم بن ولید کا دیوان پایا، جو صریع الغوانی کے نام سے مشہور ہے اور بائیں طرف حسن بن ہانی کا دیوان دیکھا جس نے ابونواس کے نام سے شہرت پائی ہے۔

جس زمانے میں خالد بن یزید شیبانی صوبہ آرمینیا کا گورنر تھا، ابو تمام ایک قصیدہ اُسکی مدح میں تیار کرکے اُسکے پاس لے گیا۔ خالد نے دس ہزار درم انعام دیا اور اُس سے کہا کہ اگر تمھارا ارادہ وطن جانے کا ہو، تو میں تم کو ابھی رخصت کرتا ہوں اور اگر ارادہ یہاں ٹھہرنے کا ہو تو تمھارا وظیفہ مقرر کردیا جائیگا۔ ابو تمام نے وطن جانے کا ارادہ بیان کیا اور خالد سے رخصت ہوکر چلا آیا۔ ایک دن خالد شکار کو نکلا۔ جنگل میں پھونچکر اُسنے دیکھا کہ ابو تمام ایک درخت کے سایے میں بیٹھا ہوا نبیذ کے جام پر جام پی رہا ہے اور ایک مغنی اُسکے آگے بیٹھا ہوا طنبورہ بجا رہا ہے۔ اِس

حال کو دیکھکر وہ حیران ہوا اور اُسنے آگے بڑھکر پوچھا کیا تم
حبیب ابن اوس ہو؟ ابو تمام نے کہا بیشک میں آپ کا
غلام حبیب ابن اوس ہوں۔ خالد نے
پوچھا کہ وہ انعام کا روپیہ تم نے کیا کیا؟
ابو تمام نے چند اشعار میں فی البدیہہ اُس کا
جواب دیا۔ اُن اشعار کا مضمون یہہ تھا
کہ "آپ کی فیاضی نے مجھے بھی فیاضی کرنا
سکھا دیا ہے۔ اِسی سبب سے میں نے
انعام کے روپیہ کو بہت جلد صرف کر ڈالا
حالانکہ ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں گذرا۔
میں نے غلطی سے خیال کر لیا کہ مجھکو بھی
دولت و ثروت پر آپ ہی جیسی قدرت
حاصل ہے۔ آپ سال بھر کے جمع کئے ہوئے
روپیہ کو ایک لحظہ میں صرف کر ڈالتے
ہیں۔ اگر غیب کے خزانے سے آپکو
مدد نہیں ملتی، تو میں نہیں سمجھ سکتا
کہ آپ اتنا روپیہ کہاں سے خرچ کرتے
ہیں" خالد نے یہہ اشعار سنکر اُس کو
دوبارہ دس ہزار درم انعام دیا اور وہ
اِس انعام کو لیکر فوراً وطن کو روانہ ہوگیا۔

بحتری جو عربی زبان کا مشہور
شاعر ہے، بیان کرتا ہے کہ جس زمانہ
میں ابو تمام حمص میں تھا، اِس شہر کے
تمام شعرا اُس کے پاس آتے اور اپنا
کلام اُس کو دکھاتے تھے۔ وہ ہر ایک
شاعر کے کلام کی نسبت رائے زنی
اور نکتہ چینی کرتا تھا۔ میں نے بھی
اپنے اشعار پڑھکر سنائے۔ اُس نے
میرے اشعار نہایت غور سے سُنے
اور کہا کہ تم اپنے زمانے میں سب
سے زیادہ عمدہ شاعر ہو؛ مگر یہہ تو کہو
کہ تمھاری معاش کا کیا حال ہے؟ میں نے
کہا کہ میں افلاس سے پریشان رہتا ہوں۔
ابو تمام نے معرۃ النعمان کے لوگوں کے
نام ایک سفارش کا خط لکھکر مجھکو دیا اور
اُس میں میری تعریف لکھی اور وہاں کے
باشندوں کو میری امداد پر آمادہ کیا۔
میں جب معرۃ النعمان میں اِس خط کو
لیکر پہونچا، تو وہاں کے لوگوں نے میری
بہت دلجوئی کی اور چار ہزار درم وظیفہ
مقرر کر دیا۔ یہہ پہلی رقم تھی، جو شاعری
کی برکت سے مجھکو حاصل ہوئی۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ خلیفہ کے
دربار میں ابو تمام نے اپنا ایک قصیدہ
پڑھا اور اُس میں ایک شعر اِس مضمون کا
تھا کہ "میرا ممدوح دلیری میں عمرو بن معدیکرب
جیسا، فیاضی میں حاتم جیسا، حلم میں احنف
بن قیس جیسا اور دانائی میں ایاس بن
معاویہ جیسا ہے۔ یعقوب کندی نے جو
عرب کا مشہور فلاسفر ہے اور جو اُسوقت

دربار میں موجود تھا، کہا کہ واہ تم نے خلیفہ کو ادنےٰ درجہ کے لوگوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اگر تمھیں ایسی ہی تشبیہ دینی تھی، تو علی بن جبلہ کی طرح کیوں نہیں کہا جس نے ابودلف کی شان میں کہا ہو کہ وہ شجاعت میں عامر بن طفیل سے اور فیاضی میں حاتم سے بالاتر ہے۔ ابوتمام نے دو شعر فی البدیہہ کہکر جواب دیا جن کا مضمون یہہ تھا کہ اگر میں نے دلیری اور فیاضی میں ممدوح کو ادنےٰ درجہ کے لوگوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو کیا تعجب ہے۔ خدا نے بھی تو اپنے نور کو چرغدان اور چراغ سے تشبیہ دی ہے۔[1] حاضرین ابوتمام کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی دیکھکر دنگ ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ اخیر عمر میں خلیفہ نے ابوتمام کو موصل کا صاحب البرید (افسر ڈاک) مقرر کر دیا تھا؛ مگر اس عہدہ پر وہ دو سال سے بھی کم زندہ رہا۔

بحتری شاعر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنے اشعار ابوتمام کو سنائے اُس نے اُن اشعار کو سُنکر اوس بن حجر کا ایک شعر پڑھا، جس کا مضمون یہہ تھا کہ "جب ہماری قوم کے ایک سردار کے موںھ سے کوئی دانت جھڑ جاتا ہے، تو دوسرے سردار کے موںھ میں ویسا ہی دانت نکل آتا ہے"۔ تم نے اپنے پاکیزہ اور اعلےٰ درجہ کے اشعار پڑھکر گویا میری موت کی خبر دی ہے۔ میں نے کہا کہ خدا آپ کو مدت تک سلامت رکھے۔ یہہ آپ نے کیا کہا؟ ابوتمام نے کہا کہ جب قبیلۂ طے میں تم جیسا بلیغ و فصیح شاعر پیدا ہو گیا، تو اب میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ جب خالد بن صفوان منقری نے شبیب بن شبہ کو دیکھا کہ وہ نہایت فصاحت سے کلام کرتا ہے، تو اُس نے کہا کہ اب میری موت کا پیغام آپھونچا ہے، کیونکہ بنو منقر میں جب ایک خطیب پیدا ہو جاتا ہے، تو دوسرے خطیب کی موت قریب آپھونچتی ہے اور یہہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ ہمارے قبیلہ کی تاریخ میں اُس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ خالد بن صفوان نے جیسا کہا تھا، ویسا ہی ظہور میں آیا اور وہ بہت جلد اِس دنیائے ناپائدار سے رحلت کر گیا

بحتری کہتا ہے کہ یہہ کیسی عجیب بات ہے کہ اِس واقعہ پر ایک سال سے

[1] قرآن مجید کی آیت "مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح" کی طرف اشارہ ہے۔

زیادہ نہیں گزرا کہ ابوتمام بھی اس دنیا سے کوچ کرگیا۔ اُسکی وفات ۲۳۱ھ ہجری میں شہر موصل میں ہوئی اور وہ باب المیدان سے باہر خندق کے کنارے دفن کیا گیا۔ ابونہشل بن حمید طوسی نے اُس کا مقبرہ تعمیر کرایا۔

محمد بن عبد الملک وزیر نے ابوتمام کے مرثیے میں لکھا ہے کہ "جب ابوتمام کی موت کی اندوہناک خبر پہونچی، تو لوگوں نے کہا کہ حبیب بن اوس آج دنیا سے رحلت کرگیا۔ میں نے اُنکو قسم دیکر کہا کہ دیکھنا اس کے ساتھ طائی کا لفظ نہ کہنا۔ یہہ کوئی اور حبیب ہوگا" دیک الجن نے بھی جو اُس زمانے کا نامور شاعر تھا، ابوتمام کا مرثیہ لکھا ہے۔ اُس میں سے دو شعروں کا مضمون یہہ ہے کہ "شاعری کا مذاق خاتم الشعرا حبیب طائی کے مرنے سے مرگیا۔ چونکہ دونوں ایک ساتھ دُنیا سے گئے اسلئے ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے۔ آخر زندگی میں بھی تو دونوں ایک ساتھ رہا کئے ہیں۔"

(عبد العلی خاں)

یونانیوں کی بہشت

کرۂ زمین کے مغربی کناروں پر، جہاں سورج ڈوبتا ہے، الیسیم ELYSIUM یعنی یونانیوں کی بہشت ہے۔ یہہ ایک وسیع اور پُرفضا سرزمین ہے۔ یہاں کے رہنے والے بےغمی اور بےفکری میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ نہ یہاں غم ہے، جو انسان کے چہرے کو افسردہ کرتا ہے، نہ تکان ہے، جو محنت اور مشقت کے بعد حملہ کرتا ہے، نہ یہاں مینہ برستا ہے، نہ برف گرتی ہے، نہ گرمی کی لوئیں ہیں، جن سے آدمیوں اور جانوروں کے بدن جھلسے جاتے ہیں، نہ موسم سرما کی تیز ہوائیں ہیں، جو برف میں ڈوب کر جسموں سے پار نکل جاتی ہیں۔ یہاں ہر وقت لطیف ہوا چلتی ہے، جسکی ہلکی اور نغمہ انگیز سرسراہٹ سُنی جاتی ہے۔ ہوا کا رنگ ارغوانی ہے اور وہ طرح طرح کے عطروں اور خوشبوؤں میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ وہ چمکتے سمندروں سے گزر کر آتی اور نرم نرم چلتی ہیں۔ سمندر ساکن اور خاموش ہیں نہ اُن میں کبھی موجیں اُٹھتی ہیں، نہ بھنور پڑتے ہیں، نہ اُن میں طوفان کا شور سُنائی دیتا ہے، نہ کشتیوں کے ٹوٹنے اور ڈوبنے کا خوفناک نظارہ دکھائی

دیتا ہے، اسکی سطح پر سرسبز اور شاداب جزیرے
ہیں، جن میں ہر سال تین دفعہ بہار کا موسم
آتا اور انکی زمینوں کو پھولوں کا گہنا پہناتا
ہے۔ آفتاب ان سمندروں اور جزیروں پر
کبھی غروب نہیں ہوتا، مگر نہ وہ بادل
اٹھاتا ہے، نہ آندھیاں چلاتا ہے۔ ہر طرف
نوجوانوں کے غول ہیں، جنکے سر پر پھولوں
کے تاج ہیں اور جو ہر وقت کھیلتے اور
گاتے ہیں۔ خوبصورت پرندے آزادی
کی ہوا میں اُڑتے اور دلفریب راگنیاں
سناتے ہیں۔ انکے ستاروں جیسے
بازو قسم قسم کے شوخ رنگوں سے
رنگین ہیں۔ دریاؤں کی گود اُن جواہرات
سے بھری ہے، جن کی چمک دمک سے
انسان کی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ یہاں
پاک روحیں آباد ہیں۔ مقدس اور شاندار
دیوتا حکمرانی کرتے ہیں۔ اور دلفریب اور
خوشنما الیسیم! تیرے حسن و جمال کو نہ
انسان کی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ اُسکے
کان تیری عشق و محبت کی راگنیاں سُن
سکتے ہیں، نہ ہم خواب میں تیری فضاؤں
کی تصویر کھینچ سکتے ہیں، نہ زندگی میں تیری
ہواؤں کی خوشبو سونگھ سکتے ہیں، نہ
غم تیری سرحد میں داخل ہو سکتا ہے،
نہ موت تیرے میدانوں میں قدم رکھ
سکتی ہے۔ جو روحیں تیری خوشنما سواد میں
داخل ہوتی ہیں، وہ خوف اور نیند کو
سایے کی طرح پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔ تو
اِس دُنیا کے بادلوں سے پرے ہے،
تو ہمارے سمندروں سے بہت دُور ہے۔
ہومر کا تخیل جو دیوتاؤں کی تصویر کھینچتا ہے،
تیری پاک اور مقدس سرزمین تک
نہیں پہنچ سکا۔ سفوکلیز جو انسانی معاملات
کے دائرہ میں اپنی رفتار جاری رکھتا ہے،
تیری ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکا۔ پنڈار
جو ڈراما کا موجد ہے اور جس نے یونانیوں
کی شاعری میں انقلاب پیدا کیا، تیرے
دلفریب میدانوں سے کوسوں دُور
رہ گیا ہے۔ ورجل جو عالم ارواح تک
اپنے خیال کو دوڑاتا ہے اور جو رومیوں
کی شاعری کا ہیرو ہے، تیری حدود میں
قدم رکھنے سے کانپتا اور لرزتا ہے۔
او شاندار اور حیرت انگیز الیسیم! تیرے
عجیب و غریب منظر ان سب شاعروں
کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں اور آیندہ
نسل کے شاعروں کی نظر سے بھی تو
اسی طرح پوشیدہ رہیگی، اور وہ نہیں
جانیں گے کہ تو کہاں ہے اور کیسی ہے۔

(س۔ ف)

جلدِ دوم معارف

معارف کی پہلی جلد کے متفرق پرچے دفترِ معارف میں موجود ہیں، مگر دوسری جلد کے پورے بارہ پرچے یکم جولائی ۱۸۹۹ء سے یکم جون ۱۹۰۰ء تک مل سکتے ہیں۔ اِس جلد میں جو ۲۲×۲۹ کی بڑی تقطیع کے (۳۸۴) صفحات پر مشتمل ہے نہایت اعلےٰ اور پاکیزہ اور دلچسپ مضامین درج ہیں۔ اِس جلد کی قیمت للعہ علاوہ محصول ڈاک ہے۔

جلدِ سوم معارف

اس غرض سے کہ حضرات خریدارانِ معارف کو حساب فہمی میں کوئی غلطی واقع نہ ہو، ہم نے جلدِ سوم معارف کو ششماہی پر تمام کر دیا ہے، یعنی جولائی ۱۹۰۰ء سے دسمبر ۱۹۰۰ء تک اِس جلد کو تمام کر دیا ہے اور جنوری ۱۹۰۱ء سے نئی جلد یعنی جلدِ چہارم شروع کر دی ہے، جو جنوری ۱۹۰۱ء سے شروع ہو کر دسمبر ۱۹۰۱ء تک تمام ہو گی، جلدِ سوم کی قیمت علاوہ محصولِ ڈاک عا ہے اور وہ (۲۷۲) صفحات ۲۰×۲۶ پر مشتمل ہے۔

کتابیں جو دفترِ معارف سے مل سکتی ہیں

(۱) جوشِ مذہبی (مذہبی جوش سے عمدہ کام لینے کی ترکیب) قیمت ۱؎

(۲) ترکِ یمک لرے (ترکوں کے کھانے اور انکی تیار کرنیکی ترکیبیں) " ۲؎

(۳) وبائی ہیضہ میں ہمکو کیا کرنا چاہیے؟ " ۲؎

(۴) بہشتِ شداد (ایک ترک ناول نویس کی دلچسپ تحریر کا نمونہ جسکی بنیاد باغِ ارم کے تاریخی قصہ پر رکھی گئی ہے) قیمت ۸؎

(فیس ویلیو و محصولِ ڈاک خریدار کے ذمہ ہے)

معارف

نمبر ۵ | اپریل سنہ ۱۹۰۱ع | جلد ۴

قیمت سالانہ مع محصولڈاک ۵مر مقامِ اشاعت۔ دفتر معارف پانی پت قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصولڈاک ۵مر

فاروقی پریس دہلی میں سید عبدالسلام منیجر کے اہتمام سے چھپا

جلدِ دوم معارف

(جولائی ۱۸۹۹ء۔ جون ۱۹۰۰ء)

معارف کے سالِ اول کی کوئی جلد دفتر میں موجود نہیں ہے۔ متفرق پرچے البتہ مل سکتے ہیں۔ دوسرے سال کے بارہ پرچوں کی مکمل جلد بڑی تقطیع کے (۲۹۴) صفحات پر مشتمل ہے اور للعہ قیمت پر مل سکتی ہے۔ اس جلد کے دلچسپ اور مفید مضامین کی فہرست حسبِ ذیل ہے۔

حالاتِ سسلی (جزیرہ سسلی میں مسلمانوں کی شاندار حکومت کی تاریخ) شکر (شکر کن کن چیزوں سے اور کیونکر بنتی ہے) محفلِ میلاد (مولود خوانی کی مجلسیں کب سے شروع ہوئیں اور مسلمانوں کی گذشتہ حکومتیں اس کے باب میں کیا اہتمام کرتی تھیں) عورتیں قومی ترقی کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ معجزات کو ہم کیوں مانیں اور کیوں نہ مانیں؟۔ انسان کی زندگی کیونکر دراز ہوسکتی ہے۔ سوفسطائی حکما اور اُن کا فلسفہ۔ عرب کی تصنیفات اور یورپ کی فیاضی (دنیا میں عربی کتابوں کے مشہور کتب خانے) رفارم (مسلمانوں کی عادات و اخلاق و رسم و رواج کی اصلاح) کیمیائے قدیم (سونا چاندی بنانا آجکل یورپ کے علما کے نزدیک ممکن ہے)، عورتوں کی تربیت۔ ریاضتِ جسمانی ورزشِ جسمانی کی نسبت مذہب اسلام کیا کہتا ہے) احکامِ اسلام کی پابندی اور اُس کا اثر عمر و صحت پر۔ مسلمانوں کی تاریخ گوئی کا تاریخی بیان۔ عورتوں کی حالت زمانۂ جاہلیت میں۔ وراثتِ طبعی (جسمانی اور دماغی قوتیں اولاد میں ماں باپ کی طرف سے موروثی ہوتی ہیں۔ وہ اسباب جن سے جسمانی اور دماغی خرابیاں جو ماں باپ کی طرف سے اولاد کو وراثت میں ملی ہوں، دور ہوسکتی ہیں۔ وہ تدبیریں جن سے عمدہ اولاد پیدا ہوسکتی ہے)۔ بصرہ منصورِ عباسی کے عہدِ حکومت میں۔ قرآنِ مجید میں اب نئی تفسیر کی گنجایش ہے یا نہیں؟۔ شادی کا مسئلہ نئی روشنی میں۔ ترقی انسانی (انسانی ترقی کی ابتدا اور انتہا اور اُس کے اسباب و موانع) سلطنت کی آمد و خرچ کی مدیں (زمانۂ سابق و حال میں)۔ مذہب و علم۔ فلسفۂ تاریخ پر ایک سرسری نظر۔ آواز نویسی (اسپیکروں اور واعظوں کی تقریروں کو سرعت کے ساتھ قلمبند کرنے کا طریقہ)۔ علامہ ابو الفرج اصفہانی۔ کانشنس اور اخلاق پر ایک دلچسپ مکالمہ۔ ملا نظام الدین مرحوم بانیٔ سلسلۂ نظامیہ۔ کیا دل کی کشش اور مادہ کی کشش دونوں ایک ہیں؟۔ کیا محتاجوں کی مدد کرنا کوئی جرم ہے؟۔ ایام جاہلیت کی شاعری۔ انسان نے اوّل اوّل کیونکر بولنا شروع کیا؟۔ تجارت کی تاریخ۔ حاتم طائی۔ بچوں کی تربیت چین اور چینی ملک چین اور وہاں کے

ایڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم - مقام اشاعت: دفتر معارف پانی پت
عام خریداروں سے قیمت سالانہ معہ محصولڈاک للعہ - قیمت فی پرچہ نمونہ معہ محصولڈاک ۵ر

معارف

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص یا انجمن یا مدرسے کے لئے کم نہیں ہوسکتی

یہہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ اسمیں علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین نکلتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کی عمدہ نظمیں اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے۔

قیمت نقد بھیجئے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت دیجئے۔ نمونہ کے لئے ٹکٹ ارسال کیجیے۔ نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھیے۔
پتہ بدلنے پر فوراً مطلع کیجیے۔ خط و کتابت یا ارسال زر اڈیٹر کے نام کیجیے۔ کوئی پرچہ گم ہوجائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجیے۔

نمبر ۴	اپریل سنہ ۱۹۰۱ء	جلد ۴

سرسید کے خطوط

(۱)

بنام نواب محسن الملک بہادر

سرسید مرحوم و مغفور کی جو بے نظیر لائف مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی نے نہایت محنت اور جانکاہی سے لکھی ہے، وہ شائع ہوچکی ہے۔ لائف لکھنے کے زمانے میں سرسید کے بعض دوستوں نے وہ خطوط جو انکے نام سرسید نے وقتاً فوقتاً لکھے تھے، جمع کرکے مولانا کے پاس بھیجدیے تھے۔ مولانا نے ان خطوط میں سے حسب ضرورت بہت سے حالات کا اقتباس کیا ہے؛ مگر حقیقت یہہ ہے کہ وہ خطوط بجائے خود اس قابل ہیں کہ انکو ایک جگہ جمع کیا جائے اور جس طرح سرسید کی اسپیچیں اور مضامین مجموعی طور پر چھاپی گئی ہیں، وہ بھی ایک کتاب کی شکل میں مرتب کیے جائیں۔ علاوہ اسکے یہہ خطوط سرسید کی تحریرات کا ایک اہم جز ہیں اور انکے نہ ہونے سے ہم اردو لٹریچر کے ایک نہایت پاکیزہ اور لطیف حصے سے محروم رہیں گے، ان سے سرسید کی بعض عمدہ خصائل و عادات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکا دوستوں کے ساتھ کیسا خالص اور بے ریا برتاؤ تھا اور وہ عام طور پر کس دھن میں مصروف رہتے تھے اور اس دھن میں مصروف رہنے سے آخر کار قوم کیلیے کیسے عالیشان نتائج پیدا ہوئے۔ بہت سے قومی اور مذہبی نکات بھی ان خطوط میں درج ہیں، جو اور کسی طرح دستیاب نہیں ہوسکتے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ جو خطوط ہمکو اپنے دوستوں اور بزرگوں سے ملتے جائیں، اول ہم انکو معارف میں چھاپیں، پھر یکجائی طور سے انکو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کردیں۔ چنانچہ سب سے اول ہم وہ دلچسپ خطوط شائع کرتے ہیں، جو سنہ ۶۹ء میں سرسید نے لندن سے نواب محسن الملک بہادر کے نام لکھے ہیں۔ اسکے بعد ہم اور خطوط چھاپینگے، جو سرسید نے اپنے دیگر دوستوں کو لکھے ہیں۔ ہم کو امید ہے کہ ہمارے بزرگ اور احباب ہمکو اس باب میں امداد دینے سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔ جو خطوط ہمارے پاس آئینگے، وہ نہایت احتیاط سے محفوظ رکھے جائینگے اور بعد نقل کے بجنسہ واپس کیے جائینگے اور جب وہ کتاب کی شکل میں مرتب ہوجائینگے، تو اس کتاب کا ایک ایک نسخہ ان حضرات کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا جائیگا، جنھوں نے از راہ مہربانی اپنے نام کے خطوط ارسال فرمائے تھے۔

(اڈیٹر)

۱

جناب مخدومی مکرمی سلامت

بعد سلام مسنون التماس آنکہ جس رنج و محبت سے آپنے مجھکو اور میں نے آپ کو رخصت کیا ہمارا آپ کا دل جانتا ہے اب خدا سے دعا ہے کہ انشاءاللہ تعالےٰ مع الخیر و العافیت پھر ہم سب تم سب سے ملیں گے میرا مفصل حال اخبار سوسیٹی سے معلوم ہوگا میں بفضل الٰہی قریب عدن پھونچتا ہوں چند گھنٹہ قبل عدن کے پھونچنے کی ڈاک بند ہوجاتی ہے اس سبب سے یہہ خط ڈاک میں ڈالدیا چند گھنٹہ بعد عدن پھونچے گی انشاءاللہ تعالےٰ مجھکو علاوہ مفارقت احباب کے یہہ رنج بڑا ہے کہ میرے پیچھے لوگ عقل کے دشمن سین ٹیفک سوسیٹی کی بڑی مخالفت کریں گے اور کوئی درجہ سعی کوشش کا واسطے شکست کر دینے سین ٹیفک سوسیٹی کے باقی نہ رکھیں گے پس میں چاہتا ہوں کہ آپ سوسیٹی کی طرف زیادہ متوجہ ہوں اور اس کو سنبھالنے اور ممبروں کے بڑھانے میں زیادہ کوشش فرماویں. مرزاپور کے لوگوں نے اگر چندہ نہیں دیا تو ان کو ممبر بنایئے بہر حال سوسیٹی کے معاملہ میں حد سے زیادہ خیال و کوشش فرماویں بخدمت حافظ جی صاحب سلام زیادہ بجز یاد شما یاد شما یاد شما چہ نویسم والسلام

(خاکسار سید احمد ۱۲ - اپریل ۱۸۶۹ء) (مقام قریب عدن)

۲

جناب مخدوم و مکرم محب من سلامت

بعد سلام مسنون الاسلام التماس اینکہ آپکا عنایت نامہ مورخہ بلا تاریخ پھونچا جسقدر مجھکو خوشی آپ کے عنایت نامہ پہنچنے سے ہوئی ہے بیان نہیں ہوسکتا یہہ مقولہ کہ الخط نصف الملاقات غلط بلکہ پوری ملاقات کا لطف ہوتا ہے مفارقت میں اس کی قدر معلوم ہوتی ہے میں برابر اپنے حالات لکھکر بھیجتا رہتا ہوں اخبار میں چھپنے دیجے بعد معاودت انشاءاللہ تعالےٰ نظر ثانی کرکر رسالہ سفر مرتب کرکر چھاپوں گا میں حتی المقدور نہایت مفصل حالات لکھتا ہوں اور جو جو مراتب آپنے لکھے ہیں وہ آخر کو بالتفصیل لکھوں گا بعد آنے کے معلوم ہوا کہ سفر چنداں سخت نہیں ہے نہایت آرام کا سہل ہے اور کوئی چیز مذہبی ایسی نہیں ہے کہ مسلمان اس کو اپنی خاطر خواہ نہ کرسکے یہاں تک کہ ایک شیعہ جو مشرک کو نجس حقیقی جانتا ہے وہ بھی اپنے مذہب کے موافق رہ سکتا ہے مگر کسیقدر اہتمام و تردد

سے ذریعہ مسلمان کا دست یاب ہوسکتا ہے
غرضکہ کوئی بات مشکل نہیں ہے۔ بعضے
امور بلا تکلف اور بعض بہ تکلف انجام پا سکتے
ہیں میں چاہتا ہوں کہ حالات سفر جو اخبار
میں چھپتے ہیں آپ اُن کو بطور کتاب یکجا
نقل کرواتے جاویں اور جس امر کی نسبت
زیادہ تفصیل کی حاجت ہو مجھکو لکھ کر دریافت
فرمالیں اور اُس کو اُس میں اضافہ کردیں
تاکہ آپ کی صلاح سے کتاب بھی درست
ہو جاوے اور سب چیز کو حاوی بھی ہو
اور میری آنے تک کتاب مرتب طیار رہو گی
اور صرف چھپنا شروع ہوگا میں بعض بعض
عمدہ مکانات کے نقشے بھی لاؤں گا اور
وہ بھی کتاب میں چھپوائے جاویں گے بہر
حال بعد نظر ثانی یہہ کتاب حاوی تمام
چیز کو ہوگی۔ دو ہندو واسطے امتحان سول
سروس کے بمبئی سے اور آئے ہیں
افسوس ہے کہ مسلمان پیچھے رہے جاتے
ہیں بچار بنگالی ابکی دفعہ سول سروس میں
پاس ہوئے ہیں محمود مدرسۂ قانونی میں
داخل ہوگیا ہے مجھ سے اور یہاں کے
اراکین سے روز بروز ملاقات ہوتی جاتی
ہے بلکہ اسقدر ملاقات کے موقع اور جگہ
ہے کہ شاید میں اُن سب سے مل سکوں گا
جس اخلاق سے یہاں کے امرا اور اراکین

ملتے ہیں اُس کا بیان بیان سے باہر ہے
کچھ میرے ہی ساتھ یہہ اخلاق نہیں ہے
بلکہ حقیقت میں وہ لوگ با اخلاق اور سادہ
مزاج اور بے غرور ہیں میں ہر دم اپنے
ملک کی بھلائی کے خیال میں ہوں اور عنقریب
کچھ کچھ انشاءاللہ تعالےٰ اشتہار کرنا شروع کرتا ہوں
وزیر ہند میرے آنے کے دو تین دن
بعد باہر چلے گئے ہیں اول اُن سے ملاقات
خاص ہولے تب کچھ تحریک بہتری ہندوستان
شروع ہوگی قبل اسکے ایک عریضہ معہ اشتہار
کتاب کے روانۂ خدمتِ عالی کیا ہے ملاحظہ
سے گذرا ہوگا اور امید ہے کہ زر مطلوبہ روانہ
فرمایا ہوگا۔ مجھکو نہایت افسوس ہے کہ بعض
احباب نالایق مثل مولوی زین العابدین نے
میرا ارادہ درباب تحریر جواب کتاب میور صاحب
جو نسبت آنحضرت صلعم کے لکھی ہے سست
کر دیا اور بر وقت روانگی اور سامان اور
چندہ کرنے نہیں دیا یہاں اُس کے جواب کا
اسقدر سامان ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا خصوصاً
وہ عالم انگریز جس نے وہ کتاب لکھی ہے جس کا پہلی میں نے ذکر کیا ایسا عمدہ
شخص ہے کہ جواب کے لایق ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ کتب خانہ انڈیا
آفس میں نے دیکھا ہوش جاتے رہے کتب خانہ نہیں ہے کتابوں کا شہر ہے۔
مجھے وہاں جانے کی اور پڑھنے کی جو چاہوں اور نقل کی سب کی اجازت
ہوگئی۔ ابھی کتب خانہ برٹش میوزیم نہیں دیکھا
سنا ہے کہ وہ اس سے بھی بہت بڑا ہے

بہر حال میں کچھ نہ کچھ نسبت جواب کتاب ولیم میور صاحب کے کچھ کروں گا میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیشہ عنایت نامہ بھیجتے رہیں اُس کے پہونچنے سے جسقدر خوشی اور رحالی فرحت ہوتی ہے بیان نہیں ہو سکتی حافظ جی صاحب کی خدمت میں میرا بہت بہت سلام پہونچے میرے ہمراہی سب بخیریت ہیں آپ کو تسلیم عرض کرتے ہیں محمود کہتا ہے کہ میرا سلام مت لکھو میں خود جدا عریضہ لکھوں گا ۲ و تصویریں مرسل خدمت ہیں میں خود حاضر نہیں ہو سکا اس لئے میری تصویریں آپکی قدمبوسی کو پہونچتی ہیں والسلام

(خاکسار سید احمد ۲۴ جون سنہ ۱۸۶۹ء بروز جمعہ مقام لندن)

۳

جناب مخدوم و مکرم معظم سلامت

بعد سلام مسنون الاسلام عرض یہہ ہے کہ سب سے اول آپ کو یہہ خوش خبر سناتا ہوں حضور ملکہ معظمہ نے مجھکو بخطاب کمپینین اف دی ستار آف انڈیا معزز و ممتاز فرمایا اور تمغائے ستار آف انڈیا مرحمت ہوگا اب میں احباب کی دعا سے سید احمد خاں بہادر سی. ایس. آئی ہو گیا مجھکو یقین ہے کہ اس امر سے آپ سب سے زیادہ خوش ہوں گے اس لئے کہ باقی احباب کو ذرا عقل کم ہے یہاں کے تمام معزز انگریز دوستوں نے اسقدر مبارک بادی اس درجہ کی دی ہے اور ایسا معزز خیال کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ لارڈ لارنس گورنر جنرل بہادر نے میرے لئے جلسہ منعقد کیا ہے اور بڑے بڑے رؤسا و مدبران کو ملاقات کے لئے بلایا ہے ۲۲ تاریخ وہ جلسہ ہوگا وہی شخص جس کی کتاب کا اشتہار میں نے پہلے روانہ کیا ہے وہ ایک اور کتاب لکھنی چاہتا ہے جس میں وہ اُن اعتراضوں کا بالتخصیص جواب لکھے گا جو معراج اور شق صدر کی نسبت لوگوں نے کئے ہیں اُس کی تحریر میں وہ مجھ سے بھی مدد چاہتا ہے اس لئے آپ کی خدمت میں التماس ہے کہ بمجرد پہونچنے عریضہ ہذا کے کتب مفصلہ ذیل میں سے مقامات مندرجہ ذیل بہت خوش خط نقل کروا کر بھیجدیجے خدا کے واسطے اپنے ہاتھ سے لکھیے گا یقین ہے کہ حافظ جی صاحب یہہ تکلیف گوارا کریں گے اگر کوئی لفظ غریب ہو ضبط اعراب بھی اُسکا فرمادیجئے اور مشکل لفظ کا حل یا ترجمہ تاکہ یہاں لغت میں دیکھنے کی حاجت نہ پڑے۔

۱ انسبہ صحاح ستہ اور موطا امام مالک میں سے کل حدیثیں متعلق شق صدر اور معراج نقل فرمادیجے بالکل پوری نقل ہو معہ کامل سند یعنی اسماء راویوں کے کچھ اختصار

یا خلاصہ نہ کیا جاوے فقط۔

۲ نمبر تفسیر کبیر میں سے آیات مفصلہ
ذیل کی بجنسہ تفسیر۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ
الیٰ انہ ہوالسمیع البصیر

سورۂ نجم از اول الیٰ آیت
لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ

۳ نمبر۔ تفسیر آیہ وما جعلنا الرویا التی اریناک الخ

۴ نمبر۔ علاوہ اس کے اگر کوئی بات آپ
مناسب سمجھیں ارقام فرماویں ان دونوں
مسئلوں کے جواب میں جو کچھ اُس کی
یعنی مصنف کتاب انگریزی کی رائے ہے
وہ ہمارے فائدہ سے خالی نہیں فرض کرو
کہ کوئی بات وہ ایسی لکھے جو عام مذہب
کے برخلاف ہو ہمارا کیا وہ ایک انگریز نے
لکھی ہے مگر جسقدر کہ وہ تعریف وتائید اور
صحت ان واقعات کی وصداقت اور
صحیح بیان کرنا پیغمبر صادق صلعم کا انگریزی
روش پر بیان کرے گا ہمارے نہایت
مفید ہوگا اور مسلمانان انگریزی خواں کو
بہت فائدہ دے گا اُن کے کان میں
کچھ اچھے اچھے خیال ہمارے مذہب کی
جانب سے جاویں گے اب تو انگریزی میں
بجز بُرائی کے اور کچھ نہیں ہے والسلام

(خاکسار سید احمد) دمقام لندن ۱۲ جون سنہ ۱۸۶۹ء

از برخورداران تسلیم ومرزا خداداد بیگ
سلام پذیرا باد۔

بخاری میں شرح صدر دو جگہ ہے
کتاب المعراج میں اور کتاب الصلوٰۃ میں
دونو جگہ سے نقل کیجئے گا کتاب المعراج کے
اخیر میں ایک حدیث ہے جس میں یہ لفظ
ہیں ہذا رویا عین رات عین رسول اللہ صلعم
اُس حدیث کو بھی نقل کیجئے گا فقط

۴

جناب مخدوم ومکرم من

آپ کا عنایت نامہ مؤرخہ بلا تاریخ پایا ۵ ای
وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔
جسقدر دل کو مسرت آپ کے خط سے ہوئی
ہے بیان نہیں کر سکتا اگر یوسف زلیخا کو
یا لیلی مجنوں کو ملتی تو شاید اسی قدر خوشی
ہوتی جس محبت سے لکھا تھا وہ اثر اُن
لفظوں میں موجود تھا اور آنکھ سے برابر
دل میں پہونچتا تھا جس محبت سے آپ نے
اشعار لکھے تھے اُن کو پڑھکر میں ایسا محو حیرت
ہوا کہ گویا یہ سمجھتا تھا کہ وہ شعر میں نے آپکے
حق میں لکھے ہیں اور اُس کیفیت سے وحدۃ
وجود کے مسئلہ کا عقدہ حل ہوتا تھا ۵

میان احمد ومہدی نہ ہیچ ہست حجاب۔
تو خود حجاب خودی احمد از میاں برخیز۔

یہ بے تصنع آپ سے کہتا ہوں کہ آپکے خط شکستہ

رقم نے اور بھی زیادہ لطف دیا دو تین دفعہ پڑھنا پڑا۔ ایک دفعہ کے پڑھنے میں جو لفظ رہ گیا تھا دوسری دفعہ میں نکلا اور بہت زیادہ مزا دیا۔ اسی وقت میرے دل میں مرزا مرحوم کا یہ شعر گذرا ؎

زلفت میلیدنبض رگ لعل گہر بارش
شہید انتظار جلوہ خویش است گفتارش

پہلے خط بھیج چکا ہوں ستار آف انڈیا کی خوش خبری سنا چکا ہوں میں انڈیا آفس میں صاحب سکرتر وزیر ہند کے پاس گیا تھا انھوں نے مجھکو کونسل کے کاغذات میں میری کتاب اسباب بغاوت معہ تمام وکمال انگریزی ترجمہ کے دکھلائی اُسے دیکھکر میرا بہت دل خوش ہوا جو کچھ رائیں اُس کی بہ ولت قرار پائیں اُن کا بیان بیفائدہ ہے اہل ہند ناقدردان دوست کش اور اپنے خیر خواہ کے دشمن ہیں مگر میں خوش ہوں کہ میرے ہموطنوں کی بھلائی ہوئی ہے اب میں ایک اور کتاب انتظام گورنمنٹ انڈیا پر لکھ رہا ہوں انڈیا کونسل کے بعض ممبروں نے فرمایا کہ ہم ایک دن فرصت کا مقرر کرکے ہندوستان کے باب میں گفتگو کریں گے کچھ تھوڑی گفتگو نسبت انتظام پنجاب اور فائدہ مینوسپل کمیٹی ہوئی اگر وہ کتاب میری چھپی اور مجھ میں اُس کے چھاپنے اور انگریزی عبارت کی اصلاح میں جو خرچ ہوگا اُس کے خرچ کا مقدور ہوا تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اور اُس کتاب سے کسقدر فائدہ ہوگا اور کیسا صاف صاف لکھ رہا ہوں بغیر چھاپہ ہونے کے اُس کی شہرت اور تمام لوگوں کی توجہ اور ہر جگہ اُس پر بحث و گفتگو نہیں ہو سکتی اور بغیر اسکے کچھ فائدہ نہیں آپکے نزدیک جو جو باتیں قابل گفتگو زبانی کے ہوں یا قابل اندراج کتاب اُن کو جلد اور بہت جلد ارقام فرمایئے جس دن کہ جناب ڈیوک آرگائل یعنی اہل خانہ وزیر ہند نے دعوت میں مجھے بلایا ہے اُس رات وہاں مسٹر بالک صاحب سے ملاقات ہوئی تھی انھوں نے اپنا پتہ لکھ دیا دوسرے دن میں وہاں گیا وہ گھر پر نہ تھے ملاقات نہیں ہوئی آپ کو معلوم ہے کہ کرایہ کی گاڑی میں کیا خرچ پڑتا ہے دس روپیہ روز ہیں لئے کہا مرے اسلئے دوبارہ نہیں گیا پھر کسی دن جاؤں گا اس وقت میرے پاس تیس چٹھیاں ملاقات کی اور دس پندرہ ٹکٹ رکھے ہیں اور یہ سب امرا اور لارڈ اور امیر ہیں صرف خرچ سواری کے ڈر کے مارے کہیں نہیں گیا اور نہ خیال کر سکتا ہوں کہ کیونکر سب سے ملوں گا جو لوگ کہ میرے گھر پر آجاتے ہیں لاچار اُنکے ہاں یا جس کے پاس نہایت

ضرور جانا چاہیئے وہاں جاتا ہوں سو اب
تک سوائے ایک دفعہ کے دوسری دفعہ
کی نوبت نہیں پہونچی۔ ایک آدمی ڈیڑھ سو روپیہ
مہینے میں یہاں بخوبی بآرام گذر کر سکتا ہے
الا جبکہ آنا جانا چاہے اور لوگوں سے ملے
اور عزت کے ساتھ جانا آنا چاہے تو صرف
سواری خرچ چار سو روپیہ ماہواری پڑیگا
کبھی ایک گھوڑا اور کبھی دو گھوڑے کی
بگی نصیب ہوگی۔ بعضے ایسے موقع ہوتے
ہیں کہ وہاں ضرور دو گھوڑوں پر جانا چاہیئے
شب گذشتہ کو صرف محمود کی ایک انگریز
نے دعوت کی تھی دو گھنٹے وہاں لگے اور
ایسی سیکنڈ کلاس گاڑی یکہ میں گئے تھے جیسے
بنارس میں دو دو تین تین آنے کرایہ کے یکے
ہوتے ہیں۔ سات شلنگ یعنی ۵ روپیہ خرچ ہوئے
اب موافق یہاں کی رسم کے دوسرے
یا تیسرے دن صاحب خانہ سے ضرور ملنے
جانا چاہیئے اسیقدر پھر خرچ ہوگا۔ صرف ایک
دوست کے ہاں بلا تکلف جانے میں سات
روپیہ خرچ ہوئے پس مجھکو خرچ کی بڑی فکر
ہے اور نہایت اندیشہ ہے کہ کیا ہوگا
اس لئے حد سے زیادہ تنگی سے خرچ
کرتا ہوں۔ تصویریں تمام پادشاہوں کی
اور سلطان روم کے جلسہ کی سب ہیں
نہایت عمدہ کتاب جس میں قرینہ قرینہ سے

سب تصویریں تمام پادشاہان روے زمین
کی حسب خواہش لگی ہوں اور کتاب
البم فرمائشی حسب خاطر خواہ طیار ہو تو سو
ڈیڑھ سو روپیہ خرچ ہوگا میں نے تو قسم
کھائی ہے اگر آپ کو شوق ہو تو زر عنایت
ہو بندہ سب طرح طیار کر کے بھیجدیگا جماعت
سے اُس فرنگی کی کتاب چھپوالی ہے ۵۰
روپیہ تو خود چندہ میں دیے اور اگر اور
لوگوں کے پاس سے روپیہ نہ آیا تو کئی سو
روپیہ کا دھکا لگے گا کیونکہ جن احباب کو
لکھا ہے اُن میں بعضے ایسے بھی ہیں جنسے
اُس کی تعمیل کی توقع نہیں ہے اور وہ کتاب
قریب نصف کے چھپ چکی ہے دو ہفتہ
میں تمام ہو جاوے گی اور چھاپہ خانہ کا بل
میرے نام پر پہونچے گا۔ مولوی امداد العلی
صاحب کا نہایت شکر گذار ہوا کہ بخیر یاد کیا
میں یہہ نہیں چاہتا کہ تمام اہل ہند اور خصوص
مسلمان بخیر یاد کریں بلکہ اپنا غلام سمجھیں التزام
تقلید غیر کو شرک فی صفۃ النبوۃ کہنے سے
توبہ کرتا ہوں توبہ توبہ توبہ مگر دل سے نہیں
سہ زیں توبۂ ناصواب توبہ، محمود سے
میں نے کہا کہ تمھاری طرف سے کچھ لکھدوں
اُس نے کہا کہ آپ کچھ نہ لکھئے میں خود خط
لکھوں گا جناب مولوی معین الدین صاحب کا
سلام پہونچنے سے مجھے سٹار آف انڈیا کی

خوشی سے مجھ کو خوشی نہیں ہوئی میرا بہت
بہت سلام مسنون عجز و نیاز مشحون دست
بستہ عرض کر دیجے گا والسلام
(خاکسار محبت گزین شما سید احمد (مقام
لندن) (۱۰ - جون ۱۸۶۹ء)

دیکھو نالایق زین العابدین نے اب
تک کوئی خط نہیں لکھا یہ پرچہ چاک کر کے
اُس نالایق پاس بھیج دینا۔ بخدمت حافظ جی
صاحب سلام جو تکلیف کہ پہلے خط میں
دی ہے وہ معاف فرماویں گے۔

۵

قبلہ گویم یا خدایا سبہ یا پیغمبرش
اصطلاح عشق بسیار است من دیوانہ ام

قبلہ میرے مخدوم میرے محب میرے محبوب میرے
(اب تو صاف لکھ دوں جو ہو سو ہو منہ ۱۲) سلامت
آپ کا عنایت نامہ پایا اور عجیب کیفیت
میں مبتلا کیا کبھی اپنے آپ کو دیوانہ سمجھتا ہوں
کبھی تمکو دیوانہ جانتا ہوں جو کچھ آپ نے لکھا ہے
کبھی اُسپر بزور یقین لاتا ہوں پھر شک میں پڑ جاتا
ہوں۔ اگر آپ لندن میں آویں تو مجھکو اور
بالخصوص محمود کو جو خوشی ہو اُس کا اندازہ
غیر ممکن ہے مگر میں تو ان سب باتوں کو اب
تک واہیات سمجھتا ہوں آپکا عنایت نامہ پہونچنے
کے بعد میں مسٹر پالک صاحب کے گھر گیا اتفاق
سے وہ نہیں ملے اور آج ڈاک ہندوستان
کی روانہ ہونے والی تھی اس لیئے یہہ خط
لکھنا ضرور پڑا ورنہ ایک ہفتہ اور تاخیر ہو جاتی۔

دس ہزار روپیہ قرض ملنا نہایت مشکل ہے
میں نہایت تکلیف ابھی اُٹھا چکا ہوں۔ باوجودیکہ
جائداد رہن کی اور پانچہزار روپیہ کا سود بحساب
۱۲ ر فی صدی اور پانچہزار کا سود بحساب
۱۰ ر فیصدی دیتا ہوں جس شخص نے قرضہ
دینے کا آپ سے اقرار کیا واہیات اقرار
ہے اُس کا وعدہ وفا کرنا میری دانست
میں ناممکن ہے پس جب کہ جڑ ایسی بودی
ہے تو اُسپر عمارت بنانے کا خیال محض لغو
و بیفائدہ ہے فقط

گورنمنٹ قرضہ لینے کو منع نہیں کرے گی
اور نہ اجازت لینے کی ضرورت ہے کیونکہ
اُس میں مشکل پڑ جاوے گی۔ درخواست
رخصت میں صرف اسقدر لکھنا بطور اطلاع کے
کافی ہوگا کہ بعد آجانے منظوری رخصت
اور طیار ہو جانے کے سفر ولایت کو میں
فلاں شخص سے اسقدر روپیہ قرض لونگا
کیونکہ بعد حصول رخصت اور بر وقت
چھوڑنے کام کے اُس ضلع سے قرض لینا
خلاف قانون نہیں سمجھنا یہہ صورت اُس وقت
ہے جبکہ دہندۂ قرض تمھارے علاقہ کا
ساکن ہو ورنہ اسکی بھی کچھ ضرورت نہیں
یہاں تک میں خط لکھ چکا تھا کہ جناب لارڈ

لارنس بہادر گورنر جنرل و ویسرائے ہندوستان
میرے ملنے کو تشریف لائے۔ اب جو وہ تشریف
لے گئے تو پھر خط لکھنا شروع کیا۔ ہر سال
لڑکے اسکالرشپ لیکر جاویں گے۔ اپنے چچازاد
بھائی پر تاکید کرو کہ پڑھنے پر محنت کرے
اور بنارس کالج میں بھیجدو۔ آخر سال میں
انٹرنس کا امتحان ہوگا اُس میں پاس
ہوجاوے اگرچہ اسکالرشپ ہونے کو
امتحان کی ضرورت نہیں مگر سر ولیم میور
صاحب کی رائے ہے جو باتیں آپنے
لکھی ہیں بجز دس ہزار روپیہ قرض لینے
کے اور کوئی مشکل نہیں ہے۔ اگر حقیقت
میں تم چاہو تو بخوبی آسکتے ہو اور کچھ
بہت روپیہ درکار نہیں ہے۔ دو ہزار روپیہ
خرچ آمدورفت اور دو سو روپیہ ماہواری
خرچ قیام اینجا نہایت کافی ہے۔ پانچہزار
روپیہ میں ایک برس بھر بخوبی سیر کرسکتے
ہو اور اگر پڑھو تو اس عرصہ میں نہایت
قابل انگریزی میں ہوجاؤگے میں نے
یہاں انگریزی کا شوق نہیں کیا اور نہ ارادہ۔
مواعظ احمدیہ فی اسرار ملت محمدیہ لکھ رہا ہوں
انگریزی میں ترجمہ ہو رہا ہے خدا پورا کرے
اُسکے مضمون دیکھکر تعجب تو آپ بھی کرینگے
لیکن اور بہت سے کافر مسلمان کافر بتائینگے
نہ کافرم نہ مسلماں نہ دل بدست نہ دینم
خدائے بردل من وارداتی کہ چنینم
افسوس کہ کوئی یہاں مددگار نہیں۔
میں نے یہاں بڑی غل مچائی۔ ہے کہ
ہندوستانی افسروں کو جو ولایت آنا چاہیں
رخصت بلاوضع تنخواہ ملے۔ اکثر ممبران انڈیا کونسل
کان بھی میری فریاد پر رکھتے ہیں چنانچہ
میں نے اپنی درخواست پیش کی ہے نقل
اُس کی آپ کے ملاحظہ کو بھیجتا ہوں اگر
یہہ ہوگیا تو بلاشبہ آپ کو رخصت پوری
تنخواہ پر مل سکے گی۔ اس وقت ڈاک کا
وقت تنگ ہوتا ہے آیندہ ڈاک میں اور حال
لکھوں گا۔ والسلام
(خاکسار سید احمد) (از لندن ۲۹ جولائی
سنہ ۱۸۶۹ء روز جمعہ)

۶

مخدوم و مکرم بندہ سلامت

بعد سلام مسنون التماس یہہ ہے کہ جس
کتاب کے چھاپہ ہونے کا اشتہار میں نے
بھیجا تھا وہ تمام ہوگئی۔ ہفتہ یا دو ہفتہ کے
بعد اُسکے نسخے آپ کے پاس روانہ کرونگا
آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے کیسا انصاف
اور کیسا سچ اختیار کیا ہے۔ گو بعض خیالات
اُسکے ہمارے خیالات کے مطابق نہوں۔
وہ مسلمان نہیں ہے انگریز ہے جب آپ
اُس کی کتاب دیکھیں گے تو جانیں گے

کہ وہ انگریز ہزاروں مسلمانوں سے بہتر ہے
اب ایک اور بات ضروری ہے جو لکھتا ہوں
انگریزوں نے مسلمان پادشاہوں اور مسلمان
حکومتوں کی تاریخیں نہایت ناانصافی اور
تعصب سے لکھی ہیں اور کوئی بھلائی نہیں ہے
جو مسلمانوں کی طرف منسوب کی ہو ہماری
قوم کے جوان لڑکے انگریزی میں اُنھی
تاریخوں کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں جس سے
بڑا نقص پیدا ہوتا ہے اور جو بات کہ از
راہ ناانصافی اور تعصب کے مسلمانوں کی
نسبت لکھی گئی ہے اُس کو وہ سچ اور واقعی
سمجھتے ہیں اس لئے ایسی قسم کی انگریزی
کتابوں کا پیدا ہونا جن میں مسلمانوں کا
حال نہایت سچائی اور انصاف سے لکھا
گیا ہو نہایت مفید بلکہ نہایت ضروری ہے
دو بہت بڑے واقعے دُنیا میں ہوئے
ہیں جنسے مسلمانوں کو نہایت بڑا تعلق ہے
ایک واقعہ فتح اندلس کا ہے جس میں سات
سو برس تک مسلمانوں کی انگریزوں پر
یعنی عیسائیوں پر حکومت رہی اور جو
انصاف اور تعلیم و تربیت مسلمانوں نے
اُس قوم کی کی نہایت ہی عجیب اور قابل
فخر ہے دوسرا واقعہ کروسیڈ کا ہے
یعنی آٹھ لڑائیاں جو مسلمانوں اور تمام
عیسائی قوموں سے بیت المقدس پر
ہوئیں میں نے اُس عالم صاحب سے
کہا ہے کہ ان دونوں واقعوں کی دو مختصر
تاریخیں وہ لکھدیں اور اُن کی راے میں
جو سچ اور انصاف ہو اور جس کا قصور
اُس میں اُن کی منصفانہ راے میں ہو
سب لکھیں اور جو کہ وہ عالم صاحب نہایت
منصف اور بہت بڑا عالم ہے اور جرمن،
لیٹن، فرنچ، گریک زبان جانتا ہے اور
سب مصنفوں کی کتابیں پڑھکر راے قایم
کرتا ہے صرف انگریزی کتابوں پر اس کو
بھروسا نہیں ہے اس لئے امید ہے کہ
جیسی بلا تعصب اُس نے یہہ کتاب لکھی
ہے ویسی ہی وہ بھی لکھے گا ان دونو کتابوں
کے چھپنے اور طیار ہونے میں آٹھ سو روپیہ
تخمیناً خرچ ہوگا۔ فی کتاب چار سو روپیہ پس
میں چاہتا ہوں کہ آپ وہاں کے احباب
سے آٹھ سو روپیہ چندہ کر کر میرے پاس
بھیجدیں چندہ کرنے میں شہرت نہیں چاہیے
اور صرف احباب مخلصین سے چندہ ہو مثلاً
آپ میر ظہور حسین، زین العابدین، مرزا رحمت اللہ
اور اور احباب سے ملاقات کریں اور زبانی
بات چیت کریں اور جو جس کی توفیق ہو،
اُس سے لیکر جمع کریں۔ نہایت افسوس اور
رنج کی بات ہے کہ میں احباب کا نام لکھتا ہوں
اور اُس میں مولوی سمیع اللہ خاں کا نام نہیں

لکھا اور جو کہ اب وہ اپنے تئیں اتقا میں جنید و شبلی و ابی حنیفہ سے مقدم اور اور لوگوں کو یا فاسق گنہگار یا کافر مرتد سمجھتے ہیں اور دانائی اور دور اندیشی میں بھی اپنے برابر کسی کو نہیں جانتے اور ایک حقارت کی نگاہ سے ہر ایک کو دیکھتے ہیں اس لئے میں نہیں چاہتا کہ آپ اُن سے کچھ تذکرہ اس کا کریں اور حقیقت میں وہ شریک نہیں ہونے کے اور نہ دیں گے آیندہ آپ کو اختیار ہے۔ ایک عجیب بات سنیے کہ جو کتاب چھپ چکی ہے اُس میں مصنف نے لکھا ہے کہ جو الزام جلا دینے کتب خانۂ مصر کا نسبت حضرت عمرؓ کی لکھا ہے غلط ہے اور یونانی اور رومی تاریخوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ کتب خانہ جولیس سیزر کے وقت میں جلا دیا گیا۔ بے وقوف شیخی پسند بعض ناواقف مسلمان مورخوں نے اُسی واقعہ کو مسلمانوں نے جب فتح مصر کی اُس کے ساتھ لگا دیا، اس امر کا ایسا مستحکم ثبوت دیا ہے کہ وہ کتب خانہ جولیس سیزر نے جلایا جس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا (مواعظ احمدیہ) کا ایک وعظ طیار ہو گیا۔ انگریزی میں ترجمہ ہو گیا اب انگریزی میں چھاپہ شروع ہوگا اردو کتاب کے چھاپہ میں یہاں بہت لاگت لگتی ہے بعد چھاپہ چند نسخے آپ کے پاس بھیجوں گا تا دانم کہ مخدوم چہ میگوید، خدایا مخدومم مہدی اگر مرا کافر و مرتد داند باک نیست زیرا کہ ایں معاملہ مرا با نہ با مخدوم من مہدی لیکن محبت من از و محبت او از من گم مگرداں۔ او خدا دانندۂ رازہای پوشیدۂ درون سینہہا تو میدانی کہ من با تو و با دین حقۂ اسلام دادۂ تو چہ میکنم و چہ اعتقاد دارم پس اگر مرا محبوب من مہدی لا مذہب یا کافر گوید یا مسیح السمر و امداد العلی مرتد داند مرا چہ باک تو بر من مہرباں باش۔

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

والسلام

(خاکسار سید احمد) (۲۳ جولائی سنہ ۱۸۶۹ء) (لندن)

۷

جناب مخدوم و مکرم من سلامت

بعد سلام مسنون عجز و نیاز مشحون عرض یہہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۸ مئی جون پہونچا عجب اتفاق ہے کہ میرا نیاز نامہ مورخہ ۴ جون آپ کے پاس پہونچا اور جو عریضہ معہ اشتہار کتاب اُس سے پہلے روانہ کیا وہ نہیں پہونچا غالباً پہلا عریضہ سو تھمٹن کی راہ گیا جو نہایت پھیر کا رستہ ہے مگر امید ہے بعد اُس کے پہونچگیا ہوگا ایک انگریز نے جس کا نام مسٹر جان ڈیون پورٹ ہے حمایت مذہب اسلام میں ایک عجیب و غریب کتاب لکھی ہے

جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا حال
لکھا ہے اور جسقدر اتہام اور الزام انگریزوں
نے آنحضرت صلعم پر اور قرآن پر اور مذہب
اسلام پر لگائے ہیں اُس کا جواب دیا ہے
جوکہ یہہ کتاب بالکل انگریزوں کے مخالف
تھی اُس کا چھاپا ہونا اور فروخت ہونا مشکل تھا۔
میں نے کل لاگت چھاپہ کی دینی قبول کی
اور احباب سے ۵۵ روپیہ اُسکی لاگت
ادا کرنے کو طلب کئے اور بعوض اُس کے
بارہ بارہ کتابیں دی جاویں گی اسی بابت
۵۵ روپیہ آپ سے بھی طلب کئے تھے
پس اگر وہ خط نہ پہونچا ہو تو اب فی الفور
۵ روپیہ بدیہ وہ کتاب طیار ہو گئی چھپ
چکی آیندہ میل میں روانہ کروں گا تصویر
مسٹر ڈیون پورٹ کی بھیجتا ہوں نہایت تعظیم
وادب اور محبت رکھنے کے لایق آدمی ہے
فقط جن لفظوں میں میں نے غیر ذبح کی
ہوئی مرغی کھانے کا ذکر لکھا اور جن سے
آپ کو افسوس ہوا اُس کا عذر کرتا ہوں
اور معافی چاہتا ہوں ہاتھ جوڑ کر ہندوستانی
نہ شرعی طور پر توبہ کرتا ہوں افسوس کہ مجھے
ایسے لفظ لکھنے نہ آئے جلنے آپ کو افسوس
نہ ہوتا میرے لئے خدا معاف کیجیے جب میں
وہ لفظ لکھ رہا تھا تم میرے دل میں اور
میری آنکھوں کے سامنے تھے میں جانتا

تھا کہ تم ناپسند کروگے بھائی کیا تم یہہ بات
پسند کرتے ہو کہ میں بُرا کروں اور اُسکو
اسلئے چھپاؤں کہ لوگ بُرا نہ کہیں ہم کو تو
خدا سے معاملہ ہے جسکے ہاتھوں سے آ
تنگ آئے ہیں کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا
جو کام کرتے ہیں وہ دیکھتا ہے جو بات
کہتے ہیں سُن لیتا ہے جو دل میں لاتے
ہیں جان لیتا ہے ایسا پیچھے چمٹتا ہے کہ
نہ جہاز میں چھوڑے نہ زمین پر چھوڑے
نہ رات کو الگ ہو نہ دن کو الگ ہو نہ غیر ذبح
مرغی کھاتے وقت پیچھا چھوڑے پس جب
میں نے نہایت سچے دل اور درست اعتقا
سے ایسے دوست اور سچے رفیق خدا سے
شرم نہ کی تو پھر بھائی مہدی علی سے کیا
ڈر کرتا میں اُس کو قرآن مجید سے جائز سمجھتا
ہوں نہ روایت شاذہ سے بہر حال میں
اُس میں گفتگو نہیں کرتا شاید میں غلطی پر
ہوں صرف معافی چاہتا ہوں اور آپ سے
نہایت سچے دل سے التجا کرتا ہوں کہ بعض
آقاؤں کے نہایت بدخصلت اور بدکردار
غلام ہوتے ہیں وہ آقا اپنے غلام پر ناراض
تو ہوتے ہیں مگر اُس غلام کو غلام سمجھے جاتے
ہیں اسی طرح گو آپ میری حرکات ناشایستہ
سے ناراض ہوں مگر مجھکو اپنا غلام سمجھتے
رہیں بدمن منگر بر کرم خویش نگر یہہ الفاظ

میں نے نہیں لکھے میرے دل سے لکھے
ہیں والسلام فقط

والی مصر کے ساتھ بعض علما مصر
بھی تھے سب انگریزوں کے ساتھ غیر ذبح
کئے ہوئے جانور چیٹ کرتے تھے ۱۱

میں دو دفعہ پالک صاحب پاس گیا
اُن سے ملاقات نہیں ہوئی چار پانچ روز
ہوئے کہ وہ از راہ عنایت میرے مکان پر
مجھ سے ملنے آئے بہت عنایت سے
ملے اور بہت دیر تک بیٹھے رہے میں نے
عرضی پیش کی اور بہت کچھ کہا اور جو امداد کا
وعدہ اُنھوں نے کیا تھا وہ یاد دلایا
اُنھوں نے بہت غور سے سنا اور غور
و فکر کرتے رہے اور کہا کہ ہمارے پاس
بھی اُن کی انگریزی چٹھی آئی ہے میں نے
صاحب کلکٹر مرزاپور کے نام چٹھی لکھنے کو
کہا بعد تمام گفتگو کے یہ جواب دیا کہ ہم
لکھیں گے اور مہدی علی کو بھی خود لکھیں
گے اب وہ مفصل میں چلے گئے دو مہینے
بعد آوینگے اور وعدہ کر گئے ہیں بعد
آنے کے تم سے بہت دفعہ ملوں گا اور
بہت بات چیت کروں گا پس اُنھوں نے اس عرصہ
میں کچھ نکیا تو جب وہ واپس آویں گے
پھر ذکر کروں گا میں آپ کے لئے تصویرات
جمع کر رہا ہوں اور نہایت سلیقے سے
عمدہ البم میں لگاؤں گا اور مکانات کی تصاویر
بھی لیتا جاتا ہوں آپ اسقدر عذرات
مغایرانہ درباب ادائے قیمت کیوں لکھتے
ہیں میں نے خود تم سے قیمت طلب کی
ہے میں تمکو اپنے بھائی کے برابر سمجھتا
ہوں تم سے روپیہ لینے یا منگانے
میں بروقت ضرورت یا بحالت لاچاری
کچھ شرم نہیں ہے بلا شبہ مجھکو خرچ کی
نہایت تنگی ہے اُن تصویروں میں جو
خرچ ہوگا تم کو دینا ہوگا بلکہ سو ڈیڑھ سو روپیہ
اس کام کے لئے پیشگی بھیجدو تو اور بھی
بہتر ہے مگر میں نے جمع کرنی شروع
کردی ہیں فقط

کتب خانۂ انڈیا آفس کی کوئی چھپی ہوئی
فہرست نہیں ہے کتب خانۂ ایشیاٹک سوسیٹی
میں عربی فارسی نہایت قلیل معدود کتابیں
ہیں کتب خانۂ برٹش موزیم ایک نہایت
بڑا جنگل کتابوں کا ہے کئی الماریاں صرف
فہرست کی ہیں اُس میں سے تفسیر یاقوت
التاویل کا حال دریافت کر کر آیندہ میل
میں لکھوں گا فقط

میور صاحب کی کتاب کے جواب کا
سامان نہیں ہوسکا اب اُس کی توقع
نہیں ایک انگریزی خواں اور ایک طالبعلم
جو مقامات نشان دادہ کو کتب میں تلاش و

نقل کر سکتا ہے میرے ساتھ ہوتی تو ایک
برس میں اُس کا جواب لکھ لیتا اب
نہیں ہو سکتا مگر میں اُس کے مختلف
مقامات پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ رہا
ہوں اور اُنھی کا نام مواعظ احمدیہ رکھا ہے
پہلا وعظ طیار ہو گیا اُس کا مضمون یہ ہے
کہ مسلمانوں کی کتابوں میں معتبر و غیر معتبر
اور صحیح و غلط روایتیں شامل ہیں اور وہ
اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کی ہر ایک
بات اصلی مذہب سمجھا جاوے پس جن
لوگوں نے ہماری کتابوں کی روایتیں
چن کر ہمارے مذہب پر یا جناب پیغمبر خدا
صلعم کی نسبت الزام و اتہام دیا ہے
وہ حماقت ہے کیونکہ اول یہہ دیکھنا چاہیے
کہ وہ روایت صحیح و معتبر بھی ہے یا نہیں
مگر اس کا طرزِ گذارش سید ھا صاف نہیں
ہے پیچ دار شمشیر برہنہ ہے اُسکے مصنف
کے دل میں بجز مذہب اسلام کی محبت کے
اور کسی کی محبت نہیں ہے اُس نے
اِس طرح پر یہہ وعظ لکھا ہے جیسیکہ مولوی
اسمٰعیل صاحب نے محبتِ توحید میں
تقویۃ الایمان لکھی ہے ایک مقام پر لکھا ہے
کہ ایمہ مجتہدین کے مسائلِ اجتہادی اور قیاسی
اصلی مذہب مسلمانوں کا نہیں ہے وہ
صرف ایک قانون داں کی راے ہے

اگر ہزار ابو حنیفہ و شافعی کے مسائل اور
اجتہادات غلط ہوں تو مذہب اسلام کی
نورانیت میں کچھ فرق نہیں آتا پس کسی
مجتہد کی راے پر اعتراض کر کر مذہب
اسلام کو غلط قرار دینا بجز حماقت کے
اور کچھ نہیں باقی حالات ڈاک آیندہ میں
لکھوں گا حافظ جی صاحب کی خدمت میں
بہت بہت سلام عرض کر کے کہنا کہ
اگر آپ بھی میری غیر مذبوحہ مرغی سے
ناراض ہوئے ہوں تو للہ معاف فرمایئے گا
والسلام۔
(خاکسار سید احمد) (۶۔ اگست سنہ۱۸۶۹ء)
(روز جمعہ مقام لندن)
آج دربار ہے اور میں ستار آف انڈیا
لینے جاتا ہوں فقط
برخوردار حامد تسلیمات عرض کرتا ہے
مرزا خداداد بیگ سلام مسنون عرض کرتے ہیں

۸

مخدوم من و محبوب من سلامت
تسلیم نہ صرف لفظ تسلیم بلکہ دل و جان
تسلیم نامۂ محبت مورخہ ۱۸۔ جولائی یافتم
مسرتے کہ باں پذیرفتم پایانی ندارد۔ ای
وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی
اشعارِ آبدارِ آں محبت نامہ بجائم خلید و روانم
جنبید مگر ایں اتحادِ روحانی و جسمانی را باید نگریستن

که احمد و مهدی در یک بحر و مضمون گنجیده اند

مشتاق جمال تست این احمد شیدا هم

در مصرع اول که خطاب من فرموده اند اگر
بجاے لفظ دیدارت احوالت بودے
نهایت مناسب حالِ من بودے۔
"آنی که با حوالت خلقے است تماشائی"
وہذا ہو الحق "آنم که با حوالم خلقے است
تماشائی" اگر غم است ہمیں قدر است
که نمیدانم که خداے من تماشائی کدام احوال
من میکند۔ انه ہو الغفور الرحیم

گناه من ار نیامدی در شمار
ترا نام کے بودے آمرزگار

ای خداے من ای رحیم و غفور من ای
محبوب و مطلوب من اخلق را بگذار هر چه
خواهند تماشائی من کنند، تو مرا نیک تماشا کن

نمیگویم درین گلشن گل و باغ و بهار از من
بهار از یار و گل از یار و باغ از یار و هر یار از من

آه چه گفتم و کجا رفتم خداے من
از من جدا نیست مرا گذاشتن نمیتواند پس
چرا پریشان شوم و چرا اندیشه کنم۔ حمد و ثنای
او سرایم که عین حمد و ثناے خود است
منصور انا الحق گفت پایه بلند داشت
من حرف الحق میگویم او خدا از من بشنود مستجاب
کن آمین فقط

اندنوں میں ذرا قدرے دل کو شورش
ہے۔ ولیم میور صاحب نے جو کتاب
آنحضرت کے حال میں لکھی ہے اُس کو میں
دیکھ رہا ہوں اُس نے دلکو جلادیا اور اُسکی
ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب
ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم
کے سیر میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا
کتاب لکھدی جاوے اگر تمام روپیہ خرچ
ہوجاوے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے
لایق ہو جاؤں تو بلا سے قیامت میں یہ
تو کہکر پکارا جاوے گا کہ اُس فقیر مسکین
احمد کو جو اپنے دادا محمد صلعم کے نام پر فقیر
ہو کر مر گیا حاضر کرو۔ مارا تغمۂ شاہنشاہی
بس است۔

میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر
سے کتب سیر منگانی شروع کر دیں
چٹھیات روانہ ہوگئیں۔ سیرت ہشامی
مطبوعہ اور چند کتابیں لیٹن کی خریدیں
ایک آدمی مقرر کر لیا جو لیٹن کا ترجمہ کر کر
مضمون بتلا سکے۔ تین مقامات لکھنے شروع
کر دیے۔ اول جغرافیۂ عرب۔ دوم انساب
عرب۔ سوم ثبوت آنحضرت کی نسل کا حضرت
ابراہیم تک۔ سب سے مشکل کام جغرافیہ
ہے اور تمام چیزوں متعلق اسلام و سیر
کے ثبوت کی بنیاد ہے خیر اب دعا کرو
خدا مدد کرے اور انجام کو بھوپنچادے

سے ہر چہ یاد ابادمن کشتی درآب انداختم

ایک نہایت عمدہ ثبوت نسلِ ابراہیم سے ہونے کا یہہ ہے کہ بنی ہاشم اور دیگر اقوام عرب میں جو اولاد حضرت ابراہیم سے ہیں رسم ختنہ جاری تھی (آپ تلاش کریں) کہ کسی کتاب میں یا حدیث و سیر یا تفسیر میں کوئی ایسی قوم بھی عرب میں پائی جاتی ہے جس میں رسم ختنہ نہو۔ عرب میں سوائے اولاد حضرت ابراہیم کے اور قومیں بھی آباد تھیں۔ اگر یہہ بھی ثابت ہوجاوے کہ اُن قوموں میں رسم ختنہ نہ تھی تو نہایت عمدہ بات ہے. یقول مقامات جو سابق میں طلب کی ہیں یقین ہے کہ اب تک روانہ ہوچکی ہوں گی بشرطیکہ حافظ جی صاحب نے مہربانی کی ہوگی میرا سلام اور بہت بہت سلام اُنسے کہیئے۔ اس بات کے دریافت ہونے سے کہ صاحب کمشنر بہادر نے آپکے خلعت کی بھی رپوٹ کی حد سے زیادہ خوشی ہوئی خدا مبارک کرے اُس کی منظوری سے انشاءاللہ تعالے جلد خوشی حاصل ہوگی بھائی مہدی تم پانیر اخبار الہ آباد میں سے ایک آرٹکل کا ترجمہ سنو۔ وہ لکھتا ہے کہ آج کل ہندوستان میں خاندان مسلمانوں کے روز بروز گھٹتے جاتے ہیں چنانچہ صرف بنگالہ میں تمام سلطنت کے ملازمین میں چند مسلمان ہیں وہ بھی ضعیف ہیں جلد پنشن لیں گے اور اُن کی جگہ یقینی کوئی مسلمان نہیں ہونے کا اور آیندہ بجز چپراسی اور دفتری کے کوئی مسلمان معزز عہدہ پر نہیں ہوگا۔ دیکھو جو میں کہتا تھا اور جس کا غم کرتا تھا اب سب لوگ وہی کہتے ہیں یہہ آرٹکل بہت بڑا ہے اور کہیں سے دستیاب ہو تو منگاکر بالکل سنو۔ بہر حال جو عزت تمکو خدا نے دی وہ تمام قوم کی عزت ہے اور مجھکو دُہری خوشی ہے ایک قومی دوسری خاص محبت و محبوبیت کی اللہ تعالیٰ ہمیشہ با اقبال رکھے۔ حامد کچھ دل پڑھنے پر نہیں لگاتا بہرحال گھر میں پڑھتا ہے۔ سو روپیہ مہینہ کا آدمی نوکر ہے جو تین گھنٹے آکر حامد کو اور تین محمود کو پڑھا جاتا ہے مگر حامد کا دل نہیں لگتا ہے دربار ملکہ معظمہ کی حاضری کے لیئے مجھسے کہا گیا مگر میں نے بعض مصلحت کی نظر سے کہا ہے کہ پھر کسی دربار میں حاضر ہوں گا ہمیشہ دربار ہوتے ہیں یہاں کے امرا سے دوستانہ ملاقات نہایت بے تکلف ہوتی ہے اور کھانے پر جانا ہوتا ہے ہمیشہ محمود میرے ساتھ ہوتا ہے اور وہ ذریعۂ گفتگو اکثر ہوتا ہے۔ وزیر ہند سے ایک دفعہ معہ حامد و محمود ملاقات ہوئی تھی اور دو

دفعہ صرف میں تنہا ملا میں نے انگریزی میں اُنکی سب باتوں کا جواب دیا سب سمجھا اور سب جواب صحیح دیئے مگر نہایت بدو خراب انگریزی میں یہاں کے اکثر امرا اور ممبرانِ پارلیمنٹ ہندوستان کے خیر خواہ ہیں مگر جو کہ حالات سے بخوبی واقف نہیں ہیں اس سبب بعضے تو کچھ جانتے ہیں اور بعضوں کی رائے کی نہایت غلطی ہوتی ہے حال کی پارلیمنٹ میں جو بل متضمن مزید اقتدار گورنر جنرل ہندوستان پاس ہوا ہے درحقیقت ممبرانِ پارلیمنٹ نے نہایت نیک نیتی سے اور ہندوستان کا فائدہ سمجھکر پاس کیا ہے مگر ایسی غلطی رائے کی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا حقیقت میں ہندوستان غلام ہوگیا اور یہہ بل نہایت مضر ہندوستان کے ہے۔ اگر انگلستان میں یہہ قانون جاری ہوتا تو کُل رعیت اُس کی منسوخی کی درخواست کرتی میونسپل کے قانون سے میں مختلف الرائے نہیں ہوں صرف یہہ چاہتا ہوں کہ حکامِ انگریزی اُس روپیہ کو بیجا صرف نکریں ٹیکس کے باب میں کچھ گفتگو نہیں ہو سکتی درحقیقت آمد و خرچ پورا نہیں ہے۔ وہ کتاب طیار ہوگئی آج کی ڈاک میں دو جلدیں میر ظہور حسین صاحب کے پاس بھیجی ہیں اسلئے کہ الہ آباد کے بعض عقلمند صاحب فرماتے ہیں کہ یہہ بات جھوٹ ہے آج کی ڈاک میں آپ کے پاس دو جلد روانہ کروں گا اور باقی کتابیں جہاز میں بھیر کے رستے سے روانہ کروں گا تاکہ محصول کم خرچ ہو والسلام

(خاکسار سید احمد) (از مقام لندن ۲۰ اگست ۱۸۶۹ء روز جمعہ)

چھجو آداب و تسلیمات عرض کرتا ہے اور اس وقت میرے سر پر کھڑا ہے اور آپ کی تصویر مانگتا ہے۔ اُس نے بھی ایک البم بنائی ہے فقط

۹

جناب مخدوم و مکرم بندہ سلامت

بعد سلام مسنون عرض یہہ ہے کہ دو قطعہ نامہ مورخہ ۴۔ اگست و ۵۔ اگست معہ ہنڈوی ۵۰ روپیہ کے پہونچے اور ممنون عنایت کیا۔ اپنے سفر کی بابت جو آپ نے مجھ سے رائے پوچھی ہے درحقیقت آپ کی رائے بالکل صحیح ہے اگر آپ یہاں تشریف لائے تو کچھ فائدہ جو معاوضہ اسقدر زیر باری قرضہ کا ہو نہیں ہو گا میں ہرگز صلاح نہیں دیتا کہ آپ اسقدر زیر باری قرضہ اُٹھاویں اور برس روز کے لئے یہاں تشریف لائیں یہہ اسقدر بُرا نہیں ہے

اور ایک ایسا کارخانہ ہے کہ کوئی کسی کو
نہیں پوچھتا میرے واسطے جو کچھ یہاں
ہوا آپ اُس کو عجائبات اور امورِ اتفاقیہ
سے سمجھیے صاف صاف یہہ بات ہے کہ
یورپ صرف دو آدمیوں کے کام کا ہے
اول اُن کے جو جوان نوعمر ہیں اور علوم
و فنونِ جدیدہ کی تربیت چاہتے ہیں اور
یورپ کی زبان سے واقف ہیں۔ دوسرے
اُن لوگوں کے لئے جو صرف سیر کے خواہاں
ہیں یا اپنے مُلک اور اپنے مُلک کے
لوگوں کی ترقی میں کوشش کرنا چاہتے
ہیں سیر کا تو مختصر یہہ حال ہے کہ یہاں وہ
چیزیں اور وہ کارخانے اور وہ صنایع
اور وہ عمارات اور ایسے عجائبات ہیں
کہ لا عینٌ رأت و لا اذنٌ سمعت۔ امکان نہیں
ہے کہ جن لوگوں نے اُس کو نہیں دیکھا اُنکے
سامنے وہ بیان ہو سکیں اور وہ سمجھ
سکیں جس وقت انسان یورپ کی سرحد
میں پہونچتا ہے حقیقت میں اُس کو ایک
نیا عالم معلوم ہوتا ہے اور اُس کو یقین
ہو جاتا ہے کہ ہندوستان میں جاکر جو
انگریز ہم کو مثل جانور کے جانتے ہیں،
درحقیقت ہم ہندوستانی ایسے ہی
ہیں عقلمند اور نصیحت اور عبرت پکڑنے
والا آدمی تمام حالات اور رسم و رواجِ
یورپ دیکھکر یہہ بات سمجھ سکتا ہے
کہ کونسی رسمیں اور عادتیں ہندوستان
کی اور خصوص مسلمانوں کی اچھی ہیں
اور کونسی خراب اور قابلِ تبدیل ہیں اصولِ
ایمانیۂ اسلامیہ پر جسقدر یقین یورپ کے
آنے سے اور یہاں کے حالات اور علوم
اور علماء کی رائیں دریافت کرنے سے
ہوتا ہے، بلا تشبیہ نعوذ باللہ ویسا یقین حج
سے نہیں ہوتا لہٰذا زیادہ تعجب یہہ دیکھکر ہوتا
ہے کہ یہہ سب کچھ جو ہو رہا ہے صرف
نج سے اور آپس میں لوگوں نے کیا
ہے۔ گورنمنٹ سے کچھ علاقہ نہیں ہے
اور یہہ دیکھکر آدمی یقین کر سکتا ہے کہ
ہندوستان میں اگر بہت سے آدمی
متوجہ ہوں اور علوم و فنون و سویلزیشن میں
کوشش کریں تو وہ بلا اعانت گورنمنٹ
بہت کچھ کر سکتے ہیں اور ان خیالات
سے اور حال دیکھنے سے عقلمند اور بیدار
آدمی کو اپنے ملک کی ترقی اور بھلائی اور
قومی خیر خواہی زیادہ بڑھنی ہے جس شخص
کے پاس روپیہ ہو اُس کو صرف اسقدر
کافی ہے کہ یورپ آوے اور تین چار
مہینے موسم گرما میں جب کہ یہاں سب
کچھ جاری ہوتا ہے ہر ایک چیز کی سیر
کرے اور چلا جاوے اور اپنے مُلک میں

اُس بھلائی کو پھیلاوے مگر میں ہرگز راے
نہیں دیتا کہ اس امر کے حاصل کرنے کو
قرض سے اپنا گلا بندھا دے پس میں
آپ کو ہرگز راے نہیں دیتا کہ قرض کرکر
آپ یہاں تشریف لاویں اور بالفرض اگر
آویں بھی تو چھ مہینہ سے زیادہ کیلئے
آنا محض لغو و حماقت ہے میرے حال پر
خیال نکیجیے میرا حال جدا تھا اور چند خیالات
مجھکو تھے میں نے جائداد بیچی اور دس
ہزار کا قرض کیا۔

غافل و عیاش آدمی کے لئے جو خوشی
اور نعمت یہاں متصور ہے خدا معلوم بہشت
میں بھی ہوگی یا نہیں۔ میرے ایک بڑے
معزز دوست نے ایک بہت بڑے
جلسہ میں جہاں نہایت تکلف کی پوشاک
پہنے ہوئے کئی سو مرد و میم و لیڈی
نہایت خوبصورت و خوش کلام اور قابل
جمع تھیں پوچھا کہ کہو لندن بہشت ہے
اور حوروں کا ہونا سچ ہے یا نہیں پس
مختصر حال و نتیجہ سفر یورپ کا یہ ہے
مگر ہماری قسمت میں وہی جلنا ہے یہاں کا
حال دیکھ دیکھکر اپنے ملک اور اپنی قوم
کی حماقت اور بیجا تعصب اور تنزل موجود
اور ذلت آیندہ کے خیال سے رنج و
غم زیادہ بڑھگیا ہے اور کوئی تدبیر اپنی
ہموطنوں کے ہوشیار کرنے کی نہیں
معلوم ہوتی مذہب جس کو وہ سمجھتے ہیں
کہ ہم نے خوب اختیار کیا ہے اُس میں
بھی وہی حماقت اور نالایقی اور گمراہی
ہے جو اور تمام کاموں میں ہے پس کوئی
کیا کرے۔ یہ اقبالی بدنصیبی کا کچھ علاج نہیں فقط

میں روز و شب تحریر کتاب سیر مصطفوی
صلعم میں مصروف ہوں سب کام چھوڑ دیا ہے
لکھتے لکھتے کمر درد کرنے لگتی ہے۔ ادھر
فکر ترتیب مضامین کتاب، اُدھر فکر جواب
اعتراضات، ادھر فکر تنقیح و تصحیح روایات
صحیح میں مبتلا رہتا ہوں اور کسی شخص
کے مددگار نہ ہونے سے یہہ کام اور
بھی سخت ہوگیا ہے اُدھر جب حساب
دیکھتا ہوں تو جان نکل جاتی ہے کہ
الہی لکھنا اور چھپوانا تو شروع کردیا روپیہ
کہاں سے آوے گا مسلمان البتہ آستینیں
چڑھا کر اسباب میں تو لڑنے کو طیار
ہوں گے کہ انگریزوں کے ساتھ کھانا
مت کھاؤ مگر جب کہو کہ مذہبی تائید میں
کچھ روپیہ خرچ کرو تو جان بچا جاویں گے

دوسرا باب جس میں عرب کا جغرافیہ
اور وہاں کی قوموں کا اور حضرت اسمٰعیل
کے وہاں آکر آباد ہونے کا ذکر ہے
چھپ رہا ہے عرب میں سے ایک

کتبہ نکلا ہے جو یہاں کے برٹش میوزیم میں موجود ہے وہ کتبہ آنحضرت صلعم سے بہت پہلے کا ہے اور اُس سے حضرت ہود کا عرب میں پیغمبر ہونا اور قوم عاد کے مکانات کا وجود بخوبی ثابت ہوتا ہے چنانچہ وہ کتبہ بعینہٖ اُسی خط میں معہ ترجمہ میری کتاب میں مندرج ہوگا میری دانست میں نہایت خیرخواہی اسلام کی اور سب سے زیادہ ضرورت اِسبات کی تھی کہ یہہ کتاب انگریزی زبان میں چھاپی جاوے اس لئے انگریزی چھاپنا شروع کردیا اور اُردو ابھی ملتوی ہے علاوہ اس کے انگریزی عبارت لکھنے والے جیسے عمدہ اور کم قیمت پر یعنی بہ نسبت ہندوستان کے کم قیمت پر ملتے ہیں ہندوستان میں ممکن نہ تھا جو شخص کہ میری کتاب انگریزی میں لکھتا ہے اسکی لیاقت کا کوئی انگریز ہندوستان میں نہیں ہے پس ایسا شخص ہندوستان میں کہاں ملتا اگر میری یہہ کتاب طیار ہوگئی جس میں دس باب ہیں تو میں تو لندن میں آنا دس حج کے برابر اور باعث اپنی نجات کا سمجھوں گا خدا قبول کرے آمین

اس معاملہ میں سوائے تمہارے میں اور کسی کو کچھ نہیں لکھتا اس لئے کہ جو میرے دلی دوست ہیں اُن کو خدا نے عقل نہیں دی اور حقیقت یہہ ہے کہ جب تک دل سے شوق نہو صرف خاطر سے کچھ کرنا فائدہ مند نہیں ہوتا بہرحال مجھکو اعانت کی نہایت ضرورت ہے اول تو انتخاب و تحریر مقامات کتب و تحقیق بعض مسائل کی جو میں آپ کو لکھوں آپ اس کو بخوبی انجام دیں گے اس میں کچھ تامل نہیں مگر اسقدر دیر نہ ہو جیسیکہ اب تک کی ہے اس وقت تک حدیثیں معراج و شق صدر کی نہیں پہونچیں دوسری بلاشبہ روپیہ کی ضرورت ہے کم سے کم دو ڈھائی ہزار روپیہ خرچ ہوگا آپ وہاں احباب مخلصین سے چندہ کیجئے صورت چندہ کی یہہ ہو کہ جو جس کا مقدور ہے دے اور بعد طیار ہو چکنے کتاب کے جسقدر روپیہ اس نے دیا ہے اُس قدر قیمت کی کتابیں اُس کو دے دی جاویں اس چندہ کرنے میں یہہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ کل ڈھائی ہزار کا چندہ ہو کیونکہ جسقدر ہو وہی غنیمت ہے اور اُسی قدر بوجھ ہلکا ہوگا میرا ارادہ ہے میں میر ظہور حسین مرزا رحمت اللہ بیگ مولوی زین العابدین تراب علی محمد احمد مہدی علی وغیرہ لوگوں کو خط لکھوں کہ مجھے ضرورت ہے سو روپیہ بھیجدو سوائے

اسکے اور کچھ نہ لکھوں یقین ہے کہ یہہ لوگ بھیجیں گے پس جسقدر مدد ہوگی وہی غنیمت ہے فقط

دوسری صورت یہہ ہے کہ کسی مہاجن سے کچھ روپیہ قرض لیا جائے اور اس کتاب کی طیاری میں لگایا جاوے بعد طیاری کے کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہہ کتاب بہت بکے گی اور انگریز بہت لینگے آج تک مسلمان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب آنحضرت صلعم کے حال کی انگریزی میں نہیں ہے پس اُسکی قیمت سے اُس کا روپیہ دیا جاوے اگر نقصان ہو تو میں اور وہ لوگ جو اس میں شریک ہوں ادا کریں فقط

چند بڑے قابل انگریز جو مسلمان ہوگئے ہیں اُن کی لکھی ہوئی کتابیں بہت تلاش سے ہم پہونچائی ہیں اور دس گنی قیمت دیکر خریدی ہیں اُن میں ایک کتاب ہاتھ آئی ہے جس میں اُس انگریز نے نہایت خوبی سے یاتی من بعدی اسمہ احمد کے فقرہ کو ثابت کیا ہے کہ ویسی دلیلیں کسی مسلمان مولوی کے خیال میں بھی نہیں گذر سکتیں علاوہ اسکے میں کیا بتاؤں کہ میں نے کیا کیا ہے اگر تم یہاں ہوتے تو شاید بھونے نہ سماتے بلا تصنع میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ مولوی امداد العلی صاحب کی نسبت استار آف انڈیا تجویز ہونے سے سبے انتہا خوشی ہوئی عین آرزو مسلمانوں کی ترقی اور عزت کی ہے خواہ اُس کو کوئی میری ضد سے حاصل کرے خواہ میرے حسد سے خواہ میرے ذلیل کرنے کو چشم ما روشن دل ما شاد مان کا یہہ فرمانا کہ سید احمد نے انگریزوں کا جھوٹا کھا کر ستار آف انڈیا لیا اور اُنھوں نے مونچھوں پر تاؤ دیکر نہیں نہیں بھول گیا اُنکی مونچھیں نہیں ہیں ڈھاڑی پر ہاتھ پھیر کر میرے سر اور آنکھوں پر خدا کرے ایک اُن کو اور ہزار مسلمانوں کو یہہ دن نصیب ہو۔ حافظ جی صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام اور جب انتخاب احادیث پہونچے گا جب شکر بھی کروں گا۔ جناب مولوی معین الدین صاحب کی خدمت میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین وعلے الذین آمنوا بما انزل علی محمد صلے اللہ علیہ وسلم وامنوا بجمیع آیات اللہ وکلماتہ وامنوا علی کلامہ تعالےٰ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔ والسلام

(خاکسار سید احمد) (از مقام لندن) (۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ء)

۱۰

جناب مخدوم ومکرم من

تسلیم، بلند نعوذ مقامات کا پہونچا ممنون
عنایت کیا، میرے دل نے اور میری
آنکھوں نے حافظ جی صاحب کا بہت
بہت شکر کیا ایسا خوشخط تھا کہ آنکھوں کو روشنی
ہوتی تھی مگر اسقدر خوشخط لکھنے کی تکلیف
اُٹھانی کچھ ضرور نہ تھی بہرحال دل وجان
سے شکر ہے اگر وہاں ہوتا تو ہاتھوں کو
آنکھوں سے لگا لیتا فقط

میری یہہ راے کہ سو سو روپیہ احباب
مخلصین سے چندہ لیا جاوے تیس آدمی جمع
ہونے چاہئیں اس میں جسقدر ہو جاویں
ہو جاویں مگر تین ہزار روپیہ سے کم خرچ
نہیں ہونے کا تین آدمیوں کو خط لکھے
ہیں محمد احمد مرزا عباس بیگ صاحب
نواب ضیاء الدین خانصاحب مگر پہلے
شخص سے شریک ہونے کی بہت کم
توقع ہے آپ توزعیت خاص ہیں۔
پس آپ کو لکھتا ہوں کہ سو روپیہ بھیجدو
بذریعہ ہنڈوی درشنی نقد بلا بہ دنقصان
مولوی زین العابدین کو بھی خط لکھا ہے
سو روپیہ اللہ مانگے ہیں تعطیل دسہرہ میں
آپ ضرور اُن سے ملیں اور اُن سے
میرا خط لیکر ضرور پڑھئے گا۔ اور لوگوں کو
بھی یعنی مرزا رحمت اللہ بیگ اور میر ظہور حسین
اور میر تراب علی کو بھی لکھوں گا مجھکو یعنی
دفعہ خیال ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ بار شاطر
سے بار خاطر ہو جاؤں بہرحال خدا کے
واسطے کرتا ہوں کچھ اپنا ذاتی معاملہ نہیں
ہے کہ جس میں بار شاطر یا بار خاطر ہونیکا
خیال کروں مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب
نے نہ خط کا جواب لکھا نہ سابق سے
۵۰ روپیہ اب تک بھیجے اس کا سبب
نہیں معلوم ہوا اور سب جگہ سے جن جن کو
لکھا تھا آگئے فقط

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
کل معجزات منتخب کر کر ایک فہرست
معہ مختصر حال کے بنائیے ان میں سے
جسقدر کہ غیر ثابت ہیں اُن کے اوپر تو
لفظ غیر ثابت لکھدیجے اور جسقدر کہ آپکے
نزدیک ثابت ہیں اُن کا ثبوت لکھیے اور
جن کتابوں پر استدلال کیجیے اُن کی
عبارت کی نقل کیجیے اور جن لوگوں نے
اُسکے برخلاف راے دی ہو اُس کا
رد بتائیے اور ایسی وجوہات بھی لکھئے
جو غیر مذہب والے پر حجت ہوں اور
یہہ سب چیز میرے پاس بھیجدیجیے میں
تو یہہ سب کچھ لکھوں گا مگر دیکھوں تو سہی
کہ یہہ حضرات جو تقلید کی غلامی کر رہے
ہیں وہ کیا کرتے ہیں بہرحال آپ ہر طرح پر
اس وقت میں میری مدد دیجیے جو بات

جو مضمون میں آپ کو لکھوں اُس کو آپ
سمجھئے کہ نہایت ضروری ہے اور نہایت
تاکید سے لکھا ہے اور اُس کا جلد اور نہایت
جلد انجام دینا نہایت ضرور ہے کیونکہ جو
بات میں آپکو لکھ بھیجتا ہوں اُس سے
بے فکر ہوجاتا ہوں کہ وہ ضرور انجام ہوجاویگی
آپ بھی اپنے مخلصین احباب جو
چندہ میں شریک ہوں پیدا کیجئے اپنے
ماسوا صاحب کو بھی لکھیئے بشرط صرف اسقدر
کہ سو روپیہ کی قیمت کی کتابیں اُن کو
دے دی جاویں گی۔ روپیہ ہر روز صرف
ہوتا جاتا ہے کتنے کھدوائے نقشجات
جو استدلالاً کتاب میں داخل ہوں گے
بنوائے ہیں صرف پنسل سے اُس
نقشہ کی بنوائی جس میں سفر موسے اور
وادی الطلی اور بیابانِ فاران کا بیان ہے
مطبعے دیئے ہیں اور اب وہ چھپنے کو
جاتا ہے عنقریب اُس شخص کا بل آنے
والا ہے جو انگریزی عبارت لکھتا ہے
بس روپیہ بھیجنے میں اور شریکوں کے
فراہم کرنے میں ذرہ بھی توقف نہ چاہیئے

والسلام

(خاکسار سید احمد ۲۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ء) (مقام لندن)

۱۱

جناب عالی

آپ کا عنایت نامہ مورخہ بلا تاریخ پہونچا
تیسری ستمبر کو میں نے بہت بڑا خط
لکھا تھا بڑے بڑے مضمون اور مطالب اُسمیں
تھے افسوس کہ اُس تاریخ کا میل جو جہاز
لیکر چلا تھا وہ عدن کے قریب ڈوب گیا
میں نے بہت صاف صاف رائے
آپ کو لکھی ہے درباب سفر ولایت۔
یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ پہونچے
گی۔ اب میرا حال سنیئے مواعظ احمدیہ کے
لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں اُسکے
سوا اور کچھ خیال نہیں جانا آنا ملنا جلنا سب
بند ہے آنحضرت صلعم کی بارہ برس کی عمر
تک کا حال لکھ چکا اور سر ولیم میور صاحب
اور اور مصنفوں نے یہاں تک کے
حال پر جو کچھ لکھا ہے۔ سب کے ایک
ایک حرف کا جواب لکھا ہے مگر ایسا
جواب نہیں ہے جیسا کہ تمھارے ہاں
کے ملاں مشرکین فی صفتہ النبوۃ دیتے
ہیں نہایت محققانہ جواب ہیں اور یہہ شرط
ہے کہ کسی شخص کے آگے ڈالدو
کیسا ہی بے دین کیوں نہ ہو اگر وہ کہے
کہ ہاں نہایت سچ اور انصاف کا جواب
ہے تو تو میرا نام ورنہ میرا نام ہی نہیں۔
اپنی تحریر کو آپ بھی دیکھتا ہوں اور ایسا
خوش ہوتا ہوں کہ بیان سے باہر ہے

دوسرا خطبہ جغرافیہ عرب کا قریب الاتمام
ہے نہایت عمدہ طور سے ثابت ہوا
ہے کہ فاران وہی میدان اور پہاڑ ہیں جہاں
کعبہ واقع ہے معلوم نہیں کہ آپ (فاران)
کے لفظ سے واقف ہیں یا نہیں کیونکہ
یہہ بہت بڑا رکن مباحثہ کا ہے۔ جسقدر
لکھا ہے وہ انگریزی ہوگیا اور چھپ
رہا ہے اس وقت میرے سامنے دوسرے
خطبہ کے ۲۴ ورق چھپے ہوئے رکھے
ہوئے ہیں پہلا خطبہ جو طیار رکھا ہے
ایک نسخہ اُس کا آپ کے پاس بھیجتا
ہوں اور جب دوسرا ختم ہو جاوے گا
اُس وقت وہ بھی بھیجوں گا اور علے ہذا
القیاس مگر اسبات کی احتیاط ہے
کہ اس کتاب کی تصنیف کی شہرت نہ ہو
اور جب تک کہ کتاب پوری نہ ہولے
اور چھپ نہ لے اُس وقت تک کسی کو
نہ معلوم ہو کہ ولیم میور صاحب کی کتاب کا
جواب لکھا جاتا ہے پس اغیار سے اسکو
مخفی رکھنا چاہیے کیونکہ میں نہیں چاہتا
کہ قبل اتمام کتاب جناب سر ولیم میور
صاحب کو اس کا حال معلوم ہو بعد اتمام
انشاء اللہ تعالے میں خود اپنے ہاتھ سے
نذر دوں گا۔ اب بجز روپیہ کے اور کسی
چیز کی فکر نہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ
اس خط کے پہونچنے کے بعد میر ظہور حسین
صاحب کے پاس جائیے اور میری
یہہ درخواست ہے کہ دونو صاحب
ملکر کسی مہاجن سے میرے لئے ہزار
روپیہ قرض بھیجئے سود اور روپیہ میں
ادا کروں گا مگر چونکہ میں یہاں ہوں اسلئے
کچھ بندوبست نہیں کر سکتا ہزار روپیہ
بھیجنے کے لئے دلی لکھا ہے اور میں نے
لکھا ہے کہ کتابیں اور میرا اسباب یہانتک
کہ میرے ظروف مسی تک فروخت کر کر
ہزار روپیہ بھیجدو اگر ہزار روپیہ آپ دونو
صاحب قرض لیکر مجھے بھیجدیں اور ہزار
روپیہ یقینی دلی سے آوے اور پانچ
چھ سو روپیہ چندہ کے ذریعہ سے وصول
ہو جاوے تو کتاب بخوبی چھپ جاوے گی
میں نے میر ظہور حسین صاحب سے
سو روپیہ چندہ کے طلب کئے ہیں گو
وہ کیسے ہی تنگ ہوں مگر ضرور بھیجیں گے
وہ میری بات سے کبھی انکار نہیں کرنے
کے اور سو روپیہ آپ اپنے چندہ کے
بھیجدیجئے اور اس خط کا جواب بلا توقف
بھیجئے گا کہ ہزار روپیہ قرض کی تدبیر ہو سکی
یا نہیں کیونکہ اگر تدبیر نہ ہو سکے تو مجھے
جلد اطلاع کرنی چاہیئے تاکہ میں اور
فکر کروں اگر یہہ کتاب بعد چھپنے کے

خاک میں ملا دی جاوے گی تب بھی
ہزار روپیہ جو قرض لئے جاتے ہیں
وصول ہو جاویں گے کیا کہیئے اس
کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام
ہو گیا ہے۔ خدا مدد کرے ایک سوداگر
صرف اسی خطبہ کے ڈیڑھ سو نسخے خریدتا
تھا میں نے متفرق بیچنے سے انکار کیا۔
اُس نے بہت سی کتابیں دی ہیں
مستعار واسطے لکھنے کتاب کے اس
شرط پر کہ یہہ کتاب سوائے اُس کے
اور کسی کے ہاتھ یورپ بھر میں نہ دوں۔
پس مجھکو کچھ شک نہیں ہے کہ جسقدر روپیہ
لگے گا اُس سے بہت زیادہ قیمت سے
وصول ہوگا صرف اس وقت روپیہ
لگانے کی دقت ہے اگر ہندوستان
سے روپیہ آنے کی مایوسی ہو جاوے
تو میں خود یہاں کسی بنک سے روپیہ
قرض لونگا انشاء اللہ تعالے کتاب ضرور
پوری کروں گا مرزا رحمت اللہ بیگ
صاحب کا کوئی خط نہیں آیا نہ چندہ سابق کا
اُنھوں نے روپیہ بھیجا اُن کا حال لکھو
کہ وہ کیسے ہیں اب زیادہ لکھنے کی فرصت
نہیں والسلام
(خاکسار سید احمد) (مقام لندن) (یکم اکتوبر
سنہ ۱۸۶۹ء)

بنگالیوں کا اپیل دائر ہے ابھی
حکم آخر نہیں ہوا محکمہ بند ہے نومبر میں کھلیگا فقط

۱۲

مخدوم و مکرم من
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا
عنایت نامہ مورخہ بلا تاریخ پہونچا اور دل کو
باغ باغ خوش کیا۔ افسوس کہ جس مجلس
میں مرزا صاحب و مولوی زین العابدین
آپ کی خدمت میں جمع تھے میں وہاں نہ تھا
میرے نیاز نامے جو آپ کے نام ہیں
اُنھوں نے درحقیقت مولوی زین العابدین کو
واسوخت کا مزہ دیا ہوگا۔ جسقدر آپنے
مولوی زین العابدین کی محبت کا میری
نسبت ذکر لکھا ہے درحقیقت وہ بہت
کم ہے اُس کافر غارت کن ایمان کو جیسا کہ وہ
ہے میں ہی خوب جانتا ہوں۔ اب
آپ کو میری طبیعت کا حال بخوبی معلوم
ہو گیا ہے۔ میں رشتہ و ناطے کی سچی
محبت اور دوستی کے آگے کچھ بھی
حقیقت نہیں سمجھتا۔ مولوی سمیع اللہ خاں کو
میں اپنے چھوٹے حقیقی بھائی سے کم نہیں
سمجھتا تھا اور اب بھی بلحاظ اُن کی صحت
و تندرستی و خوشی و آرام و دینی و دنیاوی
عیش کے ایسا ہی سمجھتا ہوں اور ایسا ہی
چاہتا ہوں۔ آپ یقین جانیے کہ جسقدر مجھکو

اپنے بھائی کے مرنے کا رنج ہوا تھا اسیقدر یا اُس کے قریب مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کی طرف سے جو میرے دل میں رنج و ملال آیا ہے اُس کا مجھکو رنج ہوا ہے۔ وہ بچے ہیں اُنھوں نے دنیا نہیں دیکھی۔ دوستی و محبت کے معاملات و برتاؤ سے محض ناواقف ہیں۔ کسی رنڈی پر وہ عاشق نہیں ہوئے۔ کسی لونڈے پر وہ عاشق نہیں ہوئے۔ اُن کو مزہ محبت اور دوستی کا مطلق معلوم نہیں ہے۔ سچ یہہ ہے کہ جس شخص نے ایک گھڑی بھی عشق نہیں برتا وہ نہ خدا کی دوستی کا مزہ جانتا ہے، نہ انسان کی دوستی کا اور نہ محبت کے لائق ہے۔ اُن کی ناتجربہ کاری ہے جو وہ یہہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی کے کہنے سننے سے اُن کی طرف سے رنجیدہ ہوا ہوں۔ میں تو اُس شخص کو کافر و بے ایمان سمجھتا ہوں جو دوست کی نسبت یہہ خیال کرے کہ اُس سے خلاف دوستی و محبت کے کوئی بات کی یا کہی ہیں تو دوست کی گالی دینا اور بُرا کہنے کو بھی دوستی پر حمل کرتا ہوں اور درحقیقت دوستی ہی کے سبب سے وہ بات ہوئی ہے مگر جبکہ حقیقت میں خلاف محبت اور دوستی کے کوئی بات ہو تو پھر شیشۂ محبت جو نہایت نازک ہے کسی طرح ثابت نہیں رہ سکتا۔ آپ خیال کیجئے کہ محبت اور دوستی ایسی سخت اور مضبوط چیز ہے کہ کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتی اور کوئی اُس کو نہیں توڑ سکتا مگر وہ نازک بھی ایسی ہے کہ باریک سے باریک شیشہ اور حباب کو بھی اُس سے نسبت نہیں ہے۔ وہ ہتوڑوں اور ہزاروں صدموں سے بھی نہیں ٹوٹتی اور ایک ادنے سی خلاف محبت کے بات کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور جوں جوں محبت زیادہ بڑھتی ہے اُسکی نزاکت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ مولوی سمیع اللہ خاں کو اب بھی میں اپنے بھائی سے کم نہیں سمجھتا مگر جو ملال کہ میرے دل میں ہوا وہ اب تک کم نہیں ہوا۔ پھوٹ جاوے وہ آنکھ جو کسی کو دیکھے اُس نگاہ سے جو اُس کے دل میں نہیں ہے۔ گل جاوے وہ زبان جو وہ کہے جو اُس کے دل میں نہیں ہے۔ ٹوٹ جاوے وہ ہاتھ جو وہ لکھے جو اُسکے دل میں نہیں ہے۔ پس آپ نے جو لکھا ہے کہ میں مولوی سمیع اللہ خاں کو ضرور خط شرکت چندہ کے لئے لکھوں تو میں کیا لکھوں۔ آپ یہہ خیال نہ فرمایئے کہ جو آپ نے لکھا اُس سے میں نے انکار کیا۔ میری تو وہ مثل ہے کہ دوست کو جان

دیمان دو تو دیتا ہوں لیکن دل کا یہ حال لکھا ہے اس کے جواب میں جو حکم ہو گا بجا لاؤں گا۔

میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے برادر شفیق جناب حاجی مولوی شاہ محمد علیم اللہ عرف احمد جان برادر بزرگ مولوی سمیع اللہ خاں کو مجھ سے کیا رنج پہونچا ہے شاید یہ رنج ہو کہ میں نے اُنکے چھوٹے بھائی سے برادرانہ محبت کی تھی یا یہ سبب ہے کہ اُنھوں نے حج کر لیا شاہ ہی کے روزے رکھ لئے شاہ عبد الغنی صاحب کے مرید ہو کر خلیفہ ہو گئے اُن کی نمازوں اور روزوں اور حج اور زہد و تقوے کا خدا پر اتنا احسان ہوا کہ بارِ احسان سے خدا کی پشت دوتا ہو گئی اُس نے عشرہ مبشرہ میں ایک عدد زیادہ کر دیا مگر میں ایسے خدا کو جس پر لوگ اُس کی عبادت کا احسان کریں اور اُس کی پشت احسان کے بوجھ سے خم ہو جاوے ایک کوڑی کو بھی نہیں خریدتا مولوی سمیع اللہ خاں اپنے بھائی کی محبت نہ توڑ سکے مگر میری محبت توڑنی منظور کی پس وہ نازک شیشہ کیونکر قایم رہ سکتا ہے بغیر خدا اُن کو اور ہم کو سب کو معاف کرے فقط

آپ نے جو جو انتخاب احیاء العلوم کے بھیجے اُس کا شکر کرتا ہوں خدا جزائے خیر دے اور خدا کرے تمھاری نیکیوں اور نمازوں کے بوجھ سے تمھارے خدا کی پشت خم نہ ہو۔ میں باقی انتخابات کا جن کے بھیجنے کا وعدہ ہے منتظر ہوں۔ میں نہایت خوشی سے آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ دو باب میری کتاب کے اور ختم ہو گئے ایک بشاراتِ آنحضرت صلعم میں توریت و انجیل سے اور ایک حقیقتِ معراج و شقِ صدر میں مگر جب دیکھو گا کہ کیا لکھا ہے تو معلوم کیجئے گا میں نے جن جن احباب کو چندہ کی شرکت کے لئے خط لکھے تھے اُن میں سے بعض نے انکار لکھ بھیجا اور بعض نے جواب نہیں بھیجا نہ جواب آنے کی توقع ہے صرف ایک شخص نے سو روپیہ بھیج دیئے ہیں اب صرف چھ جگہ سے آنے کی توقع ہے مہدی علی زین العابدین مرزا رحمت اللہ ظہور حسین تراب علی محمد احمد بس کل ستاسو روپیہ جمع ہوں گے کتنا ہی ہر گز تین ہزار سے کم خرچ نہ ہو گا دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے بغیر قرض لئے کام نہیں چلنے کا ایک ارادہ ہے کہ جلد اوّل چھاپ کر فروخت کرنی شروع کیجاوے جسقدر آوے دوسری جلد میں صرف ہو بہر حال خدا مالک ہے

مسٹر ڈیون پورٹ کی کتاب کا ترجمہ کروالا
جب تک میں نہ آؤں اس کے چھاپنے
کچھ فکر مت کرو۔ نہایت مشکل سے میں نے
ایک اور کتاب مسٹر ہگنز کی تلاش کی ہے
وہ صرف ایک دفعہ چند نسخے چھاپے ہوئے
تھے وہ کتاب ایسی عمدہ ہے کہ مسٹر
ڈیون پورٹ کی کتاب اس کے آگے
آفتاب و ستارہ کی نسبت رکھتی ہے
میں نے جو ہزار روپیہ لینے کی نسبت
لکھا تھا اس کی بابت کیا صلاح ہوئی مگر
مرزاپور سے ہرگز قرض لینا منظور نہیں ہے
الہ آباد کی بنک سے تم اور میر ظہور حسین شریک
ہوکر قرض لو۔ معجزات کا انتخاب اور اہل کلام
نے جو تعریف معجزہ کی بیان کی ہے اور
جو بحث اس پر کی ہے اور منکرین معجزات کا
جو رد لکھا ہے اس کا انتخاب جلد بھیجو اس لئے کہ
کہ بالفعل میں نسبت نسب آنحضرت کے لکھ
رہا ہوں پھر نسبت روایات کے لکھوں گا
پھر نسبت قرآن کے پھر نسبت رسوم
جاہلیت کے اور یہ سب باب ایک مہینہ
ڈیڑھ مہینہ میں ختم ہو جاویں گے پھر بحث
معجزات شروع ہوگی۔ آپ نے اپنے
چندہ کا روپیہ یقین ہے روانہ کر دیا ہوگا
اور مرزا رحمت اللہ اور زین العابدین نے
بھی بھیجا ہوگا۔ میر ظہور حسین پاس سے کچھ
جواب نہیں آیا۔ عنقریب چھاپہ والے کا بل
آنے والا ہے فقط
مجھکو مطلق یاد نہیں ہے کہ وہ کونسا
خط ہے اور اس میں کیا مضمون ہے
جسکو پڑھکر میاں احمد جان صاحب روئے
امید ہے کہ آپ مطلع فرماویں تاکہ میں
اس بات کو اپنے معجزات کی کتاب میں
لکھ لوں۔ والسلام علیکم و قلبی لدیکم۔
(خاکسار تابعدار شما بندۂ شما سید احمد) (از
مقام لندن مورخہ ۲۶۔ نومبر ۱۸۶۹ء)

۱۳

جناب مخدوم و مکرم بندہ سلامت

بعد سلام مسنون الاسلام التماس یہ ہے
کہ آپکا عنایت نامہ محمود کے نام پر آیا۔ اس کے
دیکھنے سے نہایت تردد ہوا۔ آپ نے
اس خط میں کوتاہ قلمی کو ایسا کام فرمایا ہے
کہ بیان سے باہر ہے کچھ مفصل حال نہیں
لکھا کہ کیسا قاتل کیسی پناہ دہی کیسی رپٹ،
یہ بات کیا تھی اور واقعہ کیا ہوا اور آپ نے
کیسی کس پر نالش کی ہے بہرحال مفصل
تمام حال سے مطلع فرمایئے کہ رفع تردد
ہو۔ یہاں ہم سب اچھی طرح ہیں اور
اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں
اور دوستوں کی خیر و عافیت کے منتظر
ہیں۔ فقط

نجم الاخبار کا مضمون جو سوسیٹی کے
اخبار میں مندرج ہوا تھا میں نے دیکھا او
حیران ہو گیا کہ کون شخص میرا خریدار پیدا ہوا
مجھکو تو اپنے ہموطنوں اور بالتخصیص ہم
مذہبوں سے بجز لعنت اور پھٹ اور جوتی
و بیزار کے اور کسی چیز کی توقع نہیں ہے
اور میں اُس کے سننے اور کہانے میں
خوش ہوں نہ میرا دل رنجیدہ ہوتا ہے
نہ میں اُن کو بُرا جانتا ہوں پھر خلاف
توقع یہہ کیونکر ظہور میں آیا منشی نجم الدین
میرے دوست ہیں اور غالباً وہ مجھکو
اسقدر لعنت کا مستحق نہیں سمجھتے جسقدر
کا اور لوگ سمجھتے ہیں مگر وہ آرٹکل اُن کا
لکھا ہوا نہیں معلوم ہوتا ہے غالباً جب
آپ دہلی گئے ہوں گے تو وہاں منشی
ذکاء اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی
ہو گی اور آپ کی تقریر و خوش بیانی نے
منشی ذکاء اللہ صاحب کے دل کو تحریک
دی ہوگی اور انھوں نے وہ آرٹکل لکھا ہوگا
بہت سے الفاظ اور طرز تقریر سے انھی کا
لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے بہر حال خدا بھلا
کرے فقط۔

اب اُس کتاب کا حال سنیے جو تصنیف
ہو رہی ہے جس کا نام آپ تجویز کر دیجیے
انگریزی میں اُس کا نام ہے سیریز آف ایسیز
آن دی لیف آف محمد اور عربی میں اُس کا
نام میں رکھنا چاہتا ہوں خطبات احمدیہ
علی سیرۃ محمدیہ۔ میں نہیں جانتا کہ ناموں پر
الف لام لانا جائز و صحیح ہے یا غلط یعنی اگر
بجائے نام مذکورۂ بالا کے یہہ نام رکھا جاوے
تو دل کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ خطبات الاحمدیہ
علی السیرۃ المحمدیہ اور یہہ نام بھی ہو سکتا ہے
خطبات احمدیہ علی سیرۃ سیدنا محمد رسول اللہ
خطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ۔
یہہ اخیر کا نام اگر بموجب قواعد نحویہ کے
صحیح ہو تو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے
بہر حال آپ نام تجویز کر کر جلد بھیجدیں
کیونکہ اس خط کا جواب آنے تک اُسکی
پہلی جلد انشاء اللہ تعالےٰ ضرور چھپ
جاوے گی مگر خیال رہے کہ نام میں لفظ
خطبات کا ضرور ہو اسلیے کہ میں نے
ہر ایک حصہ کو بلفظ خطبہ تعبیر کیا ہے۔
پہلی جلد میں بارہ خطبہ ہیں جو سب مرتب
ہو چکے برابر چھپ رہے ہیں۔

خطبۂ اول۔ جغرافیہ عرب کا مخلوط تاریخ عرب
سے جس میں کمال تحقیق سے ثابت کیا
ہے کہ فاران مکہ کے پہاڑ ہیں جہاں سے
پیغمبر ہونے کی توریت میں بشارت تھی

خطبۂ دویم۔ رسم و رواج و عادات
عربوں کے زمانۂ جاہلیت میں جس میں

دکھایا گیا ہے کہ اسلام نے کسقدر انکو آراستہ کیا۔
خطبۂ سوم۔ عرب میں کسقدر مذاہب قبل اسلام کے جاری تھے اور انمیں سے اسلام کس سے مناسبت رکھتا ہے اور اُس مناسبت سے اسلام کا بھی خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہوتا ہے یا صرف ایک بنایا ہوا مذہب فقط
خطبۂ چہارم۔ یہودی اور عیسائی مذہب کو اسلام سے فائدہ ہوا یا نقصان ہوا۔
خطبۂ پنجم۔ اوپر بیان حالت کتب اسلامی کے۔
خطبۂ ششم۔ مذہبی روایتوں اور اُن کے اعتبار و عدم اعتبار کا حال
خطبۂ ہفتم۔ قرآنِ مجید پر اس میں نہایت عمدہ عمدہ بحثیں ہیں۔
خطبۂ ہشتم۔ تاریخ مکہ و تاریخ بزرگانِ آنحضرت صلعم۔
خطبۂ نہم۔ نسب نامۂ آنحضرت اور جواب اُن تمام بحثوں کا جو آنحضرت کے نسب نامہ کی نسبت کی ہیں۔
خطبۂ دہم۔ بیان بشارات آنحضرت صلعم از توریت و انجیل۔
خطبۂ یازدہم۔ حقیقتِ شقِ صدر و معراج
خطبۂ دوازدہم۔ حالاتِ آنحضرت صلعم پیدایش سے بارہ برس کی عمر تک کے

اس ایک جلد کے چھپنے اور تیار ہونے میں چودہ پندرہ سو روپیہ کے خرچ کا تخمینہ ہے مگر اب تک کسی نے زرِ چندہ نہیں بھیجا سوا ایک شخص کے۔
میر ظہور حسین صاحب کا خط تک نہیں آیا معلوم نہیں کہ کیا سبب ہے والسلام
(خاکسار سید احمد) (از مقام لندن) (۱۷۔ دسمبر سنہ ۱۸۶۹ء)

۱۴

جناب مخدوم و مکرم بندہ سلامت
بعد سلام مسنون الاسلام التماس یہ ہے کہ چند ہفتہ سے برابر آپ کے خط کا انتظار ہے آپ نے جو محمود کے نام خط لکھا تھا اُس میں مہمل و مجمل طور سے ایک آدھ بات تردد میں ڈالنے والی لکھدی تھی اُس کے بعد سے پھر کوئی خط نہیں آیا اور اس لئے بے انتہا تردد ہے یقین کہ اگلی ڈاک میں ضرور آپ کا خط آوے مگر آپ خط لکھنے میں گو دو حرف خیریت سے ہوں دریغ و توقف نہ فرمایا کیجے۔
میں نے جو ایک خط علیگڈہ اخبار میں لکھا ہیں سنتا ہوں کہ اُس سے بہت ناراضی پیدا ہوئی اور لوگ نہایت بُرا بھلا کہتے ہیں لاچاری ہے میری

قسمت میں ہی یہ ہے۔

میں اپنا حال آپ کو کیا لکھوں سکتہ کا سا ہو گیا ہے۔ دن رات کی محنت و مشقت سے اور اُس طرح طرح کی تکلیف سے جو میرا دل ہی خوب جانتا ہے جلد اول خطبات الاحمدیہ کی تصنیف تمام ہوئی اور اسی مہینہ میں چھاپہ بھی تمام ہو جاویگا اب جو اندازہ اُس کے یعنی ایک جلد کے چھاپہ کی لاگت کا کیا گیا تو ڈھائی ہزار روپیہ سے زیادہ کا معلوم ہوتا ہے ہوش جاتے رہے ہیں اور جان میں جان نہیں ہے میر تراب علی نے نہایت مدد کی ہے تین سو روپیہ اُس کے چندہ کی بابت بھیجا ہے۔ سید ظہور حسین صاحب نے ما ۵ روپیہ بھیجا ہے۔ مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب نے اپنا چندہ سو روپیہ کا بھیجدیا اگرچہ میں نے بھی تاکید کی ہے مگر آپ بھی تاکید کیجیے زین العابدین سے روپیہ منگا کر بھجوا دیجیے وہاں اُس کو ہنڈوی لندن ملنے کی دقت ہوئی ہوگی مگر اب وقت زیادہ توقف کا نہیں رہا قرضہ ہزار روپیہ لینے کی نسبت معلوم نہیں کہ کیا ہوا بہرحال اب اپنا ذاتی چندہ سو روپیہ کا جلد روانہ فرمائیے اس خط کو لکھ رہا تھا کہ ہندوستان کے اخبار پہونچے اور شعلۂ طور کانپور بھی پہونچا نہایت لطف دیا آپ بھی اُس کو پڑھکر خوش ہوئے ہوں گے دوسری جلد کے چھاپہ شروع کرنے کی بابت نہایت تردد ہے بہرحال اس خط کا جواب آنے تک جو آخر فروری میں آجاوے گا اُس کا چھاپہ شروع نہیں ہو سکتا پس جو آپ کی راے اُس باب میں ہو وہ بھی ارقام فرمایئے۔ یہاں کے ایک کاغذ میں میری کتاب کا ذکر چھپا ہے اُس کو میں نے کاٹ کر سوسیٹی کے اخبار میں چھپنے کے لئے بھیجدیا ہے وہ چھپے گا اور مفصل حال جلد اول کا معلوم ہوگا اگرچہ میں بالاجمال آپ کو پہلے بھی لکھ چکا ہوں بہرحال آپ خط تو لکھیے جس سے تردد رفع ہو۔

والسلام

(خاکسار سید احمد) (از مقام لندن)

(۱۵ جنوری سنہ ۱۸۷۰ء)

نیلگوں سمندر

سمندر کے کنارے پر چلو تم،
جہاں برپا ہے پانی میں تلاطم

بھنور ہے مارتا گرد و لپٹ کر چکر
سدا موجوں کی ہے موجوں سے ٹکر
ذرا پانی کو ہوتی ہے روانی،
تو گاتا راگ پر ہے راگ پانی
وہ خلوت ہے سمندر کے کنارے
کہ جائے بھول انساں رنج سارے
مجھے دنیا سے کچھ نفرت نہیں ہے،
مجھے احباب سے وحشت نہیں ہے!
مگر قدرت کی بھاتی ہیں ادائیں
یہی آتی ہیں کانوں میں صدائیں:
کہ اے دلدادۂ جلوت خبردار!
یہاں افکار کی رہتی ہے بھرمار
مخل جلوت سے آ خلوت کے اندر،
جہاں بہتا ہے قدرت کا سمندر،
جہاں ہوتا ہے انساں کا گذر کم،
جہاں طاری مسرت کا ہے عالم،
جہاں قدرت کی ہے تصویر عریاں
نظر سکتے ہیں ہنے اور عقل حیراں
سمندر کی جہاں گہرائیاں ہیں،
وہاں خوشیاں ہیں اور تنہائیاں ہیں
خوشی ہوتی ہے جو قدرت سے ملکر،
چھپا سکتا نہیں ہیں اس کو دم بھر
وہ عالم دل پہ جو ہوتا ہے طاری،
زباں پر ہو نہیں سکتا ہے جاری
سنبھے جا اے سمندر! ہاں بہے جا

دہلتا ہے ترے ڈر سے کلیجا
تری سطحیں بظاہر نیلگوں ہیں؛
مگر گہرائیاں گرداب خوں ہیں
وہ بیڑے جن سے برپا تھا تلاطم
تری گہرائیوں میں ہو گئے گم
ذرا بگڑے ترے تیور، تو بیڑے
الٹ جاتے ہیں کھا کھا کر تھپیڑے
ترے نزدیک اے قہر مجسم
کھلونوں سے بھی اسٹیمر ہیں کچھ کم
بہت انساں سے نے کی بربادیاں ہیں،
اجاڑی ظلم سے آبادیاں ہیں،
تباہی کے نشاں چھوڑے زمیں پر!
مگر قابو چلا اس کا نہ تجھ پر
ہٹا ساحل تک آکر اس کا لشکر
چلا تجھ پر نہ کوئی اس کا منتر
وہ انساں جو ہے اپنے بل پہ مغرور،
بہت فرعونیت ہے جس کی مشہور،
تری موجوں میں ہو جاتا ہے ناچار
برنگِ قطرۂ باراں گرفتار
اسے حلقے میں جب لیتا ہے گرداب،
تو چیخیں مارتا ہوتا ہے غرقاب
کفن اسکو نہیں ہوتا میسّر،
نہیں بنتی ہے قبر اس کی زمیں پر
فرشتوں سے وہ ہوتا ہے ملاقی،
نشاں اس کا نہیں رہتا ہے باقی

باشندوں کے عجیب و غریب حالات، تخت جمشید (ملکِ ایران کی ایک قدیم شاندار یادگار) پولٹیکل اکانومی کا علم کیا سکھاتا ہے؟ ریاضتِ جسمانی سے کیا فائدہ ہے؟ ہندو مسلمانوں کا میل جول۔ اقلیدس کا زاویہ قائمہ۔ جنرل ہی بال۔ قدیم اور جدید خیالات۔ ہماری زمین اور تمام ستارے کیونکر پیدا ہوئے؟ تعلیم کے قدیم اور جدید طریقے دنیا کی گذشتہ اور موجودہ اقوام ہیں۔ کیا بجانا اور خرچ کرنا ایک ہی بات ہے؟ گھر کے اندر ہم کیونکر خوش رہ سکتے ہیں؟ آثارِ قدیمہ۔ لوازم شاعری (نظم)، روانی آب (نظم)، برسات کا پہلا دن (نظم)، یونین جیک (نظم)، "الفاروق" پر ریویو۔ طبیب حافظ پر ریویو۔ دیوانِ انور پر ریویو۔ "الہارون" پر ریویو۔

جلد سوم معارف

(جولائی ۱۹۱۰ء۔ دسمبر ۱۹۱۰ء)

اس غرض سے کہ خریداران معارف کو حساب فہمی میں کوئی غلطی اور دقت واقع نہ ہو۔ معارف کی تیسری جلد کو ششماہی پر تمام کر دیا گیا ہے اور آیندہ ہر جلد جنوری سے دسمبر تک پوری ہوا کرے گی۔ جلد سوم (۲۰×۲۶) تقطیع کے ۲۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس کی قیمت دو روپے ہے۔ اس میں علاوہ ایک دلچسپ ترکی ناول کے ترجمے کے جس کا نام "بہشت شداد" ہے اور جو ۵۰ صفحہ پر تمام ہوا ہے بعض عمدہ اور پاکیزہ مضامین حسب ذیل ہیں۔

دریا کا آغاز و انجام (نظم)، مذہب و علم۔ ترک حیوانات۔ تصوف یا مسلمانوں کا روحانی فلسفہ۔ رامائن کے بعض سین۔ طبیعیات اور اہل اسلام۔ ناولوں کا اثر ہماری زندگی پر۔ پارۂ الماس (نظم)، مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔ مسلمانوں کا تنزل اور اس کا اصلی سبب۔ شمع ہستی (نظم) اردو علیگڑھ اور تعلیم یافتہ مسلمان۔ "تمدن عرب" پر ایک جدید ریویو۔ حامیانِ ہندی اور ان کا مغالطہ۔ بت پرستی اور دہریت۔ نغمۂ زندگی (نظم)، ایک ترکی خاندان اور اس کی گذشتہ اور موجودہ حالت۔ نشہ کی پہلی ترنگ۔ تامس کمال بے ستربیت کے عام اصول۔ توحیدِ باری تعالیٰ۔ خلافتِ الٰہی۔ تلوار کی آنچ (نظم)، کیا مسلمانوں کو علم دولت کی ضرورت ہے؟ اسلام سے کیا مراد ہے؟ جدید نظم حالی (نظم)، ابن رومیہ۔ جامع ازہر۔ مشرقی اور مغربی طبیعیات۔

منیجر معارف۔ دفتر معارف۔ پانی پت۔

کتابیں جو دفتر معارف سے مل سکتی ہیں

(۱) جوشِ مذہبی (مذہبی جوش سے عمدہ کام لینے کی ترکیب) قیمت ۲/

(۲) ٹرک کُکنگ (ترکوں کے کھانے اور اُن کے تیار کرنیکی ترکیبیں) قیمت ۲/

(۳) وبائی ہیضہ میں ہمکو کیا کرنا چاہیئے؟ قیمت ۲/

(۴) بہشتِ شدّاد (ایک ترک ناول نویس کی دلچسپ تحریر کا نمونہ جسکی بنیاد باغِ ارم کے تاریخی قصہ پر رکھی گئی ہے) قیمت ۸/

(فیسِ ویلیو و محصولِ ڈاک خریدار کے ذمہ ہے) منیجر معارف

حیات جاوید یعنی سر سید کی لائف مصنفہ مولانا خواجہ الطاف حسین حالی جسکا ایک مدت سے شہرہ تھا چھپ کر شائع ہو گئی اسکے صفحات ایکہزار سے زیادہ ہیں قسم اول مع جلد ولایتی کی قیمت [illegible] اور قسم دوم کاغذ ولایتی کی [illegible] ہے - دہلی میں مولوی [illegible] صاحب [illegible] کوچہ پنڈت سے اور علیگڈہ میں منیجر ڈیوٹی شاپ مدرسۃ العلوم کے پتہ سے مل سکتی ہے منیجر معارف

معارف

ایڈیٹر: مولوی وحید الدین سلیم

نمبر ۵	مئی سنہ ۱۹۰۱ء	جلد ۴

قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصول ڈاک ۸؍	مقام اشاعت: دفتر معارف پانی پت	قیمت سالانہ مع محصول ڈاک للعہ

فاروقی پریس دہلی میں سید عبد السلام منیجر کے اہتمام سے طبع ہوا

مخزن

یہہ ایک ماہوار اُردو رسالہ کا نام ہے، جو اپریل سنہ ۱۹۰۱ع سے ہماری لائق دوست مولوی شیخ عبدالقادر بی۔ اے اڈیٹر پنجاب آبزرور نے لاہور سے شائع کرنا شروع کیا ہے۔ ابتک دو رسالے اپریل اور مئی کے شائع ہو چکے ہیں۔ لائق اڈیٹر نے اُن تمام رسالوں سے جو اِسوقت ہندوستان میں نکل رہے ہیں، اپنے رسالہ کا موضوع بحث جدا رکھنا چاہا ہے۔ وہ اپنے رسالہ کی چار خصوصیتیں حسبِ ذیل بیان کرتے ہیں (اوّل) اُردو میں انگریزی انشاپردازی کا اسلوب پیدا کرنا (دوم) ایسے مضامین شائع کرنا جو ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے مفید ہوں (سوم) تقریر و تحریر میں فصاحت پیدا کرنے کے جو قاعدے انگریزی زبان میں مدوّن کئے گئے ہیں، اُن کو اُردو میں رائج کرنا (و اُنکے نمونے پیش کرنا (چہارم) اُردو کے دیوانوں کا انتخاب کرنا اور انگریزی طرز کی نظمیں اُردو میں لکھوانا۔ اِس وقت ہمارے سامنے دو رسالے ہیں، جن میں سے اپریل کے رسالے میں، اوّل اڈیٹر صاحب نے اپنے رسالے کے مقاصد بیان کئے ہیں۔ اِسکے بعد مطالعۂ الفاظ۔ دہلی غدر سے پہلے اور فنِ تقریر کے عنوان سے تین مضمون درج کئے گئے ہیں جنمیں سے آخری مضمون خود اڈیٹر صاحب کی قلم سے نکلا ہے۔ پہلا اور دوسرا مضمون ناتمام ہے۔ دوسرے مضمون میں اُن شادی کی رسموں کا ذکر ہے جو غدر سے پہلے دہلی کے مسلمانوں میں رائج تھیں۔ اِن مضامین کے دلکش اور عمدہ ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے۔ حصہ نظم میں کوہستان ہمالہ۔ نرمی کا راگ۔ نیرنگِ شفق۔ دل و دماغ۔ حسنِ طلب کے عنوان سے پانچ نظمیں درج کی گئی ہیں۔ اُنمیں سے پہلی۔ دوسری اور پانچویں نظم نسبتاً بہت سلیقہ سے لکھی گئی ہے۔ اِن نظموں کے بعد میر کے دیوان کا انتخاب، پھر متفرق اشعار مختلف شعرا کے ہیں۔ مئی کے رسالے میں سعدی شیرازی کی دو تصویریں دی گئی ہیں، جنکی اختلافِ ہیئت پر منشی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار نے ایک مختصر مضمون لکھا ہے۔ یہہ تصویریں پیسہ اخبار میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ اسکے بعد لارڈ ڈفرن کی دو تقریروں کا انتخاب ہے جن میں لارڈ ممدوح نے فنون کی بے قدری اور انگریزی تعلیم کی ضرورت پر بحث کی ہے۔ پھر ذیل کے عنوان سے پانچ مضامین درج کئے گئے ہیں پبلک کیا ہے؟ رموزِ حیات۔ لطفِ سخن۔ ایک بنگالی شاعرہ۔ مشتاق دہلوی اِن میں سے دوسرے مضمون میں بتایا گیا ہے کہ تصور کے مشق کرنے سے بہت سے مفید نتائج پیدا ہو سکتے ہیں تیسرے مضمون میں اُن صنائع بدائع پر بحث کی گئی ہے جن سے شعر و سخن میں لطف پیدا ہوتا ہے۔ چوتھے مضمون میں ایک لائق بنگالی نوجوان عورت کا ذکر ہے جس نے انگریزی اور فرانسیسی زبان میں مہارت پیدا کی اور جس میں شاعری اور تصنیف کا ملکہ تھا اور جس نے عین جوانی میں وفات پائی۔ حصہ نظم میں [illegible]

اڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم۔ مقام اشاعت: دفتر معارف پانی پت
عام خریداروں سے قیمت سالانہ مع محصولڈاک للعہ قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصولڈاک ۵۔ر

معارف

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں کسی شخص یا انجمن یا مدرسے کے لئے کم نہیں ہو سکتی

یہہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو شایع ہوتا ہے۔ اسمیں علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین نکلتے ہیں، مشرقی اور مغربی طرز کی عمدہ نظمیں اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے۔

قیمت نقد بھیجئے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت دیجئے۔ نمونہ کے لئے ٹکٹ ارسال کیجئے۔ نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھئے۔ پتہ بدلنے پر فوراً اطلاع دیجئے۔ خط و کتابت یا ارسال زر اڈیٹر کے نام کیجئے۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجئے۔

جلد ۴	مئی سنہ ۱۹۱۰ء	نمبر ۵

سرسید کے خطوط

(۱)

بنام نواب محسن الملک

(دیکھو سلسلہ کے لئے رسالہ نمبر (۴) جلد (۴))

۱۵

مخدوم و مکرم من

جسقدر آپ کی تاخیر تحریر سے مجھکو رنج و تردد ہوا ہے، بیان سے باہر ہے۔ جب سے آپ کا خط محمود کے نام آیا تھا جس میں نہایت اجمال سے چند کلمات متردّدانہ مندرج تھے اُس وقت سے ہر دم تردّد و رنج سے خالی نہ تھا۔ الحمد للہ کہ آپ کا عنایت نامہ ۱۸۔ دسمبر پہونچا اور اگرچہ وہ تردّد بالکلیہ رفع نہیں ہوا، مگر کسیقدر رفع ہو گیا۔ امید ہے کہ آیندہ خطوط سے انشاء اللہ تعالے بالکل رفع ہو جاوے گا۔ میں نے متعدد خط آپ کے نام بھیجے ہیں اور آیندہ سے ہر ہفتہ بلاناغہ بھیجتا رہوں گا۔ غلام کو تعمیل حکم میں ذرہ فرق کرنے کا مقدور نہیں ہے (جیسا کہ ایک عرضی سے جو اخبار میں چھپیگی ظاہر ہوگا) کتاب جو چھپ رہی ہے، میں یقین کرتا ہوں کہ اُس کی بدولت مجھے لندن میں بسبب تنگی خرچ نہایت تکلیف اور محتاجی اور قرضداری اُٹھانی پڑے گی تن بتقدیر انگریزی مصنفوں اور جناب میور صاحب نے ایسا کچھ لکھا ہے کہ ممکن نہیں ہے کہ اُن کی چاروں جلدوں کا جواب چار جلد سے کم نہیں آوے۔ جلد اول میری کتاب کی بالکل جواب ہے اُن کی پہلی جلد کا

اور اور مصنفوں کا جنھوں نے اُس قدر
مضمون پر لکھا ہے۔ میرے ہمقوم اُس
محنت کی جو میں نے اِس کتاب کی تصنیف
میں کی قدر نہیں کرینگے بلکہ نہایت الزام
دینگے اور کافر و مردود و بتلا دیں گے!
کیونکہ میں پابندِ تقلید نہیں رہا ہوں اور
شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف
کیا ہے اور چند علما کی رائے سے اتفاق
کیا ہے۔ پس ہمارے شفیق تمام چیز کو
چھوڑ کر انھیں مسئلوں کی بدولت فتویٰ دینگے۔
خطبۂ بشارات کا پروف آپ کے پاس
بھیجتا ہوں۔ اُس کو پڑھو اور انصاف
کرو کہ میں نے کیا لکھا ہے اور میں فخر
سے کہتا ہوں کہ جناب حضرت مولوی
امداد العلی صاحب بھی ایسا نہ لکھ سکیں گے۔

بھائی جان سُنو، اب یہہ وقت
نہیں رہا کہ میں اپنی مکنوناتِ ضمیر کو مخفی رکھوں۔
میں صاف کہتا ہوں کہ اگر لوگ تقلید نہ
چھوڑیں گے اور خاص اُس روشنی کو
جو قرآن و حدیثِ صحیح سے حاصل ہوتی
ہے، نہ تلاش کرینگے اور حال کے علوم
سے مذہب کا مقابلہ نکر سکیں گے، تو مذہب
اسلام ہندوستان سے معدوم ہو جاویگا۔
اسی خیر خواہی نے مجھکو برانگیختہ کیا ہے،
جو میں ہر قسم کی تحقیقات کرتا ہوں اور
اور تقلید کی پرواہ نہیں کرتا! ورنہ آپ کو
خوب معلوم ہے کہ میرے نزدیک مسلمان
رہنے کے لیئے اور بہشت میں داخل
ہونے کے لیئے ائمۂ کبار درکنار مولوی
جھوؔ کی بھی تقلید کافی ہے۔ لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ کہہ لینا ہی ایک ایسی طہارت
ہے کہ کوئی نجاست باقی نہیں رہتی۔
پس میں چاہتا ہوں کہ بدلایل و مباحثۂ
مجھکو قایل کر دیا جائے کہ میری یہہ رائے
صحیح ہے یا غلط اور میں دشمنِ اسلام
ہوں یا مثل ابوبکرؓ و عمرؓ کے دوستِ اسلام
ہوں۔ آیا میں جو اسلام کو ابو حنیفہ و شافعی
سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اور یقین
کرتا ہوں کہ ابو حنیفہ و شافعی تو درکنار ابوبکرؓ
و عمرؓ بھی بالفرض اگر کچھ غلطی کریں، تو بھی اسلام
میں کچھ نقص نہیں ہو سکتا اور میرا یہہ
اعتقاد کہ اگر تمام عالم کافر ہو جاوے یا تمام
عالم فرشتہ ہو جاوے، تو خدا کی خدائی
میں کچھ نقصان یا زیادتی نہیں ہوتی۔ اسیطرح
اسلام کے مسائل کا حال ہے کہ اگر تمام
مجتہدین صواب پر ہوں یا خطا پر، اصل
اسلام کی جو روشنی ہے، اُس میں کچھ
نقص نہیں ہے۔ پس یہہ اعتقاد میرا
صحیح ہے یا غلط، اگرچہ بعض احباب کے
سامنے اسی مضمون کو مختلف پیرایہ میں

بیان کیا ہے، الا آج تک عام لوگوں کے
سامنے نہیں کہا تھا۔ آج میں نے ایک
عرضداشت بخدمت اہلِ وطن لکھی ہے
اور واسطے چھپنے کے بھیجدی ہے۔ اُسکی
شروع میں یہہ مضمون بھی لکھدیا ہے۔
میں چاہتا ہوں کہ جو آپ کی رائے
ہو، اُسکی نسبت آپ بھی لکھ کر اخبار
میں بہ نسبت اپنے نام کے چھپوادیجے۔
خواہ آپکی رائے مطابق ہو میری رائے
سے یا مخالف فقط

لوگوں نے جو اخباروں میں مجھکو
بُرا بھلا لکھا، اُس سے آپ کو غصہ آگیا۔
معلوم نہیں کہ آپ نے آرٹکل میں کیا
لکھا ہوگا، مگر مجھکو کہاں تک بچاؤ گے۔
میں تو ہدفِ تیرہائے ملامت ہو گیا
ہوں اور روز بروز ہوتا جاؤں گا۔
شاید بعد میرے کوئی زمانہ آوے،
جب لوگ میری دلسوزی کی قدر کریں۔
میرے خطوط کا مضمون جو آپ نے
اپنے آرٹکل میں لکھدیا، آپ مالک ہیں،
جو چاہیں سو کریں۔ اگر میرا بس ہوتا،
تو ایسا نکرنے دیتا۔ بہرحال جو تمھاری
خوشی ہے، وہ میری مرضی ہے۔
میں نے عرضی میں اپنے دل کا حال
اپنے دوستوں کے ساتھ لکھدیا ہے
اور برادرانِ عزیز کا بھی اب کہ ہر ہفتہ خط
لکھوں گا، اسلئے اسی کو طول دینا ضرور
نہیں۔ آیندہ ہفتہ میں لکھوں گا۔ محمود
چار شخصوں کا ذکر کیا کرتا ہے: محمد احمد کا،
آپ کا، مرزا رحمت اللہ کا اور ذکر یہہ ہوتا
ہے کہ میں جاکر اِن تینوں سے کہوں گا:
بالکل طریقہ، زندگی بدل دیں اور نہایت
صفائی اور عمدگی سے رہنا اختیار کریں
اور میر ظہور حسین کا ذکر وکالت کے باب
میں ہوتا ہے۔ انشاء اللہ تعالے یہہ
دن مفارقت کے بخیریت گذرتے
ہیں اور انشاء اللہ تعالے ہم سب بخیر
وخوبی ملیں گے اور جو جو کچھ دل چاہتا
ہے، سب کچھ انشاء اللہ تعالے ہوگا والسلام
(خاکسار سید احمد ہا از مقام لندن) (۱۱ جنوری سنہ ۱۸۷۰ء)

۱۶

مخدومی ومکرمی سلامت

بعد سلام مسنون التماس یہہ ہے
کہ گذشتہ ڈاک میں عریضہ روانہ کرچکا
ہوں۔ اب بموجب حکم آپ کے
ہر ڈاک میں عریضہ بھیجا کروں گا۔ آپکا
کوئی عنایت نامہ اِس ڈاک میں نہیں
آیا۔ یہہ اچھی بات نہیں ہے۔ آپ بھی
ہمیشہ لکھا کیجیے۔ خصوصاً ایسی حالت میں،
جبکہ بسبب بعض خیالات کے تردد

رہتا ہے اور جس ڈاک میں آپ کا
خط نہیں آتا، مایوسی سے سخ ہوتا ہے۔
حجر اسود کی نسبت جو حدیثیں ہیں کہ وہ
بہشت کا یاقوت ہے اور قیامت میں
اُس کی دو آنکھیں ہوں گی وغیرہ اُسکی
نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔ جلد مطلع
فرمایئے ہیں تو ان احادیث کو ضعیف
اور بے سند جانتا ہوں۔ وہ پتھر ابوقبیس
پہاڑ میں کا ہے اور بموجب یہودی رسم
کے قدیم زمانہ میں نصب کیا گیا تھا۔ کچھ
عجب نہیں کہ حضرت ابراہیم نے نصب
کیا ہو۔ بڑا اعتراض یہہ ہے کہ حجر اسود کو
بوسہ دینے اور کعبہ کی طرف بطور سمت
قبلہ سجدہ کرنے اور بت پرستی میں
کچھ فرق نہیں ہے۔ اس کا جواب
تحقیقی میں نے لکھا ہے اور فرق بتایا
ہے۔ آپ کیا جواب دیتے ہیں اور
اَور عالموں نے کیا جواب دیا ہے۔
اس کا جواب جلد ارقام فرمایئے، ورنہ
وہ خطبہ جو مکۂ معظمہ پر ہے، چھپ جاویگا۔
باقی خیریت ہے والسلام۔ ۲۸ جنوری سنہ ۱۸۸۱ء
دعاگو خاکسار سید احمد، از مقام لندن

۱۷

جناب مولانا اکرم من سلامت
بعد سلام مسنون التماس یہہ ہے

کہ آپ کی تقریر دلسوز و رقت خیز و درد
انگیز مدرسہ عربی دہلی مقرر کردہ مولوی
محمد سمیع اللہ خانصاحب جو اخبار سوسیٹی
میں چھپی، میں نے دیکھی۔ حقیقت میں
نہایت پُر اثر ہے اور صاف معلوم ہوتا
ہے کہ آپ کے دل سے نکلی ہے، کیونکہ
سیدھی دل میں بیٹھتی ہے۔ آپ نے
خوب اہل دہلی کو نالایق و ناشایستہ مثل
حیوان کے بنایا۔ یہہ اپنی اپنی قسمت
ہے کہ ہم تو ذرہ سی بات کہیں، تو فضیحت
ہو اور تم دُشنام کے قریب تک کے
لفظ کہو اور کوئی کچھ نہ کہے اور سب جناب
مولوی صاحب، جناب مولوی صاحب
کہہ کر ہاتھ چومیں۔ میں جانتا تھا کہ مولوی
سمیع اللہ خاں صاحب قریب سو روپیہ
ماہواری کے اپنے پاس سے دیتے
ہوں گے۔ افسوس ہے کہ کل چندہ ہزار سے
بھی کم تھا اور اگر فرضی جمع خرچ کی رقم اُس میں
شامل ہے، تو کچھ بھی نہیں۔ افسوس کہ آپنے
اپنی تقریر میں یہہ نہ فرمایا کہ خود بانی نے
جو فضل الٰہی سے تمام اعزّہ موجودہ دہلی
سے مقتدر ہیں، اسقدر روپیہ دیا۔ اُس
وقت البتہ آپ کی لعنت ملامت محتاجان
دہلی پر جو نانِ شبینہ کو محتاج ہیں، درست
و بجا ہوتی۔ میں سوسیٹی کے لئے سب سے

بھیک مانگتا ہوں، مگر دس ہزار کئی سو
روپیہ مجھ فقیر نے اپنے پاس سے دیا
ہے۔ پس ایسی حالت میں اگر میں بھائی
مہدی علی سے سو روپیہ دینے کو کہوں،
تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ جانِ من اجنابِ
من! ایسے ایسے مدرسوں سے کچھ فائدہ
نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمان
ہندوستان کے ڈوبے جاتے ہیں
اور کوئی اُن کا نکالنے والا نہیں۔ ہائے
افسوس امرت تھوکتے ہیں اور زہر نگلتے
ہیں۔ ہائے افسوس! ہاتھ پکڑنے والے کا
ہاتھ جھٹک دیتے ہیں اور مگر کے موتھ
میں ہاتھ دیتے ہیں۔ اے بھائی مہدی!
کچھ فکر کرو اور یقین جان لو کہ مسلمانوں کے
ہونٹوں تک پانی آگیا ہے۔ اب ڈوبنے
میں بہت ہی کم فاصلہ باقی ہے۔ اگر تم
یہاں آتے، تو دیکھتے کہ تربیت کس طرح
ہوتی ہے اور تعلیم اولاد کا کیا قاعدہ
ہے اور علم کیونکر آتا ہے اور کس طرح پر
کوئی قوم عزت حاصل کرتی ہے۔ انشاءاللہ
تعالیٰ میں یہاں سے واپس آکر سب
کچھ کہوں گا اور کروں گا؛ مگر مجھ کافر
مردود گردن مروڑی ہوئی مرغی کھانے
والے، کفر کی کتابیں چھاپنے والے کی
کون سنے گا۔ میں اپنی کتاب کا دیباچہ
بھی آج لکھ چکا۔ الحمد للہ علی احسانہ والسلام
(خاکسار سید احمد) (از مقام لندن)
(۱۱۔ فروری ۱۸۷۰ء)

۱۸

جنابِ مخدومِ من سلامت

بعد سلام مسنون التماس اینکہ شکر خدا کا
کہ ہزاروں انتظار کے بعد آپ کا عنایت نامہ
پہونچا مورخہ ۹ فروری۔ آپ کی صحت
و سلامتی اور خوشنودی مزاج اور مصونی
جمیع آفات سے شکر خدا کیا۔ اللہ تعالےٰ
ہمیشہ باعزت و اقبال رکھے، آمین۔ او خدا!
تو اُن کا بھی خدا ہے، جو حلال کی
ہوئی مرغی کھاتے ہیں اور اُن کا بھی
خدا ہے، جو گردن مروڑی ہوئی مرغی
کھاتے ہیں۔ مجھ مری مرغی کھانے
والے کی بھی دعا قبول کر، آمین۔ آپ کو
دربار میں گھڑی ملنا مبارک ہو۔ آپ نے
خوب تماشے سفرِ کلکتہ تا دہلی میں دیکھے
ہوں گے۔ نہایت خوب کیا، جو آپ نے
یہ جلسے دیکھے۔ قصہ عاد و ثمود کو میں نے
اپنی کتاب میں نہایت مختصر کر دیا ہے
مخالفین اُن قصوں سے انکار کرتے ہیں
اور قصۂ باغِ ارم پر ہنستے ہیں اور سدِ
سکندری کے قصہ کو جھوٹ کہتے ہیں۔
پس آپ لوگ بڑے مولوی کہلاتے

ہیں،" اِس کا ثبوت دیویں۔ میں نے
حضرات علمار مسلمین کی تاریخیں اُلٹ ڈالیں
جو بزرگوار ہیں وہ اِس قصہ کے ثبوت
میں قرآنِ مجید کی آیتیں نقل کر دیتے
ہیں اور اُس کے ساتھ اور جھوٹ
طوفان کہانیاں ملا دیتے ہیں۔ بلا قرآن
مجید کو وہ لوگ جنکے جواب دینے کو
اُس کا ثبوت درکار ہے، قبول نہیں
کرتے! بلکہ خود اُسی پر اعتراض کرتے
ہیں اور جو قصہ اُس میں بیان ہے،
اُسی کو تو وہ غلط بناتے ہیں، پھر وہی
چیز اُن پر دلیل نہیں ہوسکتی۔ میں نے
لکھا ہے کہ باغِ اِرَم عمارتِ
ذاتِ عماد غلط محض ہے اور
"اِرَم ذاتِ العماد التی لم یُخلق مثلہا
فی البلاد" سے ایک محل یا چوکھنبہ یا ہزار
کھنبہ سمجھنا غلط ہے۔ وہ صرف ایک قوم کا
ذکر ہے، جو اولادِ ارم سے تھی اور جو کہ
وہ دراز قد تھی، جیسیکہ بعض قوم کے آدمی دراز
قد ہوتے ہیں، صرف اُن کو تشبیہاً ذات العماد
کہا ہے، جیساکہ ایک جگہ تشبیہاً فرمایا ہے "کانہم اعجاز نخل خاویۃ"
حال یہہ ہے کہ میں خدا کا اور اُس کے رسول کا
اور اُنکے کلام کا دوست ہوں۔ ملا مولویوں کا
دوست نہیں ہوں، جو مثل یہودیوں
اور عیسائیوں کے اُن کو ارباباً من دون اللہ

سمجھوں اور جو کچھ میں نے لکھا ہے اُسکو
تاریخ سے اور غیر مذہب کی کتابوں سے
ثابت کیا ہے۔ پس اب میں ایک برس
کی مہلت دیتا ہوں کہ اُن قصوں کو جس
طرح پر کہ ہمارے مولوی صاحبان فرماتے
ہیں اور ممبروں پر بیٹھ کر وعظ میں لوگوں کو
پھسلاتے ہیں، یا جس طرح کہ ہمارے
مورخین باعلم اُس کو لکھتے ہیں، اُس کا
ثبوت دیویں، یا وہ یہی بتاویں کہ باغ ارم
اور سدِ سکندر کس مُلک میں اور کس جگہ
تھی اور اب بھی اُن ستونوں میں سے
کوئی ستون مل سکتا ہے؟ افسوس! صد
افسوس!! ہمارے ہاں کے مولویوں
نے ایسے صاف اور روشن مذہب کو
ایسے لغو و مہمل کہانیوں میں ڈال دیا ہے
اور جب کوئی چاہتا ہے کہ اُسکی تحقیقات
اور اُس پر غور کیا جائے، تو اُس کو کافر، لامذہب،
مرتد، عیسائی، حرام خور، مُردی مرغی کھانے
والا بتاتے ہیں۔ آیت "یاتی من بعدی
اسمہ احمد" کا نہایت عمدہ بیان مسٹر ہگنز نے
اپنی کتاب میں لکھا ہے اور بخوبی بجنسہ اِس
آیت کا موجود ہونا انجیلِ یوحنا میں ثابت
کیا ہے اور وہی مشہور لفظ فارقلیط
کا ہے! مگر جس طرح پر کہ اُسکو مسٹر ہگنز نے
ثابت کیا ہے، اُس کو پڑھکر مسلمان

متعصب مولویوں کو غیرت کرنی چاہیئے
کہ جو کام اُن کے کرنے کا تھا، اُس کو
ایک غیر مذہب کے منصف شخص نے
کیا۔ میں نے اُس میں کچھ اضافہ نہیں
کیا، بعینہ مسٹر گھنز کی تحریر نقل کر دی ہے؛
مگر ایک اور عمدہ بات میں نے یہہ ثابت
کی ہے کہ نام آنحضرت کا محمدؐ توریت میں
موجود ہے۔ چنانچہ عبری توریت میں
وہ لفظ اور نشانِ شمائلِ آنحضرت کے
بجنسہ نکالے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ
اسپر بھی میں کافر ہوں اور یارانِ باد
فروش وعظ گو مسلمان کیا اُنھوں نے
خدا کو بھی اپنا ہی سا نابینا یقین کیا ہے۔
چند ہفتہ ہوئے کہ بابِ بشارات بتمامہ
میں آپ کے پاس بھیج چکا ہوں۔ اُسکو
ضرور سنیئے۔ یہہ سب بحث اُس میں مندرج
ہے اور یارانِ زمانہ سے ایک فتوے
پوچھیئے کہ آنحضرت صلعم کی بشارات کے
اثبات میں ایک شخص نے اِسقدر محنت
و جانکاہی کی ہے، وہ شخص کافر ہے
یا مسلمان؟ انظر ربی! انظر ربی، اسمع یا
محمدؐ! ماتقول امتک لذریتک اللتی یقول علی
اسمک: بابی وامی یا رسول اللہ! اللہم!
اہدنا واہدہم۔ اللہم! اغفرلنا واغفرہم بحقک
یا ارحم الراحمین۔ میں جو خط لکھتا ہوں،
خاص تمھارے پڑھنے کے لیے لکھتا ہوں۔
مجھے ایسے لفظوں میں لکھنا نہیں آتا، جو
اندھوں کے دکھلانے کے لایق ہو۔ میں
یقین کرتا ہوں کہ جس قدر لوگ مجھکو برا
کہتے ہیں، اگر خدا مجھے اُسپر صبر کامل عطا
کرے، تو میرے لئے ایک نہایت عمدہ
زادِ راہ دوسری دنیا کے لئے ہے،
جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ ایسا کس کا نصیب؛
جس کو نہایت عمدہ زادِ راہ وہاں کے
لئے ہاتھ آوے۔ حج کریں حاجی صاحب،
حدیث پڑھیں مولوی صاحب اور سب کا
نتیجہ مجھکو ملے۔ اِس سے زیادہ کیا خوب
بات ہوگی۔ جو جو نصیحتیں آپ نے مجھکو
ارقام فرمائی ہیں، میں اُن کا دل سے
شکرگذار ہوں اور دل سے اقرار کرتا
ہوں کہ اُسپر عمل کروں گا اور اِس عریضہ
کی تاریخ آپ یاد رکھیئے گا۔ اِس کے بعد
سے میری کوئی تحریر نہ دیکھیئے گا۔ میں اپنی
تحریرِ سابق کو ذرہ بھی سخت نہیں سمجھتا۔
کیا میں نے اُس میں کسی کو گالیاں دی
ہیں؟ کیا مینڈک کی کہانی کا یہہ مقصود ہے
جو اُنھوں نے نکالا ہے؟ یا صرف وہ
مشہور کہانی ہمیشہ اِس مثل کی جگہ استعمال
ہوتی ہے کہ جس کسی نے ایک چیز نہیں
دیکھی، وہ اُسپر یقین نہیں کر سکتا۔ صرف

یہہ لفظ کہ وہ مثل حیوان کے ہیں، سخت
ہے، گو حقیقت میں نہیں ہے۔ خدا
اُن کو سمجھاوے۔ اُن اندھوں سے
کہو کہ ذرا انگلشمین کلکتہ کے اخبار کو پڑھا
کریں کہ وہ کیا کچھ حضرات ہندستانیوں
کی نسبت لکھا کرتا ہے اور انگلستان کے
اخبار اُس کو نقل کر کر کیا باتیں لکھتے ہیں۔
حقیقت میں کمال بیعزتی کی بات ہے کہ
ایسی باتیں جو حقیقت میں سچ ہیں، ہم
دیکھیں اور زندہ رہیں۔ زیادہ تر مجھکو
مسلمانوں پر رنج و افسوس ہے۔ یہاں
کے کتب خانوں میں بعض قدیم انگریزی
کتابیں میں نے دیکھیں، جن میں مسلمانوں
کے چال چلن، اُن کی سچائی، ایمانداری
کی تعریفیں اور مثالیں لکھی ہیں۔ زمانہ
حال میں جو کچھ اُن کے اوصاف چھپتے ہیں
اُن کو دیکھکر غیرت مند آدمی کو موںھ دکھانے کی
جگہ نہیں رہتی۔ تمہارے محمود کی یہہ رائے
ہے کہ جو صفت لفظ جنٹلمین کی ہے بہت
کم رئیس ہندوستانی ہوں گے، جن پر
صادق آتی ہو۔ ایک خط اُس کے پاس
نہایت شریف خاندان کے شخص کا آیا۔
اُس میں لکھا ہے کہ میں نے کئی خط رجسٹری
کراکے بھیجے ہیں۔ اُس نے کہا کہ ایسا جھوٹ
لکھنا کیا جنٹلمین کا کام ہے؟ جب اُن کو
اِس بات کی بھی شرم نہیں آئی کہ جسکو
میں لکھتا ہوں، وہ جھوٹ سمجھیگا، تو
وہ کیونکر جنٹلمین گنے جاسکتے ہیں۔ غرضکہ
ہم لوگوں نے ایسی بدعادتیں اختیار کرلی
ہیں، جس سے شیطان کو بھی شرم آتی
ہے اور اصل یہ ہے کہ غیرت نہیں رہی
اور جھوٹی شیخی میں مرتے ہیں۔ اسمیں
کچھ شک نہیں کہ میرے بُرا کہنے سے
آپ کو نہایت رنج ہوتا ہوگا اور اسی
جوش میں آپ نے کچھ لکھا ہوگا، جو آج تک
میں نے نہیں دیکھا! مگر آپ یوں نہیں
صبر کرتے اور آیندہ سے آپ کی نصیحت پر
عمل کرنے کا میں نے اقرار کرلیا ہے۔
پچھلے گناہوں سے توبہ! توبہ! مگر
صرف آپ کے حکم سے۔ میں انشاء اللہ
تعالیٰ عنقریب آنے والا ہوں۔ مسٹر
ڈیون پورٹ کی کتاب کا چھپنا میرے آنے
تک ملتوی رکھئے۔ میں خدا معلوم آپ سے
کیا کیا کہنے کو ہوں اور کیا کیا کرنے کو۔
بعد گفتگو کے جیسا مناسب ہوگا، کیا جاویگا
اِسقدر جلدی کیا ضرور ہے؟ اخبار میں
لفظ حاشیہ کے غلط چھاپ دیئے ہیں
لم لایجوز کالم بجوز چھپا ہے! میں بڑا خوش
ہوا کہ میں ادیب ہوگیا! واہ! واہ! میں
ایسا ہی ادیب ہوں کہ حریری و متنبی میرے

سامنے مات ہیں (جھوٹی خوشی پر لعنت،
(ایسی جھوٹی خوشی پر تف) میں ہمیشہ سیدھی
طرح اُردو میں خط لکھتا ہوں، مگر جب کاغذ
ایسا ہوتا ہے، جس کی پیشانی پر پھول یا نقش
بنے ہوتے ہیں یا کچھ چھپا ہوتا ہے اور
وہ خط لکھنے کو موجود ہوتا ہے، تو لاچار باتباع
وضع کاغذ اُسی طرف سے لکھا جاتا ہے۔
اب آپ کا حکم جو ہوا ہے، اُسکی تعمیل
کروں گا اور کبھی اِس قسم کے کاغذ پر عریضہ
نہ لکھا کروں گا۔

میں انشاء اللہ تعالےٰ ضرور نصف آخر
ماہ اگست میں یہاں سے روانہ ہوں گا
اور ایک ہفتہ مصر میں رہوں گا اور وہاں
کے مسلمانوں کا حال دیکھوں گا اور آخر
ستمبر میں انشاء اللہ تعالےٰ آپ کی زیارت
بمقامِ الٰہ آباد حاصل کروں گا۔

محمود کو جو آپ سے عقیدت و محبت
ہو گئی ہے، بیان سے باہر ہے۔ کوئی
دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کا تذکرہ نہایت
جوشِ محبت سے نہ کرتا ہو۔ اُس کو حد سے
زیادہ خاص مسلمانوں کے ابتر حال کا رنج
ہے اور تمام خیالات جو قریب مالیخولیا کے
ہیں، بکتا ہے اور اُن کے ساتھ یہہ بھی
کہتا جاتا ہے کہ بس مولوی مہدی علی میرا
ساتھ دیں گے اور میں اور وہ ملکر یہہ
کام کرلیں گے۔ وہ اپنے میں اور آپ
میں کچھ فرق نہیں کرتا ہے۔ بعض دفعہ
کہتا ہے کہ ہم یوں کریں گے اور حقیقت
میں اِس لفظ "ہم" سے مولوی مہدی علی
مراد ہوتے ہیں۔ اُس کو مذہب اسلام
اور اُس کی خوبیوں اور اُس کے مسائل
کی سچائی پر ایسا استقلال اور یقینِ کامل
ہو گیا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے
اپنی کتاب میں جہاں ذکر حجرِ اسود لکھا ہے،
وہاں یہہ بات لکھی ہے کہ جو حدیثیں نسبت
حجرِ اسود کے وارد ہیں کہ وہ بہشت کا پتھر
ہے اور چنیں و چناں، وہ ضعیف ہیں سندِ
کامل نہیں رکھتیں۔ وہ دو گھنٹہ تک بیوقوفی
سے لڑا کہ نہیں یہی سچ ہے اور اِسی پر
مجھے یقینِ کامل ہے۔ میں نے کہا کہ بابا
تو اپنا یقین اپنے پاس رکھ۔ تو میری رائے
میں کیوں دخل کرتا ہے۔ کہا کہ نہیں جو
مجھے دل سے یقین ہے، وہی سچ ہے۔
غرضکہ ایسی بیوقوفی کی باتیں کرتا ہے جبکہ
میں نے اُس کی تحقیقات بیان کی اور
اصلیت لکھی اور بیان کیا کہ وہ کیا چیز ہے
اور اصلیت اُس کی کیا ہے، تو اُس سب کو
پسند کیا؛ مگر کہا کہ وہ بھی سچ ہے اور یہہ
بھی لکھدو کہ حقیقت میں فرشتے بہشت سے
لیکر آئے تھے۔ تماشا یہہ ہوا کہ جب نوبت

تحریر اِس اعتراض کی پہونچی کہ حجر اسود کا
بوسہ دینا اور کعبہ کے گرد پھرنا کیونکر بت پرستی
نہیں اور مہادیو کے گرد پھرنا اور ڈنڈوت کرنی کیوں بت پرستی
ہے، چنانچہ عیسائیوں کا اعتراض کہ آنحضرت صلعم کامل طرح سے
بت پرستی موقوف نہ کر سکے، تو جھٹ پٹ بول اُٹھا
کہ خدا کا حکم۔ میں نے کہا کہ ہندو بھی کہتے
ہیں کہ خدا کا حکم ہے۔ جب نہایت دق
ہو لیا اور کچھ جواب نہ بن پڑا، تو جو جواب
میں نے لکھا ہے، وہ سنایا۔ اُس کو سُنکر
اُس کا خون بڑھ گیا کہ اسلام پر سے بڑا
اعتراض خوب اُٹھایا گیا۔ حدیثِ غرانیق
کے بیان میں اور حدیثِ الشیخ والشیخۃ میں
میں نے آپ کے ہاں کے علما کو
نہایت سخت و سُست لکھا ہے اور امام
فخر الدین وغیرہ کو اپنے ساتھ کر لیا ہے۔
اگر اُس زمانہ میں مَیں ہوتا اور خلیفہ یا قاضی
ہوتا، تو ضرور اُن مولوی صاحبوں کو جنھوں
نے اتہام اِن دونوں حدیثوں کا آنحضرت
صلعم پر لگایا ہے، تعزیر کرتا۔ میں نے اپنی
کتاب کے دیباچہ میں اُن انگریزوں
کی تصنیف کا حال، جنھوں نے آنحضرت پر
اعتراض کیے ہیں لکھا ہے اور اُن
انگریزوں کا جنھوں نے نہایت انصاف
سے مذہب اسلام کی حمایت کی ہے،
شکر کیا ہے اور اُن کے اقوال اور رائیں
بھی جا بجا نقل کی ہیں۔ منجملہ اُن کے دو
شخصوں کی رائوں کے پرچے اِس عریضہ
میں ملفوف کرتا ہوں۔ اُن کے ترجمے
صحیح صحیح کیجیے اور دیکھیے کہ کیا چیز ہیں اور
میرے حق میں دعائے خیر کیجیے کہ میں نے
کس محنت سے کیا کیا چیزیں پیدا کی ہیں۔
ہزاروں باتیں کہنے کو ہیں۔ کہاں تک
لکھتا جاؤں۔ حافظ کریم بخش صاحب کی
عنایت و محبتِ دلی کا حد سے زیادہ شکر
گذار ہوں۔ میں اپنے ساتھ محبت
کرنے والوں کا خواہ وہ قیصر ہو یا بیچارہ
غریب حافظ، بندۂ درم ناخریدہ ہوں۔
میرا بہت بہت سلام اُن کو پہونچے۔ حامد جی کو
بہت تسلیمات آپ کو اور سلام نیاز حافظ
عرض کرتا ہے۔ محمود نے کہا کہ میری
طرف سے کچھ مت لکھو۔ میں آپ
لکھوں گا۔ مجھو بہت تسلیمات عرض کرتا
ہے۔ آپ کی عنایت آمیز لفظ سُنکر
پھولا نہیں سماتا۔ الٰہی خاں خانساماں کو
سلام پہونچے۔ بعالی خدمت جناب مولوی
معین الدین صاحب بعد سلام مسنون
عرض یہ ہے۔ قصۂ عاد و ثمود و باغ
ارم و سدِ سکندر کا ثبوت کتابوں سے
ڈھونڈ کر نکال رکھیے گا، مگر ایسا ثبوت
جو غیر مذہب والوں پر حجت ہو اور یہ

بھی ارقام فرمایئے کہ پہلے تو ہم صرف کریلے تھے اور اب نیم چڑھے ہو گئے، اب بھی ہمارے ساتھ کھائے گا یا نہیں؟

والسلام۔

(خاکسار سید احمد) (از مقام لندن) (۱۶- مارچ ۱۸۷۰ء)

جو صدمہ کہ ادائے لاگت کتاب کا مجھ پر ہے، بیان نہیں ہو سکتا، مگر آپ کے عنایت نامہ سے جس میں ہر طرح کی تقویت ہے، جان آگئی۔ خدا انجام بخیر کرے۔ نواب ٹونک کے پاس سے اگر ہزار روپیہ ملے، تو کیا کہنا ہے۔ خدا ایسا ہی کرے، مگر جب تک آنہیں جاتے، تسلی نہیں ہو سکتی۔ زیادہ اس باب میں لکھنا فضول ہے۔

۱۹

جناب مخدوم و مکرم من۔

اب کی ڈاک میں بھی کوئی عنایت نامہ آپ کا نہیں آیا۔ سات دن تک امید بندھی رہتی ہے۔ جب نہیں آتا، تو نہایت مایوسی ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہندوستان پہونچنے سے پہلے آپ ایک ایسوسی ایشن خاص مسلمانوں کی بہتری و اصلاح کے لئے قایم کر رکھیں۔ اپنی طرف سے آپ ایک التماس واسطے تقرر مجلس مذکورہ کے چھاپ کر لوگوں کو تقسیم کریں اور ممبر جمع کر کر ایسوسی ایشن بنائیں، تاکہ مجھ بدنام کا نام اُس میں نہ آنے پاوے اور کسی کو احتمال بھی نہ ہو کہ کچھ میری شرکت اُس میں ہے۔ ایک مسودہ التماس کا جو آپ کی طرف سے تقسیم ہونا چاہیے" سرسری طور پر لکھکر بھیجتا ہوں، اُس کے پڑھنے سے میرے خیالات آپ کو بخوبی واضح ہو جاویں گے۔ آپ اُسکو اپنے طور پر اور اپنی عبارت میں بعد تغیر و تبدیل جس طرح پر چاہیں، مرتب کر کے چھاپیں۔ کارروائی سوسیٹی کی میرے آنے کے بعد شروع ہو۔ آپ غور فرماویں کہ ایسی سوسیٹی یا ایسوسی ایشن کا بنانا نہایت ضرور ہے۔ اس پر آپ ضرور متوجہ ہوں، اس ایسوسی ایشن کا کوئی عمدہ سا نام تجویز فرمایئے۔ میں نے جو نام رکھا ہے، نہایت بُرا ہے۔ آپ کوئی تجویز کریں۔ میرے خیال میں مفصلہ ذیل نام آتے ہیں (مجلس الفلاح فی معاشرت المسلمین)، (مجلس المومنین فی اصلاح معاشرت المسلمین)، (مجلس تہذیب اخلاق مومنین)، مگر اُنمیں سے کوئی نام بھی عمدہ نہیں ہے۔ بہرحال آپ جو نام تجویز کریں، اُس کو ایک پرچہ کاغذ پر نہایت خوش خط عربی خط میں

جناب حافظ جی صاحب سے لکھوا کر میرے
پاس بھیجدیں کہ میں اُس نام کی نہایت
خوبصورت آہنی پٹری یہاں سے بنوا کا
لاؤنگا کہ جو ماہواری رسالہ ایسوسی ایشن
سے نکلا کریگا اُس پر وہ نام بذریعہ اُس
پٹری کے جو نہایت خوبصورت ہو گی،
چھپا کرے گا۔ یہاں سب خوبصورتی
اُس پٹری کی ہو جاوے گی، الا حرف
جیسے لکھے آویں گے، بعینہ ویسے ہی بنینگے
اس لئے حرف نہایت خوشخط ہوں اور
بہت پُرکار قلم سے نہ لکھا جاوے؛ بلکہ
متوسط قلم سے ہو اور اُس کا قلم اِس سے
زیادہ موٹا نہ ہو، جیسا کہ یہہ لفظ بطور نمونہ
کے لکھتا ہوں۔

ابج

چندہ اور رسوم داخلہ جو میں نے تجویز
کی ہے اُس میں کچھ زیادتی کمی نہ فرمائیگا
کیونکہ وہ نہایت مناسب ہے۔
میں نہیں جانتا کہ آپ کی رائے
میں ایسوسی ایشن کا مقرر کرنا اچھی بات
ہے یا نہیں؛ مگر میں تو اُس کو نہایت
مفید سمجھتا ہوں۔ اُسکے انجام کے لئے
چنداں خرچ کی بھی درکار نہ ہوگی۔ قواعد
اُس کے اور تمام بندوبست اُس کی کار
روائی کا وہاں پہونچکر میں آپ کی خدمت
میں عرض کروں گا؛ مگر آپ اُس کا اشتہار
میرے آنے سے پہلے دے دیجئے
اور ممبر جمع کر لیجیے۔ جہاں تک ممکن ہو،
مختصر نام تجویز کیا جائے اور جب پرچۂ
کاغذ پر نام عربی خط میں لکھا جاوے، تو
خیال رکھنا چاہیئے کہ اُس کی سطر اِس لکیر
سے جو میں نیچے کھینچتا ہوں زیادہ لمبی
نہ ہو جائے؛ بلکہ اگر اُس سے کچھ کم ہو،
تو مضایقہ نہیں، ورنہ پٹری کے بننے
اور اُسکی خوبصورتی میں دقت پڑیگی۔
اگر اُس قلم سے جس کا نمونہ میں نے
بنایا ہے، نہ آسکے، تو قدرے قلم اور
باریک کر لیا جاوے؛ مگر سطر اِس سے
بڑی نہ ہونے پائے فقط

بخدمت جناب حافظ جی صاحب سلام
مسنون بصد نیاز پہونچے والسلام۔
(خاکسار سید احمد، (از مقام لندن) (تاریخ
روانگی خط ۲۲- اپریل سنہ ۱۸۷۰ء)

۲۰

جناب مخدوم و مکرم من۔
دیکھیے اب کی میل میں بھی آپ کا کوئی
عنایت نامہ آتا ہے یا نہیں، کئی روز ہوگئے

کہ میں نے آپ کو واسطے مقرر کرنے
ایک ایسوسی ایشن کے لکھا تھا۔ میری
رائے میں مناسب ہے کہ ابھی اسکی
تدبیر ملتوی رکھی جاوے، کیونکہ اُس میں
بہت سے امور ایسے ہیں کہ بغیر زبانی
گفتگو و جواب و سوال وصلاح ومشورہ
کے طے نہیں ہو سکتے فقط

میرے پاس شعلۂ طور کا نپور
پہونچا۔ آپ نے دیکھا کہ دشمنوں اور
حاسدوں اور بدطینتوں کا کچھ علاج نہیں
آپ نے جو گفتگو عمٓ نواب صاحب ٹونک
نے میری نسبت کی، وہ کیسی صفائی
اور نیک دلی کی تھی۔ اعانت کتاب کی جو
آپ نے اُن سے درخواست کی، وہ
صرف ایک اپنی نیکی سے کی۔ اب اُس
تمام مجلس کا نام (چندۂ دستگیری مسافرلندن)
رکھا گیا ہے۔ جو مضمون کہ اُس میں لکھا
گیا، وہ آپنے پڑھا ہوگا اور امید ہے
کہ اور بہت کچھ لکھا جاوے گا۔ اگرچہ
ایسی باتوں سے کبھی دلکو ملال ہوتا ہے،
جو مقتضائے بشریت ہے، مگر فی الفور
رفع ہوجاتا ہے اور دلکو صرف دو خیالو
سے تسلی ہوتی ہے۔ اوّل تو اِس خیال
سے کہ آج تک کوئی نیکی چاہنے والا ایسا
نہیں ہوا، جس کے مقابل میں کوئی نہ کوئی
دشمن مخالف نہ کھڑا ہوا ہو۔ آدم، نوح،
ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، محمد رسول اللہ، خلفائے
اربعہ، محی الدین جیلانی، مجدّدِ الفِ ثانی،
محمد اسمٰعیل دہلوی وعلیٰ ہذا القیاس پس میں
تو اُن کی جوتیوں کی برابر نہیں ہوں۔
میری مخالفت پر کمر باندھنی کچھ بُری بات
نہیں ہے۔ دوسرے اِس خیال سے
کہ میں دیکھتا ہوں کہ جوں جوں مخالفوں نے
نیکی کا مقابلہ کیا ہے، ووں ووں نیکی
بڑھتی گئی ہے۔ پس اگر میرا کاروبار اور
میری نیت سچا اور نیک ہے، تو انشاء اللہ
تعالےٰ اُس میں کچھ نقصان نہیں ہونے کا
اور اگر وہ نیک نہیں ہے اور میں غلطی
سے اُس کو نیک خیال کر رہا ہوں، تو بلا
شُبہ ٹوٹ جاوے گا اور مخالف جو ایسی
صورت میں ضرور ہے کہ نیکی پر ہونگے
کامیاب ہوں گے اور ایسی حالت میں
مجھکو بھی اُن کی کامیابی پر خوشی کرنی ہوگی،
نہ اپنی تدابیر کے ٹوٹنے اور اپنے دھوکے
میں پڑے ہونے کا رنج۔ جس روپیہ کے
دینے کا نواب صاحب ٹونک نے
بچانے وغیرہ کیا ہے، اُس کے ملنے
کی مجھکو ہرگز توقع نہیں ہے۔ یقینی نہیں
ملنے کا، مگر ہمارے شفیق جناب مولوی
سید امداد العلی خاں بہادر کو عمدہ مضمون،

چندہ دستگیری مسافر لندن مل گیا فقط
دیکھو دشمنی آدمی کو ایسا اندھا کر دیتی
ہے۔ اُسی اخبار میں تاریخ ہندوستان کے
مضمون کو نقل کر کر بشدومد لکھا ہے کہ
جس شخص نے یہہ ترجمہ خود لکھا ہو،
وہ کیسا جھوٹی ہے، حالانکہ خود اُسی عبارتکو
لکھتے ہیں۔ پھر مجھ میں اور اُن میں کیا فرق
ہے۔ صرف اِتنا کہ میں نے انگریزی سے
نقل کیا اور اُنھوں نے اُردو سے۔ ایک
اور مجھے خبر ملی ہے، جس کا مجھے کمال رنج
اور فکر ہے کہ بابو شیو پرشاد صاحب
کی تحریک سے عموماً ہندو لوگوں کے
دل میں جوش آیا ہے کہ زبانِ اُردو
و خطِ فارسی جو مسلمانوں کی نشانی ہے،
مٹا دیا جاوے۔ میں نے سُنا ہے کہ
اُنھوں نے سینٹیفک سوسیٹی کے
ہندو ممبروں سے تحریک کی ہے کہ
بجائے اخبار اُردو ہندی ہو، ترجمہ
کتب بھی ہندی میں ہو۔ یہہ ایک ایسی
تدبیر ہے کہ ہندو مسلمان میں کسی طرح اتفاق
نہیں رہ سکتا۔ مسلمان ہرگز ہندی پر متفق
نہ ہوں گے اور اگر ہندو مستعد ہوئے
اور ہندی پر اصرار کیا، تو وہ اُردو پر متفق
نہ ہوں گے اور نتیجہ اس کا یہہ ہوگا کہ
ہندو علیحدہ، مسلمان علیحدہ ہو جاویں گے۔
یہاں تک تو کچھ اندیشہ نہیں، بلکہ میں سمجھتا
ہوں کہ اگر مسلمان ہندو سے علیحدہ ہو کر
اپنا کاربار کرینگے، تو مسلمانوں کو زیادہ
فائدہ ہوگا اور ہندو نقصان میں رہیں گے،
الا اس میں صرف دو امر کا خیال
ہے۔ ایک خاص اپنی طبیعت کے
سبب سے کہ میں کُل اہلِ ہند کیا ہندو
کیا مسلمان کی بھلائی چاہتا ہوں۔
دوسرے بڑا خوف اِس بات کا ہے
کہ مسلمانوں پر نہایت بد اقبالی اور ادبار
چھایا ہے، وہ جھوٹے اور لغو تعصب
میں مبتلا ہیں اور وہ مطلق اپنے نقصان کو
نہیں سمجھتے، اُس پر حسد اور کینہ اُن میں
باہم بہ نسبت ہندوؤں کے اور جھوٹی
شیخی بہت زیادہ ہے اور کسی قدر
مفلس بھی ہیں۔ اِن وجوہات سے وہ
ہرگز اِس قابل نہیں ہونے کے،
جو اپنی بھلائی کے لئے کچھ کر سکیں
اگر سلطان محمود اِن تعصبات کو نہ چھوڑتا
اور سلطان عبد المجید اُس طریقہ کو جسے
سلطان محمود نے اختیار کیا تھا، ترقی
نہ دیتا، تو آج روسیوں کے حملہ کے
سبب ترکوں کا اور مسلمانوں کا دنیا پر
نام نشان نہیں رہتا اور خدا جانے
جزیرۂ عرب میں کیا ہوتا۔ اِسکے بعد

حال کے سلطان سلطان عبد العزیز نے
جو اُس سے بھی زیادہ بے تعصب
طریقہ اختیار کیا ہے، اگر ایسا نہ کرتا
تو سلطنتِ روم، جس تاریکی اور تباہی
کی حالت میں پڑی تھی، ممکن نہ تھا کہ
اب تک غرق نہ ہو جاتی۔ ان تینوں
پادشاہوں کو یورپ کا طریقہ اختیار کر
میں اُن جاہل متعصب ترکوں سے
الزام سے اور بیوقوف ناسمجھ مولویو
اور قاضیوں کی لعنت ملامت سے
بچنا نہایت مشکل تھا، مگر جو علمار کہ عقلمند
اور بے تعصب تھے، اُنھوں نے
اُن کی تمام چیزوں کو، جن کو سلطان
چاہتا تھا اور جن کے بغیر درحقیقت ترقی
مسلمانوں کی غیر ممکن تھی، جائز و درست
اور عین مطابقِ شرع بتلایا اور خود
سلطان نے اور تمام لوگوں نے اُن کو
اختیار کیا۔ پس یہہ سبب ہے، جو
آج آپ قسطنطنیہ کا نام سنتے ہیں۔
یہہ تمام حالات میں نے جمع کئے ہیں۔
سب آپ کو دکھلاؤں گا۔ بہرحال تعصب
خود برخلاف شریعت ہے۔ ہندوستا
کے مسلمان اُس میں گرفتار ہیں۔ خدا
کی نامہربانی اُن کی طرف رجوع ہے۔
وہ اب مثل یہود کے ذلیل و خوار ہوتے

والے ہیں۔ پھر اس کا علاج کیا ہے۔
خدا کے ساتھ لڑائی غیر ممکن ہے۔
دُنیا میں جو کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں
اور ہر روز چھپتی ہیں اور بکتی ہیں،
اُن میں جو حالات مسلمانوں کے لکھے
جاتے ہیں، اُن کو دیکھکر مرجانے کو
دل چاہتا ہے۔ بہت سی باتیں اُن
میں بلاشبہ سچ ہیں اور درحقیقت
ہم نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے جس سے
اسلام کو بدنامی ہے۔ پس ایسی بیوقوفی
ہے کہ کانپور میں بیٹھے جھوٹی شیخی
مارا کریں، کیا ہوتا ہے۔ میری صرف
ایک لفظ لکھنے سے کہ حیوان ہیں،
نالایقوں کو اِس قدر طیش کھانے کا
بہانہ ہاتھ لگ گیا ہے اور انگریزی
اخباروں اور تاریخوں میں جو لکھا
چھپ رہے ہیں، اُن سے کسی کمبخت
کو غیرت نہیں آتی فقط
سلطان عبد المجید کی ایک اسپیچ
میرے ہاتھ آئی ہے، جس کو رشید
پاشا اُس کے وزیر نے تمام علمار اور
قضات اور مفتیوں اور سرداروں کو
جمع کرکے پڑھا تھا۔ وہ قابل دیکھنے
کے ہے کہ اُس میں کیا ہے۔ میں
ساتھ لاؤں گا فقط

ڈاک ہندوستان کی آگئی۔ آپ کا کوئی عنایت نامہ نہیں آیا۔ لاچار اسی عریضہ کو بند کر کر روانہ کرتا ہوں۔ بعالی خدمت حافظ جی صاحب سلامِ مسنون پھونچے والسلام۔

(خاکسار سید احمد) (مقام لندن) (۲۹۔ اپریل سنہ ۱۸۷۰ء)

بعد تحریر اس عریضہ کے سوسیٹی کا اخبار میرے پاس آیا، جس میں میری عرضداشت کا جواب آپ کی طرف سے چھپا ہے۔ اُس کی نسبت اگلے میل میں کچھ لکھوں گا؛ مگر یہہ تو مجھے بتاؤ کہ جو باتیں ہم اپنے دل سے کرتے ہیں، وہ تم تک کون پھونچا دیتا ہے، یا تو تم چور ہو کہ میرا دل چُرا لیجاتے ہو، یا خود میرے دل ہو کہ میری سب باتیں تم ہی سے ہوتی ہیں۔ میں کافر ہوں، اگر یہہ چاہتا ہوں کہ میری رائے وتدبیر مانی جاوے۔ میں صرف یہہ چاہتا ہوں کہ قوم کی بھلائی پر لوگ متوجہ ہوں اور یہہ دکھاتا ہوں کہ تعصب بہت بڑا مانع ہے۔

عریضۂ سابق میں درباب تقرر ایسوسی ایشن کے لکھا تھا اور اِس عریضہ میں منع لکھا۔ اب بعد معاینہ اخبارِ مذکور کے یہہ لکھتا ہوں کہ اُن دونوں باتوں میں سے آپ کسی کو نہ مانیں، بلکہ جو آپکا دل چاہے اور آپ کی رائے میں مناسب ہو، اُس کے مطابق کام کریں۔ اگر با تخصیص مسلمانوں کی تربیت کے لئے جُداگانہ مدرسہ مقرر ہو جاوے، تو ایک رحمت ہمارے لئے ہے۔ کوئی رات نہیں جاتی کہ ایسے مدرسہ کی تقرر کی باتیں اور تجویزیں یہاں نہیں ہوتیں؛ مگر بغیر دس لاکھ روپیہ نقد ہوئے ممکن نہیں ہے والسلام۔

(سید احمد)

۲۱

جناب مخدومی و مکرمی مدظلّہ العالی۔

بعد تسلیم سلامِ مسنون التماس یہہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۳۔ مئی پھونچا۔ دل وجان وروح وروان کو تقویت بخشی۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔

قبل اِس کے کہ آپ کی تحریر کا جواب شروع کروں، ایک امر نہایت ضروری لکھتا ہوں۔ فی الفور بلا تاملِ ساعتے اُسکی تعمیل فرمائیے اور وہ کام یہہ ہے کہ یہاں ایک نہایت معزز و عالی درجہ ایک صاحب ہیں، جن کا حال میں آپ سے زبانی کہوں گا اور وہ میرے بڑے دوست ہیں، اُنھوں نے بسبب کسی

ضرورت ہے کہ مجھے فرمائش تفسیر عزیزی کی کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اصل تفسیر عزیزی فارسی اول کا سیپارہ اور آخر کے دو سیپارے یعنے تُکے دونوں ٹکڑے لکھنؤ یا میرٹھ و دہلی میں چھاپہ ہوئے ہیں۔ پس جونسا چھاپہ نہایت عمدہ ہو، فی الفور خرید فرما کر میرے پاس روانہ کرو کہ میرے یہاں ہونے تک پھونچ جاوے۔ یہہ خط آپ کو شروع جولائی میں پھونچیگا۔ اگر آپ فی الفور روانہ فرماویں گے، تو شروع اگست میں قبل میری روانگی کے یہاں پھونچ جاوے گا۔ یقینی مرزاپور میں کوئی دُکان کتاب فروش کی نہ ہوگی۔ آپ فی الفور ایک خاص آدمی لکھنؤ روانہ کر کر وہ کتاب خرید کر منگوا ئیے اور با حتیاطِ تمام لفافۂ موم جامہ سرکشادہ میں بذریعہ بک پوسٹ روانہ فرمائیے۔ تاکید اکید تصور فرمائیے گا فقط

ہمشیرۂ حامد و محمود کے انتقال کا جو صدمہ ہم پر ہوا، وہ بیان سے باہر ہے۔ رضینا برضاء اللہ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون فقط۔

لندن کے احباب اور علماء اور اشخاص نامی جس طرح محبت و اخلاق سے مجھسے و اپنے اخلاق سے مجھ غریب نالایق کی جسقدر خاطر کی ہ

اُس کا میں نے کبھی ذکر نہیں لکھا۔ اگر وہ لکھا جاتا تو مبالغہ پر محمول ہوتا اور حاسد شاید آتشِ حسد میں اِسقدر افروختہ ہوتے کہ بجز آتشِ حسد کے اور کچھ نہ رہتا۔

تبدیلِ وضع کے باب میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے، وہ سب بجا ہے، بشرطیکہ میرا جادو، توبہ توبہ میرا معجزہ، نعوذ باللہ میری کرامت، لاحول و لا قوۃ الا باللہ میری حماقت تم میں اثر نہ کرے گی۔ ذرا صبر کرو۔ تین مہینے خیر سے گذر جاویں۔ جب الہ آباد کے اسٹیشن پر گلے ملوگے اور چھاتی سے چھاتی لگے گی، اُس وقت پوچھیں گے کہ جانِ من دمعاف کیجیے بےخودی میں یہہ لفظ نکل گیا، قبلۂ من اب کیا ارشاد ہوتا ہے؟

حقیقت میں ۲۰۔ اپریل کے اخبار میں جو مضمون چھپا ہے، وہ الہام یا الفاظ غیبی ہے۔ نہایت عمدہ ہے۔ اگر میں یہودی ہوتا، تو بجائے عزیر ابن اللہ کے مہدی ابن اللہ کہتا۔ توبہ استغفر اللہ خدا معاف کرے ہ ہ

قبلہ گویم، یا خدا، یا کعبہ، یا پیغمبرش
اصطلاح شوق بسیار است من دیوانہ ام

میرے تئیں جسقدر طعنے دوگے، میری جان خوش ہوگی آپ خفا ہوں یا نہ ہوں، میں سچ اپنے

دل کا حال کہتا ہوں کہ اگر خدا مجھکو ہدایت نہ کرتا اور تقلید کی گمراہی سے نہ نکالتا اور میں خود تحقیقاتِ حقیقت اسلام پر متوجہ نہ ہوتا تو یقینی مذہب کو چھوڑ دیتا۔ فرض کرو کہ تقلید چھوڑنے میں مَیں کسی مسئلہ یا عقیدہ میں غلطی میں پڑوں ا چنداں نقصان نہیں۔ مسلمان تو رہوں گا۔ کیا آپ کے نزدیک جناب امام اعظم علیہ الرحمہ نے کسی مسئلہ میں غلطی نہیں کی۔ قیامت کے دن جب خدا تعالے مسلمان تیلی جولاہوں، ناخواندہ یا کم علم مسلمانوں کو سزا دینے لگے گا۔ تو بندہ سامنے ہوکر عرض کرے گا کہ جناب باری انصاف فرمایئے کہ اِن بچاروں کا کیا قصور ہے۔ یہہ تو حضور خود بدولت ہی کی تقصیر معلوم ہوتی ہے کہ اُن کو ایسا مذہب دیا تھا، جس کے سمجھنے اور حل کرنے میں جناب قبلہ وکعبہ مولوی سید مہدی علی صاحب جگر گوشۂ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنے تئیں لایق نہیں سمجھتے تھے۔ پھر یہہ بچارے غریب کیا کرتے۔ جناب مذہب اسلام تو آفتاب سے بھی زیادہ روشن اور سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہ کوئی معمّا یا بدر چاچ کا شعر نہیں ہے، جس کے حل کرنے کو مولوی امام بخش صہبائی اور میر حسین معمائی درکار ہوں۔ خدا تو فرماتا ہے "ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتہ" ذرا مہربانی و عنایت سے قرآن کھولکر ملاحظہ فرمایئے۔ اُس میں یہی لفظ ہیں یا بجائے اُسکے یہہ الفاظ ہیں ھو الذی بعث فی الفلسفیین رسولاً الخ۔ بہرحال ملنے کے بعد جو کہو گے مانیں گے۔ جو بات ماننے کی نہ ہوگی، وہ بھی مان لیں گے۔ مولوی معین الدین صاحب کے دوبارہ ارتداد سے نہایت افسوس ہوا۔ اُن سے فرمایئے کہ جناب مولوی صاحب گوز پر گوز اور وضو پر وضو اچھا نہیں ہے۔ بہرحال بہت بڑے عالمِ ربانی ہیں۔ اُن کی خفگی برداشت کرنی چاہیئے اور مجھ شیطان کا بہت بہت سلام عرض کیجے اور فرما دیجے کہ حضرت ہوشیار رہیئے۔ کبھی ایسی ٹنکاری دی ہوگی کہ یاد کروگے۔ جناب مولوی سید امداد علی صاحب کی عنایت و شفقت جو مجھپر ہے، اُس کا حال معلوم ہوا۔ خدا اُن کو خوش رکھے اور وہ درجہ جو خدائی سے بھی بالا ہو، عطا فرمادے۔ الحق ولی را ولی می شناسد۔ شادم کہ من ہم ولی ہستم۔ سبحان اللہ بہ خدائے خود راضی بنودم حالا بر ولایت خود راضی

شدہ ام۔ میری کتاب خطبات احمدیہ ایک
مسلمان عالم متبحر نے پڑھی، جو قسطنطنیہ
سے یہاں آیا ہے۔ جو الفاظ کہ اس نے
کہے اور مجھے لکھے اور جس طرح میرے
ہاتھ چومے، اسکی لذت میں جانتا ہوں۔
اس کے چند مقام ایسے ہیں، جن کو دیکھکر
تا مسلمانان ہند فتوی کفر دیں گے۔
کتاب کے اخراجات کا صدمہ اور عین
اسی صدمہ میں صدمۂ غم انتقال ہمشیرۂ
حامد و محمود کا لاحق ہونا جیسا کچھ مصیبت کا
وقت مجھ پر گذرا، واقعۂ کربلا سے کم
نہ تھا۔ سہ این ہم اندر عاشقی بالائے
غمہائے دگر۔ آپ نے جو الفاظ اپنی محبت
و الفت سے لکھے ہیں، ان کا بہت بہت
شکر کرتا ہوں اور بے تکلف لکھتا ہوں کہ
اب کچھ حاجت نہیں رہی۔ تین ہزار روپیہ
قرض لیا گیا۔ سب بیباق ہو گیا۔ اب آپ
نہ کچھ قرض لیجئے۔ نہ اپنی تنخواہ لیجئے۔ اگر
نواب ٹونک سے درحقیقت روپیہ ملے، تو
وہ بھیجدیجئے گا۔ اسکے سوا اور کچھ نہ بھیجئے گا۔
اگرچہ یقینی وہ نہیں ملنے کا۔ کل جو اخبار لندن
میں چھپے ہیں، ان میں آپ کی گفتگو کا بالکل
اور نواب ٹونک کے ہزار روپیہ دینے کا
ذکر چھپا ہے۔ افسوس ہے کہ ہزار روپیہ کا
اسقدر چرچا ہو گیا اور جناب مولوی سید
امداد العلی صاحب نے مضمون چندہ دہندگی
مسافر لندن بھی لکھدیا اور جو جو کچھ انھوں نے
متعدد جلسوں میں اس کی ہنسی اڑائی، جسکی
صحیح خبر مجھے پہونچی، اس کا بے فائدہ مجھے
رنج ہوا اور آپ یقین جان لیجئے گا کہ وہاں سے
ایک کوڑی نہیں ملے گی۔ یہ آپ کی غلطی
تھی، جو آپ نے اسپر یقین کیا۔ مرزا خداداد
بیگ امتحان میں ناقص نکلے اور بہت
نیچا ان کا نمبر رہا اور آیندہ بھی مجھے توقع
نہیں ہے۔ جس وقت میں آپ کے الفاظ
مجھکو سناتا ہوں، خوشی کے مارے
حلق سے آواز نہیں نکلتی اور آپ کو ہزاروں
دعائیں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا وہ دن کرے
کہ ملازمت ہو۔ بخدمت عالی جناب حافظ جی
صاحب سلام بصد عجز و نیاز پہونچے۔
میں نے ان کو دربار مہدی میں اپنا وکیل
مقرر کر رکھا ہے کہ ہر دم میری شفاعت
کرتے رہیں اور میری نالایق حرکتوں کی
معافی چاہتے رہیں۔ والسلام۔
(خاکسار سید احمد) (از لندن) (۱۰ مئی ۱۸۷۰ء)

۲۲

بخدمت شریف خلیفۂ ظاہری و مرشد حقیقی
و معنوی مولانا مرشدنا مولوی سید مہدی علی
صاحب۔
مخدوم و مکرم من سلامت۔

جو حادثۂ جانکاہ قضا و قدر سے دہلی
میں گذرا اور غالباً جس کی خبر آپ نے
مجھ سے پہلے ہندوستان میں سنی ہوگی
اور جو غم اُس حادثہ کا مجھ پر اور حامد و محمود پر
ہوا، اُس کا آپ خیال کر سکتے ہیں اور فطرتاً
جو حال میری طبیعت کا اندنوں میں ہے
وہ بھی آپ تصور کر سکتے ہیں، مگر بہر حال
شکرِ خدا ہے فقط

آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲۶-اپریل
معہ ہنڈوی تعدادی بیس پونڈ یعنی دو سو
روپیہ کے پھونچا اور آپ کا شکر کیا اور
دعا کی کہ خدا اِس کی جزا دے۔ اِن دنوں
میں کہ طبیعت ایسی رنجیدہ ہے، کتاب
کے خرچ کے نہ سر انجام ہونے کا دوسرا
رنج ہے۔ مجبوری یہاں روپیہ قرض لینا
پڑا، چنانچہ تین ہزار روپیہ قرض لینے
کی گفتگو ہو رہی ہے۔ خدا راست لاوے۔
آیندہ ڈاک میں فہرست لاگت کتاب کی
بھیجوں گا جس سے معلوم ہوگا کہ کسقدر
خرچ ہوا۔ آپ نے اور تمام دوستوں نے
جسقدر مدد کی، وہ نہایت ہی عمدہ اور بہت
ہی غنیمت تھی، ورنہ زہر کھا کر مرجانے
کے سوا اور کچھ چارہ نہ ہوتا؛ مگر اِس نالائق[1]
پاگل زین العابدین نے اب تک اپنا چندہ
بھی نہیں بھیجا۔ آپ اُس کو نہایت تاکید
کیجئے۔ اِس وقت میرے پاس دس روپیہ
بھی کہیں سے آتے ہیں، تو ہزار روپیہ
کے برابر معلوم ہوتے ہیں۔ آپ اپنے
پاس سے اور اپنے ذاتی روپیہ سے
اُس سے زیادہ جو کہ آپ کر چکے ہیں ہرگز
ہرگز مدد نہ کیجئے گا اور آپ نے جو لکھا ہو
کہ میری تنخواہ ملنے والی ہے، وہ میں
بھیج دوں گا، ہرگز ہرگز مت بھیجنا۔ میں
اِسقدر تکلیف اور اِسقدر خرچ میں جو آپ کے
طاقت سے باہر ہے، آپ کو ڈالنا ہرگز
گوارا نہیں کرتا اور نہ اِس طرح پر پڑنا چاہئے۔
علاوہ اِس کے صرف یہی کام نہیں ہے۔
ہم کو اور بہت کام کرنے ہیں، لیکن
کسی کو چندہ میں شریک کرنے یا کتاب کا
خریدار ہم پھونچانے کی کوشش کرنی چاہئے
اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ کوشش بھی
چنداں مفید نہ ہوگی بقول شخصے تا تریاق
از عراق آوردہ شود، مار گزیدہ مُردہ شود۔
اب مجھکو اور میرے حال کو خدا پر چھوڑ
دو فقط

کتاب جلد بندی سے طیار ہو گئی
اور کتب فروش کی دُکان میں فروخت کو
رکھی گئی۔ خدا کرے کہ کچھ بک جاویں
اور اِس بے انتہا مصیبت سے مجھے
کسیقدر سبکدوشی ہو۔ اگر ممکن ہوا تو ابھی

---

[1] ان الفاظ پر تعجب نہ کرنا چاہئے، اس قسم کے الفاظ اُن لوگوں کے حصہ میں آتے تھے جن سے سر سید کو غایت درجہ کی محبت ہوتی تھی اور جن کے ساتھ نہایت بے تکلفی کا برتاؤ ہوتا تھا۔

ڈاک میں، ورنہ آیندہ ڈاک میں ایک
جلد آپ کے پاس، اور ایک ایک
ہر ایک اہلِ چندہ کے نام روانہ کروں گا۔
راجہ صاحب کا میں نے خط
دیکھا۔ جو کچھ اُنھوں نے لکھا ہے
بالکل سچ ہے۔ آپ کا جو غصہ کسی قدر
فرو ہوا، میں اِس سے بہت خوش
ہوا۔ کیسا بُرا خیال تھا کہ بسبب کسی ابتری
خواہ اصلی یا غیر اصلی بد انتظامی کے سبب
آپ سوسیٹی سے علیحدہ ہو جاتے۔
خیر بہر حال جو گذرا، خدا نے خیر کی، مگر
تعجب ہے کہ آپ کو بابو شیوا پرشاد
صاحب کے مسلمانوں کی نسبت چند ہی
کلمات جو کچھ زیادہ سخت نہ تھے،
لکھنے ایسے بُرے معلوم ہوئے، مگر جو
اُنکی یعنی مسلمانوں کی نیک نامی یعنی بدنامی
اور خوبی یعنی بدی ہر روز تمام ہندوستان
کے اخباروں میں چھپتی رہتی ہے اور
کوئی نالایق اور پاجی پن کی حرکت ایسی
نہیں ہے کہ جو مسلمانوں کی نسبت نہیں
لکھی جاتی اور غیر مسافروں نے جو اپنے
سفرناموں میں مسلمانوں کی نالایقیوں کا
حال لکھا ہے، اُس سے آپ کو کیوں
رنج نہیں ہوا۔ صرف اِس کا سبب
یہہ ہے کہ اُن حالات سے آپ کو اطلاع

نہیں ہوتی۔ میری رائے میں آپ
بابو شیوا پرشاد کا جواب جس کے چھاپنے
سے راجہ جیکشن داس بہادر نے انکار
کیا، کسی اخبار میں مت چھپوایئے۔ اِس
باب میں مَیں نے بہت کچھ خیال کیا ہے
اور آپ سے کچھ کہنا اور صلاح کرنی
ہے۔ اِس کے بعد جیسا مناسب ہوگا،
کیا جاوے گا۔ ایک اخبار خاص مسلمانوں
کے فائدے کے لئے جاری کرنا میں نے
تجویز کر لیا ہے اور تہذیب الاخلاق اُسکا
نام فارسی اور انگریزی میں محمدن سوشیل
رفارمر رکھہ لیا ہے۔ اُس کا سرنامہ بہت
خوبصورت یہاں کُھدوا لیا ہے۔ کاغذ بھی
ایک برس کے لایق یہاں خرید لیا ہے
اور یہہ سب چیزیں یہاں سے بذریعہ
جہاز بادبانی روانہ کر دیں کہ میرے
وہاں پھونچنے تک پھونچ جاویں گی۔
خرچ ماہواری اجراے اُس اخبار کا سو
روپیہ ہوگا۔ ہم بیس دوست پانچ پانچ
روپیہ مہینہ کر کر دیں گے اور اخبار مفت
بانٹیں گے اور بقیمت بھی بیچیں گے۔
اُس اخبار میں بجز اِس کے کہ خاص مسلمانوں
کی دینی اور دنیاوی بھلائی کے آرٹیکل
ہوں گے، اور کچھ نہیں ہونے کا۔ اُس
میں مَیں اور آپ دو شخص آرٹیکل لکھنے

والے ہوں گے اور اگر صلاح ہو گئی
تو منشی ذکاء اللہ صاحب کو اور منشی نجم الدین
صاحب ڈپٹی انسپکٹر کو بھی آرٹکل لکھنے
میں شریک کریں گے۔ غرضکہ میں چاہتا
ہوں کہ میرے وہاں پہونچنے تک
آپ کچھ نہ کریں۔ انشاء اللہ تعالےٰ میں
عنقریب وہاں پہونچتا ہوں۔ فقط

میری روانگی کا زمانہ بالکل مقرر
ہو گیا اور سکرٹری آف اسٹیٹ کو اطلاع
دے دی گئی اور منظوری ہو گئی۔ اب
میں انشاء اللہ تعالےٰ معہ حامد یہاں سے
حسب مندرجہ ذیل روانہ ہوں گا۔

۲۸۔ اگست سنہ ۱۸۷۰ء کو انشاء اللہ
تعالےٰ میں لندن چھوڑوں گا۔ ایک
ہفتہ مصر میں رہوں گا اور انشاء اللہ
تعالےٰ مع الخیر ۲۔ اکتوبر سنہ ۱۸۷۰ء کو بمبئی
میں پہونچوں گا اور چوتھی پانچویں کو انشاء
اللہ تعالےٰ الہ آباد میں آپ کے جمال بہار
دیکھوں گا اور آپ کے قدموں کو ہاتھ
لگاؤں گا۔ اُن دنوں میں تعطیل دسہرہ
کی ہو گی۔ ۲۶۔ اکتوبر تک اگرچہ دہلی
جانے کو مطلق دل نہیں چاہتا اور گھر میں
گھسنے کے خیال سے دل پھٹتا ہے؛ مگر
مجبوری بہن اور بھتیجیوں کے سبب
ایک دن کے لئے جانا پڑے گا۔
باقی ایام تعطیل کے کچھ علی گڈہ میں اور
کچھ مرزاپور میں بسر کروں گا۔ امید ہے
کہ تم مجھکو اگر اپنے پاس نہ بیٹھنے دوگے،
تو اپنی جوتیوں کے پاس بیٹھنے دوگے۔
اگر اپنے ساتھ بٹھلا کر نہ کھلانے دوگے،
تو کتّے کی طرح دوسری رکابی میں آگے
رکھدوگے۔ ورنہ اور لوگ تو مجھ کافر کو
روٹی پانی دینا ہی کفر سمجھتے ہوں گے۔
ہزار ہزار شکر ہے کہ میرا خدا ایسا نہ ہوا
جس کی میں لاکھوں تقصیریں کرتا ہوں اور
روٹی دیتا ہے اور کیا عجب ہے بقول
شخصے کہ قیامت کو بھی اپنی مہربانی سے
اپنے دائیں ہاتھ پاس بٹھلا لے؛ لیکن
اگر وہ بھی میرے بھائی بندوں یا میرے
ہم مذہب مسلمانوں کا سا ہوتا، تو میں
کیا کرتا۔ اُس وقت تو مولوی مہدی علی
صاحب کا بھی سہارا نہ رہتا۔ واہ واہ کیا
میری قسمت ہے۔ میرے خدا نے
کیا اچھا خدا مجھکو دیا ہے الحمد للہ علیٰ ذالک فقط

آپ کا فرمان میری عرضی کے جواب
میں جس قدر چھپا میں نے اُس کو متعدد
دفعہ پڑھا اور مزا اُٹھایا۔ آیندہ جو کچھ
اور چھپے گا، اُس کو بھی دل لگا کر پڑھوں گا
اور خوب سمجھوں گا اور اپنی سعادت سمجھے
جانوں گا؛ الا جس قدر میں تمھارے ہاں

مولویوں سے ناراض ہوں، ایسا کسی سے ناراض نہیں۔ زندہ مولویوں اور بالتخصیص و اعظوں کا تو جانی دشمن ہوں اور گذشتہ مولویوں سے سوائے چند کے رنجیدہ ہوں۔ کسی کو سوائے چند کے لکھنے اور کتاب تصنیف کرنے اور کسی بات کے تحقیقات کرنے کا مطلق سلیقہ نہ تھا۔ صرف جنگل میں سے بھلی اور بری، سوکھی اور گیلی لکڑیاں چننے والے تھے۔ خدا اُن پر رحم کرے اور انکی تقلید کرنے والے اندھوں کو خدا ہدایت کرے۔ اگرچہ تم خفا ہوگے، ہو لو، مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جسقدر نقصان اسلام کو تقلید نے پھونچایا ہے۔ اتنا کسی چیز نے نہیں پھونچایا۔ شخص اسلام کے حق میں تقلید شنکھیا سے بھی زیادہ زہر قاتل ہے۔ بلاشبہ ہم نے علما کو مثل یہود و نصاریٰ کے اربابًا من دون اللہ سمجھ لیا ہے۔ خدا اس گناہ سے سب مسلمانوں کو بچاوے آمین اور میرے دوستوں کو اور مولوی مہدی علی میرے پیارے دوست کو سب سے پہلے آمین ثم آمین ثم آمین۔

تم سے اسقدر باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے کہ اگر ہفتہ بھر برابر لکھے جاؤں، تو بھی پوری نہ ہوں گی۔ اسلئے اس عریضہ کو بخدمت جناب حافظ جی صاحب سلام مسنون عجز و نیاز مشحون سے لکھکر ختم کرتا ہوں والسلام۔ آپ کا تابعدار غلام سید احمد، در روز جمعہ تاریخ روانگی خط ۷ ۲۔ مئی سنہ ۱۸۹۸ء

۲۳

مرشدنا و مولانا۔

میں نے آپکے فرمان عالیشان کا ایک حصہ جو ۲۹۔ اپریل کے اخبار میں چھپا، متعدد دفعہ پڑھا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! سبحان اللہ! واہ وا! واہ وا! واہ وا! کیا خوب اور کیا عمدہ ہے، جس پر میں بالکل ایمان رکھتا ہوں اور آیندہ بقیہ مضمون پڑھنے کا نہایت مشتاق ہوں۔ آپ اس بات کے سننے سے خوش ہوں گے کہ جناب راجہ جے کشنداس بہادر اور بابو شیوا پرشاد صاحب کو بھی خطاب وتمغلئے سٹار آف انڈیا مرحمت ہوا۔ یقین ہے کہ اس عریضہ کے پھونچنے سے پہلے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ جو کچھ کہ آپ کو لکھنا ہے، اب سب ملاقات پر منحصر رکھتا ہوں اور بالتخصیص اس لئے کہ آجکل طبیعت نہایت پژمردہ و افسردہ ہے والسلام۔

(خاکسار سید احمد) (از مقام لندن) ۲۔ جون سنہ ۱۸۶۹ء

حافظ جی صاحب کو سلام مسنون پہونچے۔

۲۴

جناب مخدومی و مکرمی۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷۔ مئی پہونچا۔ دل و جان کو تقویت دی۔ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ ان دنوں میں کوئی وقت رنج سے خالی نہیں ہوتا۔ آپ کا عنایت نامہ کسقدر تسکین بخش ہوتا ہے۔ اگر غم غلط ہوتا ہے، تو صرف آپ کے عنایت نامہ سے اور امید ہے کہ ہندوستان میں آپ کے جمالِ مبارک سے غم غلط ہوگا۔ میں نے حسبِ ضابطہ انڈیا آفس میں اطلاع کر دی کہ میں ۲۸۔ اگست کو لندن سے روانہ ہوں گا اور تین چار روز فرانس میں رہوں گا۔ ۲۔ ستمبر کے جہاز میں مارسیل سے سوار ہوں گا۔ ۹ کو اسکندریہ پہونچوں گا اور وہاں اور مصر میں دونوں جگہ صرف ایک ہفتہ قیام کروں گا اور ۱۶۔ ستمبر کو سویز سے پھر جہاز پر سوار ہوں گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ۲۔ اکتوبر کو بمبئی میں اور چوتھی پانچویں کو الٰہ آباد پہونچکر آپ کے دیدارِ فرحت آثار سے مشرف ہوں گا اور یہہ شعر ؎

بازآمدم کہ سجدۂ ایں خاک پا کنم
گر طاعتے قضا شدہ باشد ادا کنم

پڑھکر آپ کے قدموں کو مثل نعلین بوسہ دوں گا۔ اگرچہ آپ کے قدم میرے ناپاک لبوں سے ناپاک ہو جاوینگے! مگر امید ہے کہ آپ مرمت سی دھولینگے۔ خنزیر خود ناپاک ہے! مگر جس پاک چیز کو وہ مَس کرے، دھونے سے پھر پاک ہو سکتی ہے۔ افسوس میں نے غلطی کی، جو اپنے تئیں خنزیر سے تشبیہ دی، وہ تو مجھ سے بہت اعلیٰ ہے۔ خدا نے اُس کو یاد کیا ہے مجھے تو سوائے مہدی علی کے اور کوئی یاد بھی نہیں کرتا (راست بگو چہ تو خدائی من ہستی، وکافر شوم اگر باور نکنم)۔ آپکی تحریرات جو اخبار میں چھاپہ ہوئیں، اُن سے میرا دل اسقدر خوش ہوا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ جو جو مقام مجھکو نہیں کھٹکتے ہیں، اُس سے میرا دل عجیب طرز پر خوش ہوتا ہے۔ جیسے کوئی سوداگر یہہ دیکھے کہ ایک نہایت بیش بہا و بے نظیر ہاتھی اُس کی اوگی میں آن پھنسے اور وہ یقین کرے کہ اب وہ نکلنے والا نہیں۔ جناب قبلہ و کعبۂ من! جب آپنے یہہ قبول کر لیا کہ اسلام اور عقل و نیچر میں مخالفت نہیں، تو کام پورا ہو گیا۔ اب ہم

آپ کی بہادری دیکھیں گے کہ کیونکر تقلید کو تھامے رہتے ہو اور اُس کو لازم ٹھیراتے ہو۔ پہلی ہی بسم اللہ آپ نے تقلید ترک کی کہ ایک لفظ جدید لازم کا نکالا۔ یہہ کیا سبب ہوا کہ اِن الفاظ فرض، واجب، سنت، مستحب میں سے کوئی لفظ کیوں نہ اختیار کیا۔ کیا کوئی نص صریح یا غیر صریح اسکے لئے نہ تھی۔ کیا کہیں حدیث میں اس کا ذکر نہ تھا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ میں نے آپ سے عرائض سابق میں اقرار کیا ہے کہ میں کچھ نہیں لکھنے کا، جب تک تم سے نہ ملوں۔ چنانچہ اُس تاریخ سے کچھ نہیں لکھا۔ یہہ عذرِ بدتر از گناہ اُس سے پہلے کا بھیجا ہوا تھا۔ ایک کام تمھاری مرضی بغیر کیا ہے۔ آج ہی اُس کا پروف آیا ہے بجنسہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ بعد چھاپہ ہو جانے کے کل کاپیاں آپ کی خدمت میں بھیجدوں گا۔ چاہیں آپ تقسیم کریں، چاہیں جلادیں۔ مولوی امداد العلی صاحب نے جو کچھ آپ کو لکھا، اُس سے کیا ہوتا ہے۔ دونوں کی صورت ملالو اور پوچھو کہ چاند کا ساٹکڑا کس کا ہے۔ پھر چاند پر کا تھوکا موںھ پر آتا ہے، مگر مجھکو اپنی شامتِ اعمال پر افسوس ہے کہ مجھ روسیاہ کی محبت سے میرے دوست بھی لعنت ملامت سنتے ہیں۔

خدا اِس کا بدلا دنیا میں دے۔ میری کتاب کی بابت جو ممتاز علی خاں صاحب نے سو روپیہ چندہ کے دیئے، اُسکی جسقدر مجھے خوشی ہوئی ہے، بیان سے باہر ہے۔ یقینی اُن کا حج مقبول ہوا، جو خدا نے اُن کے دل کو میرے پر نرم کیا۔ منشی محمد صدیق صاحب کے چندہ سے بھی خوشی ہے، مگر نہ ایسی، اِس لئے کہ وہ یارِ شاطر اور دوست شفیق ہیں۔ اُن کے باپ کو میں اپنا مخدوم و بزرگ سمجھتا ہوں، مگر معلوم نہیں کہ کیوں اُن کا دل مجھ سے برگشتہ ہو گیا تھا۔ امید ہے کہ حال کی ڈاک میں وہ روپیہ میرے پاس پھونچے گا۔ مجھ پر جو سختی اِس کتاب کے اخراجات کے سبب گذری، اُس کو میرا دل جانتا ہے اور جو سختی آگے گذرنے والی ہے، اُس میں خدا ہی مددگار ہے۔ محمود کی نسبت جو آپنے اپنی محبت سے لکھا ہے، خدا سے امید ہے، کہ وہ ویسا ہی ہوگا۔ اُس کے عقائد مذہب اسلام پر نہایت پختہ و روشن ہیں۔ اُسکے دل کو اسلام کے حق ہونے پر جیسا یقین ہے ویسا کسی چیز پر نہیں، مگر طبیعت نہایت کھلی

ہوئی اور صاف اور آزاد ہے۔ جن جھمیلوں میں آپ پھنسا رہنا چاہتے ہیں، اُن میں پھنسے رہنے کی توقع نہ رکھیے۔ بخدمت جناب حافظ کریم صاحب سلامِ مسنون عجز و نیاز مشحون پذیرا ہو۔ گو میں شفاعت کا قایل ہوں یا نہ ہوں، مگر آپ میری شفاعت جناب مہدی کے دربار میں فرماتے رہیں والسلام

(خاکسار آپ کا غلام سید احمد) (از مقام لندن) (۱۷۔ جون سنہ ۱۸۶۹ء)

۲۵

جناب مخدومی و مکرمی سلامت۔ ایک وقت آپ کے دو عنایت نامے مورخہ ۲۱۔ جون و ۲۴۔ جون معہ دو قطعہ ہنڈویات تعدادی تین سو روپیہ کی پھونچے۔ اگرچہ مجھکو اِس خیال سے کہ دوسو روپیہ جو آپ نے اپنے پاس سے بھیجدیئے، بلاشبہ اُس کے سبب تنگی اخراجات ہوئی ہوگی رنج ہوا، مگر میں آپ سے اُس خوشی اور تقویت کو بیان نہیں کرسکتا، جو اِس روپیہ کے آنے سے ہوئی۔ اِس وقت یہہ روپیہ ایسا غنیمت ہوا ہے کہ میرا دل ہی جانتا ہے حقیقت میں جناب منشی ممتاز علی خاں صاحب کے چندہ دینے سے میرا دل بیانتہا خوش ہوا ہے۔ جو تکلیف کہ میں نے اِس کتاب کی تصنیف کرنے میں اُٹھائی اور جو کچھ آیندہ اُس کے سبب اُٹھانی پڑے، جیساکہ بعض دفعہ خیال ہوتا ہے، اُس سب کا بدلا میں نے پالیا۔ اگر اِس کتاب کی تالیف میں درحقیقت میں نے کچھ ثواب کمایا ہو اور ثواب عبادتِ بدنی کا منتقل بھی ہوتا ہو، تو میں نے کل ثواب بتمامہ منشی ممتاز علی خانصاحب کو بخشدیا۔ برائے خدا تم اپنے پاس سے کچھ مت بھیجو۔ میرے ایجنٹ نے وعدہ کرلیا ہے کہ تمام اخراجات جہاز وہ ویکر ہندوستان پھونچادیگا۔ پس اپنی ذاتِ خاص پر تکلیف گوارا کرنے کی اب ضرورت نہیں رہی ہے اگر ضرورت ہوتی، تو میں بلاشبہ تم کو لکھتا کہ اپنا گھر بیچکر بھیجدو۔ میں اپنے روپیہ میں اور تمھارے روپیہ میں کچھ فرق نہیں سمجھتا۔ میں نے ہر ایک صاحب کے نام، جن کا چندہ آپ نے بھیجا، علاحدہ شکریہ لکھ بھیجے اور ایک ایک کتاب بھی روانہ کردی۔

آپ نے جو کچھ میرے مُردار مرغی کھا
کی نسبت اخبار میں لکھا، آپ یقین کیجیے
کہ اُس نے عجب لطف مجھکو دیا ہے۔
پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کبھی دولتِ عشقِ
مجازی بھی تمکو نصیب ہوئی ہے یا نہیں،
کیونکہ بغیر اِس کے آدمی میں اور مٹی
میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اب جو
مزا آپ کے الفاظ نے دیا ہے،
اُس کی مثال بیان کرتا ہوں۔ بعض
دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عاشق اور معشوق
میں آپس میں خفگی ہو جاتی ہے اور
جوشِ محبت زیادہ ہوتا ہے اور ایک
دوسرے کو ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں سُناتا ہے۔
وہ لفظ تو بظاہر ٹیڑھے ہوتے ہیں؛
مگر اُن سب سے جوشِ محبت اور نہایت
مزہ دار الفت ٹپکتی ہے۔ زہے نصیب
اُس کے جو کسی سے سچی محبت رکھتا
ہو اور ایسے مزہ دار لفظ سُنے۔ اب
جو آپ نے دروازہ بند کر کر کچھ کہنے کا
وعدہ کیا ہے، اِس وعدہ ہی میں جو
لطف آیا ہے، وہ بیان نہیں ہو سکتا۔
خدا بالخیر و عافیت وہ دن لا دے۔
جو کچھ غصہ آپ کو مجھ حرام خور پر درباب
گردن مروڑی مرغی کے ہے، وہ میری
گردن پر، مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں
کہ علمار ترکستان نے بلا کسی تامل کے
اُس کو جائز کیا ہے۔ تمام ترک جنکی خاک پا
ہونے کے بھی ہمکو لیاقت نہیں ہے،
سب بے تامل کھاتے ہیں۔ ایک بہت
بڑے دیندار عالم نے جو ترکستان سے
آیا تھا اور ایسا سخت دین ہے کہ باوجود
میرے اصرار کے فوٹوگراف تصویر
کھنچوانے سے انکار کیا، درباب گردن
مروڑی ہوئی مرغی کے مجھ سے کہا
کہ ہذا قصور النصاریٰ لا باس لنا فی اکلہ
قد احل اللہ لنا طعام اہل الکتاب علاوہ اِسکے
جو شخص احتیاطاً اُس کا مرتکب نہ ہو،
نہایت عمدہ بات ہے؛ مگر اُس کو مسئلہ
شرعی ٹھہرانا اور اُس کے مرتکبین کو
آکلِ حرام قرار دینا نہایت مضر اور اسلام
کے پاؤں پر بدستِ خود تیشہ زدن ہے۔
اِس فقرے کے معنے آپ کی سمجھ میں
نہیں آئیں گے؛ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب
خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر اسکی تفسیر
عرض کروں گا۔ بہ تعمیلِ حکمِ عالی جو عریضہ
سابق میں بخدمت مولوی سمیع اللہ خاں
صاحب میں نے لکھا تھا، غالباً آپ نے
ملاحظہ کیا ہوگا۔ آپ نے جو اپنے عنایت نامہ
میں لکھا ہے کہ دو سو روپیہ اور آنیکی
توقع ہے، اگر وہ آدیں، تو یہاں روانہ

کرنا ضرور نہیں، بلکہ دو سو روپیہ جو
آپ نے پیشگی بھیجدیئے ہیں، اُس
میں مجرا ہو جاویں۔ ۲۰۔ اگست کو میرا
ایجنٹ اطلاع دیگا کہ کسقدر کتابیں فروخت
ہوئیں، اُن کی قیمت بعد منہائی اخراجات
روانگی کتب بہ ہندوستان میرے پاس
آجاوے گی، مگر ظاہرا معلوم ہوتا ہے،
کہ کتابیں بارہ پندرہ سے اب تک زیادہ
نہیں فروخت ہوئیں۔ امید تھی کہ فرانس
اور جرمنی میں بہت کتابیں فروخت ہونگی،
اتفاقاتِ قسمت سے انھیں دنوں میں
ان دونوں ملکوں میں لڑائی شروع ہوگئی
ہے۔ بہت کچھ باتیں لکھنے کو دل چاہتا
ہے، مگر اب سب ملاقات پر منحصر کرتا ہوں
بجز دست بستہ آداب عرض کرتا ہے۔
وہ محمود کے ساتھ رہے گا اور اُسکے
ساتھ کیمبرج جاوے گا۔ محمود کو اپنے
پڑھائی اور اخراجات پورے کرنے کو
علاوہ اُس روپیہ کے جو سرکار سے
ملتا ہے، تین ہزار روپیہ اور درکار ہوگا۔
سو انشاء اللہ تعالے ہندوستان پہونچکر
اُس کے بھیجنے کی تقسیط ماہواری یا بمشقت
بفروختِ گرامی مکان تجویز کروں گا۔
بعد الخدمت جناب حبل المتین من قطیع
من ہذاگاہ حضرت مہدی بیتے جناب حافظ جی
صاحب سلام مسنون قبول ہو والسلام
(خاکسار سید احمد، ۲۸۔ جون سنہ ۱۸۷۰ء،
مقام لندن)

۲۶

جناب مخدومی مکرمی سلامت۔

اب کی ڈاک میں آپ کا کوئی نوازش نامہ
نہیں آیا ہے، مگر بقیہ فرمانِ عالی متعلق
تقلید اخبار میں پڑھکر بے انتہا خوشی
ہوئی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے
معجزۂ احیاء اموات پر یقین کامل ہوا،
کیونکہ لاش تقلید میں جس طرح آپ نے
باعجاز مسیحائی جان ڈالی ہے، وہ معجزۂ
احیاء اموات سے کم نہیں، مگر چند سوالات
جو اُس میں باقی ہیں اور جن کے سبب
میں نہایت شبہ میں ہوں کہ اُس لاش
میں جان آئی یا نہیں، وہ انشاء اللہ تعالے
بوقت حصولِ ملازمت زبانی عرض
کروں گا۔ چونکہ اب میں بالکل پابرکاب
بیٹھا ہوں اور ترددات بیشمار دلپر
ہیں۔ اِس سبب سے جو کچھ دل میں
ہے، وہ لکھ نہیں سکتا۔ حساب چھاپہ
کتاب ملفوفِ عریضۂ ہذا مرسلِ خدمت
عالی ہے۔ اُس کے ملاحظہ سے معلوم
ہوگا کہ کل آمدنی اِس وقت تک ۱۵۰۰ اسٹرلنگ
ہوئی اور خرچ ہوا ۔۔۔ فاضل خرچ

ہوا [illegible] جو روپیہ قرض لیا گیا
تھا، اُس میں سے زرِ فاضل ادا ہوا
الآزاد راہ واسطے مراجعت ہندوستان
کے باقی نہ رہا اور اب جب تک کہ اُدھر
قرض نہ لیا جاوے، مراجعت متعسّر ہے
پس یہہ تردّدات ایسے جانکاہ ہیں کہ
بیان نہیں ہو سکتا۔ دو سو روپیہ
جو آپ کے پاس بابت چندہ جناب
منشی ممتاز علی خاں و منشی محمد صدیق
صاحب کے جمع ہیں، اُن کا اور سو
روپیہ چندہ مولوی زین العابدین کے
آنے کا ہر دم چوں گوش روزہ دار
بر اللہ اکبر است منتظر رہتا ہوں۔ خیر
خدا ہر حال میں مددگار ہے۔ عریضہ
آیندہ میں جو کچھ اِس مصیبت کا حال
ہوگا عرض کروں گا۔ کتابیں مطبوعہ
صندوقوں میں بند ہو رہی ہیں واسطے
روانگی ہندوستان کے۔ اُنکے
محصول وغیرہ میں بھی دو سو روپیہ
سے کم خرچ نہیں ہونے کے۔ اب
زیادہ حالِ تردّدات کا لکھنا ناحق
آپ کو رنج و تردّد میں ڈالنا ہے۔
بخدمت جناب حافظ جی صاحب میرا
سلام مسنون کہیئے اور واسطے حلِّ
مشکلات کے استمدادِ دُعا اُن سے
چاہیئے! مگر مشکل یہہ ہے کہ آپ کا
محمود کہتا ہے کہ ایسے امور سے اور
دعا سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ دعا سے
صرف روحانی فوائد و مدارج حاصل
ہوتے ہیں، نہ دنیوی اور دعا سے
زیادہ اور اکثر فائدہ اُسی شخص کو ہوتا ہے
جو دعا مانگتا ہے اور خدا سے التجا کرتا
ہے، نہ دوسرے شخص کو۔ مجھسے کہنے
لگا کہ ورزش کا زور اُسی شخص میں
آتا ہے، جو ورزش کرتا ہے، نہ دوسرے
میں۔ میں نے کہا تو تو سخت بدمذہب
وہابی ہو گیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ یہہ میری تعلیم اُس کو نہیں ہے۔
یہہ خود اُنھیں حضرت کی طبیعت کی
پیداوار ہے۔ دیکھئے آگے کیا کیا گل
کھلاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ بالکل حقیقت
اور اصلیت اور سچائی مذہبِ اسلام
کی مجھپر کھل گئی ہے اور اب وہ نبوت
اور وحی سے لیکر ادنے ادنے
مسائلِ اسلام کی حقیقت بیان کرتا ہے۔
آج اُس نے کہا کہ میں تو لندن میں
آکر سچا اور پکا اور تصدیقِ قلبی سے مسلمان
ہوا ہوں۔ والسلام

(خاکسار سید احمد (از مقام لندن)
(۵۔ جولائی سنہ ۱۸۶۹ء)

موسیقی اور اسلام

موسیقی ایک علم ہے جسکی بنیاد قوانین فطرت پر ہے اور اُس کے ماہر ہونے کے لئے ریاضیات کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ اِس علم سے اُن آوازوں کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، جو موزوں اور متناسب ہوتی ہیں اور جن سے سُننے والوں کے دلوں پر خوشی یا غم کا اثر پیدا ہوتا ہے۔ موسیقی کے جاننے والے کا فرض ہے کہ وہ آوازوں کی تاثیروں سے خبردار ہو اور اُن کے برتنے اور استعمال میں لانے کی قدرت رکھتا ہو تاکہ سامعین کے دلوں پر حسب خواہش اثر ڈال سکے۔ جو لوگ اِس علم میں کمال رکھتے ہیں، وہ آواز کے ذریعہ سے خوشی، غم، محبت، عداوت، دلیری، بزدلی، وفاداری، بیوفائی، امید، خوف، رحم، غصہ، وغیرہ کیفیتیں سامعین کے دلوں میں پیدا کرسکتے ہیں۔ موسیقی کا اثر جانوروں پر بھی ہوتا ہے۔ بعض جانور راگ کی آواز پر جھومنے اور لہرانے لگتے ہیں۔ بعض خاموش اور ساکت ہوجاتے ہیں۔ بعض چیخنے اور چلّانے لگتے ہیں۔ انسان کیسا ہی سنگدل ہو، اُس کی سختی نرمی سے اور اُس کا غصہ رحم سے بدل جاتا ہے اُسکو اپنی ہستی ناپائدار اور ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ ایذارسانی اور ظلم وستم کا خیال دُور ہوجاتا ہے۔ طبیعت میں عجز وانکسار پیدا ہوتا ہے۔ غرضکہ موسیقی سے انسان کی طبیعت پر نہایت عمدہ اثر پیدا ہوسکتے ہیں۔ عام لوگ جس چیز کو موسیقی کہتے ہیں اور جس کے اثر سے انسان فسق وفجور کی طرف مائل ہوتا ہے اور جو قوائے شہوانیہ کو جنبش میں لاتی ہے، وہ درحقیقت موسیقی نہیں ہے، اُسکو اصطلاح میں غنا کہتے ہیں۔ غنا اور موسیقی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ موسیقی سے روحانی لذتیں انسان کے دل پر طاری ہوتی ہیں، اُس کے دل ودماغ کو ترقی ہوتی ہے، اُس کی صحت جسمانی درست ہوتی ہے اور اُس کے فاسد اخلاق دُور ہوتے ہیں، برخلاف اِسکے غنا جسمانی اور حسی لذتوں میں انسان کو غرق کردیتا ہے، اُسکے ہوائے نفسانی کے شعلوں کو بھڑکاتا ہے اُسکی تندرستی کو برباد کرتا ہے اور اُسکے اخلاق وعادات پر مہلک اثر ڈالتا ہے۔ جن علمار نے موسیقی کے حرام ہونے کے فتوے دیئے ہیں، وہ یقیناً اِس بات سے

بیخبر تھے کہ موسیقی اور غنا میں کیا فرق ہے۔ غنا بیشک اِس قابل ہے کہ حرام کیا جائے؛ مگر موسیقی کے حرام کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قرآنِ مجید میں موسیقی کی نسبت حرام ہونے کا کوئی حکم نہیں ہے، نہ کسی صحیح اور مستند حدیث سے اِس بات کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مطلقاً موسیقی حرام ہے۔ ایامِ جاہلیت میں عرب کی بت پرست [illegible] جو بتوں کے سامنے راگ گاتے اور [illegible] جلاجل بجاتے تھے، یہہ موسیقی کا بُرا استعمال تھا۔ اُس کی مذمت [illegible] اسلام نے بیشک کی ہے؛ مگر اِس سے یہہ کہنا کہ موسیقی مطلقاً حرام ہے، صریح ناانصافی ہے؛ کیونکہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، اُن میں نفع اور ضرر کے دونوں پہلو موجود ہیں۔ اگر اُن کے ضرر پر خیال کیا جاے اور اس لحاظ سے اُنکو حرام کہا جاے، تو ہم دنیا کی ہر چیز سے محروم ہو جائیں گے۔ تلوار اگر مظلوم کی حمایت میں اُٹھائی جائے، تو یہہ اُس کا بجا اور مناسب استعمال ہے؛ لیکن اگر اُس سے ظالم کو مدد دیجائے، تو اُسکو اس بیجا اور نامناسب استعمال سے مطلق تلوار چلانا حرام نہیں ہو سکتا۔

اگر زہر مناسب مقدار میں دیئے جائیں تو اُن سے ہزاروں مہلک اور خطرناک بیماریاں دُور ہو سکتی ہیں؛ لیکن اگر اُنکو بیجا طور پر استعمال کیا جائے، تو اُن سے ہزاروں بیگناہوں کی جانیں تلف ہو سکتی ہیں؛ مگر ایسا کرنا اُن کا بیجا استعمال ہے۔ اِس سے یہہ لازم نہیں آتا کہ مطلق زہروں کا استعمال ممنوع ہے۔

عباسیوں کے عہدِ حکومت میں موسیقی کا فن معراجِ کمال پر پہونچا تھا۔ اُس زمانے میں ہزاروں آدمی موجود تھے، جو موسیقی بھی جانتے تھے اور حدیث و فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے اور اُن کی نسبت کوئی عالم یہہ فتوے نہیں دیتا تھا کہ وہ ایک فعلِ حرام و ناجائز کے مرتکب ہوتے ہیں۔ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے اپنی بے نظیر کتاب "اغانی" میں کثرت سے ایسے مسلمان مردوں اور عورتوں کے حالات لکھے ہیں جنکو فنِ موسیقی میں کامل مہارت تھی۔ امام ابو یوسف جو ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر ممتاز تھے جب خلیفہ کے دربار میں آتے اور راگ سنتے تھے، تو اُن پر نہایت رقت طاری ہوتی تھی۔ قاضی احمد بن ابی دواد کا

قول ہے کہ میں معتصم کے دربار میں مخارق کا گانا سنتا ہوں، تو میرے دل پر عجیب تاثیر ہوتی ہے اور بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو بہ نکلتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے ہمسایے میں ایک شخص رہتا تھا، جو رات کے وقت گایا کرتا تھا اور وہ اُس کا گانا سنا کرتے تھے اور کبھی اُس کو منع نہیں کرتے تھے۔ ابن جریج اور عطاء بن ابی رباح جو مشہور محدث ہیں، دونوں نے گانے اور گانا سُننے کی اجازت دی ہے، بلکہ وہ قرآنِ مجید کو راگ کے لہجہ میں پڑھنے سے بھی منع نہیں کرتے تھے اور اُس کو جائز سمجھتے تھے۔ مدینہ میں عام طور پر موسیقی کا چرچا تھا اور عام و خاص، ادنےٰ و اعلےٰ سب کو اُسکا چسکا تھا۔ ایک دفعہ ہارون رشید نے ابراہیم بن سعد الزہری سے پوچھا کہ مدینہ میں کوئی ایسا بھی ہے، جو راگ کو حرام بتاتا ہو؟ ابراہیم نے کہا: ایسا کون ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا کوئی ہے تو خدا اُسکو ذلیل و رسوا کرے۔ ہارون نے کہا: میں نے سنا ہے کہ امام مالک اس کو حرام بتاتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا: حرام و حلال کا حکم جاری کرنا تو سوائے خدا کے اور کسی کا کام نہیں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی جو کچھ فرماتے تھے، وہ وحی کے موافق ہوتا تھا۔ اپنی رائے کو بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔ امام مالک کو یہہ اختیار کس نے دیا ہے؟ میرے باپ نے ابن حنظلہ کی شادی میں خود امام مالک کو گاتے سنا ہے۔ اگر مجھے یہہ خبر ہوتی کہ وہ گانے کو حرام بتاتے ہیں، تو میں اُنکی اچھی طرح خبر لیتا۔

احادیث و سیر سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار گانا سنا ہے اور اُسکی ممانعت نہیں کی۔ پس جو فقہا گانے اور گانا سننے کو حرام بتاتے ہیں، اُنکے پاس کوئی محکم دلیل نہیں ہے۔ موسیقی نہ پہلے حرام تھی، نہ اب حرام ہے۔ البتہ اُسکو بُرے اور ناجائز کاموں میں لانا جب بھی ممنوع تھا اور اب بھی ہے۔ عقد الفرید کے مصنف نے کیا سچ لکھا ہے کہ جن زاہد و عابد مسلمانوں نے موسیقی سے نفرت ظاہر کی ہے، وہ اس سبب سے نہیں کہ موسیقی حرام ہے؛ بلکہ اس سبب سے کہ وہ دنیا کی تمام عمدہ اور پاکیزہ اور حلال چیزوں کو ترک دنیا اور زہد کے خیال سے ترک کر بیٹھے۔ نہ وہ قیمتی لباس پہنتے ہیں، نہ عمدہ غذا کھاتے ہیں، نہ مال و دولت کی پروا کرتے ہیں، نہ حُسنِ صورت سے تمتع اُٹھاتے ہیں۔ اگر موسیقی سے بھی وہ حظ نہیں اُٹھاتے، تو یہہ سمجھنا چاہیے کہ یہہ بھی اُسی رہبانیت کا اثر ہے اور بس؛ ورنہ اسلام موسیقی کو حرام اور ناجائز نہیں بتاتا۔

(عبد العلی خاں)

چاند حسین صاحب۔ بر بنو سماٹ کے عنوان سے پانچ نظمیں ہیں، جن میں سے آخر کی تین نظمیں بہت اچھی ہیں۔ اس رسالے کے آخر میں انہیں سکے موتیوں سے اشعار منتخب کئے ہیں۔ پھر متفرق اشعار ہیں۔ علاوہ اسکے ہر رسالہ میں ایک عنوان خاتونوں کا ورق بھی ہے، جس میں عورتوں کے متعلق معلومات درج ہوتی ہیں اور جا بجا انگریزی زبان کے مشہور انشاپردازوں کے اقوال بھی ترجمہ کئے گئے ہیں، جن سے اُردو زبان کے انشاپردازوں کو کافی مدد مل سکتی ہے۔ غرضکہ بحیثیتِ مجموعی یہ رسالہ کیا بلحاظ چھپائی اور کاغذ کی صفائی کے اور کیا بلحاظ مضامینِ نثر و نظم کے نہایت عمدگی اور سلیقہ اور خوبی سے مرتب کیا گیا ہے اور ہم کو لائق اور روشن ضمیر اڈیٹر سے امید ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اِس رسالہ کے ہر حصہ اور ہر حیثیت کو ترقی دیں گے۔ اور اُسکو دلچسپ سے دلچسپ تر بنانے کی کوشش میں کامیاب ہوں گے۔ ہم اپنے دوست کو دل سے مبارکباد دیتے ہیں کہ اُنھوں نے اُردو زبان میں ایک ایسے پاکیزہ اور عمدہ اور مفید اور دلچسپ رسالہ کے نکالنے کی کوشش کی ہے، جو بہت ہونہار ہے اور جس سے ہماری زبان کو مغربی انشاپردازوں کے خزانہ سے مدد ملنے کی بہت بڑی توقع ہے۔ اِس رسالہ کی قیمت ولائتی کاغذ پر مع محصولڈاک ہے اور دیسی کاغذ پر ہے اور اڈیٹر صاحب کی خدمت میں درخواست کرنے سے مل سکتا ہے (اڈیٹر معارف)

حیاتِ جاوید

یعنی

سرسید کی لائف

مصنفہ

مولانا خواجہ الطاف حُسین حالی مدظلہ العالی

جس کا ملک ایک بیتابانہ اشتیاق کے ساتھ انتظار کر رہا تھا نامی پریس کانپور سے نہایت آب و تاب کے ساتھ چھپکر نکلی اور شائع ہو رہی ہے۔ مولانا نے برسوں کی محنت اور جانکاہی کے بعد اِس بے نظیر کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اور اسمیں ذرا بھی شُبہ نہیں ہے کہ یہ کتاب اُنکی تمام تصنیفات سے بالاتر اور اعلےٰ تر ہے۔ اُس کے ایک حصہ میں مولانا نے سرسید مرحوم و مغفور کے حالات زندگی مفصل بیان کئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں اُن کے تمام ورکس پر ریویو کیا ہے اور بتایا ہے کہ سرسید کی کامیابی اور ترقی کا راز کیا تھا۔ تیسرے حصہ میں ۱۵ ضروری ضمیمے ہیں، جنکے بغیر یہ کتاب ناکمل ہوتی۔ سرسید کی سب سے آخری تصویر بھی نہایت ہی عمدہ ہے، کتاب کے اول میں چسپاں کی گئی ہے۔ مضامین کتاب کی

معارف

نمبر ۶	جون ۱۹۰۱ء	جلد ۴
قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصول ڈاک ۵ر	مقام اشاعت: دفتر معارف پانی پت	قیمت سالانہ مع محصول ڈاک للعہ

فاروقی پریس دہلی میں سید عبدالسلام منیجر کے اہتمام سے طبع ہوا

حیاتِ جاوید

یعنی

سرسید کی لائف

مصنفہ

مولانا خواجہ الطاف حسین حالی

جس کا ملک نہایت بیتابی اور شوق سے انتظار کر رہا تھا، نامی پریس کانپور سے چھپکر نکلی اور شایع ہو رہی ہے۔ اسکی ضخامت ایک ہزار صفحہ سے زائد ہے۔ حصۂ اول میں سرسید کی زندگی کے واقعات و حالات بقیدِ تاریخ ترتیب وار درج ہیں۔ حصۂ دوم میں سرسید کی سرکاری، مُلکی، قومی اور مذہبی خدمات اور تصنیفات پر نہایت مفصل ریویو کیا گیا ہے۔ اِس کتاب کو جو سات برس کی متواتر محنت اور جانکاہی سے تیار ہوئی ہے، مولانا کی تصنیفات میں سب سے اعلےٰ اور ماسٹرپیس کہا جا سکتا ہے۔ (علی گڈہ میں (منیجر ڈیوٹی شاپ۔ مدرسۃ العلوم) سے اور دہلی) میں (مولوی خواجہ عبدالعلی۔ حویلی میر افضل متصل کوچۂ پنڈت) سے درخواست کرنے پر مل سکتی ہے۔ (قسمِ اول مع جلد ولایتی کی قیمت عـہ/ اور قسمِ دوم کاغذ ولایتی کی قیمت صہ ہے۔

جلدِ دوم معارف

معارف کی پہلی جلد کے متفرق پرچے دفترِ معارف میں موجود ہیں، مگر دوسری جلد کے پورے بارہ پرچے (یکم جولائی ۱۸۹۹ء سے یکم جون ۱۹۰۰ء تک) مل سکتے ہیں۔ اِس جلد میں جو ۲۲×۹ کی بڑی تقطیع کے (۳۸۴) صفحات پر مشتمل ہے، نہایت اعلےٰ اور پاکیزہ اور دلچسپ مضامین درج ہیں۔ اِس جلد کی قیمت للعہ، مع محصول ڈاک ہے۔

جلدِ سوم معارف

اِس غرض سے کہ حضرات خریداران معارف کو حساب فہمی میں کوئی غلطی واقع

ایڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم مقام
اشاعت: دفترِ معارف پانی پت
عام خریداروں سے قیمت سالانہ
معہ محصولِ ڈاک للعہ قیمت فی
پرچہ نمونہ معہ محصولِ ڈاک ۵ر

معارف

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص
یا انجمن یا مدرسے کے لئے کم نہیں ہو سکتی

یہہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو شائع
ہوتا ہے اسمیں علمی فلسفی، اخلاقی، مذہبی
ملکی تمدنی تاریخی اور ادبی مضامین نکلتے
ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کی عمدہ نظمیں
اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے۔

قیمت نقد بھیجئے یا ویلیوپے ایبل کی اجازت دیجئے۔ نمونہ کے لئے ٹکٹ ارسال کیجئے۔ نام اور پتہ صاف لفظوں
میں لکھئے۔ پتہ بدلنے پر فوراً مطلع کیجئے۔ خط و کتابت یا ارسال زر اڈیٹر کے نام بھیجئے۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجئے

نمبر ۶	جون ۱۹۰۱ء	جلد ۴

حیاتِ جاوید

یعنی

سرسید کی لائف

پر

ریویو

ترکی زبان کے نامور شاعر نامق کمال بے
نے اپنے چند اشعار میں یہہ مضمون درج
کیا ہے کہ "ایک انسان کی زندگی دوسرے
انسان کے لئے روشنی کی مینار کی طرح ہے
جو سمندر کے کنارے پر ڈوبتے جہازوں کو
اشارہ کرتا ہے کہ جلد بھنور سے نکل جاؤ۔
مبارک ہیں وہ جو اس اشارہ کو سمجھتے ہیں
اور اپنی زندگی کے جہاز کو خطرناک چٹانوں سے
بچا کر نکل جاتے ہیں"

زندگی کا سب سے عمدہ سبق نیکیوں کا
اثر قبول کرنا اور بدیوں کے نتیجہ سے خبردار
ہونا ہے۔ اِسمیں کچھ شک نہیں کہ یہہ اشارہ
ہر شخص کے واقعاتِ زندگی میں موجود ہے
اور ایک کی زندگی دوسرے کے لیے عبرت کا
تازیانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہذب قوموں میں
ہر طبقہ اور ہر پیشہ اور ہر جنس کے لوگوں کی
لائف لکھی جاتی ہے اور کوئی لائف ایسی نہیں ہے
جس سے یہہ سبق حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ تمام
حکما اور فلاسفہ اِس بات پر متفق ہیں کہ ہر
انسان کی طبیعت میں نقل کرنے اور تقلید
کرنے کا میلان موجود ہے اور وہ اپنے
گرد و پیش کے انسانوں کے بُرے یا بھلے
افعال سے ہمیشہ متاثر ہوتا ہے۔ اگر

میلان قدرتی طور پر اُسمیں موجود نہ ہوتا تو
تربیت کے تمام قاعدے بالکل فضول
اور بیکار تھے اور ممکن نہ تھا کہ اخلاق و عادات
میں کوئی تبدیلی ہو سکتی۔ اسی میلان کے
سبب سے جب ایک انسان دوسرے
انسان کی زندگی کے جاری واقعات پر
نظر دوڑاتا ہے اور اُس کی نیکیوں اور
بدیوں کا موازنہ کرتا اور اُنکے نتائج پر غور
کرتا ہے، تو اُسکو اپنی طبیعت میں جلد جلد
تبدیلیاں محسوس ہوتی ہیں اور وہ اِس
بات پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ جن افعال کے
مفید نتائج ہوں، اُنکی تقلید کرے اور جنکے
نتائج مُضر ہوں، اُن سے اپنے تئیں
محفوظ رکھے تاریخ میں بیشمار مثالیں
موجود ہیں، جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے
کہ ایک کی زندگی کے حالات پڑھکر دوسرے نے
اُسکے کاموں کی تقلید کی اور اُسکی زندگی
بھی اُس پہلے شخص کی زندگی کے سانچے میں
ڈھل گئی۔ پس ہر شایستہ قوم کا فرض ہے
کہ اپنے افراد کے واقعاتِ زندگی کو قلمبند
کرے اور اُنکے بُرے اور اچھے کاموں
اور اُنکے نتائج کا دفتر تیار کرے، تاکہ
اُس قوم کے لئے ہدایت اور عبرت کے
کافی نمونے موجود ہو جائیں اور اُنکو زندگی
کی ہر منزل اور ہر حالت کی رہبری اور رہنمائی میں کوئی دقت پیش
نہ آئے۔

(یورپ میں لائف نویسوں کا ایک
گروہ اِس بات پر اعتقاد رکھتا ہے کہ جب تک
ہیرو کی خوبیوں اور نیکیوں کے ساتھ اُسکے
عیبوں اور بُرائیوں کو بھی درج نہ کیا جائے
اُس کی زندگی کے واقعات دوسروں کی
زندگی کے لئے رہنمائی کا کام نہیں کر سکتے
وہ کہتے ہیں کہ ہر لائف نویس کا فرض ہے
کہ جس شخص کی زندگی کے حالات قلمبند کرے،
اُسکے عمدہ اور مفید کاموں کے ساتھ اُسکے
معیوب اور قابلِ نفرت افعال کی بھی تشریح
کرے اور بالمقابل دونوں قسم کے افعال کے
نتائج بیان کرے، تاکہ پڑھنے والے جہاں
اُسکی خوبیوں اور بھلائیوں سے متاثر ہوں، وہاں
اُسکے عیبوں اور بدیوں سے بھی متنفر
ہو جائیں۔ اِسکے برخلاف دوسرا گروہ یہ
کہتا ہے کہ انسان باوجود نتائج سے
آگاہ ہونے کے بُرائیوں اور بدیوں کی
طرف زیادہ دوڑتا اور نیکیوں اور بھلائیوں کا
اثر دیر میں قبول کرتا ہے، اِسلئے برائیوں
اور بدیوں کے نمونے لوگوں کی نظر کے
سامنے پیش کرنے سے اِسکے سوا کوئی
نتیجہ نہیں ہے کہ نیکیوں اور بھلائیوں سے
اثر پذیر ہونے میں اُنکو بہت زیادہ عرصہ
درکار ہوگا۔ ہم پہلے گروہ کے طرفدار ہیں

اور اُسکی رائے کو زیادہ مدلل اور مستحکم پاتے ہیں؛ مگر اسکے ساتھ ہی ہم یہہ کہنے سے بھی باز نہیں رہ سکتے کہ لائف نویس جب دونوں قسم کے افعال پر نظر ڈالے اور نکتہ چینی کا فرض ادا کرے، تو اُسکو یہہ لازم ہے کہ اُنھیں افعال کو زیرِ نظر رکھے، جن کا کوئی اثر پبلک تک پھونچتا ہے اور جو لوگوں کی ذات ہی پر محدود نہیں رہتے۔ ذاتی افعال کو بیان کرنے سے جن کا اثر انسان کی ذاتی حالت پر پڑتا ہے، خواہ وہ افعال اچھے ہوں، یا بُرے، کوئی معتدبہ فائدہ نہیں ہے اور ایسے افعال کو قوم کی تاریخ سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ کیونکہ جب یہہ بات مسلم ہے کہ افراد انسان کی زندگی کے حالات و افعال ملکر قوم کی زندگی کی تاریخ کو مرتب کرتے ہیں، تو جن حالات و افعال کا نمایاں اثر پبلک تک نہیں پھونچتا، اُن کا بیان کرنا بے سود ہے۔ جب لائف نویس اپنے ہیرو کے ہر قسم کے اُن افعال کو جن سے قومی زندگی پر کوئی اثر پھونچتا ہے، انتخاب کرلے، تو بیشک اُس پر یہی لازم ہے کہ وہ دونوں قسم کے افعال کے نتائج کو بالمقابل بیان کرے اور اسمیں ذرا شک نہیں ہے کہ اس قسم کی لائف سے قومی تاریخ کو مدد ملتی ہے اور وہ افراد قوم کے لئے ہدایتوں اور نصیحتوں کا ایک نہایت عمدہ مجموعہ ہوتی ہے۔

دنیا کی تاریخ میں دو قسم کے آدمی بہت زیادہ نمایاں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں، جو ادنے حالت سے عروج کرکے اعلے درجہ پر پھونچے۔ دوسرے وہ ہیں، جنھوں نے اعلے حالت سے تنزل کرکے اپنے تئیں ادنے درجہ پر پھونچایا۔ دونوں قسم کے آدمیوں کی زندگی میں حرکت اور جنبش پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے، کہ اُن کی حالت پر ہر شخص کی نظر پڑتی ہے اور اُن کی زندگی سے ہر شخص متاثر ہوتا ہے۔ دوسری قسم کے آدمیوں کی زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے، تو اُس سے عبرت کے سوا کوئی سبق حاصل نہیں ہوتا؛ مگر پہلی قسم کے آدمیوں کے واقعات و حالات پڑھنے سے ہر شخص کو وہ ذریعے معلوم ہوتے ہیں، جن سے اُن آدمیوں نے ترقی کی اور وہ ہدایتیں حاصل ہوتی ہیں؛ جن سے اور آدمی بھی ادنے حالت سے اعلے حالت تک پھونچ سکتے ہیں۔ پس پہلی قسم کے آدمیوں کی لائف بہ نسبت دوسری قسم کے آدمیوں کی لائف کی زیادہ مفید ہوتی ہے اور قومی ترقی و تربیت کے لئے اس قسم کی لائفیں زیادہ

کارآمد ہوتی ہیں۔

جس قوم کے لٹریچر میں ایسی لائفوں کا سلسلہ موجود ہے، وہ درحقیقت نہایت خوش نصیب ہے اور اُسکی ترقی کی پیشین گوئی کی جاسکتی ہے۔ یورپ کی ہر چھوٹی سی چھوٹی قوم میں اگر ایسی لائفیں تلاش کی جائیں، تو کثرت سے ملیں گی؛ مگر افسوس ہے کہ ہماری قوم کا لٹریچر اُن سے خالی ہے ابھی چند ہی روز ہوئے ہیں کہ ہماری قوم کو لائف نویسی کا شوق ہوا ہے۔ اب تک جس قسم کی لائفیں تیار ہوئی ہیں وہ زیادہ تر اُن اشخاص کی ہیں، جو زمانہ گذشتہ میں تھے۔ اُن میں بعض سلاطین بعض وزرا اور بعض علما اور مصنفین ہیں؛ مگر گذشتہ اشخاص کے حالات کتابوں میں اسقدر تفصیل سے نہیں مل سکتے، جن سے کوئی ایسی لائف تیار ہوسکے، جو قوم کی ہدایت کے لیے مفید ہو۔ اگر اُن میں کوئی ایسا بھی ہو، جو ادنےٰ حالت سے اعلےٰ حالت تک ترقی کر گیا ہو، تو لائف لکھنے والا تاریخ سے مدد لیکر یہہ نہیں بتا سکتا کہ وہ کن ذریعوں سے اُس حالت تک پہونچا اور اُسکی کامیابی کے اسباب کیا تھے اور وہ ذریعے اور اسباب زمانۂ حال میں بھی کسی شخص کی ترقی و کامیابی کے لیے مہیا ہوسکتے ہیں یا نہیں۔ محض یہہ بیان کرنا کیا مفید ہوسکتا ہے کہ فلاں بادشاہ کے زمانہ میں اسقدر معرکے پیش آئے، اسقدر ملک فتح ہوئے۔ فلاں وزیر اسقدر زمانہ تک وزارت کے کام پر رہا اور وہ یکایک کنج خمول سے نکلکر ناموری کے درجہ پر پہونچگیا۔ فلاں مصنف نے اسقدر کتابیں لکھیں اور اُن میں اس قسم کے مضامین درج ہیں۔ ہربرٹ اسپنسر نے سچ لکھا ہے کہ واقعات کی فہرستیں تیار کرنا دلچسپ ضرور ہے؛ مگر اُسکے مفید کہنے میں تامل ہے؛ پس جب تک کسی شخص کی لائف میں وہ امور تفصیل کے ساتھہ نہ بیان کیے جائیں جن کو پبلک سے تعلق ہے اور اُنکے اسباب و نتائج کی تشریح نہ کی جائے اور یہہ نہ بتایا جائے کہ اُن امور کی طرف ہیرو کی توجہ کیونکر مائل ہوئی، اُس لائف کا عدم و وجود برابر ہے۔

ہماری زبان میں آج تک کوئی لائف جو اِن شرائط و قیود کے ساتھہ لکھی گئی ہو، ہماری نظر سے نہیں گذری؛ مگر اِس وقت ہم اپنے تئیں نہایت خوش قسمت سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی ہی لائف ہمارے سامنے میز پر موجود ہے اور اُس کا نام حیاتِ جاوید ہے اسکے

مصنف ہمارے مخدوم مولانا خواجہ
الطاف حسین حالی مدظلہ العالی ہیں جنھوں نے
اس کتاب میں سر سید مرحوم و مغفور کی
زندگی کے حالات و واقعات نہایت
تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں اور
اُن کے تمام وَرکس کو مفصل بیان کرنے کے
بعد اُنکی ترقی اور کامیابی کے اسباب پر
نہایت طویل بحث کی ہے۔ یہہ وہی کتاب ہے
جس کی ایک مدت دراز سے شہرت تھی
اور جس کا ملک کو نہایت بیتابی اور اشتیاق
کیساتھ انتظار تھا اور جس کا دیباچہ ہم "معارف"
یکم مارچ سنہ ۱۸۹۹ء میں چھاپ چکے ہیں۔
یہہ کتاب ایک ہزار سے زیادہ صفحوں پر
تمام ہوئی ہے اور نہایت صفائی اور
لطافت اور خوبی اور نفاست سے
چھاپی گئی ہے۔ کانپور کا نامی پریس جسکے
مالک و مہتمم ہمارے دوست منشی رحمت اللہ
صاحب رعد ہیں اور جو اپنے کام کی
پاکیزگی اور عمدگی میں ہندوستان کے
تمام اردو پریسوں پر سبقت لے گیا ہے،
یہہ بے نظیر اور ضخیم کتاب بھی اسی نے
چھاپ کر شائع کی ہے۔ جب ہم کتاب کے
سرورق کو اُلٹتے ہیں، تو سب سے
پہلے ہماری نظر اُسکی مفصل فہرستِ مضامین پر
پڑتی ہے، جو پورے آٹھ صفحوں پر
ختم ہوئی ہے۔ اسکے بعد یکایک
اس کتاب کے ہیرو کی تصویر نظر آتی ہے،
جس کے دیکھنے سے ہر شخص قبل اسکے
کہ اس کتاب کے مضامین سے آگاہ ہو،
ہیرو کی عظمت اور جلال سے متاثر ہوتا ہے۔
یہہ وہی تصویر ہے، جسکے بعد کوئی تصویر
سر سید کی نہیں لی گئی اور جو ہمارے
اصرار سے سر سید نے اپنی وفات سے
چند روز پہلے دہلی کے نامی فوٹوگرافر
ایچ۔ اے۔ مرزا سے کھچوائی تھی اور اب
انڈین پریس الہ آباد نے اُسکو انلارج
کر کے اس کتاب کی تقطیع کے موافق
چھاپا ہے۔ اس تصویر کے نیچے سُرخ
رنگ کے نہایت خوبصورت اور جلی
حرفوں میں یہہ الفاظ چھاپے گئے ہیں
"جواد الدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سر سید احمد خاں
مغفرلہ" اسکے بعد کتاب کا دیباچہ شروع
ہوتا ہے، جو (۱۴) صفحوں پر مشتمل ہے۔
دیباچہ کے بعد کتاب کا پہلا حصہ شروع
ہوا ہے، جس میں سر سید کی زندگی کے
واقعات نہایت تفصیل سے چھہ باب
اور (۳۰۶) صفحوں میں بیان کئے گئے
ہیں۔ پھر کتاب کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے،
جو (۵۵۸) صفحوں میں تمام ہوتا ہے
اور جس میں سر سید کی زندگی کے حالات،

تصنیفات اور اُنکے تمام کاموں پر ریویو کیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ کے آخر میں انڈکس ہے، جس میں حروف تہجی کی ترتیب سے وہ تمام اسما اور اعلام درج کئے گئے ہیں، جو اِس کتاب میں جا بجا آئے ہیں اور بعض اہم مضامین کے مختصر اشارے بھی ہیں اور ہر نام یا سرخی کے سامنے حصۂ اوّل و دوم کے اُن صفحات کے ہندسے بھی دیے گئے ہیں، جن میں وہ نام یا مضمون آیا ہے۔ اِسکے بعد سرسید کی لائف کے متعلق پانچ ضمیمے شامل کئے گئے ہیں، جن میں سے پہلا ضمیمہ سرسید کے نسب نامہ کا ہے۔ دوسرے ضمیمہ میں سرسید کی تصنیفات کی فہرست ہے۔ تیسرے ضمیمہ میں سرسید کے چند خواب ہیں، جو خود سرسید نے لکھوائے تھے۔ چوتھے ضمیمہ میں سرسید کا مشہور رسالہ "اسباب بغاوت ہندوستان" چھاپا گیا ہے، جو اب نایاب ہے اور سرسید کی زندگی میں کبھی اُسکے دوبارہ چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ پانچویں ضمیمہ میں ایک مضمون ہے جس کی سرخی یہ ہے "قرآن مجید میں اب نئی تفسیر کی گنجائش باقی ہے یا نہیں؟" یہ وہی مضمون ہے جو یکم دسمبر ۱۸۹۹ء کو "معارف" میں چھاپا گیا تھا۔

اِس کتاب کے دیباچہ میں، جسکو "معارف" کے ناظرین اِس کتاب سے پہلے مطالعہ کر چکے ہیں، مولانا نے اوّل نہایت عمدگی اور خوبی سے اِس بات پر بحث کی ہے کہ قوم کے موجودہ حالات اور ضروریات کے لحاظ سے اُس کی رہنمائی کے لئے قدیم بادشاہوں، وزیروں، سپہ سالاروں، عالموں اور مصنفوں کی زندگی کے حالات جو اب تک مدون نہیں ہیں۔ اُنھوں نے جو وجوہ اُسکی بیان کی ہیں اُنکو تسلیم کرنیکے بعد ہم اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ ہمارے اسلاف کی زندگی کے حالات ہماری کتابوں میں اسقدر مختصر ملتے ہیں کہ انکے جزئی افعال و اقوال کو اگر ہم چاہیں تو صرف اِس کام میں لاسکتے ہیں کہ سموئیل کی اُن کتابوں کی طرح جنمیں اُس نے یورپ کے اقوال و افعال بطور مثال کے اپنے اخلاقی اور تمدنی مضامین میں درج کئے ہیں، ہم بھی ایسی کتابیں تیار کریں جن میں اخلاق و معاشرت کی اصلاح پر بہت سے مضامین ہوں اور اُن میں اپنی ہی قوم کے لوگوں کے اقوال و افعال کو بطور مثالوں کے درج کریں۔[۱] یہ نہیں ہوسکتا کہ ہماری کتابوں میں جو حالات گذشتہ اشخاص کے جستہ جستہ پائے جاتے ہیں، اُن سے کوئی ایسی مفصل لائف ہم تیار کرسکیں، جو ہماری قوم کی

[۱] ہمارے دوست مولوی حبیب الرحمن خاں شیروانی رئیس حبیب گنج ضلع علی گڈھ نے "علماے سلف" کے نام سے ایک کتاب اسی طرز کی تصنیف کی ہے جسپر ہم اس سے پیشتر ریویو کرچکے ہیں۔

موجودہ ضروریات و حالات کے لحاظ سے
ہماری رہبری کرسکے اور جس میں ہیرو کے
وہ تمام افعال اور اُنکے نتائج بیان کئے
جائیں، جن کا اثر قومی زندگی پر پڑتا ہے۔
اِس کے علاوہ جیسا کہ ہم بیان کرچکے
ہیں، ہم کو ایسے اشخاص کی حالاتِ زندگی
کے مطالعہ کرنے کی سخت ضرورت ہے،
جو ادنےٰ درجہ سے اعلےٰ درجہ پر اپنی
ذاتی محنت اور لیاقت سے پہونچے
اور ہم کو اُن ذرائع و اسباب کی مفصل
کیفیت جاننے کی حاجت ہے، جن سے
وہ کامیابی اور ترقی کی منزلوں کو طے
کرگئے اور یہہ ممکن نہیں ہے کہ اس
مطلب کے لیئے ہماری تاریخوں میں
کافی مٹیریل مل سکے۔ پس ہماری قوم کے
لائف نویسوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہی
زمانہ کے نامور اشخاص کی لائف لکھنے کی
کوشش کریں اور اُنکی زندگی کے ہر
پہلو پر نظر ڈالیں اور اُن کے حالات و
واقعات کو جمع کریں اور اُن کے
اسباب و نتائج کو مفصل بیان کریں۔
دیباچہ میں مولانا نے جہاں وجہِ تالیف
بیان کی ہے، اِس بات پر افسوس کیا ہے
کہ ہماری قوم میں خدا کے فضل سے
ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں، جو

سرسید کے کاموں کی دل سے قدر
کرتے ہیں اور اُنکی لائف کو قوم کے
حق میں مفید سمجھتے ہیں اور اگر کوئی لائف
لکھے، تو اُس پر نکتہ چینی کرنے کو تیار ہیں،
مگر اُس کا لکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔
مولانا کا یہہ لکھنا سچ اور بالکل سچ ہے۔
ہم کو ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اگر سرسید
مرحوم و مغفور یورپ میں پیدا ہوتے، تو
اُنکی وفات پر سینکڑوں آدمی اُنکی لائف
لکھکر شائع کرتے اور اِس وقت تک
اُنکی لائف کی لاکھوں جلدیں پبلک میں
فروخت ہو چکتیں، مگر جبکہ ابھی ہماری
قوم کی ترقی کا آغاز ہے اور ہمارے
لٹریچر کی صبح اوّل طلوع ہوئی ہے اور
قوم کا بڑا حصہ تعلیم سے محروم ہے،
تو ہم کو اُن دو چار مصنفوں سے کوئی
شکایت نہیں ہوسکتی، جو حسنِ اتفاق سے
ہماری قوم میں پیدا ہوگئے ہیں اور
جنھوں نے اپنی طبیعت اور مذاق کے
مناسب مضمون تصنیف و تالیف کے لئے
اختیار کرلئے ہیں۔ جب ہماری قوم میں
تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک جم غفیر سا ہوجائیگا
اور وہ سب عمدہ کتابوں کے قدر کرنیوالے
ہوں گے، تو ہر مضمون پر لکھنے والوں کی
تعداد بھی بڑھ جائیگی، کیونکہ یہہ مسلم اصول ہے

کہ بغیر ڈمانڈ کے سپلائی نہیں ہوسکتی۔ بالفعل تو ہمکو اس بات کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ جس مضمون پر مولانا نے قلم اٹھایا ہے، اُسکے لئے موجودہ مصنفوں میں کوئی اُن سے زیادہ موزوں نہیں تھا۔

وجہ تالیف بیان کرتے کے بعد مولانا نے سرسید مرحوم و مغفور کی اُن مختلف حیثیتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جو اُنکی ذات بابرکات میں قدرت نے جمع کردی تھیں اور یہہ عذر کیا ہے کہ ہر حیثیت پر کما حقہٗ گفتگو کرنا اُسی مصنف کا کام ہے، جو سرسید کے برابر جامع حیثیات ہو، مگر ہمارا خیال اس سے مختلف ہے۔ یورپ میں بھی ایسے نامور اشخاص ہو گزرے ہیں اور اب موجود ہیں، جن میں مختلف حیثیتیں پائی جاتی ہیں۔ اُنکی لائف لکھنے کے لئے کوئی پبلشر ویسی ہی مختلف حیثیتوں کے مصنف کو تلاش نہیں کرتا، جیسی کہ اُن اشخاص میں تھیں؛ بلکہ یا تو ہر حیثیت پر جدا کتاب لکھوائی جاتی ہے اور اُسپر وہی شخص قلم اٹھاتا ہے، جس میں خاص وہ حیثیت موجود ہو، یا ایک ایک حیثیت پر اُسی حیثیت رکھنے والے مصنف سے مضمون لکھوایا جاتا ہے۔ ہم اُن تمام مضامین کو ہیرو کے حالات زندگی کے ساتھ شامل کرکے ایک کتاب مرتب کردی جاتی ہے۔ چنانچہ حال میں پروفیسر ہکسلی کی لائف اسی طریقہ سے لکھی گئی ہے۔ سرسید مرحوم و مغفور کی وفات کے بعد پروفیسر مارین نے جو اب مدرسۃ العلوم علی گڈہ کے پرنسپل ہیں، اسی بنا پر کالج میگزین کیلئے تین مضمون لکھوائے تھے۔ ایک مضمون "سرسید اور پالٹیکس" کے عنوان سے خود اُنھوں نے لکھا تھا۔ دوسرا مضمون جو "سرسید" اور مذہب" کے عنوان سے تھا، اُنھوں نے مولانا سے جو اس کتاب زیر بحث کے مصنف ہیں، لکھوایا تھا۔ تیسرا مضمون "سرسید اور اردو لٹریچر" کی سُرخی سے تھا اور وہ مولوی شبلی صاحب سے لکھوایا گیا تھا۔

پس جبکہ یورپ میں بھی جامع حیثیات اشخاص کی زندگی کے ہر پہلو پر مختلف اشخاص قلم اُٹھاتے ہیں، تو کون شخص ہے، جو اس ملک میں کسی مصنف سے یہہ توقع رکھ سکتا ہے کہ وہ ایک جامع حیثیات انسان کی مختلف حیثیتوں اور اُسکے مختلف کاموں پر صحت کے ساتھ ریویو کرسکتا ہے۔ اوّل تو ہماری قوم میں مصنفوں ہی کی تعداد بہت کم ہے۔ پھر اُن میں ہر مذاق

اور ہر فن کے جاننے والوں کو تلاش کرنا
تاکہ وہ کسی جامع حیثیات انسان کی ہر
حیثیت پر کامل طور سے بحث کر سکیں،
اور بھی فضول امر ہے۔ اس صورت میں
مولانا کو ہمارے نزدیک کسی عذر کرنے کی
حاجت نہیں ہے۔ اور جو کچھ ہر حیثیت پر
اُنھوں نے لکھا ہے، وہ بھی ہمارے لیئے
غنیمت ہی نہیں، بلکہ ہماری توقع سے
بہت زیادہ ہے،

اس کے بعد مولانا نے سرسید کے
خیالات و مقالات پر نکتہ چینی کا وعدہ کیا
ہے اور ایک حد تک اُنھوں نے نکتہ چینی
کی ہے، چنانچہ اسی دیباچہ میں وہ لکھتے
ہیں کہ "سرسیّد کے معصوم ہونے کا نہ
ہم کو دعوے ہے اور نہ اُس کے ثابت
کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں" ایک اور
مقام پر وہ لکھتے ہیں کہ "سرسیّد نے
اس تفسیر میں جابجا ٹھوکریں کھائی ہیں
اور بعض بعض مقامات پر ان سے نہایت
رکیک لغزشیں ہوئی ہیں" ٹرسٹی بل پر
اختلاف رائے کا جو ہنگامہ برپا ہوا، اُسکا
ذکر کر کے اُنھوں نے لکھا ہے کہ "سیّد
احمد خاں بالکل ایک ڈسپاٹک طبیعت
کے آدمی تھے۔ اِس خصلت کو چاھو اُن
کے تمام بڑے بڑے کاموں کی بنیاد سمجھو

اور چاہو اُن کے اخلاقی عیوب میں شمار کرو،
بہر حال یہ خصلت اُن میں ضرور تھی" کالج
کی غبن کا حال جہاں مولانا نے لکھا ہے،
وہاں لکھتے ہیں کہ "سرسیّد میں ایک خاص
خصلت تھی، جسکو ایک پُرانی سوسائٹی میں
ایک نہایت شریفانہ خصلت خیال کیا جاتا
تھا، مگر اس زمانہ میں وہ سخت اعتراض کے
قابل سمجھی جاتی ہے، خاص کر اس صورت
میں جب کہ اُس کا اثر ذاتی معاملات سے
گذر کر قومی معاملات تک پہونچ جائے" کتاب
کے دوسرے حصّہ میں مدرسۃ العلوم کے ذکر
لکھتے ہیں کہ "بیشک کالج کے اندرونی انتظامات
میں بہت سی باتیں قابلِ اعتراض موجود
ہیں، جن کو سرسید کی خود رائی اور ضد اور ہٹ
کا نتیجہ کہا جاتا تھا۔ اور کچھ شک نہیں کہ لوگوں کا
یہ کہنا بالکل غلط نہ تھا" مذہبی خدمات کے
بیان میں وہ لکھتے ہیں کہ "ہم یہ نہیں کہتے کہ جو کچھ
اُنھوں نے غدر کے بعد مذہب کے متعلق
لکھا، وہ خطا اور غلطی سے بالکل پاک ہے
اور ایک فانی مخلوق کا کام ایسا ہو بھی نہیں
سکتا" ذوالقرنین کے قصہ پر جو
قرآن مجید میں مذکور ہے،
سرسیّد نے جو تفسیر لکھی ہے،
اُس کی نسبت لکھتے ہیں کہ "
"ذوالقرنین کے قصہ میں جو اُنھوں نے

جی و الکتی تعفور چین کو ذو القرنین کا مصداق ٹھیرایا ہے، اُسپر بلا شبہہ یہہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن میں جسقدر قصے اجمالاً یا تفصیلاً بیان ہوئے ہیں، اُن میں کوئی قصہ ایسا نہیں ہے، جو عرب یا اُس کے قرب و جوار میں مشہور و مسلم نہ ہو۔ پس کسی طرح قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا کہ ایک ایسی اجنبی قوم اور اجنبی ملک کے بادشاہ کا قصہ، جس کے حالات سے نہ صرف عرب، بلکہ دُنیا کی اکثر قومیں، خاصکر نزولِ قرآن کے زمانہ میں بالکل بے خبر تھیں، اُس کتاب میں بیان کیا جائے، جو عرب کے اُمیّوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہو۔ مذہبی مسائل میں علمائے سلف سے جو اختلاف سرسید نے کیا ہے، اُسکے ذیل میں مولانا نے لکھا ہے کہ "یہہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر مسئلۂ مختلف فیہ کی نسبت جو کچھ سرسید نے لکھا ہے، وہی صحیح ہے اور ہر ایک اختلاف میں اُنھیں کی رائے صائب ہے"۔ سرسید کی تفسیر کے باب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "اسمیں شک نہیں کہ بہت سی آیتوں کے معنے بیان کرنے میں جن اصول کی اُنکو پابندی کرنی چاہیے تھی، اُن کی پابندی نہیں کی گئی اور اسی وجہ سے بعض آیات کی تفسیر میں سرسید کے بعضے ہمخیال آدمی اُنکے ساتھ متفق نہیں ہیں"۔ اسی طرح مولانا نے اِس کتاب میں بہت سے مقامات پر سرسید کے مقالات، خیالات، عادات اور حالات پر نکتہ چینی کی ہے؛ مگر حق یہہ ہے کہ جس شدومد سے اُنھوں نے اِس امر کا وعدہ دیباچہ میں کیا ہے، اُسکو وہ ایک قسمہ بھی پورا نہیں کر سکے۔ اگرچہ ہم اُنکو اِس باب میں بالکل معذور تو نہیں خیال کرتے، تاہم اُنکی طرف سے یہہ عذر پیش کیا جا سکتا ہے کہ اُنکو نکتہ چینی کا بڑا موقع وہیں مل سکتا تھا، جہاں اُنھوں نے سرسید کی تفسیر پر بحث کی ہے، اِس موقع پر یہہ کہکر اُنھوں نے اپنے خیال میں اس سبب سے کہ کتاب حد سے زیادہ طویل ہو جائیگی اور ہمارے خیال میں اِس سبب سے کہ ان دقیق و عمیق فلسفیانہ اور عالمانہ بحثوں کے سمجھنے کی قابلیت عام ناظرین میں ہے، نہ اِس قسم کے مضامین سے اُنکو دلچسپی ہو سکتی ہے، اِس بحث کو ادھورا چھوڑ دیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ وہ اِس مضمون کو وقتاً فوقتاً لکھکر کئی نمبروں میں رسالۂ "معارف" میں چھپوائیں گے، چنانچہ اِس سلسلہ کا ایک نمبر اِس عنوان سے کہ "قرآن مجید میں

اب نئی تفسیر کی گنجایش باقی ہے یا نہیں؟ "معارف" میں اب سے پہلے چھپ چکا ہے اور وہ مضمون اس کتاب کے آخر میں بھی شامل کیا گیا ہے۔

حیاتِ جاوید میں جو حالات سرسید کے بیان کئے گئے ہیں، اُن کے ماخذ مولانا نے دیباچہ میں بیان کر دیئے ہیں۔ علاوہ دیگر ماخذوں کے انھوں نے علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ، تہذیب الاخلاق، تصانیف احمدیہ، سیرتِ فریدیہ (جو خود سرسید نے اپنے نانا کے حالات پر لکھی ہے)، سرسید کے خطوط، اور سرسید اور اُن کے رشتہ داروں اور دوستوں کی زبانی بیانات کو بھی اپنی کتاب کا ماخذ بتایا ہے۔ اس پر ایک مخالف نکتہ چین اعتراض کر سکتا ہے کہ جو کتاب اِن ذرائع سے لکھی جائے، اُس کی نسبت یہ کہنے سے کہ وہ مولانا حالی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے، یہ کہنا زیادہ موزوں اور مناسب ہے کہ اُس کے مصنف خود سرسید ہیں؛ مگر ہمارے نزدیک یہ کہنا سراسر ناانصافی ہے، اوّل تو اِن ماخذوں کے علاوہ مولانا کی کتاب کے اور ماخذ بھی ہیں جو انھوں نے بیان کر دیئے ہیں۔

دوم جو حالات سرسید کے پبلک سے تعلق رکھتے ہیں، وہی زیادہ تر اِن ماخذوں سے لئے گئے ہیں۔ اگر کچھ ایسے حالات کی بنیاد بھی اِن ماخذوں پر ہے، جو سرسید کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں تو ہمکو مطلق پروا نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ بایوگریفی میں ہم سرسید کو صرف "پبلک مین" کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں اور بس۔ رہا یہ کہ ان ماخذوں سے جو حالات انتخاب کئے گئے ہیں، وہ صحیح ہیں یا غلط، اوّل تو اس کا فیصلہ خود پبلک کر سکتی ہے، دوم خود مولانا نے دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ اِس کتاب کے لکھنے کے وقت اُن رسالوں اور اخباروں پر بھی نظر ڈالی گئی ہے، جو خاکر سرسید کی مخالفت کی غرض سے ہندوستان میں وقتاً فوقتاً جاری ہوئے۔ دیباچہ کے اخیر میں مولانا نے بیان کیا ہے کہ اگر سرسید کی لائف اُنکی زندگی میں شائع ہو جاتی، تو وہ عظمت، جس کی وہ مستحق تھی، اُس کو حاصل ہونی دشوار تھی، مگر ایک خاص وجہ سے اس کا افسوس ضرور ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ سرسید کو اخیر زمانے میں اِس بات کے دریافت کرنے کا زیادہ

خیال رہتا تھا کہ اُن کی لائف میں کیا لکھا جارہا ہے۔ سرسید کی اس خواہش کی وجہ مولانا نے یہ بیان کی ہے کہ جس شخص نے چالیس برس مذہب کی حمایت میں بسر کیے ہوں۔ اور سوائے تکفیر و تضلیل کے قوم کی طرف سے کچھ انعام نہ پایا ہو، اُس سے زیادہ کون شخص اس بات کے دیکھنے کا خواہشمند ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی مسلمان اُن کی مذہبی تصنیفات پر نظر انصاف سے بحث کرے۔ اگر ہم یہ جانتے کہ سرسید کا ناگزیر وقت قریب آپہونچا ہے، تو کم سے کم جو کچھ ہم سے اُن کی مذہبی خدمات کی نسبت لکھا تھا، وہ ضرور ان کی نظر سے گذران دیتے۔" مولانا کا یہ بیان بالکل صحیح ہے اور اس میں فرتہ بھر جھوٹ نہیں ہے" مگر ایک مخالف نکتہ چین یہ کہہ سکتا ہو کہ سرسید دیکھنا چاہتے تھے کہ اُنکے عیوب پر کیونکر ملمع پھیرا گیا ہے اور اُنکے حالات کس طرح مدح و ستائش کے ساتھ بیان کیئے گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ایسا کہنا سراسر نادانی اور جہالت ہے۔ راقم نے سرسید کی زندگی کے آخیر پانچ سال اُن کی صحبت و رفاقت میں بسر کیئے ہیں۔ یہ بھی وہ زمانہ ہے، جب کہ مولانا لائف لکھنے میں مشغول تھے اور اس زمانے میں وہ کبھی کبھی علیگڑھ میں اور زیادہ تر پانی پت میں مقیم رہتے تھے۔ وہ اکثر اپنی عنایت و مہربانی سے لائف کے مسوّدے میں سے بعض بعض مضامین و حالات راقم کو سُنایا کرتے تھے۔ اور راقم کے حافظہ میں اُن مضامین کا جو دھندلا سا خاکہ باقی رہتا تھا، اس کو راقم سرسید کی خدمت میں اُن کے استفسار پر بیان کر دیا کرتا تھا۔ وفات کے وقت تک کبھی اُنھوں نے یہ دریافت نہیں کیا کہ اُن کے حالات کیا اور کس طریقے سے لکھے جارہے ہیں؛ نہ راقم نے کبھی اس امر کو بیان کیا۔ البتہ ان کی مذہبی تصنیفات، یا مذہبی خدمات کی نسبت جو کچھ مولانا نے لکھا ہے؛ اُس کا ذکر ضرور آجاتا تھا؛ چنانچہ ایک دفعہ جب راقم نے یہ بیان کیا کہ مولانا نے آپ کے تمام کاموں کا محرک اور آپ کی ترقی کا باعث مذہب کو ٹھیرایا ہے اور بیان کیا ہے کہ ایشیا میں کوئی بڑا کام کسی شخص سے نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ مذہب کا پابند نہ ہو تو اُنھوں نے مسکرا کر فرمایا۔ کہ بے شک مَیں نے جو کچھ کیا، اُس کا محرک مذہب ہی تھا۔

اوریہی چیز ہے، جو سخت سے سخت
محنت کو خوشگوار کر دیتی ہے۔ غالباً ہمارے
اِس بیان سے مولانا کے اس بیان کی
کافی تصدیق ہو جائے گی کہ وہ صرف اِس
بات کے دیکھنے کے خواہش مند تھے کہ انکی
مذہبی خدمات کی نسبت کیا لکھا جاتا ہے۔
کسی اور بات کے دریافت کرنے کی اُن کو
مطلق خواہش نہ تھی۔

کتاب کے پہلے حصہ میں مولانا نے
سرسید کی زندگی کے واقعات اور اُنکے
تمام کام ترتیب وار بقید تاریخ بیان کیے ہیں
سب سے اوّل ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے، کہ
اس حصّہ کی ترتیب کس اُصول پر رکھی گئی
ہے، کیونکہ ترتیب ہی ساری کتاب کی جان
ہوتی ہے۔ اور اُسی سے مُصنف کی دماغی
قابلیت کا سُراغ ملتا ہے۔ مولانا نے پہلے
باب میں سرسید کی ولادت سے اُن کے
عنفوانِ شباب تک کے حالات بیان
کیئے ہیں۔ دوسرے باب میں آغاز جوانی
سے غدر کے ایام تک کے واقعات درج کیئے
ہیں۔ تیسرے باب میں جو حالات لکھے
ہیں، اُن کی انتہا اُس وقت پر ہوتی ہے،
جب کہ اُنھوں نے انگلستان کے سفر
کا ارادہ کیا۔ چوتھے باب میں انگلستان میں
قیام کرنے اور وہاں کام کرنے کا بیان ہے،
پانچویں باب میں ہندوستان میں آنے کے
وقت سے اُس زمانہ تک کے حالات بیان
کیئے ہیں، جب کہ وہ لیجسلٹو کونسل میں ممبر
ہونے کو تھے۔ چھٹے باب میں اُس زمانے
سے وفات تک کے حالات درج کیئے ہیں

جو شخص سرسید کی زندگی کے حالات
اور واقعات پر اول سے آخر تک نظر ڈالیگا،
اُس کو یقین ہو جائے گا۔ کہ اس سے بہتر
ترتیب ان حالات اور واقعات کے
بیان کرنے کے لیئے نہیں ہو سکتی،۔ کیونکہ
آغاز شباب سے پہلے جو زمانہ ہر شخص
پر گذرتا ہے، وہ ایک خاص زمانہ ہے،
جس میں اُس کے قوئی جنبش کرنی شروع
کرتے ہیں۔ اور یہ ابتدائی تعلیم و تربیت
کا زمانہ ہوتا ہے اسکے بعد وہ زمانہ شروع
ہوتا ہے، جب کہ اُس کی اندرونی اور
بیرونی طاقتیں پُر زور ہوتی ہیں۔ اور
دنیا میں کام کرنا شروع کرتا ہے۔ تیسرا
زمانہ جو سرسید کی زندگی میں ایک ممتاز
جگہ لیتا ہے، وہ غدر کے بعد کا زمانہ ہے،
جس میں اِس حادثۂ عظیم کے مشاہدہ نے
اُن کی زندگی میں ایک نیا انقلاب پیدا کر دیا
اور مسلمانوں کی تباہی کے حالات سے
متاثر ہو کر اُنہوں نے طرح طرح کے منصوبے
اُنکی حالت سنبھالنے اور اُن کو ترقی کی

بلندی پر پھونچانے کے لئے سوچے۔
چوتھا زمانہ وہ ہے، جبکہ اُنھوں نے اپنے
آخری منصوبے کے پختہ کرنے اور اُسکو
عملدرآمد کی حالت میں دیکھنے کے لئے
انگلستان کا سفر کیا۔ پانچواں زمانہ وہ ہے،
جبکہ اُنھوں نے انگلستان کے سفر سے
تجربے حاصل کرنے کے بعد اپنے منصوبہ کو
ہندوستان میں آکر پورا کیا۔ چھٹا زمانہ
وہ ہے، جبکہ اُن کی ملکی اور قومی خدمات کو
گورنمنٹ اور قوم نے عزت اور وقعت کی
نظر سے دیکھا اور گورنمنٹ نے اُن کو
اپنی سلطنت کا دست و بازو اور قوم نے
اُن کو اپنا لیڈر تسلیم کیا۔ غرضکہ جو تقسیم و ترتیب
سرسید کی زندگی کے حالات و واقعات
کے لئے مولانا نے اختیار کی ہے، ہمارے
نزدیک وہ نہایت ہی موزوں اور مناسب ہے
اور اُس سے بہتر تقسیم و ترتیب ہمارے
خیال میں نہیں آسکتی۔

پہلے باب میں جہاں مولانا نے
سرسید کے بچپن اور اُن کی تعلیم و تربیت کا
حال لکھا ہے، اُن کی والدہ کی تعلیم یافتہ
ہونے اور اُن کو بچوں کی تربیت میں
خاص ملکہ حاصل ہونے کا ذکر تحریر کیا ہے
اور لکھا ہے کہ اُن کی اِس خداداد قابلیت
اور لیاقت کو سرسید کی تربیت اور
اخلاق و عادات بلکہ اُن کی زندگی کے
تمام واقعات میں بہت بڑا دخل ہے۔
اِس کے بعد اُنھوں نے چند نہایت
دلچسپ حکایتیں لکھی ہیں، جن سے معلوم
ہوتا ہے کہ فی الحقیقت سرسید کی والدہ
نہایت دانشمند اور دور اندیش تھیں اور
اور اخیر میں سرسید کا یہہ قول نقل کیا ہے
کہ "اِس زمانہ میں بھی جبکہ میرے مذہبی
خیالات اپنی ذاتی تحقیق پر مبنی ہیں،
میں اپنی والدہ کے عقائد میں کوئی ایسا
عقیدہ جسپر شرک یا بدعت کا اطلاق ہوسکے
نہیں پاتا۔ البتہ وہ سمجھتی تھیں کہ قرآن پڑھکر
بخشنے کا یا فاتحہ دلاکر کھانا تقسیم کرنے کا
ثواب مردہ کو پھونچتا ہے، مگر میں اِن
دونوں باتوں کا قائل نہیں ہوں۔"
اِس بیان کو پڑھکر یقین ہوتا ہے کہ اگر
مائیں تعلیم اور تربیت کے زیور سے
آراستہ ہوں، تو وہ اپنی بچوں کی
زندگی پر نہایت عمدہ اور نیک اثر ڈال
سکتی ہیں۔ ایک مدت سے تعلیم نسواں پر
مصر و ہندوستان کے اخبارات میں
بحث ہورہی ہے اور یہہ امر بالکل
ثابت ہوگیا ہے کہ عورتوں کی تعلیم
قومی ترقی کی بنیاد ہے اور جب تک
ہماری قوم کی عورتیں تربیت یافتہ

نہ ہوں گی، یہہ امید ہرگز نہیں ہو سکتی
کہ اُن میں شایستگی اور تہذیب کی روشنی
پھیلے گی۔ جو لوگ تعلیم نسواں کے مخالف
ہیں، اُنکو ہماری رائے میں سرسید کی
والدہ کے متعلق وہ حکایتیں پڑھنی چاہئیں،
جو مولانا نے اس کتاب کے پہلے باب میں
لکھی ہیں۔

اسی باب میں مولانا نے سرسید کے
خاندان کا مفصل حال لکھنے کے بعد لکھا ہے
کہ انسان میں کچھ خصلتیں جبلّی ہوتی ہیں،
جو آبا و اجداد سے بطور میراث کے
اُسکو پہونچتی ہیں اور زیادہ تر وہ اخلاق
و عادات ہوتی ہیں، جنکو بچپن میں وہ
اپنے خاندان کی سوسائٹی سے نامعلوم
طور پر اکتساب کرتا ہے۔ یہہ مسئلہ
نہایت معرکۃ الآرا ہے۔ یورپ کے
علما کی رائیں اس باب میں بہت مختلف
ہیں کہ انسان اپنے آبا و اجداد سے
کن چیزوں کو وراثت کے طور پر حاصل
کرتا ہے، تاہم یہہ امر بالکل مسلم ہے
کہ تربیت کا انسان کی عقلی اور اخلاقی
حالت پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ بعض
علمائے یورپ، جنھوں نے وراثت
طبعی کے مسئلہ کی تحقیق کی ہے، یہہ
کہتے ہیں کہ جسمانی، اخلاقی، عقلی اور نفسانی
غرضکہ ہر قسم کی قابلیتیں ہر انسان اپنے
اسلاف سے وراثت میں پاتا ہے،
مگر علمائے طبیعیات کا بہت بڑا گروہ
اس بات پر متفق ہے کہ اخلاقی، عقلی
اور نفسانی قابلیتیں وراثت کے اثر کو بہت ہی
کم قبول کرتی ہیں، مگر جسمانی قابلیتیں اکثر
اور عام طور پر وراثتاً ایک سے دوسرے کو
اور دوسرے سے تیسرے کو پہونچتی
رہتی ہیں۔ اُنھوں نے اس بات پر
بہت زور دیا ہے کہ چونکہ ذہنی اور نفسانی
قابلیتیں تربیت کے اثر کو بہت زیادہ
قبول کرتی ہیں اور اُن میں تغیر و تبدل
ہوتا رہتا ہے، اس لئے جس قوم کے
افراد ان قابلیتوں کے لحاظ سے کمزور
ہوں، اُن کو عمدہ اور پاکیزہ تربیت دینی
چاہیئے، تاکہ وہ تربیت یافتہ ہو کر اپنی
قوم کے طاقتور عنصر ہو جائیں اور اُنکا
مجموعہ تہذیب و شایستگی میں ترقی کرے۔
وراثت طبعی کے مسئلہ پر ایک نہایت
مفصل اور بسیط مضمون یکم نومبر سنہ ۱۸۹۹ء کے
معارف میں نکل چکا ہے۔ جن صاحبوں کو
تفصیل و تشریح کی ضرورت ہو، وہ
اُس مضمون کو غور سے مطالعہ فرمائیں۔

چونکہ مولانا نے کچھ خصلتوں کو متوارث
اور جبلّی اور اکثر کو سوسائٹی کے اثر سے

مبنی بتایا ہے۔ اس لیئے ہم اُس کو مذہب
جمہور کے قریب پاکر تسلیم کرتے ہیں، مگر یہ کہنے
سے باز نہیں رہ سکتے کہ کچھ خصلتوں کا متوارث
اور جبلی ہونا بھی ہر انسان کے لیئے بطور قاعدہ
کلیہ کے مانا نہیں جاسکتا۔

سر سید کا خاندان بلحاظ جسمانی صحت و
قویٰ کے خاص امتیاز رکھتا تھا، اس لیئے
بچپن میں ان کی جسمانی صحت، جیسا کہ مولانا نے
بیان کیا ہے، نہایت عمدہ تھی اور آخیر عمر تک
اُن کی صحت اور قویٰ کا یہی حال رہا، مگر اُس
زمانہ میں طبعی ذہانت اور جودت کے آثار
اُنہیں بالکل نمایاں نہ تھے، جیسا کہ بعض بچوں
میں دیکھا جاتا ہے۔ سر سید نے رفتہ رفتہ اپنی
قوائے ذہنیہ کی تربیت کی اور لگا تار محنت
سے اُن کو اس درجہ پر پہونچا دیا کہ اُن جیسا
عالی دماغ قوم میں کوئی نظر نہیں آتا، اس
پر مولانا نے حکماء کا یہ قول لکھا ہے کہ
کہ آدمی محنت سے جو چاہے ہو سکتا ہے
اس بیان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ
جسمانی قابلیت کے سوا کوئی چیز سر سید
نے اپنے اسلاف سے وراثت میں نہیں
پائی، اُن کے اخلاق تو محض اس سوسائٹی
کے اثر سے وجود پذیر ہوئے تھے، جس کے سایہ
میں اُنہوں نے پرورش پائی تھی۔ اور اُن
کے قوائے ذہنیہ وعقلیہ نے اُن کی
متواتر دماغی محنتوں سے ترقی پائی تھی

سر سید نے سنہ ۱۸۵۹ء میں ایک
رائے تعلیم کے باب میں اُردو اور انگریزی
دونوں زبانوں میں لکھ کر شائع کی تھی۔ اور اُس
میں گورنمنٹ ورنیکلر اسکولوں پر سخت
اعتراض کیا تھا۔ اور سرکار کو مشورہ دیا
تھا کہ وہ ہندوستانیوں کو انگریزی زبان
میں تعلیم دے۔ تیسرے باب میں اس
رائے کا اقتباس کر کے مولانا نے لکھا
ہے۔ "انگریزی زبان کی تعلیم کو دیسی
زبان کی تعلیم پر ترجیح دینے کی نسبت
جو رائے سر سید کی آخیر زمانے میں
تھی، وہی اب سے (۳۶) برس پہلے
تھی، مگر (۳۶) برس کے تجربے سے
اُن کو اس قدر ضرور معلوم ہوا ہوگا
کہ انگریزی زبان میں بھی ایسی تعلیم
ہوسکتی ہے، جو دیسی زبان کی تعلیم
سے بھی زیادہ نکمی فضول اور اصلی لیاقت
پیدا کرنے سے قاصر ہو" اس بیان سے
ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا۔ کہ مولانا نے
ہندوستان کی موجودہ یونیورسٹیوں کی
طرز تعلیم کو ناقص اور ناقابل اطمینان
ٹھیرایا ہے۔ اور اُنھوں نے خیال کیا؟
کہ یہ امر سر سید کو اس رائے کے
شائع کرنے سے (۳۶) برس بعد معلوم

ہوا ہوگا، مگر ہم اس سے اتفاق نہیں کرسکتے۔ ۱۸۶۹ء میں جبکہ سرسید لندن میں تھے، اُنھوں نے انگلستان کے نظامِ تعلیم کو نہایت غور کی نظر سے دیکھا تھا اور ہندوستان کے نظامِ تعلیم کو اُس کے مقابلہ میں ناقص قرار دیا تھا اور اس پر انگریزی زبان میں پمفلٹ لکھکر شائع کیا تھا۔ اس پمفلٹ میں اُنھوں نے ہندوستان کے طریقۂ تعلیم کے نقصانات وعیوب کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا تھا۔ جیساکہ چوتھے باب میں خود مولانا نے لکھا ہے وہ لندن ہی میں یہ قرار دے چکے تھے کہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ایک جُدا یونیورسٹی ہندوستان میں قائم ہونی چاہیئے اور اس یونیورسٹی کی اسکیم بھی وہ اپنے خیال میں تجویز کرچکے تھے۔ چنانچہ یہہ اسکیم فروری ۱۸۷۲ء میں سید محمود کی جانب سے پیش کی گئی تھی، مگر سرسید کو لندن ہی میں یہہ یقین ہوگیا تھا کہ اس یونیورسٹی کے لئے کم سے کم دس لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی اور یہہ رقم خالص مسلمانوں کے چندہ سے مہیا نہیں ہوسکتی۔ اس مشکل پر اُنھوں نے غور کرکے گورنمنٹ سے گرانٹ ان ایڈ کی درخواست کی اور ہندوستان کی ہر قوم سے چندہ طلب کیا۔ گورنمنٹ کے گرانٹ ان ایڈ نے اُنکو

اُس اسکیم کے عمل میں لانے سے بالکل باز رکھا اور وہ اخیر عمر تک اِس پر نہایت افسوس کرتے رہے کہ اِس مجبوری کے سبب سے وہ مسلمانوں کے لئے آزادانہ اور مفید تعلیم کا سامان نہ کرسکے اور مدرسۃ العلوم کو نصابِ تعلیم میں گورنمنٹ کی یونیورسٹیوں کی تقلید کرنی پڑی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ جبکہ اضلاعِ شمال ومغرب کے کالجوں میں تعلیم کی فیس بڑھائی گئی، تو سرسید نے اِس نظر سے کہ کم استطاعت مسلمان ہائی ایجوکیشن سے محروم رہ جائیں گے، فیس کے اضافہ پر افسوس ظاہر کیا اور فرمایا کہ اگر ہمارا کالج مسلمانوں ہی کے چندہ سے جاری رہ سکتا اور گورنمنٹ سے گرانٹ ان ایڈ لینے کی کوئی ضرورت پیش نہ آتی، تو ہم نصابِ تعلیم اور فیس کے باب میں اپنی ہی قوم کے حالات و ضروریات کے موافق قواعد بنا سکتے۔

پس اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرسید ہندوستان کے موجودہ نظامِ تعلیم کے ناقص ہونے کی نسبت ۱۸۶۹ء میں اپنی رائے قایم کرچکے تھے اور یہہ واقعہ اُس رائے کے شائع کرنے کے دس برس بعد کا ہے جو مراد آباد میں اُنھوں نے اردو اور انگریزی میں نوٹ لکھکر

لکھکر چھپوائی تھی [illegible] ۱۲ برس
قایم کرنے میں (۳۶) برس کا عرصہ دیکا
نہیں ہوا، جیساکہ مولانا نے تحریر کیا ہے؛
مگر اس میں شک نہیں ہے کہ وہ اِس
راے کو بسبب اُن مشکلات کے جن کا
اشارہ کیا گیا ہے، اخیر وقت تک عمل میں
نہیں لاسکے۔ پانچویں باب میں خود
مولانا نے مدرسۃ العلوم کے حال میں
اِس امر کو تسلیم کرلیا ہے کہ گورنمنٹ نے
گرانٹ ان ایڈ اِسی شرط پر دینا منظور کیا تھا
کہ یونیورسٹی کا لفظ اِس مدرسہ کے لئے
استعمال میں نہ لایا جائے۔

تیسرے باب میں مولانا نے جہاں
علی گڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ کا ذکر لکھا ہے،
یہہ بیان کیا ہے کہ "جسقدر مضامین سنہ ۱۸۹۸ء
اخیر تک اِس اخبار میں خاص سرسید کے
قلم سے لکھے ہوئے نکلے، اگر اُنکو ایک جگہ
فراہم کیا جاتے، تو بلا مبالغہ چند ضخیم جلدیں
مرتب ہوسکتی ہیں۔" ہماری راے لیں
سرسید کے مضامین جو فی الحقیقت
اِس قابل ہیں کہ اُن سے ہماری قوم کے
مصنفوں اور مضمون نگاروں کو انشاپردازی
اور واقعہ نگاری کا سبق مل سکتا ہے اور
جن کو ہماری قوم کے لئے مذہبی، اخلاقی
تمدنی اور ملکی ہدایتوں کا نہایت اسے اعلے
دستور العمل کہا جاسکتا ہے، اگر ایک
جگہ فراہم کردیئے جائیں، تو یہہ ایک
نہایت مفید کام ہوگا۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں جبکہ
مولانا علی گڈہ میں تھے، تو اُنھوں نے
یہہ ارادہ کیا تھا کہ سرسید کے مضامین کو
انسٹیٹیوٹ گزٹ میں سے انتخاب کرکے
نقل کرائیں اور اُن کو چھپوا کر شائع کریں،
چنانچہ ایک خوشنویس بھی اِن مضامین کے
نقل کرنے کے لئے مقرر ہوگیا تھا، مگر
خود سرسید نے انکسار سے یا اور کسی
وجہ سے اِس کو ناپسند کیا تھا اور اسلئے
یہہ کام ملتوی ہوگیا تھا۔ اب ہم اہلِ ملک کو
اِس امر کی تحریک کرتے ہیں کہ وہ اِس
مفید کام کو انجام دیں اور ان مضامین کو
انتخاب کرکے شائع کریں۔ اگر کوئی صاحب
اِس کام کو انجام دینگے، تو اُن کا احسان
نہ صرف اُردو لٹریچر پر رہیگا، بلکہ وہ قوم
کو بھی مرہونِ منّت کرینگے۔

اِسی باب میں مولانا نے اُردو
ناگری کے مسئلہ پر، جو سنہ ۱۸۶۷ء و سنہ ۱۸۸۲ء
و سنہ ۱۸۹۸ء میں اضلاعِ شمال و مغرب و
اودہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے
درمیان متنازع فیہ تھا، بحث کی ہے
اور اُن کوششوں کی تفصیل کی ہے، جو
سرسید نے مرتے دم تک اُردو کی

حمایت میں کیں۔ بعض نکتہ چین حمایت
اُردو کے اُس طریقہ پر اعتراض کرتے ہیں،
جو سر سید نے اختیار کیا تھا اور کہتے ہیں
کہ اس طریقہ کے سبب سے ہندوؤں
اور مسلمانوں میں اختلاف اور مخالفت کا
دایرہ وسیع ہو گیا، حالانکہ ہندوستان کی
ترقی اُسی صورت میں ہو سکتی ہے،
جبکہ دونوں قومیں مل جل کر کام کریں۔
نیز اُردو زبان کی حمایت کا مسئلہ اُن
نکتہ چینیوں کے نزدیک ایسا ہے، جسکو
دونوں قوموں سے یکساں تعلق ہے،
مگر ہماری رائے میں اُن حضرات کو اس
مسئلہ کی تاریخ سے بالکل آگاہی نہیں ہے،
مولانا نے یہہ لکھا ہے اور بالکل سچ
لکھا ہے کہ سر سید اِس افسوسناک
واقعہ کے پیش آنے سے پہلے ہمیشہ
اِس اصول کے پابند تھے کہ ہندوستان کی
بھلائی، بغیر اِسکے کہ ہندو مسلمان بطور
ایک قوم کے مل جُلکر رہیں، کسی طرح
ممکن نہیں، چنانچہ اُنکے تمام پچھلے
کاموں میں اِس اصول کی جھلک
نمایاں طور پر نظر آتی ہے، مگر بد قسمتی سے
ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ دونوں
قوموں کا متفق رہنا ممکن نہ تھا۔ اسکو
بعد اُنھوں نے بیان کیا ہے کہ انگریزی

مدارس کی تعلیم میں تاریخ ہندوستان کی
وہ کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، جن میں
مسلمانوں کی ظالمانہ کارروائیاں اور
بُرائیاں نہایت تفصیل کے ساتھ درج
تھیں۔ اِس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ تعلیم یافتہ
ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے
نفرت پیدا ہو گئی اور وہ رفتہ رفتہ
عداوت تک منجر ہوئی، اُنھوں نے اِس
موقع سے کہ مسلمانوں نے غرور اور
تعصب یا غفلت و بے پروائی یا افلاس کی
وجہ سے انگریزی زبان میں تعلیم نہیں
پائی اور وہ عزت و منصب اور امورِ
سلطنت میں شرکت پانے سے محروم
رہے، عین وقت پر فائدہ اُٹھایا اور
جو طاقت اور اعزاز وہ حاصل کر چکے تھے،
اُس کا مسلمانوں کے مغلوب کرنے میں
امتحان کیا۔ اُنھوں نے چاہا کہ اُردو
زبان، جو مسلمانوں کے عہد کی یادگار ہے،
عدالتوں سے خارج ہو جائے اور
فارسی خط بھی سرکاری محکموں میں جاری
نہ رہے اور اُسکی جگہ ہندی زبان اور
ہندی خط رواج پائے۔ سر سید کو یہہ
حال دیکھکر یقین ہو گیا کہ اب ہندو مسلمانوں کا
بطور ایک قوم کے کام کرنا محال ہے۔
چنانچہ اُنھوں نے مرتے دم تک اُردو کی

حمایت اور حفاظت میں کوشش کی اور یہہ سمجھکر کہ ہندوؤں کی یہہ کوشش محض قومی تعصب پر مبنی ہے، اُن کی ناراضی کی مطلق پروا نہیں کی۔ یہہ رائے کہ ہندوؤں نے ملکی بھلائی کے ارادہ سے یہہ کام نہیں کیا، بلکہ قومی تعصب پر اُسکی بنیاد تھی سرسید ہی کی رائے نہیں ہے، بلکہ بڑے بڑے سرآوردہ یورپین بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں چنانچہ مولانا نے فرانس کے مشہور عالم پروفیسر گارسن دتاسی کا یہہ قول نقل کیا ہے کہ "ہندو اپنے تعصب کی وجہ سے ہر ایک ایسے امر کے مزاحم ہوتے ہیں، جو انکو مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ یاد دلائے۔"

اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ سرسید نے جو طریقہ اُردو کی حمایت کا اختیار کیا تھا، اُس سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفریق اور مخالفت پیدا نہیں ہوئی، بلکہ جو تفریق اور مخالفت ہندوؤں نے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان ڈالنی چاہی، اس سے وہ طریقہ اُردو کی حمایت کا پیدا ہوا، جو سرسید نے اختیار کیا تھا، پس جو نکتہ چین اِس باب میں غلط منطق استعمال کرتے ہیں، اُن کو مسئلہ اُردو ناگری کی اُس تاریخ سے واقفیت حاصل کرنی چاہیئے، جو مولانا نے اس باب میں درج کی ہے۔

سنہ ۱۸۸۲ء میں ایجوکیشن کمیشن میں سرسید نے یہہ ظاہر کیا تھا کہ اِس مسئلہ کو اِس کمیشن سے کچھ تعلق نہیں ہے، بلکہ یہہ ایک بہت بڑا پولیٹیکل مسئلہ ہے، جس کے ساتھ گورنمنٹ کے مصالح ملکی وابستہ ہیں۔ یہہ بیان مولانا کا ہے۔ خاکسار ریویو نگار کے سامنے بھی کئی دفعہ جب اِس مسئلہ کا تذکرہ آیا، تو سرسید نے اِس مسئلہ کو ایک پولیٹیکل مسئلہ بتایا اور اُس کے متعلق بعض ایسی جزئیات بیان کیں، جو عوام کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ وفات سے چند روز پہلے جو خط سرسید نے اُردو ڈفنس ایسوسی ایشن الہ آباد کو لکھوایا تھا اور اُس میں جو تجویزیں حمایتِ اُردو کے مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے لکھی تھیں، اگر اُن کے مطابق کام کیا جاتا اور سرگرمی کے ساتھ اُن تجویزوں پر عملدرآمد ہوتا، تو اضلاعِ شمال و مغرب کے مسلمانوں کو وہ روزِ بد دیکھنا نہ پڑتا، جو بعد سرسید کی وفات کے بعد اُن کو دیکھنا پڑا۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں میں لایق اور تعلیم یافتہ تو بہت سے ہیں، لیکن کام کرنے والوں کا قحط ہے۔

مولانا نے اِس بحث کو ختم کرنے کیلئے لکھا ہے کہ "اسپین والوں نے مسلمانوں کے

زوالِ سلطنت کے بعد اسی طرح مسلمانوں کی نشانیاں مٹائی تھیں، مگر انھوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ایسا کیا تھا اور ہمارے ہموطن ہندو بھائی محکوم ہونے کی حالت میں ایسے ارادے رکھتے ہیں، لیکن ہم کو اطمینان رکھنا چاہیئے، کیونکہ جس تعلیم نے ہمارے ہندو نوجوانوں کو مسلمانوں سے تعصب اور نفرت کرنا سکھایا ہے، وہی آگے چلکر اُن کو یہہ سبق دے گی کہ جب تک ہندو مسلمان مل جلکر نہ رہیں گے اور ایک دوسرے کی مصالح کو ملحوظ نہ رکھیں گے، تب تک برٹش انڈیا میں اصلی عزت حاصل نہیں کر سکتے "۔ ہم کو مولانا کی اِس پیشین گوئی میں تامل ہے اور سخت تامل ہے، کیونکہ جب تک تعلیم کی باگ موجودہ یونیورسٹیوں کے ہاتھ میں ہے اور ہندو اور مسلمان اپنی قومی انسٹیٹیوشن قایم نہیں کرتے، یہہ ہرگز امید نہیں ہو سکتی کہ اُس وسیع خندق کے کنارے کبھی باہم مل جائیں گے، جو اِس تعلیم کی برکت سے ہندو وں اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔ یہہ ممکن ہے کہ ہمارے ہندو بھائی رفتہ رفتہ گورنمنٹ کے طریقۂ تعلیم سے اپنے تئیں جدا کر لیں، مگر مسلمانوں سے ایسی توقع رکھنا شاید ابھی دیر طلب ہے۔ کوئے عمدہ تعلیم اُس سے یہہ سبق ہندو مسلمان کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔

پانچویں باب میں مولانا نے رسالۂ "تہذیب الاخلاق" کے جاری کرنے کا ذکر کرکے یہہ لکھا ہے کہ " اگر سرسید یہہ پرچہ جاری نہ کرتے اور مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح کا خیال چھوڑ دیتے، بلکہ صرف اُنکی تعلیم کا انتظام کرتے، تو ظاہرا اُن کی مخالفت کم ہوتی، بلکہ شاید نہ ہوتی، مگر اُس کے ساتھ ہی دکالج کی، اعانت و امداد بھی کم ہوتی اور جو تحریک چند سال میں مسلمانوں میں پیدا ہوگئی، اُس کا صدیوں تک کہیں نام و نشان نہ ہوتا "۔ مگر بہت سے لوگ ہیں، جن کا خیال مولانا کے اِس خیال کے بالکل برخلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مذہب میں دست اندازی کرنے کے سبب سے چندہ بہت کم ہوا۔ اگر سرسید ایسا نہ کرتے، تو تمام مسلمان اُن کے حامی ہوتے اور چندہ کی وہ ریل پیل ہوتی کہ اُس سے ایک نہیں بلکہ کئی عظیم الشان کالج قائم کر سکتے۔ اِس بیان میں وہ یہانتک غلو کرتے ہیں کہ سرسید جو خاص مسلمانوں کے لیئے یونیورسٹی قائم کرنی چاہتے تھے، اُس کا قائم ہوجانا اِس صورت میں ذرا بھی دشوار نہ ہوتا۔ ہم اِس رائے کے مطلق طرفدار نہیں ہیں۔

ہمارے نزدیک وہی منطق صحیح ہے، جو
اِس باب میں مولانا نے استعمال کی ہے۔
اس کی دو دلیلیں ہیں۔ ایک تو یہہ کہ جس
تعلیم کے لئے مسلمانوں سے چندہ طلب
کیا گیا تھا، اُس کے لئے اُس وقت سے
پہلے کبھی چندہ جمع کرنے کا مسلمانوں کو خیال
نہیں ہوا۔ دوسرے یہہ کہ پُرانے طریقہ کی
تعلیم کے لئے بھی کبھی اِس شدّ و مد سے چندہ
مسلمانوں نے نہیں دیا کہ اُس سے بڑے
بڑے عظیم الشان مدرسے دینیات اور
عربی کے قائم ہو جائیں۔ اِن دونوں دلیلوں پر
غور کرنے سے یہہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ
مسلمانوں کو قومی کاموں میں چندہ دینے کی
مطلق عادت نہ تھی۔ نہ وہ قدیم تعلیم کے لئے
من حیث القوم چندہ دینے کے عادی تھے،
نہ جدید تعلیم کے لئے۔ پس یہہ کیونکر یقین
ہو سکتا ہے کہ اگر سر سیّد مذہب میں
دخل نہ دیتے، تو تمام مسلمان اُن کے مشن کے
حامی ہو جاتے اور چندہ کی افراط ہوتی۔
حقیقت یہہ ہے کہ سر سید ہی پہلے شخص
ہیں، جنھوں نے قومیت کے معنے مسلمانوں کو
سمجھائے اور قومی کاموں میں چندہ دینا
سکھایا۔ اگر مسلمانوں پر وہی مُردنی حالت
طاری رہتی، جو پہلے تھی، تو خود غرضی اور
نفسا نفسی کے سوا وہ ایک قدم ترقی کا آگے
نہ بڑھاتے۔

اِسی باب میں مولانا نے محمڈن کالج
علی گڈہ پر سے اِس اعتراض کو اُٹھایا ہے
کہ سر سید نے لاکھوں روپیہ اُسکی بیش قیمت
عمارتوں کی تیاری میں برباد کر دیا۔ اگر یہہ
روپیہ اور طریقہ سے مسلمانوں کی تعلیم میں
صرف کیا جاتا، تو قوم کے حق میں بے انتہا
مفید ہوتا۔ اُنھوں نے اِس اعتراض کو اِسطرح
رفع کیا ہے کہ کالج کے اصلی نتائج کے
ظاہر ہونے اور اُن کی وجہ سے مسلمانوں
اسکی طرف راغب ہونے کے لئے
ایک مدت دراز درکار تھی اور تعلیم و تربیت کی
خوبی کے سمجھنے والے لاکھوں، بلکہ کروڑوں
میں ہمیشہ چند ہی آدمی ہوتے ہیں۔ البتہ
عمارت کی شان و شوکت ایک ایسی چیز ہے
جس کا اثر فوراً خاص و عام پر ہوتا ہے۔
چنانچہ اِسی وجہ سے بہت جلد مسلمانوں میں
کالج کی عظمت کا خیال پھیل گیا اور اِسی وجہ سے
گورنمنٹ کی نظر میں بھی اُس کی وقعت
پیدا ہو گئی۔ علاوہ اِس کے ایشیا میں
جو عظیم الشان عمارتیں ناتمام رہ جاتی ہیں،
اُن کو دیکھکر آیندہ نسلوں کو اُسکے پورا کرنیکا
خیال ہوتا ہے، ورنہ وہ بدستور ادھوری
رہتی ہیں اور چند روز میں کھنڈر ہو جاتی ہیں۔
ہمارے نزدیک یہہ اعتراض، جس کو

مولانا نے رفع کرنا چاہا ہے، اِسقدر عام ہے کہ سر سید کے مخالف ہی نہیں، بلکہ اُنکے دوستوں کی زبان پر بھی جاری ہو۔ مولانا کا بیان غالباً اُن نکتہ چینیوں کی تسلی کے لئے کافی نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر عمارات کے شکوہ سے یہہ مقصد مد نظر تھا کہ مسلمان کالج کی تعلیم و تربیت کی طرف بہت جلد راغب ہوں، تو اِس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی تھی کہ جو روپیہ عمارات میں صرف کیا گیا، وہ وظیفوں اور اسکالرشپوں میں صرف کیا جاتا اور کالج میں ایسا محنتی اور جفاکش اِسٹاف رکھا جاتا، جسکی کوشش سے طلبا امتحانات میں زیادہ کامیاب ہوتے۔ نیز اگر اِس سے گورنمنٹ کی نظر میں وقعت پیدا کرنا اور اُس سے بالواسطہ کالج کے لئے مالی امداد حاصل کرنا منظور تھا، تو یہہ مقصد مالی امداد کا پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا اور اُسی رقم کثیر کی نسبت ہم سوال کر رہے ہیں کہ اُسکو عمارات میں کیوں برباد کیا گیا؟ دوسری وجہ یہہ بیان کی گئی ہے کہ ایشیا میں جو عظیم الشان عمارتیں ناتمام رہگئی ہیں، اُنکے پورا کرنے کا خیال آیندہ نسلوں کے دل میں اُن عمارتوں کی عظمت و شان دیکھکر پیدا ہوتا ہے، ورنہ وہ چند روز میں برباد ہو جاتی ہیں، اِس کی نسبت نکتہ چین یہہ کہتے ہیں

کہ اگر کالج کی شہرت اِس باب میں ہوتی کہ اُس سے ہزاروں مسلمان طلبا جنھیں تعلیم پانے کی استطاعت نہ تھی، امتحانات میں کامیاب ہو کر نکل چکے ہیں، تو خود بخود مسلمانوں کو اُسکے قائم رکھنے کا خیال ہوتا اور اُس کے اُس سرمایہ کو چندہ دیکر اور بھی وسیع کرتے، جس سے طلبا کو امداد ملنے کی توقع تھی۔ اِس صورت میں کالج کے مفید ہونے کا درجہ اور بھی بڑھ جاتا، لیکن دوسری صورت میں اگر بالفرض کالج کی ناتمام پُر شکوہ عمارتوں کو دیکھکر مسلمانوں کے دل میں یہہ خیال پیدا ہوتا کہ اُن کو پورا کیا جائے، تو جسقدر کثیر رقم اِس منصوبہ کے پورا کرنے میں پہلے برباد ہو چکی ہے، اُس سے بہت زیادہ رقم اور برباد ہوتی۔ پس بانیانِ کالج کو ظاہری شان و شوکت کے قائم رکھنے کا جو خیال پیدا ہوا، وہ سراسر غلطی اور ناعاقبت اندیشی پر مبنی تھا، بجاے اِسکے اُن کو کالج کی اندرونی اور اصلی ترقی پر غور کرنا لازم تھا۔ راقم کی راے میں اِس موقع پر اگر مولانا اپنے بیان کو اور وسعت دیتے اور اِس عامۃ الورود اعتراض کے ہر پہلو پر بحث کرتے، تو شاید وہ اپنے زورِ قلم سے نکتہ چینوں کی زبانیں بند کر سکتے۔ چھٹے باب میں مولانا نے انڈین نیشنل کانگرس کے

ساتھ سرسید کی مخالفت کا ذکر کیا ہے اور اُن تمام اعتراضوں کو نہایت عمدگی اور خوبی سے رد کر دیا ہے، جو بنگالی اخبارات اور نیشنل کانگرس کے حامی اس باب میں سرسید پر کرتے رہے ہیں اور سرسید کے اُس خیال کو جو وہ کانگرس کی نسبت رکھتے تھے، ایسی تشریح و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اُس کو پڑھکر کوئی انصاف پرست مسلمان کانگرس کا حامی نہیں رہ سکتا۔ جو خیال فہم جوان تعلیم یافتہ مسلمان کانگرس میں بے سوچے سمجھے شریک ہو جاتے ہیں، اُن کو اس کتاب کا یہہ حصہ ضرور پڑھنا چاہیئے۔

اسی باب میں ٹرسٹی بل پر اختلاف ہونے کا ذکر ہے۔ اگرچہ کالج کی تاریخ اور سرسید کی زندگی کا یہہ ایک نہایت اہم واقعہ ہے اور اُس کا ذکر کرنا اُن لوگوں کے تعصبات کو بھڑکانا ہے، جو اس بل کی مخالفت پر اُس کے پاس ہونے کے بعد بھی کمر بستہ رہے، تاہم مولانا نے اِس ناگوار اور افسوسناک واقعہ کے بیان کرنے میں کوئی بات ایسی نہیں لکھی، جو مخالفانِ بل کی عزت اور شان کے خلاف ہو، یا اُن کو رنجیدہ کرتی ہو۔ ہماری رائے میں اس سے زیادہ فاضل مصنف کے لئے کوئی موقع تحسین و آفرین کا نہیں ہو سکتا۔ اُنھوں نے اِس کتاب میں جا بجا واقعہ نگاری کا فرض اِس خوبی سے ادا کیا ہے کہ اُسکی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ واقعات کی ذیل میں اُنھوں نے اپنی رای لکھی ہے، مگر ایسی کوئی بات نہیں لکھی، جس سے اُن اشخاص کی تحقیر و تذلیل ہوتی ہو، جن کا ذکر کرنا اُن واقعات میں ضروری تھا اور جو کسی نوع کی سرسید سے مخالفت رکھتے تھے۔ انگلستان کے ایک مصنف کی نسبت نہایت فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے ملک کے پولیٹیکل اور مذہبی فرقوں کی تاریخ لکھنے میں بھی اپنی راے کے کسی پہلو کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور اُس نے واقعہ نگاری کا فرض اِس عمدگی سے ادا کیا ہے کہ اُسکی تاریخ کو پڑھکر ہر شخص یہہ بات تو ضرور معلوم کر سکتا ہے کہ ہر گروہ کا پولیٹیکل یا مذہبی عقیدہ کیا ہے اور اُنکی مخالفتوں اور اختلافوں سے جو ہنگامے آئے دن اُس ملک میں برپا ہوا کرتے ہیں، اُنکے اسباب اور نتائج کیا ہیں؛ مگر یہہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ خود مصنف کا پولیٹیکل یا مذہبی عقیدہ کس گروہ کے عقیدہ سے ملتا ہے اور اُسکے نزدیک کونسا گروہ حق پر اور کونسا ناحق پر ہے۔ ہماری رای میں بھی بایوگرافر یا ہسٹورین کا یہی فرض ہونا چاہیئے تھا لیکن اگر وہ واقعہ نگاری کے ساتھ اپنی راے کو

اس طرح بیان کرتا ہے کہ اُس کی رائے اور
اصلی واقعہ میں ہر شخص تمیز کر سکے، تو اُسکو
اپنی رائے کے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ
نہیں کرنا چاہیئے۔

اِس کے بعد مولانا نے کالج کے
زرِ امانت میں غبن ہونے کا افسوسناک
واقعہ بیان کیا ہے۔ اِس واقعہ کو اُنھوں نے
کافی تشریح و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے،
مگر جو لوگ یہہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مصنف نے
کہاں تک سلامت روی اور راستبازی کا
طریقہ اِس کتاب میں اختیار کیا ہے، اُن کو
اِس واقعہ کے متعلق یہہ فقرے ضرور
پڑھنے چاہئیں "سرسید میں ایک خاص
خصلت تھی، جس کو اگرچہ پُرانی سوسائٹی پر
ایک نہایت شریفانہ خصلت خیال کیا جاتا تھا،
مگر اِس زمانہ میں وہ سخت اعتراض کے
قابل سمجھی جاتی ہے، خاصکر اُس صورت میں
جبکہ اُس کا اثر ذاتی معاملات سے گذر کر قومی
معاملات تک پہونچ جائے۔ اُنمیں ایک
خاص قسم کی مروت بدرجۂ غایت تھی۔ وہ
کسی ملازم کو رکھکر، عام اِس سے کہ اُنکے
ذاتی ملازم ہو، یا نہ ہو، باوجود متواتر شکایتوں کے
علیحدہ کرنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ اُسکے
باب میں کسی شکایت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے
کسی کی نسبت اُنکو مطلق بدگمانی نہ ہوتی تھی۔
وہ اپنے ماتحتوں پر پورا اعتماد کر لیتے تھے
اور جو کام اُن کو سپرد کر دیتے تھے، اُسکی
طرف سے بالکل مطمئن ہو جاتے تھے۔
اگرچہ بغیر اعتماد کے دُنیا کا کوئی کام نہیں
چل سکتا، لیکن اِس مشہور قول کے موافق
کہ "الحزم سوء الظن"، ضرور ہے کہ کبھی
کبھی امتحاناً اپنے ماتحتوں کے کام کو جانچ
لیا جائے تاکہ اُنکے دل میں ڈر رہے
اور وہ ہر ایک بات کا اپنے تئیں جوابدہ
سمجھتے رہیں، مگر سرسید کے دل میں کبھی
اِس قسم کے امتحان کا خیال نہ آتا تھا"

اِس واقعہ کے وقوع میں آنے کے بعد
ٹرسٹیوں کے جلسہ میں سرسید کی نسبت
ایک ووٹ آف فل کانفڈنس اِس مضمون کا
پاس کیا گیا تھا کہ سرسید نے حسابات کالج میں
کوئی دقیقہ احتیاط کا فرو گذاشت نہیں کیا
اور ہیڈ کلرک پر اُس سے زیادہ بھروسا
نہیں کیا، جیسا کہ انگریزی دفتروں میں
عموماً ایسے عہدہ داروں پر کیا جاتا ہے۔

اِس ووٹ کا حال لکھکر مولانا تحریر
کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے اِس ووٹ کے
پاس ہونے کا حال سُنکر کہا کہ ٹرسٹی اگر
ایسا ووٹ پاس نہ کرتے تو اور کیا کرتے؟
وہ خود اِس الزام میں، جس سے اُنھوں نے
سکرٹری کو بری کرنا چاہا ہے، سکرٹری کے

شریکِ غالب تھے اِس کے بعد مولانا نے ٹرسٹیوں کو جن میں وہ خود بھی شامل ہیں اِس بات کا الزام دیا ہے کہ "اُن میں ایسے لوگ شاذ و نادر ہی نکلیں گے، جو اپنے تئیں کالج کے کسی معاملہ کا ذمہ دار سمجھتے ہوں۔ جب تک تمام ٹرسٹی اپنے تئیں کالج کے معاملات کا جوابدہ نہ سمجھیں گے اور اپنے فرائض کو جو قانون ٹرسٹیان میں بیان ہوئے ہیں، ہمیشہ نصب العین نہ رکھیں گے، اُسوقت تک کالج کا سرمایہ بدستور خطرہ میں رہیگا، ورنہ ایک سکرٹری کس کس چیز کی خبر رکھے گا اور کہاں کہاں اپنا ذہن دوڑائے گا۔"

اِسی باب کے اخیر میں جہاں مولانا نے سرسید کی وفات کا ذکر لکھا ہے، یہہ بیان کیا ہے کہ وفات سے چند روز پہلے اُنھوں نے رسالہ "اُمہات المومنین" کا جواب لکھنا شروع کیا تھا۔ یہہ رسالہ ایک عیسائی نے لکھکر چھپوایا اور مسلمانوں کے پاس بھیجا تھا۔ اِس میں مصنف نے نہایت دیدہ دہنی اور بدزبانی کے ساتھ آنحضرت صلعم کی ازواجِ مطہرات کا ذکر کیا ہے اور آپ کے اخلاق پر نہایت بیجا حملے کئے ہیں۔ جب یہہ رسالہ سرسید کے پاس بھیجا گیا تو اُسوقت راقم بھی موجود تھا۔ سرسید نے فرمایا کہ تم اِس رسالہ کو پڑھکر اُسکے تمام دلائل کا خلاصہ لکھدو۔ میں نے جب اُس کو اُٹھا لیا اور پڑھنا شروع کیا، تو میرا بدن کانپنے لگا اور مصنف کی زباں درازیوں کو دیکھکر جو اُس نے آنحضرت کی نسبت کی ہیں مجھ میں صبر و تحمل کی طاقت باقی نہیں رہی اور میرے دل میں یہہ خیال پیدا ہوا کہ اِس رسالہ کو بجائے اِسکے کہ کوئی جواب اِس کا دیا جائے، آگ میں جلا دینا بہتر ہوگا۔ سرسید میری یہہ حالت دیکھکر ہنسے اور فرمانے لگے کہ اب وہ وقت نہیں رہا کہ غیر مذہب والوں کے اعتراضوں سے اغماض کیا جائے اور اُن سے ناواقف رہکر اپنے مذہب کو اُن کی نظر میں حقیر ثابت کیا جائے۔ اگر علما اُن اعتراضوں سے غافل رہیں گے، جو غیر مذہب والے اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کرتے ہیں اور اُن کی تصنیفات کو غصہ سے پھینک دیتے اور آگ میں جلاتے رہیں گے، تو اس کا نتیجہ یہہ ہوگا کہ وہ کتابیں جن مسلمانوں کی نظر سے گذریں گی، اُن کے دل پر ضرور بُرا اثر کریں گی اور وہ رفتہ رفتہ اپنے مذہب کو لغو سمجھکر چھوڑتے جائیں گے اور اُن کے مرتد ہونے کا گناہ خود اُن علما کی گردن پر رہے گا، جنھوں نے ٹھنڈے دل سے اُن اعتراضوں کو نہیں پڑھا اور اور اُنکا جواب دینے کی کوشش نہیں کی۔ میں سرسید کی اِس نصیحت سے متاثر ہوا

اُس رسالہ کو اپنے مکان پر سے آیا اور میں سے خورشید اُس کو پڑھکر اُس کے اعتراضات کا خلاصہ لکھ لیا اور سرسید کی خدمت میں پیش کیا۔ سرسید نے باوجود اُن صدمات و مصائب کے جن میں وہ اُس زمانہ میں رات دن گھرے رہتے تھے، نہایت استقلال اور تحمل سے اُن اعتراضات کا جواب لکھنا شروع کیا اور ابھی وہ اُس جواب کو تمام کرنے نہیں پائے تھے کہ اُنکی زندگی تمام ہو گئی اور یہہ حسرت باقی رہگئی کہ کاش وہ اِس رسالہ کو اپنے طریقہ سے پورا کر دیتے

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں مولانا نے سب سے اوّل یہہ بحث اٹھائی ہے کہ سرسید کی ترقی کا کیا سبب تھا؟ اُنھوں نے اوّل حسب ذیل اسباب بیان کئے ہیں (۱) سرسید کی جسمانی اور فزیکل قابلیت کا غیر معمولی ہونا (۲) ایسے خاندان کیا پرورش پانا جس میں قدیم خاندان کی نیکیاں اور سے خاندان کی اولوالعزمیاں جمع تھیں اور ایسی والدہ کے سایۂ عاطفت میں تربیت پانا جو غایت درجہ کی دانشمند اور دُور اندیش تھی اور جس کی طبیعت میں خدا نے تربیت اولاد کا خاص ملکہ ودیعت کیا تھا۔ (۳) سرسید کی ادھوری تعلیم، کیونکہ جب نئی یا پرانی تعلیم تک چڑھ جاتا ہے، تو آدمی اِس قابل نہیں رہتا کہ اُس سے کوئی بڑا کام ظہور میں آسکے۔ (۴) بیوی کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح نہ کرنا اور تمام عمر مجرّد رہنا اور اِس سبب سے دماغی اور جسمانی صحت و طاقت کا بحال رہنا (۵) یورپ کے وطن دوستوں اور مد فارمروں کے حالات سنتے رہنا اور اُن کی تقلید کا خیال پیدا ہونا۔ اِن اسباب کو مولانا نے تسلیم کیا ہے، مگر وہ اُنمیں سے کسی کو علتِ تام اور سبب کامل خیال نہیں کرتے۔ سب سے اہم سبب جو سرسید کی ترقی کا اُنھوں نے ٹھہرایا ہے، وہ مذہب ہے اور اُسی کو اُن کی زندگی پر محیط اور اُن کی تمام مُلکی، قومی اور مذہبی خدمات کا محرک بنایا ہے اور یہہ فیصلہ کیا ہو کہ ایشیا میں کسی شخص سے کوئی بڑا کام ظہور میں نہیں آسکتا، جب تک کہ وہ مذہب کا پابند نہ ہو، مگر چونکہ مذہب کی موجودہ حالت اِس قابل نہیں ہے کہ وہ کسی انسان کو تمام مُلک یا تمام قوم کی رسائی اور ہمدردی پر آمادہ کرے، اِس لئے مولانا نے اِس موقع پر لکھا ہے کہ بعض اوقات زمانہ کی ضرورتیں خود مذہبی فرقہ میں کوئی ایسا شخص پیدا کر دیتی ہیں جو مذہب کی چھان بین کرتا ہے اور مذہب کا وہ متروک حصہ، جو زمانہ کے موافق ہوتا ہو اُسپر عمل کرتا اور اُس کو رواج دیتا ہے۔

خود مذہب اُس میں استقلال پیدا کرتا ہے، جس کی بدولت وہ قوم کی عام شاہراہ کے خلاف اپنی کٹھن منزل طے کرتا ہے۔ مولانا کا یہہ نظریہ، جو اُنھوں نے سرسید کی ترقی کی توجیہ بیان کرنے کے لئے قایم کیا ہے، اُس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور فی الحقیقت اُنھوں نے نہایت عمدگی سے اِس نظریہ کو سرسید کی زندگی اور اُنکے تمام مہتم بالشان کاموں پر منطبق کیا ہے؛ مگر ہمارے نزدیک ایک حلقہ اِس سلسلہ کا باقی رہگیا ہے، جس کے بغیر یہہ سلسلہ تمام نہیں ہوتا اور وہ یہہ ہے کہ آخر ایسا شخص، جو زمانہ کی ضرورتوں کا احساس کرتا اور قومی رفارمیشن پر آمادہ ہوجاتا ہے، دلی ہی میں کیوں پیدا ہوا اور اِس شہر کی خاک میں کیا خصوصیت تھی، جس سے ایسا عالی دماغ اور روشن ضمیر رفارمر پیدا ہوا۔ اِس کا جواب یہہ ہے کہ سرسید کی زندگی میں جو انقلاب عظیم پیدا ہوا، وہ غدر کے زمانہ کے بعد ہوا ہے اور غدر میں مسلمانوں کی تباہی اور بدبختی کا جو منظر دلی میں پیش نظر تھا، وہ کسی اور مقام پر نظر نہیں آسکتا تھا اس شخص کے لئے جسکو قدرت نے مسلمانوں کی اصلاح کے لئے موزوں پیدا کیا تھا، اِس مقام سے زیادہ کوئی جگہ عبرت خیز اور موثر نہیں ہوسکتی تھی۔

سرکاری خدمات پر ریویو کرنے کے بعد مولانا نے اُن پولٹیکل خدمات کا ذکر کیا ہے جو سرسید نے انجام دیں؛ مگر چونکہ اُن کی زندگی کا یہہ حصہ درحقیقت گورنمنٹ کے سوا اوروں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ اسلئے کوئی چارہ اِسکے سوا نہیں ہے کہ انگریزوں نے جو رائیں اُن کی پولیٹکل خدمات پر ظاہر کی ہیں، اُن کو ایک جگہ جمع کردیا جائے۔

سرسید نے اُردو لٹریچر کی جو خدمات انجام دیں، اُن کو بیان کرتے ہوئے مولانا نے یہہ بھی لکھا ہے کہ اُنھوں نے ایک اُردو ڈکشنری لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور اُس کا نمونہ سوسائٹی کے اخبار میں چھپوایا تھا؛ مگر یہہ ڈکشنری کسی وجہ سے ناتمام رہی۔ ہم اِس موقع پر یہہ بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ اِس سخت ضرورت کو جس کو ہماری قوم ایک مدت سے محسوس کررہی تھی، سرسید ہی کے ہم نام منشی سید احمد صاحب دہلوی نے پورا کیا ہے اور اُن کی ڈکشنری حال میں مکمل ہوکر چھپ گئی ہے۔ ڈکشنری کے سوا سرسید نے ایک اور کتاب اُردو لٹریچر کی تاریخ پر لکھنی چاہی تھی؛ مگر اُسکے لکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ اُن کا ارادہ تھا کہ اُس میں اُن تمام

اردو کتابوں کا نام لکھیں، جو اُنکے زمانہ تک چھپ چکی تھیں اور اُنکے مصنفوں کا حال، تصنیف کا زمانہ، طرز بیان اور مختلف مقامات سے اُن کی عبارتوں کے نمونے اور اُن کے مضامین کا خلاصہ بھی اُس کتاب میں درج کرنے کا ارادہ تھا۔ اِسمیں شک نہیں کہ یہہ کتاب بھی ڈکشنری کیطرح بیحد مفید ہوتی۔ اگر آجکل کوئی شخص اِس مفید کام پر توجہ کرے، تو ہمارا قومی لٹریچر اُس کے بارِ احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہو سکے گا۔

"تہذیب الاخلاق" کے نتائج کے ذکر میں مولانا نے لکھا ہے کہ اُس نے قدیم بزرگوں کی علمی اور دماغی ترقیوں سے مسلمانوں کو مطلع کیا اور اُنمیں فخر و مباہات کا جوش توقع سے زیادہ پیدا کر دیا۔ ہم اِس موقع پر اِس بات پر افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اِس جوش سے بجائے اِسکے کہ اُن میں ترقی کی حرکت پیدا ہو، اسلاف پرستی کا مذاق بہت زیادہ پھیل گیا ہے۔ جن کتابوں، اخباروں، اور رسالوں میں اِس مذاق مضامین نہ ہوں، اُنکی اشاعت بہت کم ہوتی ہے۔ جن لکچروں، اسپیچوں اور آرٹکلوں میں اِس قسم کی باتیں نہ ہوں، وہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی اور وہ بہت کم مقبول ہوتے ہیں۔ نواب عماد الملک نے رام پور کے اجلاس کانفرنس میں جو بے نظیر اسپیچ کی تھی، اُس میں خصوصیت سے مسلمانوں کے اِس مذاق پر ایک نہایت عمدہ ریمارک کیا ہے اور وہ اپنی قوم کو ملامت کرکے اِس بات پر متنبہ کرتے ہیں کہ اُن کو یورپ کی جدید معلومات اور ترقیات سے مستفید ہونا چاہیئے اور پرانی لکیر کا فقیر بننا نہیں چاہیئے۔

"تہذیب الاخلاق" کا ایک نتیجہ مولانا نے اردو شاعری کا انقلاب بھی بیان کیا ہے؛ مگر ہمارے نزدیک اگر شاعری میں کوئی نیا انقلاب پیدا ہوا ہے، تو اُس کے شروع کرنے والے صرف مولانا حالی ہیں اور اب تک جو حال شاعری کا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتمہ بھی اُنھیں کے نام پر ہوگا۔ مولانا کے سوا اِس وقت تک اردو زبان کے کسی شاعر نے حقایق کے بیان کرنے پر توجہ نہیں کی ہے اور جو دو چار آدمی اِس طرف متوجہ ہوے ہیں، اُن کے ہاتھ سے شاعری کی باگ بھی نکل گئی ہے۔

"تہذیب الاخلاق" کے ذکر کے بعد مولانا نے محمدن کالج علی گڑھ کی مفصل کیفیت، اور اُس کی تعلیم و تربیت کے

تاریخ کو بیان کیا ہے۔ اگرچہ ایک موقع پر
انھوں نے کالج کے مفصل حالات کو
نواب محسن الملک بہادر کی اُس کتاب پر
محول کیا ہے، جو وہ کالج کی تاریخ پر لکھ رہے تھے!
تاہم جو کچھ مولانا نے بیان کیا ہے، وہ بھی
اس قدر مفصل ہے کہ کوئی پہلو بحث کرنے کو
نہیں چھوٹا۔ اُنھوں نے باوجود اسکے
کہ اس میں یونیورسٹی کے نصاب تعلیم
اور اُسکے قواعد و ضوابط کی پابندی کرنی
پڑتی ہے اور آزادانہ تعلیم و تربیت جیسی کہ
سر سید کے خیال میں تھی، نہیں ہوتی،
ہندوستان کی دیگر کالجوں پر اُسکو نہایت
عمدگی اور خوبی سے ترجیح دی ہے اور
امتیاز کے جو دلائل بیان کئے ہیں، وہ
فی الحقیقت ایسے پُر تاثیر اور مستحکم ہیں کہ
اُن کو پڑھنے کے بعد کسی مسلمان کو اسکے سوا
چارہ نہیں ہے کہ وہ دل سے کالج کا ہوا خواہ
اور حامی اور ممد و معاون ہو۔ اس قدر
مفصل اور مدلل حال جو کالج کا بیان کیا گیا ہے
اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سر سید کی زندگی کا
بہت بڑا کارِ نمایاں ہے۔

محمدن کالج کے ذکر میں مولانا نے
لکھا ہے کہ "بارہا خود مدبرانِ سلطنت نے
ایجوکیشنل درباروں میں کہا ہے کہ
سرکاری کالج اور یونیورسٹیاں کامل تعلیم
دینے سے قاصر ہیں۔ پس جو تعلیم کا اصلی
مقصد ہونا چاہیے، اُسکو سر دست
ہندوستان کی کسی کالج میں ڈھونڈنا
لاحاصل ہے۔ ہاں اگر ہندوستانیوں میں
اتنی ہمت اور اُسکے ساتھ قدرت بھی ہو
کہ وہ بھی یورپ کی کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرح
اپنے پرائیوٹ کالجوں میں فیلو سسٹم جاری
کریں، یا اپنی یونیورسٹی الگ قائم کریں،
تو ممکن ہے کہ اس ملک میں بھی ویسے ہی
محقق اور موجد اور مخترع پیدا ہونے لگیں،
جیسے انگلستان، فرانس اور جرمنی میں
پیدا ہوتے ہیں؛ مگر یہ سب ناشدنی
باتیں ہیں، جن کو ہندوستان کی آب و ہوا
راس آتی معلوم نہیں ہوتی۔" اس بیان سے
معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو قومی یونیورسٹی کے
قائم ہونے سے مایوسی تھی، مگر ہم نا امید
نہیں ہیں۔ سر سید کو جو دقتیں قوم و ملک سے
چندہ جمع کرنے میں پیش آئیں اور جن کے
باعث سے وہ مجبور ہوئے کہ گورنمنٹ سے
گرانٹ ان ایڈ کی درخواست کریں اور
گرانٹ ان ایڈ ملنے کے بعد وہ اس بات پر
مجبور ہو گئے کہ آزادانہ طریقہ سے محمدن کالج میں
تعلیم و تربیت جاری نہ کر سکے، وہ دقتیں
ضرور نہیں ہے کہ ہمیشہ پیش آئیں جب کہ
قوم میں تعلیم یافتوں کی تعداد روز بروز

بڑھتی جاتی ہے، تو کیا عجب ہے کہ جسطرح وہ آج ایک علیحدہ اور مستقل یونیورسٹی کی ضرورت کو محسوس کر رہے ہیں، ایکدن اپنے ارادہ میں کامیاب بھی ہوجائیں۔ اگر محمدن کالج علی گڈہ کو یونیورسٹی بننے کا موقع نہ مل سکے اور خدا نہ کرے کہ ایسا ہو، تو یہہ ممکن ہے کہ کوئی اور اسلامی کالج یونیورسٹی کا پیرایہ اختیار کرے اور اُس میں فیلو سسٹم جاری ہوکر مسلمانوں کے علمی اور عملی ترقیوں کا باعث ہو۔

محمدن کالج کے ذکر میں مولانا نے ایک اور اہم قومی معاملہ کا ذکر کیا ہے اور وہ قومی لباس کا مسئلہ ہے۔ سر سید نے یہہ چاہا تھا کہ کالج کے تمام مسلمان طلبا ٹرکش ڈریس اختیار کریں، مگر بعض موانع کی وجہ سے وہ قاعدہ جاری نہیں ہوسکا باوجود اسکے کالج کے اکثر طلبا اپنی خوشی سے اِسی لباس کو پہنتے ہیں اور جب یہہ لباس پہنکر اپنے وطن میں جاتے ہیں، تو اکثر مسلمان نوجوان اُنکی دیکھا دیکھی وہی لباس اختیار کر لیتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں کہ اسطرح "محمدن کالج ہندوستان کے مسلمانوں میں آہستہ آہستہ ایک قومی لباس کو رواج دے رہا ہے"؛ چونکہ بدقسمتی سے ٹرکی کے ساتھ برٹش گورنمنٹ کے پولٹیکل تعلقات پچھلے زمانہ میں اچھے نہیں رہے، اسلئے عام طور پر مسلمان اس لباس کو پہنتے ہوے ڈرتے ہیں اور بعض کا خیال یہہ ہے کہ گورنمنٹ ایسے مسلمانوں کو باغی خیال کرتی ہے، مگر ہمارے نزدیک گورنمنٹ کی نسبت یہہ خیال کرنا بالکل غلط ہے اور اُس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ہاں یہہ سچ ہے کہ بعض تنگدل انگریز، جو بقول مولانا کے ہندوستانیوں کو ہمیشہ پست اور ذلیل حالت میں دیکھنا پسند کرتے ہیں، وہ اِس لباس سے ناراض ہوتے ہیں؛ لیکن چونکہ گورنمنٹ نے ہم کو ہر قسم کا لباس پہننے کی آزادی دی ہے، اور انگریزوں میں بھی زیادہ تر وہی فیاض اور آزاد طبع لوگ ہیں، جنکے ایسے متعصبانہ خیالات نہیں ہیں، اِس لئے ہم کو اِس باب میں کسی کی پروا نہیں کرنی چاہیئے اور اپنے اِس قومی لباس کو جو علاوہ خوش قطع اور خوشنما ہونے کے ہر موسم اور ہر حالت کے مناسب اور قواعد حفظان صحت کے بھی موافق ہے، کبھی ترک کرنا نہیں چاہیئے، بلکہ اسکو جہانتک ممکن ہو زیادہ رواج دینا چاہیئے۔

مولانا نے یہہ بیان کرکے کہ سر سید نے مسلمانوں کی تمام آیندہ ترقیوں کی بنیاد انگلش ایجوکیشن کو قرار دیا تھا، اُس مخالفت کا ذکر کیا ہے، جو سر سید نے پنجاب یونیورسٹی کے

قائم ہونے پر کی تھی، پھر ٹیکنیکل ایجوکیشن کی مخالفت میں اُنکی تقریروں اور تحریروں کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعض وجوہ سے سر سید کو یہہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ گورنمنٹ ہائی انگلش ایجوکیشن کو موقوف کرنیکے درپے ہے اور اُسکی جگہ ٹیکنیکل ایجوکیشن کو رواج دینا چاہتی ہے، اس بنا پر اُنھوں نے مختلف مضامین ٹیکنیکل ایجوکیشن کے برخلاف لکھے اور ایک رزولیوشن بھی ایجوکیشنل کانفرنس کے پانچویں اجلاس میں پیش کیا تھا اور اُس پر ایک طویل تقریر کی تھی، اگرچہ یہہ تو سچ ہے کہ سر سید ملک اور قوم کے حق میں اعلیٰ درجہ کے لٹریری تعلیم کو نہایت مفید جانتے تھے اور یہہ بھی سچ ہے کہ جس تعلیم سے اُس میں خلل واقع ہو، اُسکی مخالفت کرنے کو وہ اپنا فرض سمجھتے تھے، لیکن ہمارے نزدیک یہہ کافی وجہ اس مخالفت کی نہیں ہے۔ چونکہ اِس مسئلہ پر بار بار راقم کے سامنے بحث ہوئی ہے اور سر سید نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، اِس لئے راقم کے نزدیک بڑی وجہ سر سید کی مخالفت کی یہہ نہیں تھی کہ ٹیکنیکل ایجوکیشن سے لٹریری ایجوکیشن میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے، بلکہ وہ درحقیقت اُس کو ملک کے حق میں اُسی حالت میں مفید سمجھتے تھے، جبکہ وہ اعلیٰ پیمانہ پر جاری کی جائے اور اُن کا خیال یہہ تھا کہ اعلیٰ درجہ کی ٹیکنیکل ایجوکیشن کے لئے نہ کافی سامان جمع ہو سکتا ہے، نہ اُن مشکلات کو آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے، جو اُسکی راہ میں عائق ہوں گی۔ اِس وجہ سے وہ اپنی تقریر و تحریر کا سارا زور اِسی بات میں صرف کرتے تھے کہ اعلیٰ درجہ کی لٹریری ایجوکیشن کو، جو ایک عرصۂ دراز کے بعد موجودہ حالت تک پہونچ چکی ہے، کوئی صدمہ پہونچنے نہ پائے۔ اُن کا یہہ بھی خیال تھا کہ لٹریری ایجوکیشن کی ملک میں ابھی کافی اشاعت نہیں ہوئی ہے اور جب کافی اشاعت ہو جائیگی تو تعلیم یافتہ لوگوں کا گروہ اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکے گا کہ ٹیکنیکل ایجوکیشن کا ملک کے لئے کس پیمانہ پر جاری کرنا مفید ہوگا اور اُس کے لئے کیا سامان درکار ہے۔ موجودہ حالت میں اگر کوئی ادھوری اور ناقص سکیم ٹیکنیکل ایجوکیشن کی جاری کی گئی، تو وہ ملک کے حق میں مضر ہوگی اور ایک جم غفیر کو لٹریری ایجوکیشن سے محروم کر دیگی۔ پس جب تک اس وجہ کو جو ہم نے بیان کی، اُس وجہ کے ساتھ جو مولانا نے بیان کی ہے، شامل نہ کیا جائے، ٹیکنیکل ایجوکیشن سے سر سید کی مخالفت کی کافی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ (باقی آیندہ)

نوٹ: ہم کو افسوس ہے کہ بعض پرچوں کے طویل ہونے کی وجہ سے ہم اس پرچہ میں اُن مضامین کو درج نہیں کر سکے جو معارف میں شایع کرنے کو ہمارے پاس بھیجے گئے ہیں، امید ہے کہ آیندہ پرچوں میں ہم اُن کے لئے جگہ نکال سکیں گے۔ (اڈیٹر)

معلوم ہو! ہم نے جلد سوم معارف کو ششماہی پر تمام کر دیا ہے یعنی جولائی سنہ ۱۹۱۸ء سے دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء تک اس جلد کو ختم کیا گیا ہے اور جنوری سنہ ۱۹۱۹ء سے نئی جلد یعنی جلد چہارم شروع کر دی ہے، جو جنوری سنہ ۱۹۱۹ء سے شروع ہو کر دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء تک تمام ہوگی، جلد سوم کی قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ ہے اور وہ (۲، ۲، ۲) صفحات (۲۰×۲۶) پر مشتمل ہے۔

کتابیں جو دفترِ معارف سے مل سکتی ہیں

(۱) جوشِ مذہبی (مذہبی جوش سے عمدہ کام لینے کی ترکیب) قیمت ۸ر

(۲) ترک ینگ کرنے (ترکوں کے کھانے اور اُنکے تیار کرنیکی ترکیبیں) قیمت ۸ر

(۳) وبائی ہیضہ میں ہمکو کیا کرنا چاہیئے؟ قیمت ۲ر

(۴) بہشتِ شدّاد (ایک ترک ناول نویس کی دلچسپ تحریر کا نمونہ جس کی بنیاد باغِ ارم کے تاریخی قصہ پر رکھی گئی ہے) قیمت ۸ر

(فیس ویلیو و محصولِ ڈاک خریدار کے ذمّہ ہے)

(منیجر معارف)
(دفتر معارف)
(پانی پت)

حضرات خریداران معارف

کی خدمت میں

نہایت ضروری التماس

اِس خیال سے کہ ہم کو اور حضرات خریدانِ معارف کو حساب فہمی میں کسی
طرح کی مشکل اور دقت پیش نہ آئے، ہم نے "معارف" کی تیسری جلد کو صرف
ششماہی پر (یعنی جولائی سنہ ۱۹۰۰ع سے دسمبر سنہ ۱۹۰۰ع تک) تمام کر دیا ہے اور جنوری
سنہ ۱۹۰۱ع سے چوتھی جلد شروع کر دی ہے، جو دسمبر سنہ ۱۹۰۱ع پر تمام ہوگی۔ پس جن
حضرات سے "معارف" کی سالانہ قیمت (جولائی سنہ ۱۹۰۰ع سے جون سنہ ۱۹۰۱ع تک)
ہم کو وصول ہو چکی ہے، اُن کو ہم پوری تیسری جلد کا اور نصف چوتھی
جلد کا خریدار تصور کریں گے اور جولائی سنہ ۱۹۰۱ع کا رسالہ اُن کی خدمت میں
باقی نصف چوتھی جلد کے لئے بطور ویلیو پے ایبل کے روانہ کرینگے۔
اِس ویلیو سے ہم ششماہی آیندہ (یعنی جولائی سنہ ۱۹۰۱ع سے دسمبر سنہ ۱۹۰۱ع
تک) کی قیمت یعنی صرف دو روپیہ ہر خریدار سے وصول کرینگے اور اس طرح
وہ پوری چوتھی جلد کے خریدار متصور ہوں گے؛ مگر جن صاحبوں کو نصف
سال آیندہ کی خریداری منظور نہ ہو وہ بوالیسی ڈاک ہم کو کارڈ پر
اطلاع دیں، تاکہ ہم اُن کی خدمت میں ویلیو روانہ نہ کریں اور ہم کو اور
اُن کو کوئی شکایت کا موقع نہ رہے۔

(خاکسار منیجر معارف)
(دفتر معارف)
(پانی پت)

معارف

جلد ۱۲ | جولائی سنہ ۹ء | نمبر ۷

قیمت سالانہ مع محصولڈاک للعہ | مقام اشاعت: دفتر معارف پانی پت | قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصولڈاک ۵ر

ناول

مرقع سرکیشیا

(۴۹-۵۶)

فاروقی پریس دہلی میں عبد السلام منیجر کے اہتمام سے طبع ہوا

مقاصد اور قواعد

۱ یہہ علمی اور ادبی رسالہ جو بلاد عثمانیہ کے نامور ترکی رسالوں کے نمونہ پہ ہے اور جو (معارف) کے نام سے موسوم ہے، ہر مہینہ کی آخری تاریخکو (پانی پت) سے شایع ہوتا ہے۔ اسمیں (۳۲) صفحات پہ مضامین اور (۸) صفحات پہ ایک دلچسپ ناول ہوتا ہے۔

۲ اس رسالہ کا مقصد یہہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے اُردو زبان کے علم ادب کا دائرہ وسیع ہو اور اُسمیں ہر قسم کے علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین لکھے جائیں؛ مغربی اور مشرقی طرز کی عمدہ اور پاکیزہ نظمیں درج کیجائیں۔ انگریزی، عربی، اور ترکی زبانوں کی نایاب کتابوں اور اخباروں اور رسالوں سے ہر قسم کے مفید اور دلچسپ اور پاکیزہ مضامین ترجمہ کئے جائیں؛ تاکہ مسلمانوں میں روشن ضمیری، عمدہ تربیت اور تہذیب کی اشاعت ہو۔

۳ یہہ ضرور نہیں کہ ہر پرچہ میں ہر قسم کے مضامین شامل ہوا کریں؛ بلکہ ان اقسام کے مضامین یکے بعد دیگرے شایع کئے جاتے ہیں۔

۴ اسمیں ملک کے بڑے بڑے نامور اہل قلم اور مضمون نگاروں اور اعلی درجہ کے انشا پردازوں کے مضامین شایع کئے جاتے ہیں۔ جو حضرات کسی مضمون میں اپنا نام درج کرانا نہیں چاہتے اُن کا نام ظاہر نہیں کیا جاتا۔

۵ اس رسالہ کی قیمت سالانہ مع محصولڈاک عام لوگوں سے (للعہ) ہے جو پیشگی نقد قیمت بھیجنے یا ویلیو پی ایبل کی درخواست کرنے سے خریداروں کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ نمونہ کے پرچہ کیلئے (۵) کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔ اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص، یا انجمن، یا مدرسے کے لئے کم نہیں ہوسکتی۔ ایسی درخواستوں کا مطلق جواب نہیں دیا جاتا۔ دولتمندوں یا حکمراں طبقہ کے معزز لوگوں سے معمولی قیمت سے اسقدر زیادہ قیمت لیجائیگی، جسقدر کہ وہ دینا پسند کریں، تاکہ علم و ہنر کی اشاعت میں، اُن کو کسقدر فیاضی سے اظہار کا موقع مل سکے۔ اس رسالہ کے متعلق تمام خط و کتابت (دفتر معارف پانی پت) اور مولوی وحید الدین سلیم اڈیٹر معارف کے نام ہونی چاہئے۔ رسالہ کی قیمت بھی انھیں کے نام آنی چاہئے۔ جواب طلب امور کیلئے آدھ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا ضروری ہے۔

۶ جو بزرگ اس رسالہ کی خریداری منظور فرمائیں، اُن سے اُمید کیجاتی ہے کہ وہ اپنا نام اور مکمل پتہ صاف لفظوں میں تحریر فرمائیں گے۔

۷ حضرات خریداران معارف سے اُمید ہے کہ اپنے پتہ کی تبدیلی سے وقتاً فوقتاً رسالہ کی تاریخ اشاعت سے پہلے دفتر معارف کو مطلع فرماتے رہیں گے۔

۸ اگر کوئی پرچہ ڈاک میں گم ہوجائے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دینے پر بلا قیمت مل سکتا ہے، ورنہ قیمت بھیجکر طلب فرمائیں۔

۹ جو حضرات معارف کے لئے مضامین مرحمت فرمائیں وہ خوش خط اور صاف لکھوا کر بھیجیں، تاکہ چھپنے میں آسانی ہو، اور کوئی غلطی نہ رہجائے۔

اڈیٹر مولوی وحید الدین۔ سلیم مقام
اشاعت دفترِ معارف - پانی پت۔
عام خریداروں سے قیمتِ سالانہ
مع محصول ڈاک للعہ۔ قیمت فی پرچہ
نمونہ مع محصول ڈاک ۵ر

معارف

اِس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص
یا انجمن یا مدرسے کے لئے کم نہیں ہو سکتی

یہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو
شایع ہوتا ہے۔ اسمین علمی فلسفی، اخلاقی
مذہبی ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین
نکلتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کی نظمیں
اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے

قیمت نقد بھیجئے یا ویلیو پی ایبل کی اجازت دیجئے۔ نمونہ کے لئے ٹکٹ ارسال کیجئے۔ نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھئے۔
پتہ بدلنے پر فوراً مطلع کیجئے۔ خط و کتابت یا ارسالِ زر اڈیٹر کے نام کیجئے۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجئے

جلد ۴	جولائی سنہ ۱۹۰۶	نمبر ۷

جواب

اپنے[1] سوال کا جواب چاہتے ہو؟ یہ بہت مشکل ہے، کیونکہ ایک زخمی دل کے اسرارِ متعلقہ[2] کی تشریح کرنی ہوگی۔ اِس نیازمند کی تفکر اور تخییل کی ماہیت معمولی تحقیقات سے نہیں معلوم ہو سکتی کبھی نہیں بھول سکتی ہوں۔ وہ دن، وہ ساعت، وہ بہشت ابتک میرے دل میں ہے۔ جبکہ اُس آبِ روانِ ذی صفا، اُس بہشتِ دنیوی، اُس صحرائے سودا پیما[3] میں ہم گئے تھے۔ ہماری کشتی حرکاتِ رقصیہ[4] کے ساتھ پانی پر جاتی تھی۔ ایک درخت کے سایہ کے نیچے ٹھہر گئے پھر ایک گاؤں کے قریب گئی۔ ازاں بعد علیحدہ علیحدہ پھر کے ایک درخت کے سایہ فرح پرور مین ایک عمدہ جگہہ ہمین ملی۔ نظر کے سامنے دریا موجزن تھا۔ موقع کی لطافت اور اُس سے پیدا ہونیوالی تاثیراتِ لطیف کی بحث ہو رہی تھی کہ سلسلۂ کلام عشق کی طرف منتقل ہوگیا۔ تمنے اُسوقت ایک مدید[5] اور تحسر[6] افزا آہ کھینچی تھی۔ مین نے سبب پوچھا تو تمنے "کچھ نہیں" کہکر اپنی نظر سامنے گاڑ دی۔ تم چھپا نہ سکیں۔ مین نے تمہاری پلکوں میں سے چھن کر رخساروں پر آنسو ڈھلکتے دیکھے تھے۔

اپنے سوال کی میں نے تکرار کی۔ وجہ ملال معلوم کرنا چاہتی تھی۔ تمنے " اوہ! آہ! وہ!.... کہا۔ مین۔ "اوہ! وہ" کیا ہوئی مین کچھ بھی نہ جانتی تھی۔ مجھے ہنسی آتی تھی۔ اوہ کیا! یہ کیا چیز ہے!؟ اُس کے کرنیکے مطلب اُسوقت میرے لئے مکشوف نہ تھے۔ مقتوزہ[7] نگارہ[8]

---

[1] یہ مضمون ترکی زبان کے نامور اخبار "ثروت فنون" سے ترجمہ کیا گیا ہے اور حتی الوسع ترکی طرزِ تحریر اور ترکیبِ عبارت کو قائم رہنے دیا ہے۔ اصلی مضمون نگار کا نام خلیل رشدی ہے۔

[2] سربستہ۔ [3] جنون انگیز۔ [4] ناچتی ہوئی جا رہی تھی۔

[5] لمبی [6] حسرت پیدا کرنیوالی [7] معلوم نہ تھے۔

تمنے عشق کی تعریف کی تھی اُسوقت میرے دل میں ایک خفیف سا مرتعش جسم ہوا تھا۔

چاہنا، چاہا جانا! ان دونوں خصوصیت علویہ سے بالکل بیگانہ تھی کچھ خبر نہ تھی۔ میرے نزدیک محبت، سوائے والدین کے ساتھہ محبت کرنیکے اور کوئی معنے نہیں رکھتی تھی آس دن تمھاری کیفیت سے معلوم ہوا کہ محبت اور بھی کچھ ہے اور اُسمیں علویت، قدسیت، ہیجان اور اضطراب بھی ہے مگر میں بھی کسیکو چاہتی تھی نہیں نہیں۔

وہ تمھاری بات ابتک میرے کان میں عکس انداز ہوتی ہے تمنے کہا تھا "اگر تصور کرتی ہوں تو میری نگاہ کے سامنے جلوہ گر ہوتا ہے، سوتی ہوں تو خواب میں آتا ہے۔ کسی چیز کو دیکھتی ہوں وہی دکھائی دیتا ہے کسی خوبصورت شے کو دیکھتی ہوں تو اُسی سے مشابہ پاتی ہوں۔ وہی میرا رفیق و مونس ہے۔ اُسکے وجود پر مجھے افتخار ہے۔ میرے خیالات متلذذ ہیں۔ وہ مجھے بہت پیارا ہے۔ ہمیشہ اُسی کا خیال رہتا ہے۔ جس طرح فکر کی غذا مطالعہ ہے اُسی طرح روح کی غذا عشق ہے۔ آہ! میں اُسے بہت چاہتی ہوں"

بیشک۔ بیشک۔ میں بھی تصور کرتی ہوں تو میرے سامنے خندہ و نوازش سے تجلی کرتا ہے۔ مجھے اُسکے خیال نے مسخر کرلیا۔ میں اکثر نہایت مغموم، کدورتناک و مضطرب حالت میں کمرے میں تکیہ لگائے، سر کو ہاتھوں پر رکھے ہوئے پڑی رہتی ہوں سوچتی ہوں اسوقت منظرہ میں اُس وجود کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ دیکھتی ہوں بدن میں رعشہ ہوجاتا ہے۔ جانتے ہو کیوں ہے؟ اپنی مدِ مقابل سے کچھ خوف و تردد ہے۔ اپنے حال کو ظاہر ہونے سے ڈرتی ہوں۔ اُسکا ظاہر ہونا مجھے اثرات سے اندیشناک ہوں خود اپنے سے رشک کرتی ہوں ایسی کہا نہیں؟ اُسے دیکھتی ہوں ہنسی، خوشی، اور رنج و اندیشہ سب میرے لیے پہاڑ ہیں۔ مدت سے اسی حال میں ہوں۔ ایک بجلی کوندتی رہتی ہے کیا تم نہیں جانتیں؟ عشق! عشق!

متردد ہوں اُس سے ملکر ہمیشہ سعادت مند ہونیکی آرزو میں سینکڑوں دن اور سینکڑوں راتیں گذار دیں۔ کیا میری آرزو پوری ہوگی؟ ہوگی! ہوگی! وہ تو میری روح وجان ہے۔

قوتِ واہمہ کی تاثیر عجیب عجیب ہوتی ہے۔ بلا اختیار آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے ہیں۔ دامنِ صبر چھوٹ جاتا ہے اُٹھ کھڑی ہوتی ہوں۔ اور پھر آرام کرسی پر جاگرتی ہوں۔ وہ آنکھوں کے سامنے نظر آتا ہے۔ رونا چاہتی ہوں، مگر نہیں رو سکتی۔ بھاگتی ہوں اور اکثر باغ میں نکل جاتی ہوں۔ برابر ٹہلتی رہتی ہوں اور خیال کرتی ہوں کہ وہ میرے پیچھے ہے۔

رات کو بہت چاہتی ہوں، لیکن رات کو نیند نہیں آتی۔ آخر کار پلکوں سے پلکوں کے ملانے کی کوشش میں تھوڑی دیر کے لئے کامیاب ہوتی ہوں کہ ایک لرزش غالب آجاتی ہے وہ کمرے کے دروازے

---

۵۰ تسکین محسوس ہوئی تھی۔ ۵۱ روحانیت ۵۲ پاک خیال۔ ۵۳ گھبراہٹ ۵۴ یعنی رقت پیدا کرتی ہے ۵۵ مزیدار۔ ۵۶ کدر

۵۷ خیال کا آئینہ ۵۸ کامیاب ہونیکی آرزو میں ۵۹ لرزہ۔

کنارے کھڑا نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہ لسان حال[51] سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ دل بے انتہا شدت سے دھڑکنا شروع ہو جاتا ہے۔ ڈرتی ہوں[52] کوئی اُسوقت دیکھتا ہو تو.... اُنہیں نہیں! میں کس خوف میں ہوں۔ وہ کمرے میں کس طرح آسکتا ہے۔ پھر بھی محترزانہ[52] بستر سے بھاگنا چاہتی ہوں۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتی ہوں کہ کمرہ تاریکی شب میں ساکت[53] ہے۔ لیمپ کی دھیمی روشنی آئینہ پر پڑکر بہت خفیف چمک حاصل کر رہی ہے۔ ہو کا عالم ہے۔ صرف میرے دل کی دھڑکن زوروں پر ہے تکیہ پر سر رکھ کے پھر سوچنے لگتی ہوں یہ خواب تھا! اب بھی اور اب اصلیت معلوم ہوئی، مگر آہ! پھر میں سو سکی؟ صبح داخل ہوتی ہے۔ اُفق پر ایک نورانی سفیدی سی پھیل جاتی ہے، مگر وہ میرے دل سے کسی طرح نہیں نکل سکتا۔

رونے کے درجہ تک پہنچ جاتی ہوں۔ مجھے کیوں چھوڑ گیا؟ میری راحت اور آرام کو کیوں سلب کر لیگیا؟ کبھی کہنے لگتی ہوں "اُسکا خیال دل سے نکال دوں گی اور اب اُسے نہ چاہوں گی" مگر جب میں یہ کہتی ہوں، دل شدت سے دھڑکنے لگتا ہے الغرض اس مخزن اسرار علویہ[54] (دل) کو محبت نے رقت و تاثیر کے ساتھ تسخیر کر لیا ہے۔ اُٹھتی ہوں اور دریچے کے کنارے آکر بیٹھ جاتی ہوں۔ نیچر کی لطافت سے نو میں نگہ انداز حیرت[55] ہوتی ہوں۔ ہر چیز، ہر جگہ خوبصورت آغاز صبح کے ابتسام نشوہ نمایات[56] کا، ایک چڑیا اپنے زمزمۂ طرب فزا سے خیر مقدم کرتی ہے۔ میں اُس تبسم سے حیران ہوں اور اُس زمزمہ کی مشتاق ہوں۔ صبح کی لطافت مجھے محو تماشا کر دیتی ہے۔ وہ لحن دلنواز مجھے گویا گھنٹوں نشے میں ڈالدیتی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ میں صبح کے ابتسام لاہوتیانہ[57] کو دیکھنا چاہتی ہوں اور نہ اُس زمزمۂ دلفریبانہ کی عاشق ہوں۔ میرے نزدیک تو وہ چہرہ ایک تبسم ہے روح افزا اور وہ آواز ایک ترانہ ہے نشوہ بخش[58]!

اُسکی صورت کیا تھی؟ وہ ایک کشیدہ قامت نوجوان تھا[59] قرمزی بانات کے کوٹ پر نہایت خوبی سے زرد فیتا لگا ہے جس سے آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوتی ہے۔ تلوار زیب کمر ہے۔ اُس کا تبسم، اُسکی صافیت قلب کی خبر دیتا ہے۔ متین اور شکیل[60] جوان ہے۔ اُسکے اخلاق حسنہ بیحد علاوہ یہ کا ذکر ہر شخص کی زبان پر ہے۔ اجمالی بے محلہ میں ہمارے ہی مکان کے قریب رہتا تھا۔ جو معلوم تھا کہ میرے دل میں اُسکی جگہ ہے۔

پانچ برس عہدہ[61] کی ترقی پاکر چلا گیا اور میری حد دائرۂ رویت[62] سے باہر ہو گیا۔ اُسوقت خبر ہوئی کہ اُس نے میرے دل میں کیسا گھر کر لیا تھا اب میری آنکھیں اُس صورت کو ڈھونڈھتی ہیں اور کان اُس آواز کو ترستے ہیں۔ اب میں نے محبت کی مٹھی، مگر ہیجان انگیز تاثیرات کا حس کرنا شروع کیا۔

---

[51] زبان حال سے [52] ڈرتی ہوئی [53] یعنی کمرہ میں سناٹا ہے
[54] آسمانی بھیدوں کا خزانہ [55] حیرت سے دیکھتی ہوں۔

[56] صبح کا تبسم جسکو دیکھکر انسان مست ہو جاتا ہے [57] روحانی تبسم [58] کردہ ذوا [59] خود دار [60] اخلاق [61] انکھوں سے او جھل ہو جانا

طاقت صبر وتحمل نہ رہی۔ عارضاتِ سوداوی[1] نے رنگ زرد کردیا۔ آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے۔ یہ انحطاط[2] مؤثر ہے۔ اور یہ درد مجھے مار کر رہیگا۔

الغرض یہ وجہ ہے کہ میں رنجیدہ رہتی ہوں۔ اور یہ سبب ہے کہ میں اندیشناک ہوں مجھیں پیاری بہن! اس ابتلا، اس ہجران، اس فکر نے مجھے کسوۂ حزن میں[3] لپیٹ دیا ہے صرف ایک آرزو ہے کہ اُسے ایک مرتبہ اور دیکھ لوں، مگر آہ!۔۔۔۔۔ (ہلدرم)

فنِ مصوّری کی تاریخ

مصوری کا فن بہت قدیم زمانہ سے ہی علم انسانی کے ماہروں نے اِس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب سے انسان نے لکھنا شروع کیا، اُسی وقت سے مصوری کا آغاز ہوا کیونکہ اوّل اوّل جب ایک انسان دوسرے انسان کو کوئی چیز بتانی چاہتا، تو اُسکی تصویر کھینچ دیتا تھا۔ نہایت طویل مباحثوں کے بعد یہ امر بالکل طے ہوگیا ہے کہ دنیا کی تمام گذشتہ قوموں میں لکھنے کا آغاز اِسی طریقہ سے ہوا ہے مگر ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ لکھنا کس زمانہ سے شروع ہوا ہے۔

پروفیسر ھیڈن نے لکھا ہے کہ جس طرح اُن ملکوں کا بتانا دشوار ہے، جن میں تصویر کا فن داخل نہیں ہوا، اُن ملکوں کا پتا لگانا بھی نہایت مشکل ہے، جن میں اوّل اوّل اِس فن کا آغاز اور نشو ونما ہوا۔ ہم اِس مضمون میں چینیوں، ہندوؤں، پارسیوں، اشوریوں اور فینشیا کے باشندوں اور اُن قوموں کا جو اُن کے آس پاس آباد تھیں، کچھ ذکر نہیں کرینگے کیونکہ تاریخ میں اِن قوموں کی نسبت کوئی بات ایسی نہیں لکھی ہے، جسپر اعتبار کیا جائے؛ مگر عام طور پر گمان یہی ہے کہ مصوری کے فن میں اِن قوموں نے ابتدائی حالت سے آگے ایک قدم نہیں بڑھایا۔

مصری البتہ اِس فن میں بہت قدیم زمانہ سے مشغول پائے جاتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی نہایت قدیم تصویریں وہ ہیں، جن پر چار ہزار برس کا زمانہ گذر چکا ہے اور جنکی رونق اور آب وتاب میں کوئی فرق نہیں آیا مصری تصویریں تین قسم کی ہیں۔ اوّل وہ تصویریں ہیں، جو مقبروں اور معبدوں کی دیواروں پر کھینچی گئی ہیں۔ دوم وہ تصویریں ہیں، جو حنوط کی ہوئی لاشوں کے کپڑوں پر بنائی گئی ہیں۔ سوم وہ تصویریں ہیں، جو مصری کاغذ پر کھینچی گئی ہیں۔ اِن میں سے پہلی قسم کی تصویریں بہت پائی جاتی ہیں اور وہی قابلِ توجہ ہیں، مگر اُن میں کوئی نادر اور دلفریب تصویر نہیں ہے؛ کیونکہ اُن میں سے اکثر تصویریں بطور رمز واشارہ کے بنائی گئی ہیں اور اُن سے اُس زمانہ کی تمدنی، مذہبی اور ملکی حالت کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ ان میں کندہ کرنے اور تصویر کھینچنے کا کام ایک ساتھ ہوتا تھا اور دوسرا کام پہلے پہلے کام کی ذیل میں داخل تھا؛ کیونکہ اُس سے گہرے اور اُبھرے ہوئے نقوش اور مجسم تصویروں کی تکمیل کے سوا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ اِسکے بعد جب کاہنوں نے مصوری کے لئے قاعدے بنائے اور مذہبی خیال سے اُس کے ضابطے مقرر کئے، تو مصری مصوروں نے

[1] دیوانگی کے جذبات [2] زوال حالت [3] یعنی مجھے غم کا لباس پہنا دیا ہے

اِس حالت سے ایک قدم آگے بڑھایا اور وہ قدیم مصریوں کی عادتوں اور اُن کی پوشاکوں کی عمدہ تصویریں کھینچنے لگے۔ بلیناس نے لکھا ہے کہ مصر میں اِس بات کی سخت ممانعت کی تھی کہ مصور اور سنگتراش اپنے فنوں میں کوئی نئی بات ایجاد کریں اور تصویریں کھینچنے یا کندہ کرنے میں وہ ہمیشہ سے جس طریقہ پر چلتے تھے اُس طریقہ پر کچھ اضافہ کرنے کی اُن کو اجازت نہ تھی یہی سبب ہے کہ اُن کے ہاتھ کی کھینچی اور کندہ کی ہوئی تصویریں ایک ہی طرز کی ہیں اور ہزاروں برس سے اُن میں کوئی فرق نہیں آیا اور جس طرح یونانیوں اور دیگر قدیم اقوام نے اِن فنوں کے دائرہ کو وسیع کیا اِس طرح اُن کی صنعتوں میں ترقی کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔ اُس میں شک نہیں ہے کہ مصری صنعت کاروں کے ایک ہی ضابطہ اور ایک ہی قاعدہ پر چلنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اُن کی صنعتیں ایک ہی رنگ میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جو سیاح وادی نیل میں سفر کرتا ہے وہ اِن صنعتوں کو دیکھکر حیران ہوتا ہے، مگر اُن میں صناعوں کی ذہانت اور صنعت کی لطافت مطلق نہیں پائی جاتی۔

مصری مصور قدرتی چیزوں کی جو تصویریں کھینچتے تھے اُن کو اُنھیں کے اصلی رنگ میں نہیں دکھاتے تھے، بلکہ اُن کے برخلاف رنگوں کا استعمال کرتے تھے۔ حسن وجمال کی تصویر تو اُن میں نام ونشان کو بھی نہیں پائی جاتی۔ اُن کی تصویروں کے دیکھنے سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ وہ قدرتی منظروں کی تصویریں نہیں کھینچتے تھے نہ روشنی اور سایہ کے اصول سے واقف تھے۔ وہ مردوں اور عورتوں کی تصویریں سرخ رنگ سے، چرندوں کی تصویریں سیاہی مائل رنگ سے اور پرندوں کی تصویریں نیلے اور زرد رنگ سے کھینچتے تھے۔ اِسی طرح ہر قسم کی تصویروں کو، جن مختلف رنگوں سے وہ رنگین کرتے تھے، وہ اُن کے اصلی اور قدرتی رنگ نہیں ہوتے تھے، بلکہ اُن کو محض اُس ضابطہ کی تعمیل کرنی پڑتی تھی جو اُن کے لئے کاہنوں نے پہلے سے مقرر کر دیا تھا۔ بعض دفعہ وہ اپنی تصویروں پر سریش یا کسی قسم کا گوند مل دیتے تھے، اُس کا یہ اثر ہے کہ اُن کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویروں کے رنگ آج تک اُسی آب وتاب سے قائم ہیں۔ مصر میں فن مصوری کے شباب کا زمانہ [illegible] قبل مسیح سے ۵۲۵ قبل مسیح تک ہے۔ اِس زمانہ کے بعد اِس فن کو مصر میں زوال ہو گیا اور یونانیوں نے سنہ عیسوی کی ابتدا میں اُس کو ترقی دینی شروع کی۔

یونانیوں نے مصوری کی صنعت بھی مثل دیگر فنون کے مصر اور ایشیا سے سیکھی تھی اور یہ بات ظاہرا قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح سے پیشتر یونان کے باشندے اپنے معبدوں کی آرائش کے لئے تصویریں کھینچتے، اور اُن پر رنگ آمیزی کرتے تھے اور اُنکی ساری کوششیں اِسی ایک بات میں محدود تھیں، مگر جب ایرانیوں اور یونانیوں میں آتش جنگ مشتعل ہوئی تو یونانیوں کی عقلی اور دماغی قوتوں میں اِس زمانہ سے ترقی ہونی شروع ہوئی اور اُنکی تصویروں میں بہت سے خاص اوصاف پیدا ہونے لگے۔ اور اِس فن نے ایک مستقل

صنعت کی شکل اختیار کی اور سکندر اعظم کی وفات کے بعد بھی وہ اپنے عروج پر قائم رہا۔ ایرانیوں اور یونانیوں کی جنگ سے پیشتر جو زمانہ گذرا، اُس کی شہرت اِس سبب سے ہے کہ اُس میں میتھالوجی یعنے یونانی دیوتاؤں کے قصوں اور افسانوں کے متعلق تصویریں کھینچی جاتی تھیں اِس زمانہ سے آہستہ آہستہ اِس فن نے آگے قدم بڑھانا شروع کیا اور یونانیوں نے طرح طرح کی تصویریں کھینچنے پر قدرت حاصل کی۔ اِس ترقی کا بڑا باعث ہم یونانیوں کے قومی اخلاق اور اُن کے مذہب کو کہہ سکتے ہیں، کیونکہ حُسن و جمال سے محبت رکھنا اُن کا ایک مذہبی اصول تھا۔ اور اُن کے دیوتاؤں کی تصویریں اِس بات پر صاف شہادت دیتی ہیں کہ وہ انسان کی شکل کو کمال کے بلندترین درجہ پر پہنچانے کے شایق تھے اسلئے جب انھوں نے مصوری اور سنگ تراشی سے مذہبی خدمت لینی شروع کی اور دیوتاؤں کی روحانی اوصاف کو قوم کی آنکھوں میں جلوہ گر کرنا چاہا، تو محنت اور کوشش اور توجہ کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اُنھوں نے دیوتاؤں کو عظمت و جلال اور حُسن و جمال کے وہ لباس پہنائے کہ اُن کو دیکھکر اِس زمانہ کے مصور بھی عالم حیرت میں ڈوب جاتے ہیں۔ یونانی مصور صدیوں تک اپنے ذہن کی جودت کو اِس فن میں صرف کرتے رہے اور محنت اور سرگرمی سے اُس کو ترقی دیتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ فن مصری کاہنوں کے ضوابط سے آزاد ہو گیا اور جو مردنی اِس فن پر وادی نیل میں چھائی ہوئی تھی، وہ اب باقی نہیں رہی، بلکہ رفتہ رفتہ زندگی اور حرکت اور آزادی کے درجہ پر پہنچ گیا۔ مصری مصور انسان کی صورت کو اسی طرح کھینچتے تھے، جو اُنھوں نے اپنے آبا واجداد سے سیکھا تھا اور اُس میں اپنی طرف سے ذرہ بھر تغیر و تبدل نہیں کرتے تھے، مگر جب یہ فن یونانیوں کے ہاتھ آیا تو اُنھوں نے اُسکو کمال کے درجہ تک پہنچانے کی کوشش کی اور اصلی صورت اور قدرتی رنگ کے ظاہر کرنے میں اپنی اُستادی کا ثبوت دیا۔

یونان میں فن مصوری کی تاریخ سنہ ۴۶۳ قبل مسیح سے پیشتر نہایت تاریکی میں ہے اور کوئی صحیح اطلاع ہمکو نہیں مل سکتی، جس سے ہم معلوم کر سکیں کہ اُسوقت مصوری کی کیا حالت تھی: مگر جب ہم اس سنہ کے قریب پہنچتے ہیں، تو آتھنز (دار الخلافۂ یونان) کو فنون لطیفہ کا مرکز پاتے ہیں۔ اِس زمانہ میں مصوروں کا ایک جم غفیر اِس شہر میں موجود تھا؛ مگر مشہور اور نامور مصوروں میں سے دو چار ہی ہوں گے، جو اِس شہر میں پیدا ہوئے، ورنہ اکثر مصور وہی تھے، جو باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔

پولی غنوتس نے اِس زمانہ میں بہت شہرت حاصل کی۔ ارسطو نے اُسکو مصور اوصاف کا لقب دیا ہے۔ یونان کے دیگر مصنفوں نے بھی یہ لکھا ہے کہ یہ مصور قدیم مصوروں میں سب سے زیادہ اِس بات میں ممتاز تھا کہ وہ اپنی تصویروں میں انسان کے قدرتی رنگ اور اصلی صورت کو نہایت موشگافی اور نفاست و نزاکت سے ظاہر کرتا تھا۔ اُس نے آتھنز کی اکثر عمارتوں کو اپنی تصویر کشی کے کمال سے آراستہ کیا۔ **ہومر** نے اپنی مشہور کتاب الیڈ میں جن واقعات عظیمہ کو بیان کیا ہے، اُن کی کیفیت شاعرانہ کے خیال کے موافق اُس نے تین تصویریں کھینچکر

دکھائی۔ یہ تصویریں جو فی الواقع نہایت عجیب و غریب تھیں، اُس نے الیسیو کی بذرکیں الیسیو ایک قومی عمارت تھی، جو ڈلفی میں اپالو و یوتا کے مندر کے قریب بنائی گئی تھی اور جس میں یونانیوں کے قومی جلسے ہوا کرتے تھے۔ یونانیا مصوروں نے اس زمانہ سے چھ سو برس بعد جب اِن تصویروں کو دیکھا، تو اُن میں صنعت کی باریکیاں اور نزاکتیں دیکھکر دنگ رہگیا؛ مگر یہ تصویریں تاریخی تصویروں میں شمار نہیں ہوسکتیں؛ کیونکہ اُن سے تاریخی واقعات و اشخاص کو منظرِ عام میں لانا مقصود نہیں ہے، بلکہ مصور ھومر کے شاعرانہ تخیل کو جلوہ گر کرنا چاہتا ہے۔ یونانیوں نے اصلی اور تاریخی واقعات کی تصویر کھینچنے پر توجہ نہیں کی؛ بلکہ اُن کا خیال ہمیشہ اس طرف مائل رہا کہ شاعرانہ مضامین کو مجسم کر دکھائیں۔

بولی غنوتوس مصوری کے جس مدرسہ کی بنیاد رکھنے والا ہے، اُس سے ایک اور نامور مصور پیدا ہوا، جس کا نام دیونی سیوس تھا اور جو انسانی خط و خال کی اصلی تصویر کھینچنے میں کمال رکھتا تھا۔ وہ اور مدرسہ کا بانی دونوں ہم زمانہ ہیں۔ ارسطو نے اِس مصور کی نسبت کہا ہے کہ وہ انسانوں کی ایسی تصویر کھینچتا ہے، جیسے کہ وہ دنیا میں ہیں۔ اسکے بعد کون مصور نے شہرت حاصل کی، جو گھوڑوں کی تصویر نہایت عمدگی اور خوبی سے تیار کرتا تھا۔ بانی نوس اور اناتاس بھی کامل مصور تھے۔ پھر سنہ قبل مسیح کے قریب ایلودورس مصور نے اپنے کامل الفن ہونے کا ثبوت دیا اور روشنی اور سایہ کے اصول سے تصویر کشی کے دائرہ کو وسیع کیا۔ بلیناس کا قول ہے کہ اِس زمانہ سے فنِ مصوری کا ایک نیا دَور شروع ہوا اور ایشیائی طرزِ تصویر کشی یونان میں داخل ہوا۔ اِس طرز کی تعلیم دینے والے زفک سیس اور پارہاسیوس اور تی من شس تھے، جو مصوری میں نہایت بلند پایہ شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ زمانہ یونانی مصوری کا دوسرا دَور کہلاتا ہے۔ زفک سیس اور پاراسیوس حسن و جمال کی تصویر کھینچنے میں پوری قدرت رکھتے تھے۔ ھیلانہ کی تصویر جو زفک سیس کے ہاتھ کی تیار کی ہوئی تھی، زمانۂ قدیم کی عجیب صنعتوں میں شمار ہوتی تھی۔ یونان کے دیوتاؤں اور بہادروں کی بہت سی تصویریں، جن کو پارہاسیوس کے ہاتھ نے تیار کیا تھا، مدتِ دراز تک مشہور رہیں۔ اوبھر یوس جو اس دَور کا آخری مصور ہے، اُس نے فیلقوس کے زمانہ کے قریب مصوری کے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ مدرسہ اِس فن کے مشہور مدرسوں میں شمار کیا جاتا ہے، جس میں تصویر کشی نہایت نزاکت اور نفاست سے سکھائی جاتی تھی اور اِس فن کی علمی اور عملی تعلیم ہوتی تھی۔ اس مدرسہ کو یونان کی تاریخ میں مصوری کے کمال کا آخری منظر کہا جاتا ہے۔

اِس دَور کا مشہور مصور بجرفی لوس تھا۔ سکندر کی وفات کے بعد اس فن کو رفتہ رفتہ زوال ہونا شروع ہوا، یہاں تک کہ تیسری صدی قبل مسیح میں کوئی مشہور مصور یونان میں موجود نہیں تھا۔ سدوبیوں کے زمانہ میں تصویر کشی کے فن نے کسیقدر زندگی حاصل کی۔ رومۃ الکبریٰ کے مکانوں اور معبدوں کی رونق و آراستگی کے لئے یونان کی عام عمارتیں برباد کی گئیں

اور اُن میں اِس فن کے کمال کے گئے نمونے موجود تھے اُن کو رومیوں نے تاراج کر ڈالا اور سب کو سمیٹ کر اپنے دار الحکومت میں لے گئے۔ اِس تباہی میں یہ فن یونان سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ آخر میں یہ بات ہم کو بیان کرنی رہ گئی ہے کہ یونانی مصور اپنی تصویریں ابرشم کے پانی، دودھ یا انڈے کی سفیدی سے لکڑی اور پتھر اور مٹی کی دیواروں پر کھینچتے تھے۔ اخیر زمانہ میں وہ کپڑوں پر بھی کھینچنے لگے تھے اور وہ چار اصلی رنگ استعمال کرتے تھے؛ یعنی سفید، سیاہ، سرخ، زرد، اِن کے سوا جو رنگ اُن کی تصویروں میں دکھائی دیتا ہے وہ انھیں چاروں رنگوں سے مرکب ہے۔

رومیوں نے مصوری کا فن براہِ راست یونانیوں سے سیکھا تھا۔ وہ اِس فن کی طرف حد سے زیادہ راغب تھے اور اُنھوں نے مصوروں کے کارنامے یونان سے لاکر اپنے ملک میں جمع کئے تھے؛ مگر اُس ملک میں کوئی مدرسہ ایسا نہیں تھا جو فنِ تصویر کشی کی تعلیم کے لئے مخصوص ہوتا۔ ممیوس ملوس کے زمانہ سے بادشاہوں اور فوجی افسروں کی کوشش اور توجہ اِس بات میں مصروف رہی کہ روم میں اِس فن کے کارنامے جمع کئے جائیں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ مصوری کے ذخیرے اِس کثرت سے جمع ہو گئے کہ روم مصوروں کا عجائب خانہ کہلانے لگا۔ قسطنطین اور اُس کے جانشینوں نے اِن ذخیروں کو روم سے منتقل کرکے قسطنطنیہ میں جمع کیا اور جو یادگاریں اِس فن کی روم میں باقی رہیں وہ آگ سے جل کر تباہ ہو گئیں، جنگوں اور ہمرکاب میں تلف کی گئیں۔

یونان میں عام طور پر تصویروں کی بنیاد مذہبی یا قومی خیال پر تھی۔ اور ایسی ہی تصویریں کھینچی جاتی تھیں جو معبدوں یا قومی عمارتوں میں رکھی جائیں؛ مگر رومیوں نے شروع سے اِس بات پر توجہ کی کہ تصویروں سے عام مکانات آراستہ کئے جائیں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ تصویروں کا شوق یہاں تک بڑھا کہ کوئی مکان جب تک کہ اُس کے در و دیوار میں کوئی تصویر نہ ہو، بلحاظ آراستگی و زینت کے کامل خیال نہیں کیا جاتا تھا۔

جس زمانہ میں فنِ مصوری کو زوال ہوا، مذہب عیسوی اطرافِ عالم میں شہرت کے ساتھ پھیل رہا تھا، اِس مذہب کے مقلدوں نے قسطنطین کے زمانہ سے پہلے اپنے مذہب کے مقدس اشخاص اور مقدس اعمال کے ظاہر کرنے کے لئے بطور رمز و اشارہ کے تصویریں کھینچنی شروع کیں۔ مثلاً برہ کی صورت سے وہ حضرت عیسٰی مراد لیتے تھے۔ انگور کے درخت اور اُس کی شاخوں سے حضرت عیسٰی اور اُن کے حواریوں کو تعبیر کرتے تھے۔ مچھلی کی تصویر سے آبِ معمودیہ کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا کشتی سے کلیسا اور صلیب سے قربانی مراد لی جاتی تھی۔ تاریخ کلیسا کے ابتدائی زمانوں میں حضرت عیسٰی کی جو تصویر کھینچی جاتی تھی، اُس میں سادگی کے سوا کوئی بات نہ تھی؛ مگر پوپ ادریانوس اوّل نے آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں یہ حکم دیا کہ حضرت عیسٰی کی تصویر کھینچنے میں مصوری کے کمالات میں سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔ اور حسن و جمال کی جو جو خوبیاں تصویر میں

دکھائی ممکن ہیں، اُن سب کا لحاظ رکھا جائے۔
اس سے تقریبًا ایک صدی پہلے یعنی ۶۹۲ء میں قسطنطنیہ
میں عیسائی عالموں کی ایک مجلس نے مصوروں کو
اس بات کی اجازت دیدی تھی کہ بجائے رمزی تصویر کے
حضرت عیسیٰ کی اصلی تصویر تیار کیجائے۔ عیسوی تاریخ کی
پہلی تین صدیوں میں عیسائیوں کی مصوری کا جو حال تھا،
اُسکے نمونے روم کے مقبروں کی دیواروں اور چھتوں پر
دیکھے جاتے ہیں چنانچہ سینٹ کالکسٹوس کے مقبرہ سے
بہت سی تصویریں برآمد ہوئی ہیں، جن سے کتاب مقدس کے
قصوں اور کہانیوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے؛
مگر بعض تصویروں میں یہ اشارے بُت پرستوں کے
مذہبی اشاروں کے ساتھ ملے جُلے پائے جاتے ہیں۔
حضرت عیسیٰ کی تصویر ایک چرواہے سے مشابہ ہے
اور یہہ سب سے قدیم تصویر ہے، جو اُس زمانہ میں عام طور پر
کھینچی جاتی تھی اور غالبًا وہ تمام تصویریں اسی کے نمونہ پر
تیار کی جاتی تھیں۔

عیسائیوں کی تصویر کشی ابھی کمال کے درجہ تک
نہیں پہونچی تھیں کہ اٹلی پر وحشیوں کے حملے شروع
ہوگئے اور جنگ وپیکار کے معرکے برپا ہونے لگے۔
اس زمانہ میں مصوروں نے اسی بات پر کفایت کی
کہ مذہبی کتابوں میں نقش و نگار بنائیں، یا مذہبی ظروف پر
میناکاری کا کام کریں، مگر باوجود اُس زوال کے
جو یونان کے مصوروں پر آیا، ساتویں صدی عیسوی سے
تیرھویں صدی عیسوی تک قسطنطنیہ فنون لطیفہ کا
مرکز رہا۔ اُس زمانہ میں فنون کی ہر شاخ میں قسطنطنیہ
ہی کے صناعوں کا طریقہ غالب نظر آتا تھا قسطنطنیہ کے
مصور جو تصویریں کھینچتے تھے وہ زیادہ تر مذہبی عمارتوں کیلئے
بنی ہوتی تھیں۔ نویں صدی عیسوی میں اُنکی تصویروں کی
ایک خاص وضع مقرر ہوگئی جس میں حُسن و جمال کی کوئی
علامت نہیں پائی جاتی تھی۔ یہ وضع آجتک باقی رہی؛
مگر سچ یہہ ہے کہ روس اور یونان کے بعض شہروں کے سوا
اب کہیں اِس وضع کی تصویریں نہیں بنائی جاتیں۔
اِس وضع کی خصوصیات یہہ ہیں۔ تصویر کے اعضاء لمبے
اور دُبلے ہوتے ہیں شکل پر افسردگی برستی ہے۔ اعضا کے
نشانات دُھندلے اور غیر نمایاں ہوتے ہیں۔ آنکھیں
لمبوتری اور تنگ بنائی جاتی ہیں۔ جسم کا رنگ سیاہ
اور سراپا بدقوارہ معلوم ہوتا ہے۔ اِسی طرح کی اور بھی
بعض صفات ہیں، جو قدرتی طور پر کم پائی جاتی ہیں۔
تصویروں کے بھدےپن پر یہ اور طرہ ہے کہ اُن پر
سونے کا کام حد سے زیادہ کیا جاتا ہے؛ اس سے شاید
یہ غرض ہو کہ تصویر کے اصلی عیب نظر سے چھپ جائیں۔
ان تصویروں کے کھینچنے والے راہب، یا اور خانقاہوں کے
لوگ ہوتے تھے، جو تصویر ہی کے پیشہ پر گذر کرتے تھے۔
یہ تصویریں یا تو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی ہوتی تھیں،
جن کے سر پر تاج رکھا جاتا تھا، یا ایسی ہوتی تھیں جن سے
اکثر تاریخی اور مذہبی واقعات کی طرف اشارہ کرنا مقصود
ہوتا تھا۔

۱۲۰۴ء میں قسطنطنیہ اور وینس کے درمیان
جو لڑائی برپا ہوئی، اُسکی وجہ سے رومیوں اور وینس والوں کی
آمد و رفت ایک دوسرے کے ملک میں ہونے لگی اور

اس وجہ سے اٹلی اور دیگر مغربی ملکوں میں صنعتوں کا چرچا پھیل گیا۔ اِسکے علاوہ بہت سے مصور قسطنطنیہ سے نکل کر جرمنی اور اٹلی وغیرہ ملکوں میں چلے گئے۔ اور وہیں آباد ہوگئے۔ اٹلی کے باشندوں نے اِن مصوروں سے جو سبق حاصل کیا، اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وینس اور پاءسا اور سیانا میں تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز ہی میں اِس فن کے ایسے مدرسے قائم ہوگئے، جن پر اُس ملک کے آیندہ مدارس صنعت کی بنیاد قائم ہوئی۔ جس زمانہ میں عیسائی اور بُت پرست قوموں کے درمیان جنگ وجدل کا ہنگامہ برپا ہوا، یہ ممکن نہ تھا کہ صنائع اور فنون کی ترقی جاری رہتی؛ مگر جب رومیوں کے ملک میں کسیقدر امن و امان کی روشنی پھیلی، تو مذہب عیسوی نے رفتہ رفتہ اپنا قدم بڑھانا شروع کیا۔ اور ایک ایسی جدید تمدن کی بنیاد ہوئی جس میں قوم گاتھ کے تمدن کی علامتیں موجود تھیں۔ اس وقت سے مصوری کے فن کو نشو و نما ہونے لگا۔ اس زمانہ کا مصور مذہبی جذبات کا اظہار نہایت شوق سے کرتا تھا۔ اور جو تصویر کھینچتا تھا اُس سے اِس خیال کا اظہار کرنا اسکو مدنظر رہتا تھا کہ مذہب عیسوی بُت پرستوں کے مذہب پر فوقیت رکھتا ہے اور یہ مذہب جسکو اُسنے اختیار کیا ہے، دُنیا میں نیکیاں اور بھلائیاں پھیلانے کیلئے آیا ہے۔ اُس نے قسطنطنیہ کے مصوروں کی طرز تصویر کشی کو اس مطلب کیلئے کافی نہیں سمجھا؛ کیونکہ اُس میں رونق اور لطافت کا نام و نشان نہ تھا اور اُس سے عوام کے دلوں پر وہ کوئی اثر نہیں ڈال سکتا تھا، مگر اسکے ساتھ ہی کوئی نمونہ اعلیٰ درجہ کی تصویروں کا بھی اُنکی نظر کے سامنے نہ تھا، اِسلئے اُسنے قدرتی اشیاء کو غور کی نظر سے دیکھنا شروع کیا اور قدرت کو اپنا اُستاد بنایا اور نہایت موشگافی اور باریک بینی کے ساتھ اُسکی نقل اُتارنے لگا۔ یہی حال تقریباً تمام مصوروں کا ہوا جو اُس زمانہ میں موجود تھے۔ اور جنھوں نے رفتہ رفتہ اُس طرز تصویر کشی کو ترک کر دیا تھا، جو پہلی صدیوں میں جاری تھا۔ اِس آزادی اور قدامت کی تقلید ترک کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سولھویں صدی عیسوی میں مصوری کا فن اوج کمال پر پہنچ گیا۔

اٹلی میں فن مصوری کو جس شخص نے زندہ کیا، اُس کا نام جوفنی تشی مابوئی تھا، جس نے سنہ ۱۳۰۲ء میں وفات پائی۔ اُس نے سٹلنی میں مصوری کا مدرسہ جاری کیا اور اُسکی تقلید سے رفتہ رفتہ اور مدارس جاری ہوئے۔ یہ مدارس مصوری کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے لحاظ سے دو صدیوں سے زیادہ عرصہ تک نہایت مشہور اور نامور رہے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں جیوتو نے فلورنس میں ایک نیا مدرسہ اس فن کا جاری کیا، جسکے مقابلہ میں سیانا اور پاشا مدرسے پست ہوگئے۔ جیوتو سے پہلے فن مصوری نے ترقی کا قدم اس حد تک بڑھایا تھا کہ مصور بجائے رمزی اور اشاری تصویروں کے شخصی تصویریں کھینچنے لگے تھے جیوتو نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اُس نے اُس سیاہ رنگ کو بالکل ترک کر دیا، جو متقدمین کی تصویروں میں پایا جاتا تھا اور جس کو اُنھوں نے قسطنطنیہ کے مصوروں کی تقلید سے قائم رکھا تھا

اُس نے اپنی تصویروں میں زرد رنگ کا استعمال کرنا
شروع کیا، جو قدرتی رنگ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے
اُسکے ہاتھ کی تیار کی ہوئی تصویریں نیپلز سے میلان تک
اٹلی کے تمام بڑے بڑے شہروں میں پائی جاتی ہیں
اور اُسکے باکمال مصور ہونے پر آجتک شہادت
دے رہی ہیں۔ جیوتو کے شاگرد اکثر تو ایسے تھے
جو اُسکے ہاتھ کی تیار کی ہوئی تصویروں کی نقل اُتار ا کرتے تھے؛ مگر بعض ایسے بھی تھے، جنھوں نے اُسکے
طریقہ پر چلکر اپنی طبیعت سے بھی مدد لی اور اس فن میں
ترقی کی۔ چنانچہ اُن میں سے ایک مصور کا نام
اندریا ارکانیا ہے، جسکی تصویریں جیوتو کی تصویروں سے
زیادہ نفیس اور پاکیزہ خیال کیجاتی ہیں۔ اس مصور کی
تصویروں میں عام طور پر عظمت و جلال پایا جاتا ہے
اور ہر شخص اُن کو دیکھکر متاثر ہوتا ہے۔ جیوتو کے زمانہ کے
مصوروں میں سے، جو اُسی کے برابر قادر الفن اور
باکمال مصور سمجھے گئے ہیں، ایک مصور کا نام سنی نی
ہے۔ اُسنے فنِ تصویرکشی پر جو رسالہ لکھا ہے، وہ
اٹلی میں اس فن کی سب سے قدیم تصنیف خیال کی جاتی ہے
اسی زمانہ کے مصوروں میں سے ایک اور مصور ہے،
جس کو فرنسس کو دا اغل ترا کہتے ہیں اور
جس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں نہایت عجیب
اور حیرت انگیز ہیں، مگر اُن میں سے کوئی مصور ایسا نہیں،
جو اصولِ مصوری کے لحاظ سے اُس مرکز سے ہٹا ہو
جس پر جیوتو قائم تھا۔ اس نامور مصور کا نام چودھویں
صدی کے آخر تک نہایت ادب سے لیا جاتا تھا۔ اور
فلورنس اور اٹلی کے تمام شہروں، بلکہ کوہستان الپس کے
پار دیگر ملکوں میں بھی اُسکے طرزِ تصویرکشی کی تقلید کیجاتی تھی
تاہم اُس زمانہ میں مصوری اپنے پورے کمال پر نہیں پہنچی تھی
اور اُسوقت کے مصور قدرتی منظروں کی تصویر بھی
کھینچنی نہیں جانتے تھے اور نہ اُس کو اس فن کے اندر
داخل سمجھتے تھے۔ اِسکے علاوہ کوئی صحیح طریقہ تصویرکشی کا
بھی اب تک قائم نہیں ہوا تھا۔ اُس زمانہ کی تصویریں
عموماً مذہبی اغراض پر مبنی ہوتی تھیں؛ مگر شاذ و نادر تصویریں
ایسی بھی کھینچی جاتی تھیں، جن کو ان اغراض سے کوئی تعلق
نہیں تھا۔ یونان کی میتھالوجی یعنی دیوتاؤں کے
قصوں اور کہانیوں کے اشارے بھی اُس زمانہ کے بعض
تصویروں میں پائے جاتے ہیں؛ مگر اُن سے بھی اسکے سوا
کچھ مقصد نہیں ہے کہ بُت پرستی کے مقابلہ میں مذہبی پاک
مقدس اعمال و اشخاص کو ترجیح دیجائے۔ چونکہ اُس زمانہ کے
مصور قوم کی تعلیم دینے میں پادریوں کے ساتھ شریک تھے
اور دونوں کی غرض ایک تھی، اِسلئے اُن کی کوشش اور
توجہ اس بات میں صرف نہیں ہوتی تھی کہ اس فن کو
ترقی دیں اور اُس کی باریکیاں اور نزاکتیں پیدا کریں؛
بلکہ وہ اپنی تصویروں کے مؤثر بنانے میں حد سے زیادہ
کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ کی تصویریں
تاثیر کے لحاظ سے اُن تصویروں سے بالاتر ہیں جو
رفائیل مصور کے زمانہ میں تیار کی گئیں۔

پندرھویں صدی عیسوی میں فنِ مصوری نے
بہت زیادہ ترقی کی اور اس صدی کے آخر میں
فلورنس مصوری کا بہت بڑا مرکز خیال کیا جاتا تھا

ماس فی شیو جو اس صدی کا نامور مصور ہے، اس نے اپنے زمانے کی تصویروں کے طرز کو ناپسند کرکے اس بات کی کوشش کی کہ قدرت کی نقل آتارے اور تصنع کو بالکل دخل نہ دے۔ اُس کے زمانے سے فن تصویر کشی کا ایک نیا اور عظیم الشان دَور شروع ہوتا ہے، جو رفائیل مصور کے زمانہ تک سمجھا جاتا ہے، اور اس تمام دَور میں اُس کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی تصویریں مصوروں کے لیے دستور العمل رہی ہیں۔ اس دور کے بڑے بڑے مصوروں کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) فرلان جلی کودی فیاسولی: اس مصور کی وہ تصویریں جنکی بنیاد مذہبی اغراض پر ہے، نہایت مؤثر اور دلکش ہیں۔ (۲) فی لیولی پی: یہ مصور بھی اُن مشہور اور نامور مصوروں میں شمار کیا جاتا ہے، جنھوں نے مذہبی خیالات کو پیشِ نظر رکھکر مؤثر تصویریں کھینچیں (۳) بی نو نسو غونسولی: اس مصور کی تصویریں بھی آج تک عظمت اور وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ (۴) می کائیل ان جلو: یہ مصور ان سب مصوروں سے زیادہ مشہور ہے اور اُسکے کامل الفن اور اُستاد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

سولھویں صدی عیسوی کے اوّل رُبع میں یہ تصویر کشی کا فن اعلےٰ درجہ تک ترقی کر گیا تھا، مگر اس صدی کے وسط میں فلورنس، وینس، اور تمام اٹلی میں اسکو پھر زوال ہوا۔ بڑے بڑے مشہور اور کامل الفن مصور یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہوتے گئے۔ اور جو لوگ اُنکے جانشین ہوئے، وہ اس فن میں کامل مہارت نہیں رکھتے تھے۔ یہ مصور نہایت عجلت اور بے پروائی سے کام کرتے تھے، تاکہ اپنے اُن شاگردوں کو خوش کریں، جنکی تعداد ہر روز بڑھتی جاتی تھی اور جو اس فن میں کمال پیدا کرنے کے طالب نہیں تھے۔ جو تصویریں اس زمانہ میں کھینچی جاتی تھیں، اُن میں مذہبی اغراض کا لحاظ رکھا جاتا تھا، مگر بہ نسبت روحانی اور آسمانی خیالات کے دنیاوی خیالات کی جھلک اُن میں زیادہ پائی جاتی تھی۔ فاساری جو اس زمانہ کا ایک مصور ہے، اُس کا قول ہے کہ ہم ایک سال میں چھ تصویریں تیار کر سکتے ہیں، حالانکہ قدیم مصور ایک تصویر پر چھ سال سے کم صرف نہیں کرتے تھے۔ سولھویں صدی کے آخر حصہ میں فلورنس کے مدرسے نے یکایک پھر شہرت حاصل کی اور ایک مصور نے جس کا نام مودوفی کوکاردی ہے تصویر کشی کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔ اس طریقہ میں خال وخط کی وضاحت اور رنگوں کی شوخی کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس مصور کے شاگردوں میں سے کارلو دولنفی کے سوا کوئی مصور مشہور نہیں ہوا۔ اس مصور کو عورتوں کے چہرے بنانے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں بی ترو مصور نے تصویروں کی آرایش اور رونق کا ایک جدید طریقہ نکالا، مگر اس مصور کے بعد کوئی مصور فلورنس میں ایسا نہیں ہوا، جو قابل ذکر ہو۔

وینس میں تصویر کشی کے فن کو بہت کم ترقی ہوئی اور جو کچھ ہوئی، وہ جیو تو کے زمانہ تک تھی۔ چودھویں صدی عیسوی میں جو تصویریں یہاں تیار کی گئیں،

وہ بہت کم ذکر کے قابل ہیں۔ جزیرہ مورانو، وینس کی نواح و مضافات میں اس فن کا مرکز خیال کیا جاتا تھا اور وہاں کے مدرسۂ مصوری کے پہلے استاد جوفوا دامورانو اور انکے دو شاگرد بیتولومیو اور لوئجی فی قادیوغال گئے جاتے ہیں۔ ان مصوروں نے تجارت کی غرض سے بلجیم اور جرمنی کا سفر کیا تھا اور وہاں کے مصوروں کے کمالات کے نمونے دیکھکر اُن سے سبق حاصل کیا تھا۔ اِس مدرسہ سے جو نامور مصوّر پیدا ہوے، اُن میں دو شخص قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں جوزف بلی نی کے بیٹے تھے۔ اُن میں سے ایک کا نام جن تی لی اور دوسرے کا نام جوقنی تھا۔ یہ دونوں اُن مصوروں میں شمار کئے جاتے ہیں، جو روغنی تصویریں بنانے میں کامل قدرت رکھتے تھے۔ سولھویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ اِس مدرسہ کی تاریخ میں وہ زمانہ ہے، جسکو فنِ تصویر کشی کا نیا دور کہا جا سکتا ہے۔ اُس زمانہ میں اِس مدرسہ کی دو مشہور مصوروں نے جنکے نام جورجیونی اور تی تیان ہیں، اپنی طبیعت سے ایک نیا طریقہ تصویر کشی کا اختراع کیا۔ اس طریقہ میں سنہری رنگ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور زیادہ تر قدرتی منظروں کی تصویر کھینچی جاتی ہے۔ جورجیونی تو ابھی نوجوان ہی تھا کہ اُسکو پیامِ اجل آپہونچا، مگر تی تیان مدتِ دراز تک زندہ رہا اور اُسنے اپنے فن میں کامل مہارت اور قدرت حاصل کی اور اُس نے تاریخ اور جغرافیہ کے متعلق ایسی ایسی نادر تصویریں کھینچیں کہ اُن تصویروں کی رنگینی اور لطافت کے سبب سے وینس کے مدرسہ کو اعلیٰ درجہ کے مدارس میں شمار کرنے لگے۔ یہ نامور مصوّر برہنہ عورتوں کی تصویر کھینچنے میں کمال رکھتا تھا۔ اِس مصور کا ہمعصر اور اُس کا شاگرد جوقنی بھی اِس فن میں ایسا ماہر تھا کہ تصویروں پر رنگ چڑھانے میں اُسکو خود تی تیان پر بھی ترجیح دی جاتی ہے۔ اِس صدی کے نصفِ اٰخیر میں تین مصور اور مشہور ہوے جنکو تی تیان سے کم درجہ کا شمار نہیں کیا جاتا۔ اُنکے نام حسبِ ذیل ہیں:

(۱) جاکوبو روبت ستی (مشہور بہ تن تورتو)

(۲) پاولو کایاری (مشہور بہ فی رونیزی)

(۳) جاکومن بونی (مشہور بہ بسّانو) ان میں سے پہلا مصور بہت سُرعت کے ساتھ تصویر کھینچتا تھا، مگر اسکی تصویریں حُسن وجمال سے آراستہ ہوتی تھیں۔ دوسرا مصور عام جلسوں، عالیشان عمارتوں اور مختلف قسم کی لباسوں کی رنگین تصویریں نہایت عمدہ کھینچتا تھا۔ تیسرا مصور اٹلی کے اُن قدیم مصوروں میں سے ہے جن کی قلم میں جادو کی سی تاثیر تھی۔ افسوس ہے کہ ان مصوروں کے جانشین اُنکی طرح اپنے فن میں کامل مہارت نہیں رکھتے تھے اور اسپر تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ اُنھوں نے اپنے اسلاف کے کمالِ مصوری کو برباد کر دیا اور اُنکی شہرت اور عظمت قائم رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور اُنمیں کوئی مصور ایسا نہیں ہوا، جو وینس کے مدرسہ کی تاریخ میں قابلِ ذکر ہو۔

پاڈوا کے مدرسۂ مصوری کو وینس کے مدرسہ کی تاریخ سے بہت بڑا تعلق ہے۔ اِس مدرسہ کے ایک مشہور

مصور نے جس کا نام فرن سس کو سلے ارشیونی ہے پندرھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں وینس بازوا میں آکر نام پیدا کیا اور اس نے اپنے فن میں وہ وہ جدتیں پیدا کیں کہ اُسکی تصویروں کے دیکھنے والے تعجب کرنے لگے۔ اُس نے جو تصویریں کھینچیں اور جو مورتیں بنائیں اُن کی لطافت اور نفاست نے اٹلی کے شمال کے تمام مصوروں اور صناعوں پر اپنا حیرت انگیز اثر ڈالا۔ ان دریامن لی نیا ایک اور مشہور مصور اُس مدرسہ کا ہے جو اٹلی کے شمال میں تھا اور جس نے پندرھویں صدی عیسوی کے وسط میں شہرت اور ناموری کا علم بلند کیا اور جس نے مَن تو ا کے مدرسہ مصوری کی بنیاد ڈالی۔ یہ وہ مدرسہ ہے، جس سے علم بارڈی کے بڑے بڑے مصور تعلیم پاکر نکلے۔

اٹلی میں ایک اور مشہور مدرسہ مصوری کا تھا، جو رومی مدرسہ کے نام سے نامزد تھا۔ اِس مدرسہ کے مصوروں میں سے ایک مصور نے بہت زیادہ شہرت پائی اُس کا نام بت رو بی روجی نو ہے اور یہ اپنے زمانہ کا بہت خوش قلم اور قدرت نگار مصور تھا۔ اُسکی تصویریں مذہبی اغراض پر مبنی ہوتی تھیں اور اُن میں باوجود اِسکے کہ دھندلا پن پایا جاتا تھا نہایت لطافت اور سادگی نمایاں تھی، اُسکے شاگردوں کا ایک جم غفیر تھا، جنھوں نے اُسکے نقش قدم پر چلکر فن مصوری میں کمال پیدا کیا۔ اِن میں سے رفائیل سب سے زیادہ مشہور مصور ہے، جس نے اوروں کے نام کو بالکل مٹا دیا اور جس کو اوّل مصور کے نام سے ملقب کیا جاتا ہے۔ نہ اُسکی نظیر تاریخی اور مذہبی تصویروں کے بنانے میں ملتی ہے، نہ تصویر کی ہر قسم کی خوبیوں کے ادا کرنے میں اُسپر کوئی مصور فوق لیگیا ہے۔ تصویروں میں نئی خوبیاں پیدا کرنے اور رنگوں کو نئی نئی طرح سے مرکب کرنے میں کوئی مصور اُسکے ساتھ ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتا۔ پوپ کی عظیم الشان محلسرا و یٹی کن میں اُس کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی تصویریں موجود ہیں، جو زمانۂ حال کے مصوروں کو عرقاب حیرت کرتی ہیں۔ حضرت مسیح اور حضرت مریم اور مذہب عیسوی کے دیگر مقدس اشخاص کی جو تصویریں کا ندیر اُس نے کھینچی ہیں، اُن کو دیکھکر ہر شخص اِس بات کا اندازہ کرسکتا ہے کہ اُس نے فن مصوری کو کس طرح زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ اُس نے فن تصویری کا جو طریقہ اختراع کیا، اُس کی اٹلی ہی میں نہیں، بلکہ تمام دنیا میں تقلید کی جاتی ہے۔ رفائیل کے بہت سے شاگرد ہوئے ہیں، جو اُسکی پیروی کرنے کو اپنا فخر سمجھتے تھے، مگر اُسکی وفات کے بعد، جو سنہ ۱۵۲۰ء میں واقع ہوئی، اُس کے شاگردوں میں سے اکثر نے اُس کے طریقہ سے انحراف کیا اور چند ہی روز میں وہ تمام خوبیاں اُن کے ہاتھ سے جاتی رہیں، جو انھوں نے اپنے اُستاد کی تقلید اور پیروی سے پیدا کی تھیں۔ سنہ ۱۵۲۷ء میں جب روم پر ایک غنیم نے حملہ کیا، تو یہ مصور وہاں سے بھاگ کر تمام اٹلی میں پھیل گئے اور جس طریقہ پر اب وہ تصویر کھینچتے تھے، اُس کا نام رفائیلی طریقہ رکھا گیا، حالانکہ اُس کو رفائیل کے طرز تصویر کشی سے کچھ مناسبت نہ تھی۔

رفائیل کے شاگردوں میں جولیو رومانو بہت مشہور
ہوا ہے، جس کو قدرت ہی نے ابتداء سے اِس فن
کے لئے موزوں پیدا کیا تھا۔ اُس کا ایک اور مشہور شاگرد
تی بال دی تھا۔ یہ دونوں مصوّر رفائیل کے
طرزِ تصویر کشی کو فرانس اور اسپین میں اپنے ساتھ
لے گئے اور اُنھوں نے اِن مُلکوں کے مصوروں کو
اِس طریقہ کی تعلیم دی۔ اُن کے بعد جوزف شی ساری
اور میکائیل ان جلو تارا فاجیو مصوروں نے
شہرت پیدا کی؛ مگر اُن کا کام تقلید کے سوا اور کچھ نہ تھا
اٹھارھویں صدی عیسوی میں فنِ مصوری کی شاندار
تاریخ ان دریا سلی، کارلو مارتی اور رفائیل
من گس پر تمام ہوتی ہے۔ اِن میں سے پہلا مصور
اِس فن کی علمی اور عملی معلومات پر کامل عبور رکھتا تھا؛
مگر آخر مصور کے ہاتھ میں تصویر کشی کی وہ قدرت تھی
جو اُس کے ہمعصروں کو حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُسکی
تصویریں لطافت اور قدرت سے خالی ہوتی تھیں۔

بولونیا کا مدرسہ پندرھویں صدی عیسوی کے
آخر تک کوئی نامور مصور پیدا نہیں ہوا۔ اِس مدرسہ کا
شباب اُس زمانہ میں تھا، جبکہ ۱۵۸۵ء کے قریب
لودوفی کو، اگس تی نو اور انی بال کارچی نے
وہاں مصوری کی مشہور اکاڈمی قائم کی۔ اِس اکاڈمی
کا بڑا مقصد یہ تھا کہ قدیم مصوروں کے کمالات کو
بھی قائم رکھا جائے اور قدرت کے مطالعہ سے تبدیلی
میں نزاکتیں اور لطافتیں اور اضافہ کیجائیں۔ اٹلی کے
شمال میں مصوری کا ایک اور مدرسہ تھا، جو پادوما کے نام سے
کہلاتا تھا اور اُس کی زیب و زینت ایک مشہور
اور کامل الفن مصوّر کے وجود سے تھی جس کا نام
ان تونیوال گری تھا۔ اِس مصور نے سولھویں
صدی عیسوی کی ابتدا میں اُن تصویروں کو،
جن میں روشنی اور سایہ کا اصول استعمال کیا جاتا ہے، اور اُن
تصویروں کو جنھیں نقش و نگار اُبھرے ہوئے بنائے جاتے ہیں،
کمال کے درجہ پر پہونچا دیا۔ اُسکی تصویروں میں بڑی خوبی
یہ تھی کہ وہ باوجود اپنی لطافت اور سادگی کے ناظرین کے
دلوں کو اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ لی یونرڈو بھی اٹلی کا ایک مشہور مصور ہوا ہے
جس نے میلان میں مصوری کا ایک مدرسہ قائم کیا۔ اِس
مدرسہ میں جو تصویریں اُسکے ہاتھ کی کھینچی ہوئی موجود ہیں،
وہ اُسکی بہترین تصویروں میں شمار کی جاتی ہیں۔
اُس کے ایک شاگرد نے بھی بہت شہرت پائی،
جس کا نام مارکو دواوجی تونی تھا۔ اور اُس نے
عشاء مقدس کی نہایت دلفریب تصویر کھینچی۔ یہ تصویر
انگلستان کے شاہی مدرسۂ مصوری میں
آج تک موجود ہے اور سیاحوں کو حیرت میں
ڈالتی ہے۔ سترھویں صدی عیسوی کی ابتدا
میں میلان میں ایک اور مدرسہ قائم ہوا، جو
مدرسۂ انتخابیہ کے نام سے مشہور ہے۔
نیپلز میں بھی ایک مدرسہ اسی زمانہ میں جاری
ہوا تھا، جس کا آخری مصور لوکس جیوردانو تھا
اور جو اپنے کام کی سُرعت کی وجہ سے برق نگار کے نام سے
مشہور تھا۔

جرمنی تیرھویں صدی عیسوی سے پہلے بلحاظ فن

مصوری کے کچھ بھی شہرت نہیں رکھتا تھا۔ چودھویں
صدی عیسوی کے نصف آخر میں کولونی کے مدرسہ
تصویرکشی نے یکایک شہرت کا علم بلند کیا۔ اس کی
شہرت کا باعث ایک قادر الفن مصور ولیم نامی تھا، جسکی
نسبت یورپ کے مصنفوں کا اس بات پر اتفاق
ہے کہ وہ جرمنی کے اس زمانہ کے مصوروں میں سب سے
زیادہ ممتاز تھا۔ وہ ہر ملک اور ہر قوم کے آدمیوں کی
ہو بہو تصویر کھینچتا تھا اور اس کی تصویریں ایسی صحیح
ہوتی تھیں کہ اصلی آدمیوں کی صورتوں اور ان کی
تصویروں میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی تھی۔ کولونی میں
جو تصویریں اسکی اور اسکے شاگرد اسٹیفن کے ہاتھ
کی کھنچی ہوئی موجود ہیں، ان میں جرمنی کی ان تمام
تصویروں کی طرح جو عہد الجہل یعنی قرون متوسطہ میں
کھینچی گئی ہیں، قوم گاتھ کی سختی اور سنگدلی کی
علامتیں ضرور نمایاں ہیں، مگر اپنی رنگینی اور صناعی
اور مذہبی اغراض پر منطبق ہونے کے لحاظ سے بے مثل
سمجھی جاتی ہیں۔ جس زمانہ میں کولونی کا مدرسہ قائم
ہوا، دو مدرسے اور کھولے گئے تھے، جن میں سے
ایک سوابیا میں اور ایک نورن برگ میں تھا، ان کے
مدارس کی وجہ سے فن تصویر نے نئی زندگی حاصل کی،
مگر سولھویں صدی عیسوی میں جو ترقی اس فن کو
جرمنی میں حاصل ہوئی اس کا علم دو مصوروں کے
ہاتھ میں تھا، جن میں سے ایک نام ال برخت دورر تھا
اور یہ بھی مثال مصور کا شاگرد تھا۔ دوسرے کا نام
ہلبی موت تھا اور یہ نورن برگ کا باشندہ تھا
اور مصوری و سنگ تراشی میں کمال رکھتا تھا۔
سکسنی کا مدرسہ بھی اسی زمانہ میں جاری ہوا تھا۔
اس کا بانی لوکاس کرانخ ایک مشہور مصور تھا
اور اس کو اپنے فن پر وہی قدرت حاصل تھی، جو
برخت دورر کو تھی۔ ان کے علاوہ بہت سے
مصور جرمنی کی خاک سے اٹھے ہیں، جن کے کارناموں نے
فن مصوری کو اوج کمال پر پہنچا دیا، مگر جرمنی کے
بہت سے مصور جو ہالینڈ اور اٹلی کے مدارس کی
تقلید کرتے تھے، ان میں سے کسی نے انیسویں صدی
عیسوی سے پیشتر شہرت نہیں پائی۔

بلجیم میں فن مصوری درحقیقت انیسویں صدی
عیسوی کے آغاز میں اوج کمال پر پہنچا تھا، اسوقت
بلجیم کے دو مصور بہت نامور تھے، جن میں سے ایک کا نام
ھوبرٹ اور دوسرے کا نام فان دیک تھا، یہ
دونوں مصور برودچ میں تھے، جو بلجیم کا ایک پرفضا
شہر ہے۔ ان کی شہرت کے سبب سے یورپ کے ہر ملک کے
طلبا مصوری کی تعلیم کے لئے یہاں آتے تھے۔ ان مصوروں
نے تصویر کھینچنے کے لئے ایک ایسا کیمیائی مادہ دریافت کیا تھا
جو ان تمام چیزوں سے، جن کو ان سے پہلے مصور
تصویرکشی میں استعمال کرتے تھے، بدرجہا عمدہ اور
فائق تھا۔ روغنی تصویروں کا رواج اب سے
دو صدی یا تین صدی پہلے جاری ہو چکا تھا۔
پندرھویں صدی عیسوی کے نصف اول میں شمالی یورپ کے
مصوروں میں تصویرکشی کا ایک جدید طریقہ جاری
ہوا تھا، جس کو ۱۴۹۰ء میں ایک مصور نے ملک اٹلی میں

رواج دیا۔ اس مصور کا نام مان ڈونلو تھا۔ اسی زمانہ میں انٹورپ میں مصوری کا ایک مدرسہ قائم ہوا جس سے سولھویں صدی عیسوی کے وسط میں دو اعلیٰ درجہ کے مصور نکلے۔ ان مصوروں کے نام یہ تھے۔ کون ٹرمٹ سیس اور لوئس فان لی دن۔ سترھویں صدی عیسوی کے آغاز میں بلجیم میں فن مصوری کا زیادہ رواج ہوا اور اُس وقت بٹرس پوس روبنس ایک بہت مشہور مصور اس ملک میں موجود تھا۔ اُس نے فلورنس اور وینس کے طریقۂ تصویر کشی کو زندہ کیا، مگر ان تو نی فان دیک جو اُس کا شاگرد تھا، اس فن میں اُس سے زیادہ مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے فن تصویر کشی کو ترقی کے درجہ پر پہونچا یا۔ سترھویں صدی عیسوی کے بعد اس فن کو بلجیم میں زوال ہو گیا تھا، مگر انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں پھر ترقی کے درجہ پر پہونچا، جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔

اسپین کا مدرسۂ تصویر کشی تمام یورپ کی مصوری کی تاریخ میں اس لحاظ سے یکتا مانا گیا ہے کہ اُسمیں مذہبی اغراض کے سوا تصویر کھینچنے سے اور کوئی غرض نہ تھی۔ پادریوں نے مقدس چیزوں کی تصویر کھینچنے کا ایک ضابطہ مقرر کر دیا تھا اور چونکہ مصور بھی مذہبی خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے، اسلئے اُنھوں نے بھی اپنے فن کو اسی ضابطہ میں محدود کر دیا تھا۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ پندرھویں صدی عیسوی کے وسط سے پہلے کوئی مدرسہ مصوری کا اسپین میں موجود تھا، بلکہ سترھویں صدی عیسوی سے پہلے یہاں کے کسی مدرسہ کا نام یورپ کے ملکوں میں مشہور نہ تھا۔ پندرھویں صدی عیسوی میں بلجیم کے مصور اس ملک میں داخل ہوئے تھے۔ پھر اٹلی کے مصوروں نے یہاں آکر آباد ہونا اختیار کیا تھا۔ اس زمانہ سے رفتہ رفتہ مصوری کا چرچا اسپین میں پھیلتا گیا اور یہاں کے مصور تصویر کشی کے صحیح طریقہ سے واقف ہو گئے۔ سولھویں صدی عیسوی میں قسطیلہ بلنسیہ اور اشبیلیہ وغیرہ شہروں میں مصوری کے مدرسے جاری تھے۔ اور اُن میں ہزاروں طلبا اس فن کی تعلیم پاتے تھے۔ اشبیلیہ کا مدرسہ غالباً ان تمام مدارس میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اسپین کے اکثر نامور مصور وہی ہیں، جو سولھویں صدی عیسوی میں مشہور ہوئے۔ اُن میں سے ایک مصور کا نام فی مثن لی یودلس ہے اور اُس کو اس سبب سے کہ وہ قدرت نگار مصور تھا، اسپین کا رفائیل کہتے ہیں۔ اُس کے سوا دیاگو رودولی کو زد وسلی کا اور برتولومی اس تی بان موری لو دو بہت نامور مصور اس ملک میں ہو گذرے ہیں، جنھوں نے اسپین کے فن مصوری کو اپنی محنتوں اور سرگرمیوں سے اس درجہ پر پہونچا دیا تھا کہ یورپ کے دیگر ممالک میں اُسکی شہرت عام طور پر پھیل گئی تھی۔

فرانس میں شارلمین کے زمانہ سے تصویر کشی کا فن رائج تھا، مگر اُسمیں کوئی قومی مدرسہ مصوری کا قائم نہیں ہوا تھا۔ جب فرنسس اول نے طلب کر کے

اٹلی سے بری من ٹی ھنیو اور دیگر مصور فرانس میں آئے، تو اس فن کا مدرسہ جاری کیا گیا اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف اخیر میں اس فن کو فرانس میں زوال آنے لگا اور برابر یہی حالت مدت تک رہی، مگر جب فرنچ رو ولیوشن (انقلابِ فرانس) کا ہنگامہ برپا ہوا، تو اسکے قریب زمانہ میں ایک مصور نے جس کا نام جاک لوئی ڈاوی دا تھا، چند روز کیلئے اس فن کو زندہ کیا۔ اس کے طریقہ تصویر کشی میں لطافت اور رونق نام کو نہ تھی، مگر خط و خال کو نہایت عمدگی سے نمایاں کیا جاتا تھا۔ گوئی دن اور دیگر مصوروں نے اسکے طریقہ کی تقلید کی۔ گروس پہلا مصور تھا جس نے مصوری کے قدیم طریقوں کو خیرباد کہکر قدرت کا مطالعہ کرنا اور اس سے اس فن میں سبق لینا شروع کیا۔ اس نے اور جاری کو لٹ وغیرہ مصوروں نے قدرت نگاری کا طریقہ فرانس میں جاری کیا۔ اسی زمانہ سے اصلی تصویر کشی کا مدرسہ اس ملک میں قایم ہوا۔ انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں جو مصور اس ملک میں نامور ہوئے، انکے نام حسبِ ذیل ہیں (۱) ان گرس جو ڈاوی دا کا شاگرد تھا (۲) ای ژابی (۳) برددون (۴) روبرٹ فلوری (۵) لیوپولڈ روبرٹ۔ ان کے سوا ھوراس ورنت ایک بہت نامور مصور تھا جس نے ۱۸۶۳ء میں وفات پائی اور جو جنگوں اور معرکوں کی تصویر کھینچنے میں اپنا ہمسر اور نظیر نہیں رکھتا تھا۔ فرانس میں تصویر کشی کے جو مدارس زمانہ حال میں جاری ہیں، وہ اس باب میں نہایت مشہور ہیں کہ اُن میں تصویر کشی اعلےٰ درجہ کی سکھائی جاتی ہے۔ اور اصولِ مصوری کے لحاظ سے آجکل اس ملک کے مصوروں کی تصویریں بہ نسبت زمانۂ سابق کے بدرجہا عمدہ اور پاکیزہ ہوتی ہیں، بلکہ جو لوگ اس فن میں ماہر ہیں، اُن کا قول یہہ ہے کہ فنِ مصوری کا کوئی مدرسہ، جو دنیا کے کسی ملک میں ہو، فرانس کے موجودہ مدارسِ مصوری کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ زمانۂ حال میں اس ملک میں جو لوگ فنِ تصویر کشی میں کامل قدرت اور مہارت رکھتے ہیں، اُنکے نام حسبِ ذیل ہیں (۱) ای سونیا یہہ مصور تاریخی تصویریں ایسی اعلیٰ درجہ کی کھینچتا ہے کہ یورپ کا کوئی مصور اس باب میں اُسکی برابری نہیں کرسکتا (۲) جے روں: یہہ مصور قصوں اور افسانوں کے متعلق نہایت دلفریب خیالی تصویریں بنایا کرتا ہے (۳) اڈورڈ فل یر (۴) جول بری ٹون۔ (۵) ٹوتور (۶) زامرکوا (۷) ملت (۸) ھامون (۹) کباتل (۱۰) اے بولیت فلردرون (۱۱) دفاکان (۱۲) بوگویرو (۱۳) اے یوتا (۱۴) بونات (۱۵) فرومن تاین (۱۶) بیل (۱۷) اے قون (۱۸) فرتونی: یہہ مصور اسپین کا باشندہ تھا اور حال میں اُس کا انتقال ہوا ہے اُسکے مرنے سے فنِ مصوری جدید کو سخت نقصان پہونچا ہے (۱۹) گوس تاف دوری (۲۰) گوس تاف کوربت (۲۱) ویوڈ وزابونز

یہہ عورت ہے اور جانوروں کی تصویر کھینچنے میں تمام مصوروں پر سبقت لے گئی ہے (۲۲) ترونیو یہہ مصور قدرتی منظروں کی تصویر کھینچنے میں اول درجہ کا مصور خیال کیا جاتا ہے - اِسکے سوا اور مصور بھی ہیں، جو مناظرِ قدرت کی تصویر کھینچنے میں کامل مہارت رکھتے ہیں - اور اُن کے نام حسب ذیل ہیں (۲۳) روسو (۲۴) کورو (۲۵) دولبی نی (۲۶) دیانے (۲۷) لہرلی نت -

انگلستان میں فنِ مصوری کا چرچا اٹھارھویں صدی سے پہلے نہیں پھیلا - سب سے پہلے جس مصور نے تاریخی تصویریں تیار کیں، وہ سر جیمس تورن هل تھا - اُس نے سینٹ پال (لندن) کے گرجا میں جو تصویریں کھینچی ہیں وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی شمار کی جاتی ہیں - ولیم هوگرٹ پہلا مشہور مصور اِس ملک کی تاریخ میں ہے، جو ہجویہ تصویریں بنانے میں کمال درجہ کی قدرت رکھتا تھا اور اپنے زمانہ میں نہایت عمدہ مصور تھا، مگر اُس زمانہ کے مصوروں نے اُسکے فضل وکمال کا اقرار نہیں کیا - مدرسۂ تصویرکشی جدیدکے قائم کرنے کا فخر سر جوشوا رینالڈ کو ہے، جو شخصی او تاریخی تصویریں کھینچنے میں کامل تھا اور تصویروں کے رنگنے میں حد سے زیادہ سلیقہ رکھتا تھا - ٹامس گنبرو نے جو اسی زمانہ کا ایک نامور مصور تھا، اُس کے ساتھ شخصی تصویریں کھینچنے میں ہمسری کا دعوی کیا تھا، مگر حقیقت یہہ ہے کہ قدرتی منظروں کی تصویریں تیار کرنے میں وہ اُس سے بہت زیادہ مہارت رکھتا تھا اور جو تصویریں اُس نے قدرتی منظروں کی بنائی ہیں، وہ آجتک اعلیٰ اور پاکیزہ اور دلکش خیال کی جاتی ہیں اور یقین ہے کہ آیندہ زمانوں میں بھی اُس کا یہہ کمال ہمیشہ تسلیم کیا جائیگا - اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں جو مصور انگلستان میں مشہور ہوئے اُنکے نام حسب ذیل ہیں (۱) رچرڈ ولسن: یہہ مصور قدرتی مناظر کی تصویریں نہایت اعلیٰ درجہ کی کھینچتا تھا - (۲) برے (۳) رامنی (۴) مارٹیمور (۵) اوپے (۶) نارتھ کوٹ (۷) فوسلی (۸) انجلیکا کوفمین (۹) کوپلے (۱۰) وسٹ: یہہ سب مصور تاریخی تصویریں تیار کرنے میں شہرت پا چکے ہیں - آخیر کے دو مصور امریکا کے باشندے ہیں (۱۱) ولیم بلاک: یہہ مصور فرضی تصویریں کھینچنے میں بے نظیر سمجھا گیا ہے - اُنیسویں صدی عیسوی کے ربع اول میں جن مصوروں نے انگلستان میں اپنی شہرت کا علم بلند کیا (۱) ٹامس لارنس (۲) هپنر (۳) ریبرن (۴) جیکسن: یہہ سب مصور شخصی تصویروں کے کھینچنے میں کمال رکھتے تھے (۵) ولکی (۶) هیلٹن (۷) جان ارٹن (۸) برڈ (۹) ممرنگ (۱۰) سٹوارٹ:- یہہ مصور اخلاقی اور تاریخی تصویریں نہایت اعلیٰ درجہ کی کھینچتے تھے - اسی زمانہ میں فوٹن، ولزلی اور کاپر وغیرہ مصوروں نے مصورینِ مذکورۂ بالا کی تقلید کی ہے اور وہ بھی اخلاقی اور تاریخی تصویریں کھینچنے میں باکمال سمجھے جاتے ہیں - اِن میں سے بہت سے مصوروں نے قدرتی مناظر اور اشخاص کی تصویریں ایسی اعلیٰ

اور پاکیزہ بنائی ہیں کہ ہر ملک کے مصور اُن کی فضیلت اور کمال کا اعتراف کرتے ہیں۔ قدرتی مناظر کی تصویریں کھینچنے میں انگلستان کا مدرسۂ مصوری دیگر ملکوں کے مدارس مصوری سے غالباً ہمیشہ بالاتر رہیگا۔ انگریز مصوروں میں سے سر اڈون لینٹسیر نے، جس نے ۱۸۷۳ء میں وفات پائی، کتوں اور شکاری جانوروں کی تصویریں کھینچنے میں نہایت ناموری حاصل کی ہے۔ آبی تصویروں کا مدرسہ جو گزشتہ صدی کے وسط میں پال سنڈبے نے قائم کیا تھا، اُسکو دنیا کی اس قسم کی تمام مدارس پر فوقیت حاصل ہے۔ اس مدرسے میں قدرتی منظروں کی جو آبی تصویریں تیار کی گئیں، وہ روغنی تصویروں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اس مدرسے کے مشہور مصوروں کے نام حسب ذیل ہیں (۱) ٹرنر (۲) بروتھم (۳) ڈویلے فیلڈنگ (۴) روبرٹ (۵) ھنٹ (۶) ڈویس (۷) کاٹرمول (۸) کُک (۹) ابسولین (۱۰) گارلولڈ (۱۱) ناش (۱۲) اسٹنفیلڈ۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں انگریز مصوروں کا میلان خیالی تصویریں کھینچنے کی طرف تھا اور اسی میں تمام محنت اور سرگرمی سے مشغول رہتے تھے اور اسی کو اعلیٰ درجہ کا فنِ تصویر کشی خیال کرتے تھے، مگر رفتہ رفتہ اُن کو خانگی اشیاء، اور خانگی رسم و رواج کی تصویریں کھینچنے کا شوق ہوا اور آجکل یہی طریقۂ تصویر کشی کے تمام طریقوں پر غالب آگیا ہے۔ اس صدی کے اخیر حصہ میں ایک خاص مدرسہ تصویر کشی کا قائم ہوا ہے جسکے بڑے بڑے مشہور اور باکمال مصوروں کے نام حسب ذیل ہیں (۱) ھلمین (۲) ھنٹ (۳) میلیس (۴) گبریل روسٹی، یہ مصور موجودہ طریقۂ تصویر کشی سے اختلاف کرتے ہیں اور علم صحیح کی مدد سے فطرت کے اُن تمام واقعات و اشیاء کی تصویر ہو بہو کھینچتے ہیں، جو ہمارے گرد و پیش موجود ہیں۔ اُن کی محنت اور کوشش تیرھویں اور چودھویں صدی کے مصوروں کی محنت اور کوشش سے ہمسری کرتی ہے۔ اُن کے مقلدوں کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے۔

اضلاعِ متحدۂ امریکا کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ترقی یافتہ اور شائستہ ملک میں انیسویں صدی عیسوی سے پیشتر تصویر کشی کا بہت ہی کم چرچا تھا۔ جب انیسویں صدی کا آغاز ہوا، تو اس فن کا چرچا تمام ملک میں رفتہ رفتہ پھیلنے لگا اور ایسے لوگ پیدا ہونے لگے، جن کو بالطبع اس فن کی طرف رغبت تھی۔ جو مصور اس صدی کے آغاز میں پیدا ہوئے اور جنھوں نے امریکا میں علم شہرت بلند کیا، اُن کے نام ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔ (۱) ملبون (۲) گلبرٹ اسٹوارٹ (۳) السٹن: ان مصوروں نے اپنی محنت اور مستعدی اور سرگرمی سے، جو مہارت اور قدرت اس فن میں حاصل کی، اُس سے ثابت ہوگیا کہ امریکا کے باشندے بھی فنونِ لطیفہ سے طبعی مناسبت رکھتے ہیں اور اگر وہ

کوشش کریں تو ان فنون میں سے ہر فن میں
کمال پیدا کر سکتے ہیں۔ ۱۸۲۵ء کے قریب ٹامس
کول نے اس ملک میں تصویر کشی کا ایک مدرسہ جاری کیا تھا
جسمیں قدرتی منظروں کی تصویر کھینچنا سکھایا جاتا تھا۔
اُنیسویں صدی کے وسط میں اس مدرسہ نے
بہت ترقی کی اور اُسکی شہرت دور دور پھیل گئی
اور عام طور پر امریکا کے مصوروں نے شخصی
اور منظری تصویروں کے کھینچنے میں کمال پیدا کرنا
شروع کیا۔ اس کا نتیجہ یہہ ہوا کہ زمانۂ حال میں جو
مصور امریکا میں موجود ہیں، اُنکی ہاتھ کی کھینچی ہوئی
تصویریں مصورین یورپ کی تصویروں سے
کسی طرح کم نہیں ہیں۔ یہہ مصور ہر قسم کی تصویریں
کھینچنے میں نہایت مشاق ہیں اور اُن کی تصویروں کی
لطافت اور رنگینی حیرت انگیز ہے۔

یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا، وہ عیسائیوں
اور بُت پرست قوموں کی تصویر کشی کی نسبت تھا۔
مسلمانوں میں عام طور پر اس فن کی طرف گئے بے پروائی
کی گئی ہے۔ اس کا سبب یہہ ہے کہ چند حدیثیں آنحضرت
سے ایسی روایت کی گئی ہیں، جن سے تصویر کی ممانعت
کا اشارہ پایا جاتا ہے اگرچہ وہ حدیثیں درحقیقت بحث
طلب ہیں، مگر اُن پر بحث کرنے کا اس مضمون میں
کوئی موقع نہیں ہے۔ ہم کو اس مضمون میں صرف
تاریخی پہلو سے مصوری پر بحث کرنی ہے۔ اس لحاظ
سے ہم بطور اصول موضوعہ کے اس بات کو تسلیم
کئے لیتے ہیں کہ انھیں احادیث کے اثر سے مسلمانوں کو
اس فن کی طرف بہت کم رغبت ہوئی اور جسقدر
رغبت ہوئی بھی، اُسکے نتائج کی بھی کوئی مفصل اور
واضح تاریخ ہم نہیں دکھا سکتے۔ موسیو لیبان
نے اپنی کتاب تمدن عرب میں ایک ناتمام سا
خاکا مسلمانوں کی مصوری کا کھینچا ہے اس کو ہم اس
موقع پر درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

وہ لکھتا ہے کہ " عموماً یہہ خیال کیا جاتا ہے
کہ مسلمان انسانوں اور ذی روح مخلوقات کی
تصویریں بنانے سے شرعاً باز رکھے گئے ہیں اور یہہ
ممانعت قرآن، یا اقلاً تفاسیر قرآنی اور احادیث
نبوی کی رو سے ثابت ہوتی ہے۔"

" دراصل مسلمانوں نے اس ممانعت کی پابندی
بہت دنوں بعد کی ہے۔ ایک مدت دراز تک اُن کی
نظروں میں مصوری ویسی ہی خفیف ممنوعات میں
رہا کی ہے جیسے پانسوں سے جوا کھیلنا، یا سونے چاندی
کے برتنوں میں کھانا پینا۔"

" سب سے پہلے خلفا اور سلاطین اسلام نے
تصویر بنانے کی ممانعت کو توڑا۔ اُن کے سکوں کی
صورتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی صورتیں
مسکوک کرانے میں تامل نہیں کرتے تھے۔"

" اُن صورتوں سے، جو ہلالوں پر اور متعدد
عربی کاسوں پر بنی ہیں، عربوں کی نقاشی کی قابلیت
صاف ظاہر ہوتی ہے، لیکن اُن سے یہ نہیں معلوم
ہوتا کہ اُن میں مصوری کی قابلیت کس درجہ کی تھی
اُس کا اندازہ ہمیں صرف مورخین کے بیان سے ہوتا ہے۔

انھیں کے بیان سے یہہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کی
متعدد مدارس مصوری کے تھے اور مقریزی جیسے
محقق مورخ نے مسلمان مصورین کی سوانح اور حالات
بھی لکھے ہیں - وہ بیان کرتا ہے کہ جس وقت
۴۶۱ہجری میں خلیفہ المنصور کا قصر لوٹا گیا،
تو اُسمیں سے ہزار ٹکڑے شجر کے نکلے، جن پر
خلفائے عرب اور اُن کی جنگجوئیوں اور ارکان
سلطنت کی تصویریں بنی ہوئی تھیں - کمخواب، ریشم
اور مخمل کے جیسے انواع و اقسام کی حیوانی اور انسانی
تصویروں سے بالکل ڈھکے ہوئے تھے!

" مقریزی کے بیانات سے یہہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں عربوں کی
مصوری القاہرہ میں اعلیٰ درجہ کی تھی وہ دو
دیواروں کی تصویروں کا ذکر کرتا ہے، جن میں سے
ایک کی زمین سیاہ تھی اور اُسپر سفید پردے
بنے ہوئے تھے - یہہ تصویر اُس دیوار کے اندر،
جس پر یہہ بنی ہوئی تھی، گھسی ہوئی معلوم ہوتی تھی
دوسری تصویر کی زمین زرد تھی اور پردے سرخ
تھے - یہہ برخلاف پہلی تصویر کے اُبھری ہوئی اور
دیکھنے والوں کی طرف جھکی ہوئی معلوم ہوتی تھی
مقریزی نے ایک زینہ کا بھی ذکر کیا ہے، جو ایک
مسلمان بادشاہ کے محل میں بنا ہوا تھا اور جسکو دیکھنے
سے بالکل اصلی زینہ کا دھوکا ہوتا تھا - اس سے ثابت
ہوتا ہے کہ عرب مصور علم مناظر اور قرب و بعد کے
اثر سے بخوبی واقف تھے - اسکے علاوہ بہت سی عربی
کتابیں، علی الخصوص علم حیوانات اور گھوڑوں کی
تعلیم وغیرہ کی باتصویر ہیں - اسوقت بھی کئی نسخے
حریری کے معہ تصاویر کے موجود ہیں - کاسیری
کتب خانۂ اسکوریال کی ایک عربی کتاب کا بیان
لکھتا ہے، جس میں تقریباً چالیس تصویریں عربی
اور ایرانی بادشاہوں، شہزادیوں، سپہ سالاروں
اور اعیان دولت وغیرہ کی بنی ہوئی ہیں "

الحمرا کے دیکھنے والوں کو معلوم ہے
کہ بیت الشرہٹ کی چھت میں مختلف قسم کی تصویریں
بنی ہوئی ہیں - مثلاً اُمرائے عرب کی مجلس شوریٰ، ایک
مسلمان سردار کا ایک عیسائی سردار پر میدان جنگ
میں غالب آجانا - وغیرہ وغیرہ، لیکن اس بات میں
اختلاف رائے ہے کہ یہہ تصویریں کسکی بنائی ہوئی ہیں
موسیو لابوا کہتے ہیں کہ اقلاً ایک حصہ اُن کا ضرور
عربوں کا بنایا ہوا ہے - جہاں تک ہم نے اِن تصویروں
کو دیکھا ہے، اُن سے مصوری کی مقامی اعلیٰ درجہ
کی نہیں معلوم ہوتی "

" ان ناکافی مثالوں سے، جو ہم تک پہونچی ہیں،
کوئی درست رائے عربوں کی مصوری کی نسبت قائم
نہیں ہوسکتی - البتہ اُن میں نقاشی کی صنعت
اعلیٰ درجہ کی ہے، جیسا کہ انسانوں اور حیوانوں
کی اُن صورتوں سے، جو کتابوں میں بنائی گئی
ہیں، یا ظروف پر کندہ کی گئی ہیں، صاف ظاہر
ہوتا ہے "

" وہ زندہ چیزوں کی صورتیں، جو عربوں نے

بنائی ہیں، ہمیشہ کتبوں اور نقشی گل کاریوں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں۔ بعض صورتوں میں تو حیوانوں اور انسانوں کی مختلف اور عجیب غریب ترکیبوں سے خود عربی حروف پیدا ہوتے ہیں۔ پیرس کے قومی کتب خانہ میں تیرھویں صدی عیسوی کی ایک تصویر موجود ہے، جس کے چاروں طرف ایک باتصویر حاشیہ ہے۔ اس حاشیہ کی صورتوں کے ملانے کر عربی حرفوں میں ایک حکایت پڑھی جاتی ہے۔ اس حاشیہ کا تھوڑا سا حصہ ہم نے اپنی کتاب تمدن عرب میں درج کیا ہے۔"

"عربوں کا بہت مشہور تصویروں والا پیالہ وہ ہے، جو سینٹ لوئی کے کاسۂ اصطباغ کے نام سے مشہور ہے اور جو اس وقت لوور کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔ اس کاسے سے فرانس کے ہزاروں بچوں نے مذہب عیسوی کی رسم کے موافق اصطباغ پایا ہے۔ پہلے کہا جاتا تھا کہ سینٹ لوئی اسے جنگ صلیبی کے زمانہ میں لایا تھا، لیکن موسیو لاغاث پیریرے ثابت کیا ہے کہ یہ تیرھویں صدی عیسوی کا بنا ہوا ہے۔ وہ سوسن کے پھول، جو اس پیالہ پر بنے ہوئے ہیں، غالباً چودھویں، یا پندرھویں صدی میں بڑھائے گئے ہیں۔ میں اتنا اور کہوں گا کہ سوسن کا پھول، یا اقلاً اس سے بہت مشابہ ایک اور پھول ہے، جو عربوں کی عمر یادگاروں کی آرائشوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔"

"ایک خاص زمانہ کے بعد سے جو مختلف ممالک اسلام میں مختلف ہے، ذی روح اور زندہ چیزوں کی تصویریں مسلمانوں کی صناعیوں میں سے بالکل خارج ہوگئی ہیں۔ وہ فقہا اور علما جو احکام مذہبی کی سخت پابندی چاہتے تھے، رفتہ رفتہ دنیائے اسلام پر غالب آگئے۔ اور اُن کے فتووں پر تمام مسلمانوں کو مجبوراً عمل کرنا پڑا۔"

"ایرانیوں اور مغلوں کی سی اقوام نے، جنھوں نے ممالک اسلامیہ کو فتح کرنے کے بعد اسلام قبول کیا، اُن ممنوعات شرع کی زیادہ پابندی نہیں کی، جو اُن کے رسم و رواج اور معاشرت کی خلاف تھیں۔ علی الخصوص ایران میں ذی روح اور زندہ مخلوق کی تصویریں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ پھولوں اور جانوروں کی صورتیں، اگرچہ کسیقدر خیالی ہیں، تاہم اچھی بنی ہوئی ہیں، برخلاف اس کے آدمیوں کی تصویریں بالکل ہی متوسط درجہ کی ہیں۔"

موسیو لیباں کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مصوروں نے اپنی تصویروں میں پرسپکٹو یعنی اعتباری دوریوں اور فاصلوں کا خیال رکھا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم مناظر میں مہارت رکھتے تھے اور تصویروں میں قرب و بعد کا جو اثر اُن اشیا پر پڑتا ہے، جن کی تصویریں لی جاتی ہیں، اس سے بھی اچھی طرح واقف تھے؛ مگر ہندوستان کے مسلمان مصوروں کی حالت اس سے بالکل جدا ہے۔ اُن کی تصویریں جہاں تک ہاتھ آئی ہیں، اُن میں سے کسی میں پرسپکٹو یعنی اعتباری دوری کا خیال نہیں کیا۔

اگرچہ عام طور پر یہہ کلیہ مسلم ہے کہ تمام ملکوں میں جہاں اسلام نے حکومت کی ہے، مسلمان مصوروں نے فن مصوری میں ایسی ترقی نہیں کی، جو بمقابلہ غیر مذہب والوں کے قابل اعتبار اور لائق تذکرہ ہو، مگر جہاں تک اور جس حد تک اور ممالک کے مسلمان مصور پہونچے تھے ہندوستان کے مسلمان مصور اُس سے بھی بہت دُور رہے۔ اُن کو شبیہ کشی یا نقاشی میں ضرور ملکہ حاصل تھا، مگر مصوری میں وہ ایک قدم بھی ترقی کا آگے نہ بڑھا سکے ہندوستان کے مسلمان مصوروں کو دیکھکر بعض نادانوں نے یہہ تصور کیا ہے کہ اُن کی اس فن میں ترقی نہ کرنے کی وجہ زیادہ تر مذہبی ممانعت تھی، مگر یہہ وجہ بالکل نامعقول اور ناقابل اطمینان ہے، کیونکہ اگر مسلمانوں نے فن مصوری میں اسلئے ترقی نہیں کی کہ اُن کو مذہبًا ایسا کرنے کی ممانعت تھی، تو ہندوؤں نے باوجود اسکے کہ بت پرستی اور سنگ تراشی کا اُن میں ہزاروں برس سے رواج رہا ہے، تصویرکشی میں کیوں ترقی نہیں کی الفنسٹن صاحب نے، جو ہندوستان کی تاریخ لکھی ہے، اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہندو باوجود اسکے کہ اپنے دیوتاؤں کی مورتیں مدت دراز سے بناتے رہے ہیں اور اُن کا ایسا کرنا عین اُنکے مذہب کے موافق ہے، مگر یہ تعجب کی بات ہے کہ اِس قوم کے مصوروں نے بمقابلہ مسلمان مصوروں کے فن تصویرکشی میں کوئی ترقی نہیں کی اور اُن کو ہم مسلمان مصوروں پر ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں پاتا

زمانۂ حال میں فوٹو گرافی اور مصوری میں مسلمانوں کو اس فن کی طرف کچھ توجہ ہوئی ہے اور مصر و ٹرکی میں فنون لطیفہ کے بعض مدارس بھی قائم ہوگئے ہیں، جس سے اُمید ہے کہ اگر اس فن میں مسلمان کچھ مدت تک مشغول رہے، تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ ترقی کریں گے۔ ملک شام میں عیسائیوں نے اپنے خاص مدارس میں مصوری کی تعلیم جاری کی ہے اور اُس میں بعض مسلمان طلبا بھی تعلیم پاتے ہیں۔

اِس مضمون میں جو توقع سے زیادہ طویل ہوگیا ہے، ہم صرف دستی تصویروں کا بیان کرسکے ہیں۔ کسی آئندہ آرٹیکل میں عکسی تصویروں کا ذکر کریں گے اور اُسکی تاریخ بھی مفصل لکھیں گے۔ (عبد العلی خان)

حیاتِ جاوید

یعنی

سرسید کی لائف

پر

ریویو

(دیکھو سلسلہ کیلئے رسالہ ماہ جون سنہ ۱۹۱۰ء)

سرکاری، ملکی اور قومی خدمات کا ذکر کرنے کے بعد مولانا نے سرسید کی مذہبی خدمات کا ذکر چھیڑا ہے اور اُن پر ریویو کرنا شروع کیا ہے۔ مذہبی خدمات کا عنوان اِس کتاب میں بہت زیادہ مہتم بالشان ہے اور اُسپر ناظرین کو خاص توجہ سے نگاہ ڈالنی چاہیے یہہ

سچ ہے کہ مولانا نے جسقدر تفسیر کے متعلق لکھنا چاہئے تھا
اُس کے لحاظ سے بہت کم لکھا ہے اور اس کا عذر
بھی اُن کی طرف سے ہم بیان کر چکے ہیں، تاہم
جو کچھ اُنھوں نے بیان کیا ہے، وہ بھی ناظرین
کتاب کی اطلاع اور بصیرت کے لئے کافی ہے۔
اُنھوں نے مذہبی خدمات کی تمہید کے بعد
یہہ بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں اسلام
تین خطروں سے گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف تو عیسائیوں کا
خطرہ تھا، جو مذہب اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ
والسلام پر بیجا نکتہ چینیاں کر کے مسلمانوں کو اپنے
مذہب کی طرف کھینچتے تھے۔ دوسری طرف گورنمنٹ
اِس سبب سے کہ اُس نے مسلمانوں کے ہاتھ سے
ہندوستان کی سلطنت لی تھی اور اُن غلط فہمیوں
کے سبب سے جو مذہب اسلام کی نسبت یورپ کی تمام
عیسائی قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں، مسلمانوں کو
بدگمانی کی نظر سے دیکھتی تھی۔ تیسرا خطرہ یہہ تھا کہ
مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کے شائع کرنے سے اُن کے
تارک المذہب یا عیسائی ہو جانے کا اندیشہ تھا۔
مولانا نے لکھا ہے کہ اگرچہ پہلے خطرہ کا مقابلہ قدیم طرز
کے علما نے کیا اور اِس سے یہہ فائدہ ہوا کہ ہزاروں
مسلمان عیسائی ہونے سے بچ گئے، مگر باقی دو خطروں کا
احساس سرسید کے سوا اور کسی عالم کو نہیں ہوا
اُنھوں نے تینوں خطروں کا نہایت دلیری اور
استقلال سے مقابلہ کیا اور مرتے دم تک اسلام کی
قسم کی حمایت کی۔ مولانا کا یہ بیان نہایت مدلل
اور دلچسپ و پُرتاثیر ہے۔ اُنھوں نے اپنے اِس دعویٰ کو
نہایت عمدگی اور خوبی سے ثابت کیا ہے۔ اور واضح
طور پر دکھایا ہے کہ قدیم طرز کے علماء نے اور سرسید نے
جو اسلام کی حمایت نہایت نیک نیتی سے کی، اُن
دونوں کے طریقہ حمایت میں کیا فرق تھا۔ اِس
بیان کے ذیل میں اُنھوں نے خطبات احمدیہ
کا ذکر کیا ہے اور قدیم طرز کے علما نے جو کتابیں
عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ اور مباحثہ پر لکھی
ہیں، اُن پر اِس کتاب کے ترجیح دینے کی چار وجوہ
بیان کی ہیں (پہلی وجہ) یہہ کہ سرسید سے پہلے
کسی مسلمان نے یورپ میں پہنچکر مذہب اسلام پر
یورپ ہی کی کسی زبان میں کوئی کتاب نہیں لکھی
جس سے یورپ کی اقوام کی ہدایت کے لئے مذہب اسلام
کی خوبیاں ثابت کرنا اور اُن غلط فہمیوں کا دور کرنا
مقصود ہو، جو اسلام اور بانی اسلام کی نسبت
اُن میں مدت دراز سے پھیلی ہوئی تھیں (دوسری وجہ)
یہہ کہ سرسید نے اِس کتاب میں مناظرہ کا مخاصمانہ
طریقہ اختیار نہیں کیا، جس سے حریفوں کی ضد اور
تعصب اور نفرت میں ترقی ہوتی ہے، بلکہ اُنھوں نے
دوستانہ اور بے تعصبانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔
جس کا اثر مخالفوں پر یقینی ہوتا ہے اور (تیسری
وجہ) یہہ کہ سر ولیم میور نے اپنی کتاب لائف آف محمد
میں قدیم مشنریوں کے طریقہ کے برخلاف مسلمانوں
کی روایتوں اور حدیثوں اور تاریخ و سیر کی
کتابوں کو تسلیم کر کے اُن کی بنیاد پر اسلام کی

اور بانی اسلام کے اخلاق اور معاشرت پر حملہ کیا ہے اور یہہ طریقہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کیلئے بہت موثر تھا اور اندیشہ تھا کہ وہ مذہب اسلام سے متنفر نہ ہوجائیں۔ سرسید نے روایات واحادیث کی تنقید اور تحقیق کرکے نہایت معقول اور مدلل طریقہ سے جواب دیا ہے اور ثابت کردیا ہے کہ مذہب اسلام اور بانی اسلام پر کوئی نکتہ چینی زمانہ حال کے جدید طریقہ مناظرہ کی رو سے بھی نہیں ہوسکتی (چوتھی وجہ) یہہ کہ سرسید نے الزامی جواب سے احتراز کیا ہے اور ہر اعتراض اور نکتہ چینی کا بخلاف قدیم طریقہ مناظرہ کے محققانہ جواب دیا ہے، جس کا فائدہ یہہ ہے کہ عیسائی ہی نہیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو قید مذہب سے بالکل آزاد ہیں، اُس جواب سے ساکت ہوسکتے ہیں یہہ وجوہ مولانا نے بیان کرکے ہر ایک کے متعلق مثالیں دی ہیں اور بتایا ہے کہ علماے قدیم کے اور سرسید کے طرز مناظرہ میں کیا فرق ہے اور دونوں کا کیا نتیجہ ہے یہہ بیان نہایت مفصل اور مدلل ہے۔ ہمارے نزدیک یہہ اس کتاب کا بےنظیر حصہ اور مولانا کی قابلیت اور لیاقت کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے اور اسکی کیفیت کما حقہ تبھی معلوم ہوسکتی ہے کہ اس کتاب کو غور سے پڑھا جائے۔

مذہبی خدمات ہی کی ضمن میں جہاں مولانا نے سرسید کی تفسیر کا ذکر کیا ہے، پانچ خصوصیات بیان کی ہیں، جن سے سرسید کی تفسیر اور قدیم کی تفسیروں میں تمیز ہوتی ہے۔ یہہ خصوصیات جن سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا نے نہایت گہری نظر سرسید کی تصنیفات پر ڈالی ہے حسب ذیل ہیں (اول) یہہ کہ قرآن مجید میں جو قصے بیان ہوئے ہیں اُن کی تنقیح پر قدیم مفسرین نے بہت کم توجہ کی ہے۔ سرسید نے ہر قصہ یا واقعہ کا سراغ بائیبل میں لگایا ہے اور قرآن اور بائیبل کی تطبیق کی ہے، یا عدم مطابقت کی وجہ بیان کی ہے اور جس قصہ کا پتا بائیبل میں نہیں لگا، اُس کا ثبوت اور ذریعوں سے دیا ہے۔ (دوم) یہہ کہ اُن مسائل معتقدات پر جو اسلام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ زمانہ حال کی نکتہ چینیوں نے جو آزادانہ اعتراض کئے ہیں، اُن کا جواب اس تفسیر میں نہایت عمدگی سے دیا گیا ہے، جسکی نظیر قدیم تفسیروں میں نہیں پائی جاتی (سوم) یہہ کہ برخلاف قدیم تفسیروں کے، جن میں بیشمار موضوع اور بے سند اور ضعیف روایتیں اور یہودیوں کے قصے درج ہیں، سرسید نے اپنی تفسیر میں اُن کو داخل نہیں کیا ہے؛ کیونکہ ایسے بے سروپا افسانوں اور روایتوں سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے دلوں پر اسلام کی نسبت کوئی عمدہ اثر نہیں ہوتا (چہارم) یہہ کہ خلاف قدیم تفسیروں کے ہر ایک آیت کی تفسیریں متعدد اور مختلف اقوال سرسید نے درج نہیں کئے ہیں؛ بلکہ جو قول راجح اور جو معنی صحیح تر معلوم ہوئے ہیں، وہی بیان کردیے ہیں، تاکہ اُن لوگوں کے دل میں جو مذہب کو موروثی چیز نہیں سمجھتے اور تقلید کی قید سے آزاد ہیں ان مختلف اقوال ومعانی کو دیکھکر کوئی تحیر انسانی

اور تمدن بیدا نہ ہو (پنجم) یہ کہ علوم جدیدہ کی تعلیم سے جو شبہات قرآن مجید کے بعض مضامین کی نسبت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں، انکو نہایت عمدگی اور خوبی سے رفع کیا ہے اور بمقابلہ علوم جدیدہ کے اُنھوں نے ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالی ہے۔ اِن خصوصیات کو مولانا نے متعدد مثالیں دیکر واضح کیا ہے۔ اگرچہ تفسیر کے متعلق اور بحثیں ترک کر دی گئی ہیں اور مولانا نے صرف خصوصیات ہی کے بیان کرنے پر قناعت کی ہو، مگر ہماری رائے میں جو شخص اس بیان کو بھی غور سے پڑھیگا، وہ فاضل مصنف کی کاوش اور تحقیق کی تعریف کئے بغیر نہیں رہیگا للہ درہ و علی اللہ اجرہ۔ ہم نے بجائے خود اس بات پر غور کیا ہے کہ سرسید کی تفسیر اور قدما کی تفسیروں میں کیا چیز ما بہ الامتیاز ہے، مگر اِن خصوصیات سے زائد کوئی بات ہمارے خیال میں بھی نہیں آئی۔

مذہبی خدمات ہی کی ذیل میں مولانا نے اس رفارمیشن کا ذکر کیا ہے جسکی بنیاد سرسید نے ڈالی۔ اوّل انھوں نے مثالیں دیکر یہ بیان کیا ہو کہ زمانۂ سابق میں ان علما نے جنکو مجدد دین و مذہب کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے، اسلام کے مسائل و اصول میں کس قسم کی اصلاحیں ظہور میں آئیں اور اس زمانہ کی ضروریات کس قسم کی تھیں۔ پھر یہ ثابت کیا ہو کہ سرسید نے زمانہ حال کی ضروریات کے موافق اُن اصلاحوں کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ اُنھوں نے اس امر کو بھی مثالوں سے واضح کیا ہے۔ اسکے بعد اُنھوں نے سرسید کے مجدد مذہب ہونے کی نسبت چند اعتراض پیش کئے ہیں اور اُن کا نہایت عمدہ جواب دیا ہے پھر یہ بحث اٹھائی ہے کہ سرسید نے علمائے سلف سے کن کن امور میں اختلاف کیا ہے چنانچہ مولانا نے نہایت کاوش اور تلاش کے بعد اول اُن اختلافات کو بیان کیا ہے، جن میں اُنکے ساتھ بعض دیگر گذشتہ علما بھی متفق ہیں پھر اُن اختلافات کا ذکر کیا ہے، جن میں سرسید متفرد ہیں۔ پہلی قسم کے اختلافات کی تعداد (۱۴) اور دوسری قسم کے اختلافات کی (۱۱) ہے۔ ہمارے نزدیک اگر سرسید کی مذہبی تصنیفات کا تصفح کیا جائے، تو غالباً پہلی قسم کے اختلافات کی تعداد میں اور اضافہ ہوسکتا ہے۔ اور اس کا خود مولانا نے اقرار کیا ہے۔ دوسری قسم کے اختلافات کی تعداد میں ہمارے نزدیک اور کمی ہوسکتی ہے، کیونکہ جن امور میں سرسید نے جمہور سے اختلاف کیا ہے، اُن میں سے بعض امور ایسے ضرور نکلیں گے، جن کا سُراغ معتزلہ کی تصنیفات میں مل سکتا ہے؛ مگر یہ ممکن ہے کہ معتزلہ نے جو اختلاف جمہور سے کیا ہو، وہ سرسید کے اختلاف سے زیادہ وسعت نرکھتا ہو۔ جس زمانہ میں خاکسار سرسید کی تفسیر کے لئے مٹیریل بہم پہونچانے اور اُن کو مذہبی تصنیفات میں مدد دینے پر مامور تھا، اس بات کا بارہا اتفاق ہوا ہے کہ جن رایوں میں سرسید بظاہر متفرد معلوم ہوتے تھے اور جنکو وہ اپنی تفسیر میں درج کر چکے تھے، اُن میں سے

بعض کی تائید میں دیگر بعض محققین اسلام کے اقوال نقل آتے تھے، اس کا ثبوت سرسید کی تفسیر کے اُس مطبوعہ نسخہ سے ہوتا ہے جو ہمیشہ سرسید کی زیر نظر رہتا تھا اور جس کے حاشیہ پر اس قسم کے اقوال قلمی لکھے گئے ہیں اور جو اب محمڈن کالج علیگڈھ کے کتب خانے میں موجود[1] ہے۔ غرضکہ مولانا نے سرسید کی مذہبی خدمات کی نسبت جو کچھ کتاب کے دوسرے حصہ میں لکھا ہے، وہ بحیثیت مجموعی ہمارے نزدیک مصنف کا ماسٹرپیس ہے۔

اس کے بعد مولانا نے نہایت وسعت اور تفصیل کے ساتھ اُن مخالفتوں کا ذکر کیا ہے، جو سرسید کے ساتھ لوگوں نے کیں، اور اُن مشکلات کا ذکر بھی کیا ہے، جو سرسید کو رفارمیشن کی منزل میں پیش آئیں۔ اس بیان کو پڑھکر ہر شخص جو دل میں انصاف اور دماغ میں عقل رکھتا ہے، ضرور اس بات کو تسلیم کرے گا کہ موجودہ عام علما کا وجود مثل علمائے بنی اسرائیل کے ہماری قوم کے حق میں خطرناک اور ضرر رساں ہے اور اُن سے قوم کو ہدایت اور اصلی فائدہ پہونچنے کی توقع نہیں ہو سکتی۔ سرسید کے خلاف ان بزرگواروں کی تحریریں اور فتوے جو اس موقع پر بجنسہٖ نقل کئے گئے ہیں، نفس مضمون اور دلائل اور طرز عبارت کے لحاظ سے ایسی عجیب و غریب ہیں کہ اُن کو پڑھکر بے اختیار ہنسی آتی ہے اور افسوس ہوتا ہے کہ یہ اُسی قوم کے علما ہیں، جنکی علمی اور دماغی اور عقلی کارناموں سے دنیا کی تاریخیں لبریز ہیں۔ باوجود اس کے مولانا نے مخالفوں کا ذکر، جو تحقیر و تذلیل سے نہیں کیا اور اُن کے متعلق اصلی واقعات کے درج کرنے پر اکتفا کیا ہے، یہ اُن کی واقعہ نگاری اور راستبازی کا سب سے عمدہ ثبوت ہے۔ مولانا نے اس حصہ میں ہر نوع کے مخالفتوں کا ذکر کیا ہے اور مخالفوں کے جواب میں سرسید کی تحریروں کے بعض اقتباس درج کئے ہیں، جنکو دیکھکر ہر شخص سرسید اور اُن کے مخالفوں کی نیتوں میں بخوبی تمیز کر سکتا ہے اور اُسکو یہ امر بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ دونوں میں سے کس کے دل میں اسلام اور بانی اسلام کی سچی محبت موجزن ہے اور کون مسلمانوں کا سچا دوست اور بہی خواہ ہے۔ غرضکہ یہ حصہ کتاب کا ایسا دلچسپ اور عبرت خیز ہے کہ کہیں اسکو پڑھکر بے اختیار ہنسی آتی ہے اور کہیں دل بھر آتا اور طبیعت رونے پر آمادہ ہوجاتی ہے۔ مخالفتوں کا ذکر کرنے کے بعد مولانا نے سرسید کی کامیابی اور اُسکے اسباب پر مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔ وہ اس بحث کو اس طرح شروع کرتے ہیں کہ سرسید کی

[1] یہ نسخہ جو درحقیقت سرسید کی ایک مہتم بالشان یادگار ہے، سرسید کی وفات کے بعد غلطی سے ڈیوٹی شاپ مدرسۃ العلوم کی بکری کی کتابوں میں چلا گیا تھا۔ اتفاق سے جب ہماری نظر اُس پر پڑی، تو ہم نے بکری کی کتابوں سے نکال کر اُسکو کالج لائبریری میں داخل کر دیا۔ افسوس ہے کہ اسکے ضائع ہوجانے کے بعد پھر اُسکا کوئی تدارک ناممکن تھا۔

کامیابی کی نسبت یہہ خیال کرنا ممکن ہے کہ انھوں نے جتنے کام کئے، وہ سب زمانہ کے اقتضا کے موافق کئے، اِس لئے زمانہ خود اُن کی تائید کرنے والا تھا۔ اِسپر مولانا نے لکھا ہے کہ زمانہ کا تقاضا اور چیز ہے اور اقتضا اور چیز۔ زمانہ کا تقاضا تو یہہ تھا کہ مسلمان اپنی حالت درست کریں، وقت کی ضرورتوں کو سمجھیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہوں؛ مگر اُس کا اقتضا بالکل اِسکے برخلاف تھا۔ اقتضا یہہ تھا کہ جو قوم پہلے فاتح رہ چکی ہے اور پھر مفتوح ہوگئی ہے، وہ برباد و تباہ ہو اور اُسمیں دنیا بھر کی خرابیاں جمع ہو جائیں۔

پس سیّد کو جو کچھ کامیابی ہوئی، وہ اِس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اُنکی کوششیں زمانہ کے اقتضا کے موافق تھیں؛ بلکہ اُنکی کوششیں جو استقلال، دانائی اور راستبازی کے ساتھ کیگئیں، وہ زمانہ کے اقتضا پر غالب آئیں۔ اِسکے ثبوت میں مولانا نے تعلیمِ نسوان کو پیش کیا ہے، جس کا جوش مدتِ دراز سے ملک میں عام طور پر پھیلا ہوا ہے؛ مگر باوجود اس کے آج تک جیسی کہ چاہیئے، اُسمیں کامیابی نہیں ہوئی؛ کیونکہ اُس کا کوئی زبردست حامی مثل سیّد احمد خاں کے کھڑا نہیں ہوا۔ اِس کے بعد مولانا نے لکھا ہے کہ سرسیّد کی کامیابی کا سبب نہ زمانہ کے رُخ پر چلنا تھا، نہ گورنمنٹ میں اُن کا بارسوخ ہونا، نہ دوستوں کا اُن کے گرد جمع ہونا؛ بلکہ اُن کی کامیابی کی اصلی اور حقیقی اسباب یہہ تھے: راستبازی، خلوص، فراخ حوصلگی، کشادہ دلی، عزم، جزم، دلیری، مستعدی و جفاکشی، فرائض کی پابندی، حزم و احتیاط اور تحریر و تقریر کی فصاحت۔ سرسیّد کی کامیابی کے لیے جو اُمور بطور اسباب کے مولانا نے بیان کئے ہیں، وہ سب سرسیّد میں بیشک موجود تھے اور اُنھیں کے جاننے کی ضرورت اِس کتاب کے ہر مطالعہ کرنے والے کو تھی۔ اگر یہہ امور کھولکر بیان نہ کئے جاتے، تو محض واقعاتِ زندگی کے جان لینے سے کوئی بصیرت ناظرینِ کتاب کو حاصل نہ ہوتی۔ اگر سرسیّد کی تمام زندگی کو غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہی وہ اُمور ہیں جنکے جمع کرنے سے سرسیّد جیسے شخص کی زندگی مرکب اور مرتب ہوئی ہے؛ جس طرح ایک لائق گھڑی ساز گھڑی کے پُرزوں کو جُدا جُدا کرکے یہہ بتا دیتا ہے کہ ہر پرزہ کس موقع پر موزوں ہے اور کس کام کے لیے بنایا گیا ہے، اِسی طرح مولانا نے سرسیّد کی زندگی کے تمام عناصر کو تحلیل کرکے ہر ایک کی حقیقت بیان کردی ہے۔ اِس موقع پر ایک شخص یہہ کہہ سکتا ہے کہ اگر کوئی آدمی اِن پُرزوں کو اپنی ذات میں مہیا اور جمع کر سکے، تو یقیناً اُسکی زندگی بھی سرسیّد کی زندگی کے سانچے میں ڈھل جائیگی۔ اور اُس سے بھی ویسے ہی بڑے بڑے کام ظہور میں آئیں گے، جیسے کہ سرسیّد سے ظہور میں آئے؛ مگر سچ یہہ ہے کہ ان امور کا کسی شخص کی ذات میں جمع ہو جانا بھی اسباب کے ایک ایسے سلسلہ پر مبنی ہے، جو ہر انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔ [illegible] لازم جس سے ابتدائی اور ہیولانی شکل اُس مادہ کی مراد ہے، جو ترقی کرکے نباتات،

حیوانات، یا انسان کے پیرایہ میں ظہور کرتا ہے، اُسکے کیمیائی اجزا معلوم ہو چکے ہیں؛ مگر اُن اجزا کو مرکب کر کے کسی درخت، یا جانور، یا انسان کا بنا لینا نہایت دشوار ہے؛ لیکن پروٹوپلازم کا چھوٹے سے چھوٹا قطرہ اگر کہیں موجود ہے تو وہ گرد و پیش سے کم و بیش اپنی غذا مہیا کر سکتا ہے، اور اُسمیں نشو و نما شروع ہو جاتا ہے اور گرد و پیش کے حالات سے جو اُس کے مناسب ہوں، متاثر ہو کر وہ اپنے تئیں نبات یا حیوان، یا انسان بنا لیتا؛ لیکن اگر گرد و پیش کے حالات اسکے مناسب نہ ہوں تو وہ مادہ مضمحل ہو جاتا ہے؛ اسی طرح ہر انسان میں کوئی قابلیت موجود ہے، ان واقعات و حالات سے، جن میں وہ گھرا رہتا ہے، کم و بیش اثر پذیر ہوتا ہے۔ اگر وہ واقعات و حالات اُسکی قابلیت کے موافق ہیں یعنی اُسکی اندرونی اور بیرونی کیفیات ایک دوسرے پر منطبق ہوتی ہیں، تو اُسکو درست صحیح تربیت پانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اور جلد جلد نشو و نما کرتا ہے اور آخر کار وہی ہو جاتا ہے جو اسکو ہونا چاہیے؛ لیکن اگر اُسکے درونی و بیرونی حالات و واقعات میں مطابقت نہ ہو، تو اُسکو تربیت اور ترقی کا موقع نہیں ملتا۔ بیرونی واقعات و حالات میں، وہ تمام چیزیں داخل ہیں، جو ہر انسان کے گرد و پیش موجود ہوتی ہیں مثلاً انسانوں کی سوسائٹی، کتابیں، جو اکثر زیر مطالعہ رہتی ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اس تمام بیان کا نتیجہ یہہ ہے کہ مثلاً مولانا کی کتاب حیات جاوید جسمیں انھوں نے سر سید کی زندگی کا خاکا کھینچا ہے اور اُسکے تمام اجزا تحلیل کر کے دکھائے ہیں۔ اگر کسی ایسے شخص کے زیر مطالعہ رہیگی، جسمیں ویسی ہی قدرتی قابلیت موجود ہے جیسی کہ سر سید میں تھی، تو منجملہ دیگر اسباب کے اُسکی تربیت اور اندرونی قابلیت کی تحریک کا ایک سبب یہہ کتاب بھی ہوگی؛ ایسی مختلف فطرت کے انسانوں کی زندگی کے حالات پر اگر ایسے ہی طریقہ سے کتابیں لکھی جائیں اور اُن کے ہر زندگی کے اجزا تحلیل کر کے دکھائے جائیں اور اسباب و نتائج کی تشریح کی جائے تو اُن کے مطالعہ کرنے والوں میں جس قسم کی قدرتی قابلیت موجود ہوگی ویسی ہی فطرت کی تربیت اور نشو و نما کے لئے اُن کو ایک ذخیرہ مل جائیگا۔ علمائے طبیعیات اس بات پر متفق ہیں کہ تربیت کا کام یہی ہے اور اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ جو قدرتی قابلیت کسی شخص کی فطرت میں مخفی ہو، اُسکو عالم ظہور میں لے آتی ہے۔ اسی بنا پر ہم یہہ کہہ سکتے ہیں کہ جس قوم میں ایسی لٹریچر کا سلسلہ موجود نہیں ہے، اُسکے مختلف الفطرت افراد کی تربیت کا گویا کوئی سامان مہیا نہیں ہے۔

مولانا نے کامیابی کے اسباب بیان کرنے کے بعد ذیل کی مختلف لیاقتوں پر بحث کی ہے، جو سر سید کی ذات بابرکات میں جمع تھیں (۱) پالیٹکس (۲) تعلیم (۳) مذہبی تحقیق (۴) سوشیل رفارم (۵) تصنیف و تالیف (۶) تحریر (۷) پبلک اسپیکنگ تعلیم کی

ذیل میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ چند موقعوں پر سر سید نے سائنٹیفک سوسائٹی کے قائم کرنے کو اپنی رائے کی غلطی کی طرف منسوب کیا ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ یوروپین علوم کی اشاعت بذریعہ دیسی زبانوں کے ملک کو حقیقی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، اس سے بعض لوگ سچ مچ یہہ سمجھ گئے ہیں کہ سوسائٹی کا قائم کرنا محض بے سود تھا اور سر سید جب اپنی اس غلطی پر متنبہ ہوئے تو اُنھوں نے انگریزی تعلیم کی اشاعت کی طرف توجہ کی، مگر یہہ اُنکی سمجھ کی غلطی ہے۔ انگریزی تعلیم کی نسبت سر سید کا جو خیال اخیر زمانہ میں تھا، وہی اُسوقت تھا، جبکہ اُنھوں نے سوسائٹی کی بنیاد ڈالی تھی۔ سوسائٹی اُنھوں نے اس خیال سے قائم کی تھی کہ جب تک انگریزی سے عمدہ عمدہ علمی اور لٹریری مضامین کا ترجمہ دیسی زبان میں نہ کیا جائے، یوروپین علوم اور لٹریچر کی عظمت سے لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ سوسائٹی کے ذریعہ سے اُنھوں نے لوگوں کو انگریزی تعلیم کی ضرورت کا یقین دلایا۔ پس اس زمانہ میں جو کچھہ اُنھوں نے کیا، وہ ہائی انگلش ایجوکیشن کی اشاعت کے لئے بطور تمہید اور اساس کے تھا، مگر اس سے یہہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ سر سید انگریزی سے اُردو میں علمی کتابوں کے ترجمہ ہونے کو ناپسند کرتے تھے اور جو ترجمے سوسائٹی نے کئے، وہ صرف اس غرض سے کئے تھے کہ انگریزی زبان کی عظمت لوگوں پر ثابت کیجائے، اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ ملک میں اعلیٰ تعلیم کی اشاعت چاہتے تھے، اور اُس کا ذریعہ انگریزی زبان ہی کو سمجھتے تھے، مگر اسکے ساتھہ ہی وہ اس بات کو بھی ضروری سمجھتے تھے کہ ملک میں عام تعلیم بذریعہ دیسی زبانوں کے دیجائے۔ ہائی ایجوکیشن کی حمایت کے جوش میں اُن کے قلم سے بعض موقعوں پر ایسے الفاظ بیشک نکل گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجموں کی غرض سے سوسائٹی قائم کرنے کو وہ اپنی ایک غلطی تسلیم کرتے تھے، مگر بات یہہ ہے کہ ایک ریفارمر کی شان اور اُسکی حالت عام آدمیوں کی شان اور اُن کی حالت سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ قومی ضروریات میں سے، وہ جس چیز کو سب سے زیادہ ضروری اور مقدم سمجھتا ہے، اُسی پر زیادہ زور دیتا ہے اور اسکی پروا نہیں کرتا کہ وہ پہلے کیا کہہ چکا اور کیا کر چکا ہے۔ سر سید انگریزی سے اُردو میں علمی کتابوں کے ترجمہ ہونے اور اُن کے ذریعہ سے عام تعلیم کی اشاعت کو ضروری سمجھتے تھے، مگر ہائی انگلش ایجوکیشن کو اُس سے زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔ اسی بنا پر جب اُنکو یہہ شبہہ ہوا کہ گورنمنٹ ہائی انگلش ایجوکیشن کو موقوف کر کے اُسکی جگہ دیسی زبانوں میں مشرقی و مغربی علوم کی اشاعت چاہتی ہے، تو اُنھوں نے ہائی انگلش ایجوکیشن کی نہایت زور سے حمایت کی اور سائنٹیفک سوسائٹی کے قائم کرنے کو اپنی غلطی بیان کیا اور یہہ ظاہر کیا کہ نہ دیسی زبانوں میں ترجمہ کے ذریعہ سے مغربی علوم کی اشاعت ملک کے حق میں مفید ہے، نہ مغربی علوم کی بیشمار کتابوں کا دیسی زبانوں میں ترجمہ ہونا ممکن ہے، نہ کسی محکوم قوم نے اپنی زبان کے ذریعہ سے علوم میں ترقی کی ہے۔ اسکے بعد

مولانا نے لکھا ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" میں سرسید کی اِن دلائل کا اعادہ کرکے یہہ امر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مغربی علوم و فنون کا دیسی زبانوں میں ترجمہ ہونا ممکن نہیں ہے۔ اِس موقع پر مولانا نے ایک نوٹ دیا ہے اور اُسمیں مولوی شبلی صاحب کے دلائل کی (جو فی الحقیقت سرسید ہی کے دلائل ہیں) نہایت عمدگی اور خوبی سے تردید کی ہے۔ چونکہ یہہ نوٹ اِس اہم مسئلہ کے متعلق نہایت ضروری ہے، اسلئے ہم بطور اظہارِ اتفاقِ رائے کے اُسکو اس موقع پر درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

"مولانا نے اِس بات پر کہ جس طرح عباسیوں نے یونانی سے عربی میں ترجمے کرلئے تھے اُس طرح ہم مغربی علوم انگریزی سے اُردو میں ترجمہ نہیں کراسکتے، پہلی دلیل یہ لکھی ہے کہ لاکھوں روپیہ جو خلفای عباسیہ نے ترجمہ پر خرچ کیا وہ اب غیر ممکن ہے! مگر یہہ دلیل صحیح نہیں ہے، کیونکہ واقعات اِسکے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ گذشتہ تیس چالیس برس میں، بغیر اسکے کہ سلطنت نے ترجمہ کا اہتمام اپنے ذمہ لیا ہو، جسقدر علمی اور لٹریری مضامین اور کتابیں انگریزی سے دیسی زبانوں میں ترجمہ ہوئیں، اگر ہمارا قیاس غلط نہو تو وہ کسی طرح خلفائے امویہ و عباسیہ کے عہد کے ترجموں سے کم نہوں گی۔ دوسری دلیل اُن کی یہ ہے کہ اُس زمانہ میں علوم محدود تھے اور ترقی رُکی ہوئی تھی جسقدر کتابیں ترجمہ کرلی گئیں گویا یونانیوں کے علوم پر احاطہ کرلیا گیا، مگر اس زمانہ میں نہ علمی ترقی کی انتہا ہے اور نہ کتابوں کے شمار کی کوئی حد ہے جنکی تصنیف کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہی دلیل غالباً سرسید نے بھی کسی موقع پر بیان کی ہے، مگر یہہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جس طرح اب علوم اور کتابیں غیر محدود ہیں اُسی طرح ہندوستان میں ترجمہ کے وسائل بھی غیر محدود ہیں۔ عباسیوں نے صرف چند یہودی عیسائی اور مجوسی نوکر رکھکر ترجمے کرائے تھے کیونکہ یونانی زبان کی تعلیم کا کبھی مسلمانوں میں عام رواج نہیں ہوا، بخلاف ہندوستان کے جہاں انگریزی کی تعلیم عام طور پر جاری ہے اور کاپی رائٹ کے قانون نے ہر تعلیم یافتہ کے دل میں ترجمہ کی اُمنگ پیدا کردی ہے۔ پھر ہر ایک علم کی تمام کتابیں ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہر علم کے چند نامور مصنفوں کی کتابوں کا ابتدا میں ترجمہ کرلینا کافی ہے۔ پھر جتنی صدیاں یورپ کی علمی ترقیات میں صرف ہوئی ہیں اور جتنی مدت میں انگریزی زبان نے ترقی کی ہے اور جسقدر عرصہ میں مغربی علوم مدون ہوئے ہیں، کم سے کم اُس سے نصف مدت کی مہلت ہندوستانیوں کو اُن کے ترجموں کے لئے ملنی چاہیے، نہ یہ کہ جتنے دنوں تک سائنٹفک سوسائٹی علیگڈھ ترجمہ کا کام کرتی رہی ہے اُتنی مدت میں تمام مغربی علوم و فنون کے دیسی زبانوں میں منتقل ہونے کی توقع کیجائے۔ تیسری دلیل اُنھوں نے یہہ لکھی ہے کہ جب یونانی سے عربی میں ترجمے ہوئے تھے اُس زمانہ میں عربی تمام ممالک میں حکومت کرنے والی زبان تھی اور کسی قوم نے اُس زبان میں علوم کو ترقی نہیں دی جو اُنپر حکومت کرنے والی نہ تھی، یہہ دلیل بھی تقریباً اُسی تقریر کا اعادہ ہے جو سرسید نے ایجوکیشن کمیشن کی شہادت میں کی تھی۔ بلاشبہ تاریخ میں کوئی ایسی مثال موجود نہیں ہے کہ کسی محکوم قوم نے علوم کو اپنی زبان میں ترقی دی ہو، لیکن اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیندہ بھی ایسا وقوع میں نہیں آسکتا۔ حکومت کے اصول بدلنے سے دُنیا کے تمام حالات بدل گئے ہیں۔ شائستہ سلطنتوں کی رعایا اب وہ کام کرسکتی ہے

جو خود سلطنتیں نہیں کرسکتیں۔ پہلے تمام رفاہ عام کے کام خود سلطنتوں کو کرنے پڑتے تھے اور رعایا کو خواہ وہ رعایا بادشاہ کی ہم قوم ہو اور خواہ غیر قوم اُن کاموں سے کچھ سروکار نہ ہوتا تھا، مگر اب وہ سب کام خود رعایا کرتی ہے۔ وہ درسگاہیں اور یونیورسٹیاں اور ہاسپٹل قائم کرتی ہے، ملکوں میں مذہب کی اشاعت کرتی ہے، علمی تحقیقات کیلئے علما کے قافلے اطرافِ عالم میں بھیجتی ہے، ترجموں کے ذریعے غیر قوموں کے علوم اپنے ملک میں پھیلاتی ہے، ریلیں جاری کرتی ہے، دُنیا کی خبریں بہم پہونچا کر ملکوں میں شایع کرتی ہے، غرضکہ ملک کے اندرونی انتظام اور بیرونی ملکوں کی مداخلت کے سوا سب ملک کی بھلائی کے کام رعایا کرسکتی ہے۔

بے شک ہندوستان کی رعایا حالتِ موجودہ میں بہت سے بڑے بڑے رفاہ کے کام مثلِ انگلستان کی رعایا کے نہیں کرسکتی؛ مگر طرزِ حکومت اُن کو آہستہ آہستہ سب باتیں سکھاتی جاتی ہے۔ چنانچہ جسقدر قومی رفاہ کے کام ہندوستان کی رعایا نے اس صدی کے اخیر نصف میں کئے ہیں ہندوستان کی تاریخ میں ہرگز اُن کی مثال نہیں مل سکتی پس اس زمانہ کے حالات کو زمانہ گذشتہ کے حالات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔"

ہماری رائے میں اُردو زبان کو علمی درجہ پر پہونچانے اور قوم میں عام تعلیم پھیلانے کے لئے یورپ کی زبانوں کی علمی کتابوں کا ترجمہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوان، جو کالجوں سے ڈگری پاکر نکلتے ہیں، اُن کا فرض ہے کہ اپنی قومی زبان کو علمی ذخیرے سے مالامال کریں اور اپنی قوم کی تربیت اور شایستگی کو بلند درجہ پر پہونچائیں۔ جب ہمارے پڑوسی اور ہمسایہ انگریزی زبان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اپنی زبانوں میں مغربی علوم و فنون کے ترجمے کرلیتے ہیں اور اپنے لٹریچر کو رفتہ رفتہ بہت وسیع کرلیا ہے، تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اُردو زبان بھی وہی طاقت اور وسعت حاصل کرسکے، جو ان دیسی زبانوں کو پچھلے پچیس سال کے عرصہ میں حاصل ہوئی ہے ہم لوگ اس بات کی مطلق پروا نہیں کرنی چاہیئے کہ گورنمنٹ رفتہ رفتہ اپنی حمایت کا ہاتھ اس زبان پر سے اُٹھاتی جاتی ہے۔ یہہ ہمارا ہی فرض ہے کہ ہم اپنی زبان کی حمایت کریں اور اُسکو ترقی کے درجہ پر پہونچائیں اور اپنی قوم کے دماغوں کو علم کی روشنی سے منور کریں اور اُن میں عام طور پر روشنی اور تربیت پھیلائیں۔ بیشک اب زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں اور اب وہ وقت نہیں رہا کہ بغیر اعانتِ سلطنت کے کوئی کام نہ ہوسکے۔ پس اُردو میں جسقدر علم اب تک آچکا ہے، اُسپر قناعت نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ اُسکے دائرہ کو اور وسیع کرنا چاہیئے۔ اور سلف ہلپ کے اصولوں پر کاربند ہوکر اپنی ترقی کی تدبیر آپ کرنی چاہیئے۔

تعلیم ہی کے ذیل میں مولانا نے تعلیم نسوان کے مسئلہ کو چھیڑا اور سرسید کے اس مسئلہ پر متوجہ نہ ہونے کے اسباب بیان کئے ہیں (اوّل) یہہ کہ اُن کو جب مسلمانوں کی اصلاح کا خیال پیدا ہوا اُسوقت سے اخیر دم تک وہ عورتوں کی سوسائٹی سے علحدہ رہے (دوم) یہہ کہ ان کے خاندان کی عورتیں بہ نسبت

مسلمان عورتوں کے زیادہ لائق اور تربیت یافتہ
تھیں، اِسلئے وہ اپنی قوم کی عام عورتوں کی حالت
سے بے خبر رہے (سوم) یہہ کہ تعلیم نسواں کی ضرورت کو
اُنھوں نے خوب اندازہ کر لیا تھا اور اُن کے نزدیک
موجودہ حالت میں مسلمان شرفا کی لڑکیوں کی تعلیم
کا ایک باقاعدہ اور قابل اطمینان انتظام ہونا ناممکن تھا۔
اس بنا پر وہ سمجھتے تھے کہ اگر لڑکیوں کی تعلیم عام ہو جائے
تو لڑکیوں کی تعلیم خود بخود شروع ہو جائیگی اور اسی
خیال سے وہ لڑکوں کی تعلیم کو مقدم سمجھکر اُسی
پر اپنا سارا زور صرف کرتے تھے۔ سنہ ۱۸۸۴ء میں سر سید
نے گورداسپور میں خاتونانِ پنجاب کے ایڈریس
کے جواب میں جو تقریر کی تھی، اُس میں اُنھوں نے
یہہ اُمید ظاہر کی تھی کہ اگر لڑکے تعلیم یافتہ ہو جائینگے
تو اُس سے عورتوں کے مغصوبہ حقوق بن مانگے
از خود واپس مل جائینگے۔ اِسپر مولانا لکھتے ہیں
کہ اگرچہ تعلیم و تربیت کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے کہ تعلیم یافتہ
نوجوان عورتوں کے حقوق پہچانیں، اُن میں تعلیم کی
کمی ہو جسقدر علم، یا سمجھ یا اخلاق کی کمی ہو، اُس کو
اُسی طرح برداشت کریں، جس طرح اُن کے اسلاف
داشت کرتے آئے ہیں، اُن سے، جب تک
کہ قوم میں تعلیم نہایت محدود ہے، اُن باتوں کی توقع نہ رکھنی
جو یورپ کی ایک تعلیم یافتہ لیڈی سے رکھنی چاہیے، مگر افسوس ہے
کہ واقعات اِسکے برخلاف ہیں۔ ہماری تعلیم یافتہ نوجوان جب
کالجوں سے ڈگری پاکر نکلتے ہیں، تو مستثنٰی صورتوں کے سوا اُنہیں تعلیم یافتہ
نوجوان کی تمنا معلوم ہوتی ہے کہ اگر ممکن ہو، تو لندن یا پیرس کی کسی لیڈی سے

شادی کریں اور اگر یہہ امر ممکن نہ ہو، تو غالباً وہ
ایک مشن اسکول کی تعلیم پائی ہوئی ہندو کرسچن عورت کو
قوم کے اعلیٰ سے اعلیٰ خاندان کی لڑکی سے، جس نے
کسی اسکول میں باقاعدہ تعلیم نہیں پائی، بہتر اور
افضل سمجھتے ہیں۔ پس جبکہ یہہ حالت ہے، تو اُن سے
کیا اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی قوم کی عورتوں کے
مغصوبہ حقوق واپس دینگے۔ اُن کا بڑا سلوک
اپنی قوم کی ہم کفو لڑکیوں کے ساتھ یہی ہو سکتا ہے
کہ وہ سرے سے اُن کے حقوق کا بوجھ ہی اپنے ذمہ
نہ لیں؛ بلکہ اُن کو جاہل اور ناتربیت یافتہ لڑکوں
کے لیے چھوڑ دیں۔ اگرچہ ابھی تک سوسائٹی کے دباؤ
نے بہت کچھ اُن کے جذبات کو دبا رکھا ہے، لیکن
آخر کار ایکطرف کی تعلیم اور دوسری طرف کی جہالت
قوم کے حق میں یقیناً برے نتائج پیدا کریگی۔ مولانا کے
اس بیان سے یہہ نتیجہ نکلتا ہو کہ سر سید نے اپنی زندگی
میں جو تعلیم نسواں کی طرف توجہ نہیں کی، اُسکی وجہ
کچھ ہی کیوں نہ ہو؛ مگر جو اُمید اُنھوں نے کی تھی
کہ اگر لڑکے تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو وہ لڑکیوں کو
آپ تعلیم دیں گے اور اُنکے حقوق مغصوبہ واپس دینگے،
موجودہ زمانہ کے واقعات دیکھنے سے صاف معلوم
ہوتا ہے کہ وہ اُمید پوری نہوگی۔ تعلیم نسواں کی
کمی سے جو خطرے پیش آنے والے ہیں، اُن کا زمانہ
بہت قریب آ جاتا ہے اور وہ خطرے روز بروز
ترقی کرتے جاتے ہیں۔ پس اِس اہم مسئلہ پر قوم
کو غور کرنا اور لڑکیوں کی تعلیم کا قابلِ اطمینان انتظام کرنا چاہیے

واجب ہے، ورنہ جب وقت ہاتھ سے نکل جائیگا، تو کوئی تدارک نہیں ہوسکیگا۔ رسالۂ معارف (یکم دسمبر ۱۸۹۹ء) میں ہم ایک مضمون "شادی کا مسئلہ نئی روشنی میں" کے عنوان سے اور ایک مضمون معارف (یکم مئی ۱۸۹۹ء) میں "مسئلۂ ازدواج تعلیم یافتہ مسلمانوں کے خیالات" کے عنوان سے چھاپ چکے ہیں۔ اِن مضمونوں میں اُس سوشیل بغاوت کی پیشین گوئی کی گئی ہے، جو عنقریب تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طرف سے برپا ہوگی اور اُن کی اُن خواہشوں کا اعلان و اظہار کیا گیا ہے، جن کی وہ اپنے والدین سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر والدین نے اُن کی خواہشوں پر توجہ نہ کی اور اُن کی مرضی کے مطابق قوم میں شایستہ اور تربیت یافتہ لڑکیاں مہیا نہ کی گئیں، تو وہ یا تو شادی سے بالکل دست بردار ہونگے اور تجرد میں زندگی بسر کریں گے، یا ولایت کی تعلیم یافتہ عورتوں سے شادیاں کرینگے، یا ایسی صورت اختیار کرینگے، جو قوم کے لئے ننگ و عار کا موجب ہے۔ بہرحال اِن خطرات کا پیش آنا بالکل قرینِ قیاس ہے اور لڑکوں کے سرپرستوں اور مربیوں کو ابھی سے لڑکیوں کی تعلیم پر پوری توجہ مبذول کرنی چاہیے۔ اگر ایسی ہی غفلت اور بے پروائی برابر جاری رہی، جیسی کہ ابتک تعلیم نسواں کے باب میں کی گئی ہے، تو یقیناً ایک انقلابِ عظیم قوم کی حالتِ معاشرت میں واقع ہوگا پس اِس مسئلہ کو اُس نظر سے اب نہیں دیکھنا چاہیئے، جس نظر سے سرسید نے دیکھا تھا جہاں تک ممکن ہو، جلد اُس کے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جن لوگوں کو تعلیم یافتہ نوجوانوں میں اُٹھنے بیٹھنے اور اُنکے خیالات سے مطلع ہونے کا موقع ملا ہو وہ ضرور اِس بات کی تصدیق کرینگے کہ جو پیشین گوئی "معارف" میں کیگئی ہے اور جسکو ساتھ مولانا حالی متفق ہیں، وہ ایک دن ضرور پوری ہونیوالی ہے!

مگر ضرورت اِس بات کی ہے اور سخت ضرورت ہے کہ جس طرح لڑکوں کی تعلیم کی حمایت اور اُسکی اشاعت میں سرسید نے اپنی زندگی وقف کر دی، اسی طرح ہماری قوم میں کوئی بزرگ ایسا پیدا ہو، جو لڑکیوں کی تعلیم پر اپنی ساری زندگی وقف کر دے۔ کاش۔

مردے از غیب برون آید و کارے بکند

مذہبی تحقیقات کے ذیل میں مولانا نے سرسید کی وہ اُنیجنل خیالات اور اُنیجنل رائیں بیان کی ہیں، جو اُن کی تصنیفات سے ماخوذ ہیں اور جنکو سرسید سے پہلے کسی مسلمان مصنف یا محقق کے قلم نے مَس نہیں کیا۔ اِن میں سے متعدد رائیں وہ ہیں، جو مولانا نے علمائے سلف سے اختلاف کرنے کی ذیل میں درج کی ہیں۔ اور جن کی نسبت اُنھوں نے لکھا ہے کہ سرسید اِن اُمور میں متفرد ہیں۔ یہاں اُن کو بھی اور اُن کے سوا چند اور امور کو بھی درج کیا ہے اور اُن سب کو "اولیات" کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

سوشیل رفارم کے ذیل میں مولانا نے یہہ بیان کرکے کہ سرسید نے انگریزوں اور مسلمانوں میں

میں جول کی بنیاد ڈالی اور اُس میں ایک حد تک کامیابی حاصل کی، یہہ لکھا ہے کہ "سب سے بڑا عذر انگریزوں کو یہہ تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ، جنکے ہاں عورتوں کو پردے کا رواج ہے، کسی طرح ہمارا دوستانہ میل جول نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ سید اس کا یہہ جواب دیتے تھے کہ مسلمان جس طرح اپنی عورتوں کو غیر قوم کے مردوں سے چھپاتے ہیں، اُسی طرح اپنے مسلمان دوستوں اور دُور کے رشتہ داروں سے چھپاتے ہیں، مگر اس سے باہمی دوستی اور یگانگت میں کچھہ فرق نہیں آتا، پھر کیا وجہ ہے کہ پردہ کی پابندی سے ہماری اور انگریزوں کی دوستی اور سوشیل تعلقات میں فرق آئے؛ مگر حق یہہ ہے کہ ایسی دو مختلف قوموں میں دوستانہ میل جول ہونا غیر ممکن ہے، جن میں سے ایک قوم میں عورتوں کا مردانہ سوسائٹی میں شریک ہونا اُسکے لئے باعث عزت سمجھا جائے، اور دوسری قوم میں باعث شرم" ہمارے نزدیک جسطرح ہماری قوم کے مردوں کی حالت میں زمانہ کی ضرورتوں کے موافق سوشیل تغیرات کا ہونا ایک لازمی امر ہے، اسی طرح رفتہ رفتہ عورتوں کی حالت میں بتدریج اُن تبدیلیوں کا ہونا بھی ضروری ہے، جن پر قوم کی آیندہ ترقی کی بنیاد ہے۔ بقول ایک مصری فاضل کے جس کا نام عزتلو قاسم بک امین ہے اور جس نے مسلمان عورتوں کی اصلاح پر ایک مشہور کتاب لکھی ہے، اگر مشرق کے مسلمانوں میں پردے کے باب میں افراط ہے تو برخلاف اسکے یورپ میں تفریط کی گئی ہے۔ اعتدال کا طریقہ صرف وہی ہے، جسکی تعلیم خالص مذہب اسلام نے دی ہے؛ ہمارے نزدیک جب مسلمان عورتیں تعلیم یافتہ ہو جائیں گی اور پردے کے باب میں وہی معتدل طریقہ اختیار کریں گی، جسکی تعلیم مذہب اسلام نے دی ہے، تو یورپین قوموں اور مسلمانوں میں دوستانہ میل جول کو اب سے زیادہ ترقی ہوگی؛ مگر اُسوقت کو پیشتر ہماری قوم کو عورتوں کی تعلیم پر اپنی پوری توجہ مبذول کرنی چاہیئے اور نصف قوم، جو بالکل تاریکی اور پستی کی حالت میں ہے، اُسکی اصلاح اور بہبودی میں سرگرمی کے ساتھہ کوشش ہونی چاہیئے۔

اسکے بعد مولانا نے سید کی تصنیف و تالیف اور طرز تحریر و تقریر پر جو اعلیٰ اور پاکیزہ ریویو کیا ہے، وہ درحقیقت اُنھیں کا کام تھا اور ہمارے نزدیک اُن کے سوا ہندوستان کا کوئی مصنف اس کام کے لئے موزوں نہیں ہے کہ کسی مصنف کے کلام پر اس موشگافی اور باریک بینی کے ساتھہ ریویو کر سکے باوجود اسکے کہ مولانا نے کسی یورپین زبان میں تعلیم نہیں پائی اور اس سبب سے کوئی نمونہ یورپین کریٹیسزم یعنی اہل مغرب کی نکتہ چینی اور تنقید کا اُن کی نظر سے نہیں گذرا؛ تاہم جو قدرتی قابلیت اس کام کی خدا نے اُن کی فطرت میں ودیعت کی ہے، اُس کی جھلک اُن تعلیم یافتہ نوجوانوں میں بھی نظر نہیں آتی جنھوں نے انگریزی زبان میں شاعروں اور ادیبوں کی نظم و نثر پر نکتہ چینی اور تنقید کے

ہزاروں نمونے دیکھے ہیں۔ حیاتِ سعدی
او مقدمۂ دیوانِ حالی اور یادگارِ غالب،
جو حیاتِ جاوید سے پہلے شایع ہو چکی ہیں، انمیں
ہر ایک کتاب اِس بات پر شہادت دیتی ہے کہ یہ ملکہ
اُن کی فطرت میں خداداد ہے اور نظم و نثر کی خوبیوں
اور کوتاہیوں کے سمجھنے کا جو مذاق اُن کو حاصل ہے،
وہ کسی اور مصنف میں نہیں ہے۔ تصنیف و تالیف
و طرزِ تحریر و تقریر کے عنوانوں پر جو کچھ اُنھوں نے
لکھا ہے، اُس کا ایسا خلاصہ نہیں ہو سکتا جس سے
مولانا کی موشگافیوں اور باریک بینیوں کا کوئی
صحیح خیال ذہن میں آسکے، اسلئے ہم ناظرین کی
توجہ کو اِس بات پر مائل کرتے ہیں کہ وہ خود حیاتِ
جاوید میں اِن مقامات کو مطالعہ کریں اور دیکھیں
کہ ہندوستان کی موجودہ بایوگرافی سوانح عمریاں
جو کتابیں لکھی جا چکی ہیں، یا لکھی جا رہی ہیں، وہ سب
کر سکتے ہیں اور سب کچھ لکھ سکتے ہیں: مگر یَأتُونَ
بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔

مولانا نے کتاب کے دوسرے حصہ میں ایک
مقام پر سر سید کے چند لطیفے درج کر کے لکھا ہے
کہ "اِس قسم کے ہزاروں چٹکلے سر سید کی پبلک
اور پرائیویٹ تحریروں میں ملتے ہیں، جن کو اگر
جمع کیا جائے، تو ایک مستقل رسالہ لطائف اور
نوادر کا مرتب ہو سکتا ہے" پھر ایک جگہ لکھتے ہیں
کہ "افسوس ہے کہ اب تک کسی نے اُن کے خطوط جمع
کرنے کی طرف توجہ نہیں کی، اگرچہ اُمید نہیں ہے کہ
اُن کا دسواں حصہ بھی اب فراہم ہو سکے، لیکن جسقدر
دستیاب ہوں اُن کا جمع کرنا نہایت ضروری ہے
وہ ایک ایسا مجموعہ ہوگا، جو غیروں کو اپنا بنانا
اور وحشیوں کو رام کرنا سکھائیگا، وہ سچی دوستی
اور سچی محبت کا نمونہ ہوگا، وہ آیندہ نسلوں کو یاد
دلائے گا کہ ہمارے اسلاف کیسے بے ریا اور کیسی
محبت والے ہوتے تھے، کس طرح دوستوں کا دل اپنی
مٹھی میں رکھتے تھے اور کیونکر اُن کے دلوں کو شکار
کرتے تھے" اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ سر سید کے
لطائف و نوادر اور اُن کے خطوط کے جمع کرنے اور
اُن کو قوم میں شایع کرنے کی نہایت ضرورت ہے۔ ہم
اپریل اور مئی کے رسالوں میں اُن عمدہ اور پاکیزہ
خطوط کو چھپا یا ہے، جو سر سید نے لندن سے
نواب محسن الملک بہادر کے نام لکھے تھے اور یہ وہ
خطوط اُس طرز کے ہیں، جسکا مولانا نے اپنی تحریر میں
اشارہ کیا ہے؛ مگر اِسکے سوا اور قسم کے خطوط بھی ہیں
جن میں سر سید نے اپنے دوستوں کو اُن شبہات
و اعتراضات کا جواب دیا ہے، جو غیر مذہب والوں
نے ہمارے مذہبی مسائل پر وارد کئے ہیں اور
جن کو وہ وقتاً فوقتاً سر سید سے پوچھتے رہتے تھے
اِس قسم کے خطوط کا جمع کرنا بھی نہایت ضروری ہے
اور ہم کو اُمید واثق ہے کہ ایسے خطوط بھی معارف
میں شایع کر سکیں گے۔ جو خطوط معمولی اور نجی
متعلق ہیں اُن کا جمع کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔
یہی دو قسم کے خطوط ہمارے نزدیک جمع کرنے اور شایع

کرنے کے قابل ہیں اور ہم یقین کرتے ہیں کہ اگر ایک ایسا مجموعہ ہم اپنے بزرگوں اور دوستوں کی مدد سے تیار کر سکے، تو وہ آئندہ نسلوں کے لئے بہترین دستور العمل مارل، سوشل اور مذہبی ہدایتوں کا ہوگا۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں سب سے اخیر عنوان شکل و شمائل اور اخلاق و عادات کا ہے، جس کی ذیل میں مختلف مضامین سرسید کی ذاتیات پر ہیں اور یہ وہ ذاتیات ہیں، جن پر اُن کے تمام پبلک کاموں کی بنیاد ہے۔ اِس میں مولانا نے اُن الزامات کا نہایت عمدہ جواب دیا ہے، جو مخالفوں نے سرسید کے اخلاق و عادات پر لگائے ہیں۔ منجملہ اُن کے تین الزام بہت مشہور ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) خود غرضی (۲) حُبِ جاہ (۳) خود رائی۔ پہلے الزام کا یہ مطلب ہے کہ جو کام قوم کی ترقی کے لئے اُنھوں نے اختیار کیا تھا، اُسکی نسبت وہ یہی چاہتے تھے کہ تمام ہندوستان کے مسلمان اُسی کام کو یکدل ہوکر پورا کریں اور جب تک وہ پورا نہ ہو، کسی اور کام کو ہاتھ نہ لگائیں۔ دوسرے الزام کا مطلب یہ ہے کہ اُنھوں نے قوم کی خیرخواہی کے پردے میں جو کچھ کیا، اُس سے گورنمنٹ میں اعزاز حاصل کرنا مقصود تھا۔ اِن الزاموں کے جواب میں مولانا نے لکھا ہے کہ اگر ایسے دو چار خود غرض اور جاہ پسند آدمی قوم میں اور پیدا ہو جائیں، تو قومی ترقی کا کوئی کام ادھورا نہ رہے۔ تیسرے الزام کا یہ مطلب ہے کہ وہ جو رائے ایک دفعہ قائم کر لیتے تھے

اُسپر حد درجہ کا اصرار کرتے تھے۔ اِسپر مولانا لکھتے ہیں کہ جب تک ریفارمر کو اپنی رائے پر ایسا وثوق نہ ہو، کوئی بڑا کام اُس سے ظہور میں نہیں آسکتا؛ مگر اسکے ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اِس کا باعث یہ تھا کہ باوجود متواتر مخالفتوں کے اُن کو ہمیشہ اپنے مشن میں کامیابی ہوئی؛ اسلئے اُن کو اپنی رائے پر رفتہ رفتہ وثوق ہوتا گیا اور اخیر عمر میں حد سے تجاوز کر گیا۔ چنانچہ بعض دفعہ قرآن مجید کی بعض آیات کے ایسے معنی بیان کرتے تھے، جنکو سُنکر تعجب ہوتا تھا۔ کالج کے معاملات میں بھی اُن سے چند ایسی ہی لغزشیں ظہور میں آئیں۔ اِسکی ایک وجہ تو وہی متواتر کامیابی ہے۔ دوسری وجہ بڑھاپا اور کبر سنی ہے جس سے قویٰ میں انحطاط اور فتور آجاتا ہے۔ تیسری وجہ اخیر عمر کے صدمات ہیں؛ مگر جب بحیثیت مجموعی خوبیاں اُن میں زیادہ اور عیب کم تھے، تو وہ چنداں قابل ملامت نہیں ہیں۔

اب ہم بحیثیت مجموعی اِس کتاب پر نظر ڈالتے ہیں۔ یہ کتاب سات برس کی لگاتار محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے؛ مگر جس طرح اُنھوں نے سرسید کی زندگی کے بیشمار واقعات و حالات کو سمیٹا ہے، اُسکے لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مدت کافی نہیں تھی۔ تمام کتاب کو پڑھکر ہم اِس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مولانا نے جو کچھ لکھا ہے، واقعات کی بنیاد پر لکھا ہے۔ بیجا طرفداری اور مبالغہ و اطراء کا اسمیں نام و نشان نہیں ہے۔ واقعات سے اگر تعریف نکلتی ہے تو وہ تعریف

کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور نکتہ چینی کا موقع آیا ہے، تو اُسکو بھی کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ سوانح کی ذیل میں سرسید کے جن مخالفوں کا ذکر آیا ہے اُنکی تحقیر و تذلیل نہیں کی ہے بلکہ واقعات سے جو نتیجہ نکلتا ہے اُسی پر قناعت کی ہے۔ سرسید اور اُن کی مشن اور درکس کے متعلق جو رائیں انگریزوں کی چھپی ہیں اُن کو نہایت تلاش سے بہم پہنچایا ہے اور جہاں جس کا موقع تھا اُسکو نہایت عمدگی سے چسپاں کیا ہے۔ یہی حال اُن اقتباسات کا ہے جو اُنھوں نے سرسید کی کتابوں، مضمونوں، خطوط اور اسپیچوں سے انتخاب کئے ہیں۔ اِسمیں یقیناً اُن کو سخت محنت کرنی پڑی ہوگی۔ پہلے حصہ کی ترتیب جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں، نہایت عمدہ اور نہایت موزوں ہے ؛ مگر افسوس ہے کہ دوسرے حصہ کی ترتیب جیسی کہ ہونی چاہیئے نہیں ہے۔ اِس حصہ میں مختلف عنوان ہیں۔ اور ہر عنوان بجائے خود ایک مضمون ہے جو نہایت موشگافی کے ساتھ لکھا گیا ہے ؛ مگر یہہ سب عنوان جس ترتیب سے رکھے گئے ہیں، اُسمیں بہت کچھ اصلاح و ترمیم کی ضرورت ہے۔ بعض جگہ مضامین و عنوانات کی تکرار ہے۔ بعض مضامین کی تقریب تمام نہیں ہوتی۔ بعض موقعوں پر بیان میں گنجلک رہگئی ہے۔ اِسکی اصلی وجہ یہہ ہے کہ مولانا جو مسودہ تیار کرتے تھے اُسکو فوراً چھپنے کے لئے بھیجدیتے تھے۔ اخیر حصہ کی تصنیف میں خاصکر یہی دقت اُن کو پیش آئی ہے اور ہمارے نزدیک اگر یہہ عذر کیا جائے، تو قابل پذیرائی ہوسکتا ہے۔ پہلے حصہ میں بہت جگہ مولانا نے سنہ کا لفظ لکھکر اُسپر کوئی ہندسہ نہیں لکھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن واقعات کے وہ سنہ ہیں، اُن کی تصنیف کے وقت تحقیق نہیں ہوسکی۔ یہہ کوتاہیاں ایسی ہیں کہ اگر دوسرے اڈیشن کی نوبت آئی، تو یقیناً اُنکی درستی ہو جائیگی۔ اُن سے قطع نظر کرکے اگر ہم کتاب کا نظرِ انصاف سے دیکھیں، تو ہمکو نہایت تعجب ہوتا ہے کہ ایسی بے نظیر کتاب ہماری زبان میں کیونکر لکھی گئی۔ سچ یہہ ہے کہ مولانا نے سرسید کی تصنیفات سے جو اقتباس اپنی کتاب میں درج کئے ہیں، جس طرح اُن کے پڑھنے سے سرسید کی تصنیفات کی خوبی کماحقہ معلوم نہیں ہوسکتی، اِسی طرح اِس ریویو میں حیاتِ جاوید کے مضامین کے جو خلاصے ہم نے داخل کیے ہیں، اُن سے کسی طرح یہہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ مولانا نے کس اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور لیاقت اور محنت و جانکاہی سے اِس کتاب کو مرتب کیا ہے جب تک کوئی شخص غور و تعمق سے اُس کو اوّل سے آخر تک نہیں پڑھیگا، یہہ نہیں جان سکیگا کہ عالی دماغ مصنف نے ہماری زبان پر، ہمارے لٹریچر پر، اور ہماری قوم پر کیا احسان کیا ہے۔ ہمارے نزدیک آجتک بائیوگرافی پر جو کتابیں ہماری زبان میں لکھی گئی ہیں، اُن سب پر اِس کتاب کو ترجیح دینی چاہیئے۔ ترجیح کی وجوہات یہہ ہیں کہ اُن میں کوئی لائف ایسی نہیں ہے جو مسلمانوں کو موجودہ حالات و ضروریات کے لحاظ سے اُنکی

ہدایت و اصلاح کے لئے اس سے بڑھکر موزوں ہو، نہ کوئی لائف ایسی ہے، جس میں اسقدر موشگافی اور باریک بینی سے واقعات و حالات درج کئے گئے ہوں اور جس میں ہیرو کے زندگی کے تمام عناصر تحلیل کرکے برائی العین دکھا دیئے ہوں اور جس کامیابی اور ترقی کے اسباب پر ایسی شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہو اور جسکو مصنف نے ایسی لیاقت اور متانت سے نکتہ چینی اور تنقید کا حق ادا کیا ہو۔ اگرچہ مولانا نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ سرسید کی زندگی کے تمام واقعات و حالات اور اُنکے تمام خیالات و مقالات کو اس کتاب میں سمیٹ لیا گیا ہے؛ مگر تاہم ایک تنہا شخص جسقدر کوشش و کاوش ایسی ضخیم کتاب کے لکھنے میں کر سکتا ہے اُس سے بہت زیادہ محنت و سرگرمی اسکی تصنیف و تالیف میں کی گئی ہے۔ سرسید کے دوستوں اور شناساؤں اور عزیزوں سے اُن کو اس کتاب کے لکھنے میں جسقدر مدد ملنے کی توقع تھی، اُس سے بہت کم مدد ملی ہے؛ لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس کتاب کو لکھنے پر آمادہ ہوتا، تو شاید اسکو اس سے بھی کم مدد ملنے کی توقع تھی۔ بہرحال اگر کوئی شخص یہہ خیال کرے کہ ابھی کامل طور پر کتاب مرتب نہیں ہوئی ہے اور اُسکے پہلے حصہ میں ابھی اور واقعات و حالات کے جمع کرنے کی گنجائش ہے اور دوسرے حصہ کی ترتیب اور اُسکے مضامین و عنوانات کی اس سے زیادہ اصلاح و ترمیم ہو سکتی ہے، تو اس میں ذرا شک نہیں کہ دوسرے اڈیشن کے موقع پر یہہ کتاب اب سے بہت زیادہ مکمل اور مفصل ہو جائیگی جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں، مگر موجودہ حالت میں بھی یہہ تصنیف مسلمانوں کیلئے ایک نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہے۔ مسٹر باسول نے جو ذخیرہ ڈاکٹر جانسن کی لائف کا تیار کیا ہے اگر وہ موجود نہ ہوتا تو آیندہ کوئی شخص ڈاکٹر جانسن کی عمدہ لائف تیار نہ کر سکتا؛ مگر ہمارے نزدیک ڈاکٹر جانسن کی لائف لکھنے میں جو مدد دیگر مصنفوں کو مسٹر باسول کے ذخیرہ سے ملی اُس سے بہت زیادہ مدد ہمارے ملک کے مصنفوں کو سرسید کی لائف لکھنے میں اس کتاب سے مل سکتی ہے؛ کیونکہ موجودہ حالت میں حیات جاوید کی ترتیب مسٹر باسول کی کتاب کی ترتیب سے بہت زیادہ لائق اطمینان ہے۔ اگر کوئی آئندہ مصنف اس کتاب کو سامنے رکھکر سرسید کی لائف انگریزی میں لکھنی چاہے تو ہمارے نزدیک سوائے اسکے کہ وہ بعض مضامین کو اپنے ملک اور قوم کے مذاق پر لحاظ کرکے کم کردیگا یا عنوانوں کی ترتیب میں کچھ تقدیم و تاخیر کریگا، اور کسی قسم کے تغیر و تبدل کی اسکو ضرورت پیش نہیں آئیگی۔ آخر میں ہم یہہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ ہماری رائے میں قوم کی بہتری و اصلاح کے جو کام مولانا سے اب تک ظہور میں آئے ہیں ان میں سب سے بڑا کام مسدس حالی کا لکھنا تھا اور سب سے اخیر کام حیات جاوید کا شائع کرنا ہے۔ ہمکو امید ہے کہ ہماری قوم کے تمام افراد خاصکر تعلیم یافتہ نوجوان اس کتاب کو جزو اول سے آخر تک مطالعہ کریں گے اور سرسید کی لائف سے وہ بیش قیمت اور اعلیٰ اور مفید سبق لینے میں تامل نہیں کریں گے، جس کیلئے خاصکر یہہ کتاب لکھی گئی ہے۔

(خاکسار وحید الدین سلیم)

جلد دوم معارف

معارف کی پہلی جلد کے متفرق پرچے دفتر معارف میں موجود ہیں، مگر دوسری جلد کے پورے بارہ پرچے (یکم جولائی ۱۸۹۹ء سے یکم جون ۱۹۰۰ء تک) مل سکتے ہیں اس جلد میں جو ۲۲ × ۲۹ کی بڑی تقطیع کے (۳۸۴) صفحات پر مشتمل ہے، نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ اور دلچسپ مضامین درج ہیں۔ اس جلد کی قیمت للعہ معہ محصول ڈاک ہے۔

جلد سوم معارف

اس غرض سے کہ حضرات خریداران معارف کو حساب فہمی میں کوئی غلطی واقع نہ ہو، ہم نے جلد سوم معارف کو ششماہی پر تمام کر دیا ہے، یعنی جولائی ۱۹۰۰ء سے دسمبر ۱۹۰۰ء تک اس جلد کو ختم کیا گیا ہے اور جنوری ۱۹۰۱ء سے نئی جلد یعنی جلد چہارم شروع کر دی ہے، جو جنوری ۱۹۰۱ء سے شروع ہو کر دسمبر ۱۹۰۱ء تک تمام ہوگی، جلد سوم کی قیمت معہ محصول ڈاک عہ ہے اور وہ (۲۷۲) صفحات (۲۰ × ۲۶) پر مشتمل ہے۔

کتابیں جو دفتر معارف سے مل سکتی ہیں

(۱) جوش مذہبی (مذہبی جوش سے عمدہ کام لینے کی ترکیب) قیمت ۷ر

(۲) ترک نمک لیے (ترکوں کے کھانے اور انکے تیار کرنے کی ترکیبیں) ۲ر

(۳) وبائی ہیضہ میں ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ ۲ر

(۴) بہشت شداد (ایک ترک ناول نویس کی دلچسپ تحریر کا نمونہ جس کی بنیاد باغ ارم کے تاریخی قصہ پر رکھی گئی ہے) قیمت ۸ر

(فیس ویلیو و محصول ڈاک خریدار کے ذمہ ہے)

قدر شناسانِ معارف

(کی خدمت میں)

اپیل

حضرات معزز خریداران معارف کی خدمتمیں ہم ادب سے التماس کرتے ہیں کہ اگر آپ فی الحقیقت اس عمدہ اور پاکیزہ رسالے کی قدر کرتے ہیں، اور اُسکو ملک اور قوم کے حقمیں مفید تصور فرماتے ہیں، تو آپکا یہ ملکی و قومی فرض ہے کہ اُسکے خریداروں کی تعداد بڑھانے میں دل سے کوشش فرمائیے، کیونکہ اُسکی مالی حالت جب خطرہ میں نہیں رہیگی، تو ہم اُسکو مفید ترین اور اعلیٰ ترین درجے پر پہونچانیکی کوشش با آسانی کر سکینگے۔ ہم اپنے معزز خریداروں کو اس سے زیادہ تکلیف دینی نہیں چاہتے کہ ہر ایک خریدار اس امر کو اپنا فرض سمجھ لے کہ وہ کم سے کم تین خریدار اور پیدا کریگا، اور جبتک اُسکے سوا تین خریدار اور پیدا نہ ہو جائیں اس فرض سے اپنی تئیں سبکدوش نہ خیال کرے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ہمارے رسالہ کے معزز قدرداں ہماری اس ناچیز درخواست پر تہ دل سے توجہ مبذول فرمائیں گے۔
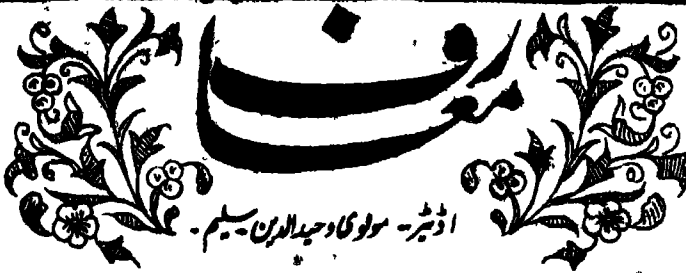
معارف

اڈیٹر - مولوی وحید الدین سلیم۔

جلد ۴ | اگست سنہ ۱۹۰۱ء | نمبر ۸

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک للعہ | مقام اشاعت دفتر معارف - پانی پت | قیمت فی پرچہ نمونہ معہ محصول ڈاک ۵

فاروقی پریس دہلی میں محمد عبد السلام منیجر کے اہتمام سے چھپا

چند نئی کتابیں

اردو دیوان غالب کی شرح

مولوی محمد عبد العلی خان صاحب والہ
مرحوم مدرس نظام کالج حیدر آباد دکن نے
جو اس کالج میں بی اے کلاس کو اردو
پڑھایا کرتے تھے ، وقتاً فوقتاً اردو دیوان
غالب پر کچھ مختصر نوٹ قلمبند کیے تھے۔ ان
نوٹوں کو اُن کے فرزند ارجمند مولوی محمد
عبد الواحد صاحب واحد مدرس فارسی
سٹی ہائی اسکول حیدر آباد دکن نے ایک جگہ
فراہم کرکے کتاب کی شکل میں مرتب کیا ہے
اور حال ہی میں چھپوا کر شایع کیا ہے ۔ اِس
کتاب کی ضخامت ۱۲ جزو کی ہے اور شارح
مرحوم کے فرزند ارجمند مولوی محمد عبد الواحد
صاحب واحد سے ۸ آنہ قیمت پر ملسکتی ہے۔
کاش اِن نوٹوں کو موجودہ حالت میں
نہ چھپوایا جاتا ؛ کیونکہ ہمارے نزدیک ایک
طالب علم کو جو غالب کی نازک خیالیوں سے
واقف ہونا چاہتا ہے ، اُن کے مطالعہ سے
کوئی بصیرت حاصل نہیں ہوتی - اگر ہر نوٹ
کو پھیلا کر شرح کا حق ادا کیا جاتا ، تو یہہ شرح
البتہ مفید ہو سکتی تھی - علاوہ اِسکے طرز شرح
اور طرز بیان میں بھی بے انتہا اصلاح کی
ضرورت ہے - ہماری رائے میں یہہ شرح
جسکو شرح کہنا کسی حالت میں زیب نہیں دیتا ،
اگر موجودہ صورت میں نہ چھپوائی جاتی تو بہتر تھا۔

ضروری انگریزی الفاظ

یہہ ایک چھوٹا سا رسالہ جسکی ضخامت (۴۴)
صفحہ کی ہے ، ہمارے دوست مولوی محمد
محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار لاہور نے
شایع کیا ہے - اِسکے پہلے حصہ میں وہ تمام انگریزی
الفاظ جمع کیے گئے ہیں ، جو اردو اخبارات میں
کثرت کے ساتھ مستعمل ہیں - اوّل انگریزی
الفاظ اردو خط میں لکھے گئے ہیں - پھر انکے
سامنے اُن کے معنے بیان کیے گئے ہیں اِس
حصہ کے آخر میں انگریزی پیمانے بھی درج کیے
ہیں - دوسرے حصہ میں وہ تمام انگریزی الفاظ
ہیں جو کسیقدر رقعہ طلب ہیں اور جنکے معنی
تشریح کے محتاج ہیں - یہہ الفاظ بھی آجکل
اردو اخبارات میں کثرت کے ساتھ رائج ہیں
دونوں حصوں کی ترتیب ڈکشنریوں کی طرح
حروف تہجی پر رکھی گئی ہے تاکہ اخبارات کے
مطالعہ کرنے والوں کو جس لفظ کے معنی مطلوب
ہوں ، وہ اُن کو آسانی سے نکال سکیں
ہماری یاد میں اگر غلطی نہیں ہے ، تو ایک اسی طرح کی
کتاب فرہنگ فرنگ کے نام سے مطبع نولکشور
لکھنؤ سے اِس سے پہلے شایع ہو چکی ہے ، جسمیں اسی قسم

ایڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم - مقام اشاعت دفتر معارف - پانی پت -
عام خریداروں سے قیمت سالانہ مع محصول ڈاک للعہ ر - قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصول ڈاک ۵ ر

معارف

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص یا انجمن یا مدرسے کے لیے کم نہیں ہو سکتی

یہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو شائع ہوتا ہے - اسمیں علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین نکلتے ہیں - مشرقی اور مغربی طرز کی عمدہ نظمیں اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے -

قیمت نقد بھیجئے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت دیجیے - نمونہ کے لئے ٹکٹ ارسال کیجیے ، نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھیے - پتہ بدلنے پر فوراً مطلع کیجئے - خط و کتابت یا ارسال زر اڈیٹر کے نام کیجیے - کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجیے

نمبر ۸	اگست سنہ ۱۹۱۰ء	جلد ۴

چین کے مسلمان

فرانس کے جغرافیہ داں عالموں میں سے پروفیسر الی زارک لاس نے جو اس فن کا بہت بڑا محقق اور مصنف خیال کیا جاتا ہے، کئی جلدوں میں ایک کتاب دُنیا کے ملکوں اور قوموں کے حالات پر لکھی ہے - اس کتاب کی ساتویں جلد چین اور جاپان کے حالات پر مشتمل ہے - اس جلد میں چین کے مسلمانوں کا حال ، جو اُس نے بیان کیا ہے ، وہ نہایت دلچسپ ہے اور اُس سے اِس دُور و دَراز ملک کے مسلمانوں کا وہ حال بخوبی معلوم ہوتا ہے ، جو آج تک ہم سے پوشیدہ ہے -

پروفیسر رِکلاس لکھتا ہے کہ "چین میں مسلمانوں کی آبادی کسقدر ہے ؟ یہ مسئلہ آج تک زیر بحث ہے اور مختلف سیّاحوں اور مؤرخوں نے اُن کی تعداد مختلف بیان کی ہے - پروفیسر اِس کاچوف نے چین کے مسلمانوں کی تعداد دس ملین یعنی ایک کروڑ بیان کی ہے ، مگر اور مصنّفوں اور محققوں کی نظر میں یہ تعداد اصلی تعداد سے بہت کم ہے - کان سوا میں جو چین کا ایک نہایت وسیع صوبہ ہے ، آبادی کا بہت بڑا حصّہ مسلمانوں ہی سے مرکب نظر آتا ہے - چین کے شمالی صوبوں میں عام طور پر مسلمانوں کی تعداد چینیوں کی تعداد سے آدھی یا تہائی ہے - اگر دون گان قوم کے مسلمانوں کو اور دزون گاری اور کوجا اور مشرقی ترکستان کے مسلمانوں کو چین کے مسلمانوں کی تعداد میں شامل کیا جائے ، تو پروفیسر اِس کاچوف نے جو تعداد بیان کی ہے ،

اُسپر مطلق اعتبار نہیں رہتا۔

عام طور پر چین میں مسلمان ھوای ھوای کہلاتے ہیں۔ یہ لفظ اول اول قوم وی غور پر بولا جاتا تھا، جو شمال سے آکر اس ملک میں آباد ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ اُن تمام مسلمانوں پر اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا، جو اس وسیع ملک کے مختلف صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خود مسلمان اپنے لیے اس لفظ کا استعمال نہیں کرتے؛ بلکہ وہ اپنے تئیں کیا ومن سے کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی اہل مذہب کے ہیں۔ چونکہ مسلمان اپنے سوا اس ملک کے دیگر باشندوں کو لا مذہب خیال کرتے ہیں، اس لیے اُنھوں نے یہ لقب اختیار کیا ہے۔

دون گان کا لفظ اُن مسلمانوں پر بولا جاتا ہے جو چین کے شمال و شمال مغرب میں آباد ہیں۔ یونان کے مسلمانوں کو چین کے باشندے پان تی کہتے ہیں۔ یہ لفظ غالباً برھما کی زبان کا ہے؛ مگر اسکے معنی ابھی تک تحقیق نہیں ہوئے۔ اسمیں ذرا شک نہیں کہ جو مسلمان چین کے شمال و جنوب میں پھیلے ہوئے ہیں، وہ اخلاق و عادات اور رسم و رواج کے لحاظ سے ایک قوم نہیں ہیں؛ بلکہ وہ وی غور، تان غوت اور تاتاری قوموں کی اولاد ہیں، یا ان قوموں اور چینیوں کے درمیان، چند تک ازدواج کی رسم جاری رہی، اُس سے بطور ایک مخلوط نسل کے پیدا ہوئے ہیں۔ مخلوط نسل کے مسلمان زیادہ تر چین کے شمال اور مغرب میں پھیلے ہوئے ہیں، دونگان کے مسلمانوں میں تاتاریوں یا مغلوں کا خون شامل نہیں ہے، مگر قبلائی خان کی فوج کے جو لوگ یہاں رہ گئے ہیں، وہ اس کلیہ سے مستثنے ہیں۔

جب منچو خاندان کی حکومت اس ملک میں شروع ہوئی، تو یہاں کے مسلمان حکما اس بات پر مجبور ہوئے تھے کہ چین کے دیگر باشندوں کی طرح وہ بھی نیچے دامن کا لباس پہنیں۔ اس صدی میں تو چینیوں کے رسم و رواج کی اُنھوں نے یہاں تک تقلید اختیار کی ہے کہ اُن کی عورتیں ہمیشہ اس بات کی کوشش کیا کرتی ہیں کہ اُن کی لڑکیوں کے پاؤں بھی چینی لڑکیوں کی طرح چھوٹے اور پتلے ہوں۔ باوجود اسکے جو شخص عام چینیوں اور چین کے مسلمانوں کو دیکھتا ہے، وہ پہلی ہی نظر میں دونوں کو بخوبی پہچان لیتا ہے۔ مسلمانوں کا لباس اور خط و خال چینیوں کے لباس اور خط و خال سے بالکل علحدہ ہے۔ اُنکے چہروں اور اُنکی رفتار سے خاص طرح کی سنجیدگی نمایاں ہے۔ اُنکی آنکھیں بخلاف چینیوں کے چمکتی اور روشن نظر آتی ہیں؛ حالانکہ چینیوں کے چہروں سے افسردگی پائی جاتی ہے۔ مغربی چین کے مسلمان ہتیار باندھتے ہیں اور وہاں کے اصلی باشندے ہتیار نہیں باندھتے۔ اس سے ایک دوسرے میں بخوبی تمیز ہو سکتی ہے۔ چونکہ عام طور پر مسلمان نہ شراب پیتے ہیں، نہ افیون کا استعمال کرتے ہیں، اس لیے اُن کے جسم بہ نسبت چینیوں کے جسم کے

زیادہ تندرست اور طاقتور ہوتے ہیں۔ ہمدردی کا
مادّہ جو یہاں کے مسلمانوں میں موجود ہے،
وہ چینیوں میں نہیں پایا جاتا۔ یہی سبب ہو کہ
بہ نسبت چینیوں کے اُن کی حالت زیادہ
ترقی یافتہ ہے۔ کان سُوا اور شان سی میں،
جو چین کے دو نہایت زرخیز اور وسیع صوبے ہیں
اور جن میں مسلمان کثرت سے آباد ہیں، جو مسلمان
تجارت پیشہ ہیں، یا صنعت و حرفت اور زراعت
وغیرہ پیشوں کے ذریعہ سے دولت مند سمجھے جاتے ہیں،
وہ ہمیشہ اپنی آمدنی میں سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں،
جسکی مقدار شرعاً چالیس فیصدی ہے؛ مگر
اُن کو اکثر پچاس فیصدی کے حساب سے ادا کرنی
پڑتی ہے۔ اِس روپیہ سے اُن کی قوم کے غربا
پرورش اور تعلیم پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان
صوبوں کے مسلمانوں میں کوئی شخص شکستہ حال
اور فاقہ زدہ نظر نہیں آتا۔ برخلاف چینیوں کے
جن میں ایک جم غفیر مفلسوں اور محتاجوں کا موجود
ہے اور جن کی حالت ہمیشہ قابلِ رحم بیان
کی گئی ہے۔

چین کے مسلمانوں کی تاریخیں جن مسلمان
عالموں نے لکھی ہیں، وہ سب اِس بات پر
متفق ہیں کہ مذہبِ اسلام کا ظہور سب سے اوّل
اِس ملک کے مشرق میں ہوا۔ یہ زمانہ ساتویں صدی
عیسوی کا تھا اور اُس وقت اِس مُلک کی عنانِ حکومت
تائی اِس تانگ کے ہاتھ میں تھی۔ اِس زمانہ میں
ایک شخص جس کا نام ابن حمزہ تھا اور جو پیغمبرِ اسلام
کی اولاد میں سے تھا، تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ
اِس مُلک میں داخل ہوا اور شنگان میں وارد
ہوا، جسکو ہمارے زمانہ میں شنگان فو کہتے ہیں
چین کے فرمانروا نے اُن کو اپنے مُلک میں آباد
ہونے کی اجازت دی اور کامل مذہبی آزادی
عطا کی۔ اُنھوں نے چین کے مختلف شہروں میں
مسجدیں تعمیر کیں اور اُن کو حکومت کی طرف سے
معزز عہدے بھی عطا کیے گئے۔ اِسی زمانہ میں
صوبہ یون نان میں مسلمانوں کا ایک جم غفیر داخل
ہوا، جن کی نسبت یہ خیال کیا گیا ہے کہ یہ سمندر کے
رستے سے اِس ملک میں آئے تھے۔

۷۵۸ء میں، جیسا کہ چین کی تاریخوں سے
پایا جاتا ہے، عرب کے بحری قزاقوں نے بندرگاہ
کان فی پر حملہ کیا اور اُس نواح کو تاخت و تاراج
کر ڈالا۔ اِس واقعہ کے بعد مدتِ دراز تک چین کے
مسلمانوں اور دُنیا کے مسلمانوں میں جو تعلق قائم
ہوگیا تھا، اُس کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ شمال
کی طرف سے تو بہت کم مسلمان اِس ملک میں داخل
ہوئے تھے؛ مگر کان ٹن، ھامو اور نشیبو
کی جانب سے بیشمار مسلمان اِس مُلک میں آتے رہتے
تھے۔ اِسی دائمی اور متواتر تعلق کے سبب سے
جو چین اور اطرافِ عالم کے مسلمانوں کے درمیان
صدیوں تک قائم رہا، صوبہ یون نان کے
تمام مسلمان قبائل میں ایسے اشخاص کثرت سے

ہیں، جو قرآن مجید اور احادیث وغیرہ
کا ترجمہ چینی زبان میں کر سکتے ہیں اور اس لحاظ سے
وہ بہ نسبت شمالی چین کے مسلمانوں کے زیادہ
تعلیم یافتہ خیال کئے جاتے ہیں۔ پروفیسر میل ہوشا
نے صوبہ یون نان کی تاریخ میں لکھا ہے کہ مات
سن لش اس صوبہ کا ایک مسلمان سردار تھا،
جس نے حج کی غرض سے بحری سفر کیا تھا اور
مکہ اور مدینہ کے سوا قسطنطنیہ اور
اسکندریہ وغیرہ شہروں میں بھی داخل
ہوا تھا اور وہ مغرب کے مسلمانوں کے علوم
میں بھی کامل مہارت رکھتا تھا۔

مغربی اور شمالی صوبوں میں جو مسلمان آباد
ہیں، اُن کی آمد و رفت کا سلسلہ ان صوبوں میں
برابر جاری رہا ہے۔ جب اِس ملک کی ان اطراف
میں مذہب اِسلام عام طور پر پھیل گیا اور کثرت
سے مسلمان ان صوبوں میں آباد ہو گئے، تو
وی غور او ستان غوت قوموں کے
باشندے بھی، جو صوبہ کان سو میں آباد
تھے اور جن میں سے بعض لاما کے مذہب پر
تھے اور بعض نسطوری مذہب کے عیسائی تھے،
دائرۂ اِسلام میں داخل ہو گئے۔ اُن کی
تعداد میں مشرقی ترکستان کے مسلمانوں نے
اور اضافہ کیا، جو اپنے وطن کو خیر باد کہکر
ان صوبوں میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اِسکے
سوا تیمور کی فوج کے جو آدمی دزون گاریا
میں باقی رہ گئے تھے، اُن کی نسلیں بھی رفتہ رفتہ
بڑھتی اور ترقی کرتی گئیں اور اب اُن کُل
مسلمانوں کی جمعیت، جو چین کے شمال اور
مغرب میں آباد ہیں، بہت زیادہ تعداد کی
ہے۔ اِن مسلمانوں نے تدریج یہاں تک
ترقی کی کہ سالار و لنلیاو، جو ان صوبوں کے
دو بڑے شہر ہیں، مسلمانوں کے مذہبی اور
روحانی علوم کے مرکز ہو گئے اور اُن میں جوق
جوق مسلمان طلبا اطرافِ چین سے تعلیم
پانے کے لئے آنے لگے۔ صوبہ کان سو میں
بہت سے شہر ایسے ہیں، جنہیں مسلمانوں کی
بنائی ہوئی سیکڑوں مسجدیں قطار در قطار موجود ہیں۔
تجارت کی باگ تو بالکل مسلمانوں کے ہاتھ میں
رہی ہے۔ پیکن (دار الخلافہ چین) اور مشرقی
بندرگاہوں میں مویشیوں کی فروخت کی منڈیاں
بالکل مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں۔

اگرچہ چین کے مسلمانوں کا مغرب کے
مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، تو ان میں
مذہبی غیرت بمقابلہ انکے بہت کم ہے۔ اُن میں سے
بہت سے مسلمان ایسے ہیں، جو کانفیوشس
کے مذہبی دستور العمل کو زبانی یاد کرتے ہیں
اور اُسمیں اِمتحان دیتے ہیں اور ظاہری
طور پر سرکاری رسم و رواج کی پابندی کرتے
ہیں اور اگر اُن کو کوئی حکومت کا عہدہ مل جائے
تو چینیوں کی مذہبی رسوم سے سرِ مو تجاوز

کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ باوجود اِسکے وہ ہمیشہ اس بات کی کوشش میں رہتے ہیں کہ اُن میں اور چینیوں میں کوئی نہ کوئی تمیز باقی رہے۔ علماء اُن کی ہدایت کے لئے ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہتے ہیں کہ وہ چین کی بُت پرست عورتوں، یا منچو خاندان کی عورتوں سے نکاح نہ کریں، ہاں یہہ ضرور ہے کہ وہ چین کی عورتوں کو شادی کی غرض سے خرید کر سکتے ہیں اور اکثر صورتوں میں یہ وہ عورتیں، جو اس غرض سے خرید کی جاتی ہیں، مذہبِ اسلام کو قبول کر لیتی ہیں۔ عام طور پر چینی مسلمان سُنّی المذہب ہیں اور اُن میں دو گروہ حنفی اور شافعی ہیں۔ حنبلی اور مالکی مذہب کے مسلمان چین میں نظر نہیں آتے۔ ہر دو گروہ میں اختلافِ آرا کے ہنگامے برپا ہوا کرتے ہیں، مگر جب اُن کو چین کے بُت پرستوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے، تو وہ اپنے فروعی اختلافات کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ سب سے اخیر ہنگامہ جو چینیوں اور مسلمانوں کے درمیان برپا ہوا، اُس میں دونوں گروہ بالکل متفق ہو گئے تھے اور غریب اور امیر سب چندہ کا روپیہ جمع کر کے اپنے پیشواؤں کی خدمت میں پیش کرتے تھے؛ تاکہ وہ لڑائی میں صرف کیا جائے۔ اِسی طرح صوبہ یون نان کے مسلمان جو پانتی کے لقب سے مشہور ہیں، ایک ہنگامہ میں جو منچو خاندان کے برخلاف تھا، ایک پہاڑی قبیلہ کے ساتھ، جو میاو تز کے نام سے موسوم ہے، شریکِ جنگ ہو گئے تھے منچو خاندان جو اس ملک کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا، اُس سے مسلمان اور بُت پرست دونوں ناراض تھے اور لڑائی کی بنیاد یہہ تھی کہ ایک کان پر چند مسلمان اور بُت پرست مزدور کام کر رہے تھے دونوں فریقوں میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ انجام یہہ ہوا کہ مسلمان بُت پرستوں پر غالب آئے اور مسلمانوں نے اُن کو ہلاک کر ڈالا۔ جب یہہ خبر چینی حکام کو پہونچی، تو اُنھوں نے انتقام لینے کا ارادہ کیا اور اُنھوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اِس صوبہ کے تمام مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک دن مسلمانوں کے قتلِ عام کے لئے مقرر کر لیا گیا؛ مگر چین کی فوج ہتیاروں کا اِستعمال سلیقہ کے ساتھ کرنا نہیں جانتی تھی اوّل اوّل تو مسلمان اُنکے ساتھ مقابلہ کرنے سے گریز کرتے رہے؛ مگر جب اُنھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے اِرادہ سے باز نہیں آئیں گے، تو اُنھوں نے بھی اپنی مدافعت اور حفاظت کی کوشش کی۔ انجام یہہ ہوا کہ اکثر موقعوں پر وہی غالب رہے اور اُنھوں نے ہزاروں چینیوں کو اپنی تلوار کی گھاٹ اُتارا۔ اِس ہنگامہ میں چینیوں کے ہاتھ سے مسلمان بہت کم مارے گئے۔ مسلمانوں کو اِس معرکہ میں اِسقدر کامیابی ہوئی کہ تالی فو جو چین میں

اوّل درجہ کا فوجی مقام خیال کیا جاتا ہے، اُن پر اُن کا پورا تسلط ہوگیا اور اُنھوں نے اپنے صوبہ اور برھما کے درمیان ہتیاروں اور سامانِ جنگ کے خریدنے کے لئے ایک نیا رستہ کھول لیا۔ یہہ واقعہ سنہ ۱۸۵۶ء کا ہے، جسکی تصدیق چین کی تاریخوں سے ہوسکتی ہے۔

سنہ ۱۸۶۰ء میں چار سال کی متواتر ہنگاموں اور لڑائیوں کے بعد یون نان فو پر، جو صوبہ یون نان کا دار الحکومت ہے، مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ چین کی حکومت کو اب اسکے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہنگامہ پرداز مسلمانوں کو رشوت دیکر راضی کرے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بڑے بڑے مسلمان سرداروں نے اہل چین سے رشوت کا روپیہ لیکر اپنی قوم کو تباہی اور بربادی میں ڈالنا پسند کیا۔ اُنھوں نے بہت سے مسلمانوں کو چینیوں کے ہاتھ میں گرفتار کرا دیا۔ تیرہ سال کی متواتر کامیابیوں کے بعد آخرکار مسلمانوں میں پھوٹ اور نااتفاقی پھیل گئی اور اُنھیں میں سے بہت سے مسلمان ایسے پیدا ہوگئے، جو اپنی قوم سے علیحدہ ہوکر چینیوں سے جاملے اور اُنھوں نے مطلق اِس بات کی پروا نہیں کی کہ اِس کا انجام کیا ہوگا۔ چینیوں نے مسلمانوں کی جس کثیر تعداد کو تباہ اور ہلاک کیا، اُس کا اندازہ اِس بات سے ہوسکتا ہے کہ فقط تالی فو کے بازاروں میں تیس ہزار مسلمان قتل کیے گئے۔ بہت تھوڑے مسلمان تھے جو چینیوں کے ہاتھ سے بچ کر برھما کی طرف فرار ہوسکے اور جنھوں نے شاہ برھما کی پناہ میں رہنا قبول کیا۔

مشرقی چین میں سنہ ۱۸۶۰ء سے پہلے کوئی ہنگامہ برپا نہیں ہوا۔ اِس سنہ کے آغاز میں ھواشیو سے جو شنگان کے مشرق میں ہے، فتنہ و فساد کی آگ بلند ہوئی۔ چینیوں نے بہت سے مسلمانوں کو نہایت بیدردی سے ذبح کرڈالا۔ مسلمانوں نے ھواشیو پر حملہ کیا؛ مگر چونکہ اُسکے قلعہ کی دیواریں بہت بلند اور مضبوط تھیں، اِسلیے وہ اِس محاصرہ میں ناکام رہے؛ لیکن مشرقی چین کے اور مقامات میں جہاں کہیں مسلمانوں نے چینیوں کے ساتھ مقابلہ کیا، چینی چند منٹ بھی اُنکے سامنے نہیں ٹھہر سکے۔ بہت سے جان بچا کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جاچھپے اور بہت سے گرفتار ہوکر قتل کیے گئے۔ شان سی اور کان سو میں جو اِس ملک کے بہت وسیع صوبے ہیں، مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ بڑے بڑے آباد شہر اور اُن کی عمارتیں خاک میں مل گئیں۔ اِن صوبوں کے مسلمانوں نے دلیری اور شجاعت کی جو مثال دُنیا کے سامنے پیش کی، اُس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملسکتی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مسلمان جب جنگ کے لیے اپنے گھروں سے نکلتے تھے، تو اپنی عورتوں اور بچوں کو اسلیئے قتل کرڈالتے تھے کہ اُن کو

بعد میں ذلت قبول کرنی نہ پڑے اور نقل و حرکت کرنے میں اُن کو آسانی ہو۔ وادی واے میں جو ایک نہایت پُر فضا اور بہت وسیع میدان ہے اور جس میں ہزاروں شہر اور قریے آباد تھے، مسلمانوں کے حملوں سے ایسی تباہی پھیل گئی کہ اُسمیں کوئی شہر اور کوئی قریہ آباد نہیں رہا بیشمار چینی باشندے اپنے گھروں سے نکلکر پہاڑوں میں جا چھپے، مگر وہاں بھی مسلمانوں نے اُنکا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے لُڑھکا کر اُن چینیوں کو ہلاک کیا، جو اُن پہاڑوں کے غاروں میں دبکے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے عام طور پر بت پرستوں کو قتل کیا اور اِن صوبوں میں کہیں اُن کا نام و نشان نہیں چھوڑا، مگر عیسائیوں کو جو اِن صوبوں میں آباد تھے مطلق تکلیف نہیں دی۔ لاکھوں بت پرست اِن مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور کوئی عمارت یا مکان بت پرستوں کا ایسا نہیں تھا، جسکو انھوں نے برباد نہ کیا ہو۔ بعض شہروں کی فصیلیں اور قلعوں کی دیواریں سنگین اور مضبوط تھیں، اِس سبب سے اُن پر کچھ زیادہ صدمہ نہیں آیا اگر ایسا نہ ہوتا، تو شاید آج تمام چین میں کوئی باشندہ نظر نہ آتا اور کہیں آگ جلتی نہ دکھائی دیتی۔ اِن معرکوں اور ہنگاموں کو دیکھکر ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ چین کی تمام سلطنت مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی ہے اور وہی اِس ملک کے حکمران اور اصلی مالک ہیں، مگر خدا کی عجیب شان اور اُسکی عجیب قدرت ہے کہ پندرہ برس کے بعد یکایک چینیوں کی قسمت نے پلٹا کھایا اور اُن کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہونا شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ اُنھوں نے مسلمانوں پر فتح حاصل کی۔ شاہ چین کے فوجی افسروں نے شان سی اور کان سوا پر دوبارہ قبضہ کیا اور اِن صوبوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑایا۔ مسلمان اُن کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر زون گاری کے جنگلوں میں جا چھپے اور وہاں بھی جب چینیوں سے اُن کو مقابلہ کرنا پڑا تو وہ جان دینے پر مجبور ہو گئے اور اُنھوں نے جی توڑ کر چینیوں کے ساتھ لڑائی کی اور سب کے سب مارے گئے۔ اِس طرح اُن معرکوں او جنگوں کا خاتمہ ہوگیا، جو برسوں سے چینیوں اور مسلمانوں میں برپا تھیں اور چین کی تمام اطراف میں فتنہ و فساد کے شعلے فرو ہوگئے اور اِس ملک کی حکومت ازسرِنو منچو خاندان کے ہاتھ میں آئی۔

جن مغربی سیاحوں نے چین کا سفر کیا ہے اور وہاں کے باشندوں کے حالات کو نہایت غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کیا ہے، اُن کی یہہ رائے ہے کہ باوجود اِس کے کہ اِس وقت مسلمان منچو خاندان کی ماتحت

اور محکوم ہیں، اُن کو ایسی قوت اور عظمت
اور شان و شوکت اب بھی حاصل ہے کہ اُنکی
نسبت یہ کہنا کچھ بھی بیجا نہیں ہے کہ وہ چین
کی سلطنت کے درمیان ایک اور سلطنت
قائم کر رہے ہیں۔ یورپ کے بیشمار مصنف اور
محقق ہیں، جنھوں نے اِس بات کی پیشین گوئی
کی ہے کہ آیندہ زمانہ میں ایشیا کے تمام مشرقی ممالک
مسلمانوں کے قبضے میں ہونگے اور اِسکی وجہ وہ
یہ بیان کرتے ہیں کہ چینیوں میں مذہبی حیثیت
اور قومی غیرت نام کو نہیں ہے۔ برخلاف اِسکے
مسلمانوں میں عام اتفاق اور ہمدردی کی
روح پائی جاتی ہے اور وہ چینیوں کی نسبت
جفاکشی اور محنت و مستعدی میں خاص امتیاز
رکھتے ہیں۔ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ چین کے
مسلمانوں میں دو گروہ شافعی اور حنفی موجود ہیں
جن کے درمیان مذہبی مسائل کا ہمیشہ اختلاف
رہتا ہے، مگر جب اُن کو بت پرستوں کے ساتھ
مقابلہ کرنے کی نوبت آتی ہے، تو وہ اپنے تمام
فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھدیتے ہیں اور
اپنے دشمنوں کے روبرو سب ملکر سینہ سپر
ہوتے ہیں۔ جو واقعات اِس وقت تک پیش
آچکے ہیں، اُن سے پایا جاتا ہے کہ اگر کبھی چینیوں
اور مسلمانوں میں عام جنگ شروع ہوئی تو مسلمان
غالب آئینگے اور چین کا تمام وسیع ملک اُنکے
اتفاق اور ہمدردی کی برکت سے ایک اسلامی
ملک ہوجائیگا۔

پروفیسر الی زادگ کلاس نے اپنی اِسی کتاب
میں لکھا ہے کہ چنگیز خان کے زمانہ سے نسطوری
المذہب عیسائی سلطنت چین میں کثرت سے
آباد تھے۔ اِن کے علاوہ بہت سے یہودی بھی
اس ملک کے باشندے تھے تیمور لنگ کے
عہد حکومت میں ان میں سے بہت سے عیسائی
اور یہودی مسلمان ہوگئے اور اب اُن قوموں کے
بہت کم آدمی چین اور چینی تاتار میں پائے جاتے ہیں
چینی تاتار کے مسلمان مذہبی غیرت اور حیثیت
کے لحاظ سے اور مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ
ممتاز ہیں۔ عیسائیوں میں سے وہ پروٹسٹنٹ
فرقہ کے سوا کسی فرقہ کو پسند نہیں کرتے۔ اِسکی
وجہ یہ ہے کہ اِس فرقہ کے عیسائی رومن کیتھولک
کے برخلاف مذہبی اغراض کے لئے تصویروں
اور مورتوں کا استعمال نہیں کرتے۔

یہ ذکر جو پروفیسر الی زادگ کلاس نے کیا ہے
چین اور چینی تاتار کے متعلق ہے اِس کے آگے
چلکر وہ تبت کا حال لکھتا ہے، جو بودھ مذہب کا
مرکز ہے اور جہاں اجنبی سیاحوں کو داخل
ہونے کی ممانعت ہے۔ اور جس کا دار الحکومت
لاسا بودھ مذہب والوں کے نزدیک وہی
درجہ اور مرتبہ رکھتا ہے، جو رومن کیتھولک کے
نزدیک شہر روم کا ہے۔ وہ اِس موقع پر
لکھتا ہے کہ لاسا میں بہت سے مسلمان سکونت

موجود ہیں، جو غالباً کشمیر سے انتقال مکانی
کرکے یہاں آئے ہیں اور جنکے قد دراز اور چہرے
خوشنما ہیں۔ اِن مسلمانوں کو تبت میں عام
طور پر کاچی کہا جاتا ہے۔ وہ عام طور پر بڑے
بڑے عمامے باندھتے ہیں۔ ڈاڑھی نہیں رکھتے
نہایت سنجیدگی سے کلام کرتے ہیں۔ اپنے مذہب کے
سخت پابند ہیں۔ اپنی مسجدوں کے سوا کسی
اور قوم کی عبادت گاہوں میں نہیں جاتے۔
جو عورتیں مسلمان نہ ہوں، اُن سے نکاح
نہیں کرتے۔ وہ تمام تبت میں ایک مستقل وجود
رکھتے ہیں اور وہاں کے تمام باشندوں سے
الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اُن کے بڑے بڑے
کارخانے ریشمی کپڑوں کے ہیں، جو لاسا اور
تبت کے اور شہروں میں قائم ہیں جواہرات
اور قیمتی پتھروں کی تجارت بھی اُنھیں کی ہاتھ
میں ہے۔ تبت کی حکومت کی طرف سے اُن
ایک حاکم اُنھیں کی قوم کا ہے جو اُن کے تمام
معاملات کا فیصلہ کرتا ہے، مگر وہ اپنے تئیں
آزاد اور خودمختار تصور نہیں کرتا، بلکہ لاما
گرو کا ماتحت اور محکوم سمجھا جاتا ہے۔

چین کے مسلمانوں کی نسبت جو پیشین گوئی
پروفیسر الی زاد گلاس نے کی ہے، وہ ہمارے
نزدیک کسی طرح قابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی اور
اور اسکی وجوہ حسب ذیل ہیں (اوّل) یہہ کہ
جو نتائج اُن لڑائیوں اور معرکوں سے پیدا ہوئے
جو مسلمانوں اور چینیوں کے درمیان برپا
ہو چکے ہیں، اُن سے وہاں کے مسلمانوں کو
اِس بات کا بخوبی یقین ہو گیا ہوگا کہ حکومت
کیسی ہی ضعف اور کمزوری کی حالت میں ہو،
محکوم رعایا کو اُس سے مقابلہ کرنا کوئی آسان
کام نہیں ہے۔ (دوم) یہہ کہ علما کے گروہ میں
کچھ ایسے بھی ضرور ہوں گے، جو مذہب اسلام کے
اِس حکم سے واقف ہونگے کہ حکام کیسا ہی جور و ستم
کریں، مسلمان رعایا کو اُن کی اطاعت کرنی
اُسوقت تک واجب ہے، جب تک کہ وہ اُن کی کلاہ داری
میں ہے۔ یہہ ممکن ہے کہ عام علما کے ہجوم میں اُن کی
آواز دبگئی ہو، مگر یہہ ممکن نہیں ہے کہ کسی وقت
بھی اِس حکم شرعی کا اعلان نہ کیا جائے (سوم)
یہہ کہ اگر وہاں کے مسلمانوں میں برخلاف دیگر
ممالک کے مسلمانوں کے ایسا اتفاق ہے
کہ وہ ایکدل اور ایک زبان ہوکر اپنے حریفوں کے
مقابلہ کے لیے تیار ہوجاتے ہیں، تو اس کا
کیا علاج ہے کہ عین لڑائی کے زمانہ میں اُنھیں
میں سے کچھ آدمی رشوت قبول کرکے اپنے مخالفوں
سے جاملتے ہیں اور اپنی قوم کے آدمیوں کو
قید اور قتل کرانے میں ذرا باک نہیں کرتے
یہہ وہ تباہ کن خصلت ہے، جس کی مثالیں اسلامی
تاریخوں میں عام طور پر پائی جاتی ہیں اور جس کے
ہوتے مسلمانوں کی ترقی کی ہرگز امید نہیں
ہوسکتی (چہارم) یہہ کہ اب واقعات کی رفتار

بدل گئی ہے - اور چین میں یورپین اقوام کا اثر بہت بڑھ گیا ہے - اب ممکن نہیں ہے کہ کوئی قوم جو چین میں آباد ہے، اپنی قوت اور مستقل وجود کو قائم رکھ سکے - ان وجوہ کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ پروفیسر الی زادگ لاس اور اُن کے ہم خیال مصنفوں کی یہ پیشین گوئی اب یا درہا ثابت ہوگی کہ آیندہ زمانہ میں ایشیا کے تمام شرقی ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں ہونگے اور اس عظیم کیحالت میں ایک جدید انقلاب پیدا ہوگا۔

(عزیز الرحمن عزیز)

ابو دُلف

ادب اور تاریخ کی کتابیں اَبُو دُلف کے حالات سے لبریز ہیں - اُس کا اصلی نام قاسم تھا - مگر وہ کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہو گیا تھا - باپ کا نام عیسٰی اور دادا کا نام معقل تھا - اُس کے نسب کا سلسلہ بکر بن وائل تک پہنچتا ہے اور وہ بنو عجل کے قبیلہ سے خیال کیا جاتا ہے وہ جس طرح ادیبوں اور انشا پردازوں کی گروہ میں شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح وہ شعرا کے زمرہ میں بھی داخل ہے - اُسکی سخاوت اور فیاضی کی داستانیں مدت دراز تک لوگوں کی زبانوں پر رہی ہیں اور اُس کی شجاعت اور دلیری کے افسانے کئی صدی تک عام جلسوں میں سنائے گئے ہیں - ابن خلکان اُس کی انشا پردازی اور علمی لیاقت کا جہاں ذکر کرتا ہے، یہ الفاظ لکھتا ہے کہ اخذ عنه الادباء والفضلاء یعنی اُس زمانہ کے فاضلوں اور انشا پردازوں نے اُس سے ادب اور علم کا سبق حاصل کیا ہے اگرچہ بچپن میں وہ دولتمندی کے گہوارہ میں سوتا رہا تھا اور ناز و نعمت کی دایہ نے اُسکو دودھ پلاکر پالا تھا، تاہم وہ جوان ہوکر عیاشی اور لہو و لعب کی طرف مائل نہیں ہوا - اُس نے ادیبوں اور فاضلوں کی صحبت میں اپنی جوانی صرف کی اور علم و ہنر کے حاصل کرنے میں نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ کوشش کی - جب عربی زبان اور اُس کی صرف و نحو پر اُس کو پوری قدرت حاصل ہوگئی، تو اُس نے شاعری کی طرف اپنی طبیعت کا میلان ظاہر کیا - رفتہ رفتہ اُس کو فصیح و بلیغ اشعار کہنے میں ایسی مہارت حاصل ہوگئی کہ وہ ہر مضمون کو فی البدیہہ اشعار لکھ لیتا تھا اور اُس نے اِس فن میں بھی ایسی ترقی کی تھی کہ اُس زمانہ کے مغنی حیران ہوتے تھے۔

یاقوت حموی نے جو معجم البلدان کا مصنف ہے، لکھا ہے کہ اُس کے باپ عیسٰی نے ہمدان اور اصفہان کے درمیان ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی تھی، جس کا نام کرج رکھا گیا تھا، مگر ابھی وہ اِس شہر کی عمارات کی تکمیل نہیں کر سکا تھا کہ

اُسکو پیام اجل آپہونچا - باپ کے مرنے کے
بعد ابودلف نے اُس شہر کی تکمیل اور آبادی
پر بیشمار روپیہ صرف کیا اور جب اُسکی عمارات
کی تکمیل ہوچکی، تو وہ خود معہ اپنے عزیز و اقارب
کے اُس میں آکر آباد ہوگیا اور اُسی کو اپنا
وطن بنا لیا -
کہتے ہیں کہ ابودلف اوّل اوّل مامون کے
بھائی امین کے مصاحبوں میں شامل تھا
اور اُسکے دعوی خلافت کی تائید کرتا تھا -
مامون کے سپہ سالار طاہر نے علی
بن عیسیٰ بن ماہان کو جس معرکہ میں قتل کیا
اُس میں ابودلف بھی موجود تھا - علی بن عیسیٰ
کے مارے جانے کے بعد وہ ہمدان کی طرف
چلا گیا اور اُس نے وہیں قیام کیا طاہر نے
بہت کوشش کی کہ وہ مامون کی خلافت کو
تسلیم کرے اور بیعت کرنے پر راضی ہو جائے،
مگر اُس نے منظور نہیں کیا اور کہا کہ ابھی امین
کی بیعت کا حق میری گردن پر ہے - جب تک
کوئی قوی باعث نہ ہو اور جب تک کوئی مضبوط
دلیل میرے ہاتھ نہ آئے، میں پہلی بیعت کو
توڑ کر جدید بیعت کا حق اپنی گردن پر نہیں لونگا
مناسب یہی ہے کہ تم مجھکو اسی حالت پر چھوڑ دو
میں فریقین میں سے کسی کی حمایت نہیں کرونگا
اور جب تک قضا و قدر سے کوئی فیصلہ صادر
نہ ہو اور مامون اور امین دونوں میں سے
ایک غالب اور دوسرا مغلوب نہ ہو، میں
اسی حالت میں گوشہ نشین رہونگا - طاہر نے
اِس بات کو مان لیا اور مامون سے بیعت
کرنے پر دوبارہ اُسکو مجبور نہیں کیا -

عکوک جو ابودلف کے زمانہ کا نہایت
نامور شاعر ہے، بیان کرتا ہے کہ جس زمانہ میں ابودلف
کرج میں آکر آباد ہوا، میں بھی سیر و سیاحت
کرتا ہوا اُسکے پاس جانکلا - اُسنے میری مدارات
اور مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا
ہر روز میں اُس کی مجلس میں شریک ہوتا
اور وہ انعام و اکرام سے ہر روز مجھکو سرفراز
کرتا تھا - اُس کی متواتر فیاضیوں نے مجھے یہاں
شرمندہ کیا کہ میں نے اُسکے سامنے جانا چھوڑ دیا
جب دو تین روز اسی حال میں گذرے اور میں
اُسکی مجلس میں شریک نہیں ہوا، تو اُس نے
اپنے بھائی معقل بن عیسیٰ کو میرے پاس بھیجا
معقل نے کہا کہ امیر نے مجھے آپ کی خدمت
میں بھیجا ہے اور پوچھا ہے کہ آپنے میری طرف سے
اپنی مدارات میں کیا کمی اور کوتاہی دیکھی ہے -
کہ آپ نے کئی روز سے میری مجلس میں شریک ہونا
چھوڑ دیا ہے - اگر بالفرض میں نے آپکی شان اور
مرتبہ کے موافق آپکی مدارات نہیں کی اور مجھ سے
اِس باب میں اب تک غفلت ہوئی ہے، تو
برائے خدا آپ معاف کیجیے - اُس غفلت کا
تدارک کرنا اور اُس کمی اور کوتاہی کا پورا کرنا

ہورہے ہو رہا ہے۔ آپ مجھکو اپنے لطف صحبت سے محروم نہ کیجیے۔ میں نے معقل سے کہا کہ سبحان اللہ! عجیب بات ہے۔ امیر نے اب سے پہلے انعامات کی مجھپر اسقدر بھرمار کی ہے کہ میں خود شرمندہ ہو کر بیٹھ رہا ہوں اور امیر کے سامنے نہیں جا سکتا اب جو پیغام آپ نے امیر کی جانب سے مجھکو پہونچایا ہے، اُس سے میں اور بھی شرمندہ ہوا ہوں اور اب میں امیر کے سامنے جانے سے اور بھی زیادہ شرماتا ہوں۔ آپ اس پیغام کے جواب میں میری طرف سے چند اشعار امیر کی خدمت عرض کر دیجے، جن کا مضمون یہ ہے کہ " میں نے جو اپنے تئیں آپ کی لطف صحبت سے محروم کر دیا ہے اور آپ کی مجلس میں شریک ہونا چھوڑ دیا ہے، اُس کا باعث یہ نہیں ہے کہ میں کفران نعمت پر آمادہ ہوا ہوں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر ایک نعمت کا شکر ادا نہ کیا جائے تو دوسری نعمت نہیں ملتی ؛ بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ جب میں آپکی زیارت کے لئے کرج میں حاضر ہوا، تو آپ نے مجھپر انعامات کی اسقدر بھرمار کی ہے اور نعمتوں کا ایسا مینہ برسایا ہے کہ میں اُن کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہو گیا ہوں۔ مجبور ہو کر میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں زیادہ عرصہ تک یہاں ٹھہرا، تو مہینہ میں صرف ایک بار آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہونگا اور اگر آپ کی طرف سے اِس حالت میں بھی ہمپر

انعامات کی بھرمار رہی اور آپ کی لگاتار فیاضیوں کا وہی سلسلہ جاری رہا، تو میں یہاں سے جلد چلا جاؤں گا اور پھر قیامت تک آپ مجھ سے نہ مل سکینگے"۔

معقل نے اِن اشعار کو سُنکر کہا کہ آپ کے الفاظ ایسے شیریں اور مضامین ایسے عالی ہیں کہ یہہ اشعار جب امیر کو سنائے جائینگے، تو وہ یقیناً بہت خوش ہوں گے اور آپکی بدیہہ گوئی اور خوشگوئی پر تعجب کرینگے میری رائے میں مناسب یہہ ہے کہ آپ اِن اشعار کو ایک کاغذ پر تحریر کر دیں۔ میں اُنکا غذ کو امیر کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ یہہ میں نے اسلیے کہا کہ جب آپ اُن کے پاس نہیں جاتے، تو یہہ کیونکر ممکن ہے کہ جس طریقہ سے آپ نے اِن اشعار کو پڑھا ہے، میں بھی اُسی طریقہ سے آپ کے خیالات کو ادا کر سکوں۔ مثل مشہور ہے کہ " تصنیف را مصنف نیکو کند بیان "، یا تو آپ خود چلیے اور اِن اشعار کو پڑھکر امیر کو محظوظ کیجیے، یا ایک کاغذ پر لکھکر میرے حوالے کیجیے کہ میں اُسکو امیر کی خدمت میں پیش کر دوں۔ میں نے ایک کاغذ پر اپنے اشعار لکھدیئے اور وہ کاغذ معقل کے حوالے کیا۔

معقل نے جب میرے اشعار اپنے بھائی کی خدمت میں پیش کیے، تو اُس نے بہت تحسین و آفرین کی اور کہا کہ کوک کو لطیف الفاظ میں

لطیف خیالات کا ادا کرنا ایسا آتا ہے کہ اس زمانہ کا کوئی شاعر اُسکی ہمسری نہیں کر سکتا۔ یہہ کہکر اُسنے اُسی کاغذ کی پشت پر اپنے چند اشعار لکھدیے جو اُس نے فی البدیہہ میرے اشعار کے جواب میں کہے تھے۔ اُن اشعار کا مضمون یہہ ہے کہ "مجھے بہت دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک مہمان یکایک رات کے وقت میرے پاس آیا، میں دعوت سے پہلے اُسکے ساتھ خندہ جبینی اور شگفتگی سے پیش آیا۔ چونکہ وہ میری فیاضی کی اُمید پر آیا تھا، میں نے اُسکی اُمید اور اپنی فیاضی کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں رکھا اور مہماں نوازی اور مدارات میں حتی الوسع کوئی کمی اور کوتاہی نہیں کی۔ اُس نے جو میری فیاضی کی اُمید پر سفر کیا اور میری دعوت قبول کی، تو میں سمجھتا ہوں کہ اُسنے مجھپر بہت بڑا احسان کیا؛ کیونکہ رخصت کیوقت میں نے اُسکو روپیہ کی ایک قلیل مقدار عطا کی، جو چند روز میں ختم ہو جائیگی اور اُسنے جو نظم میری مدح میں لکھکر مجھے دی، اُسکی شہرت قیامت تک باقی رہیگی۔"

علّوئہ کا بیان ہے کہ ابودُلف کے ایک غلام نے یہہ اشعار اور اُنکے ساتھ ایکہزار دینار کی تھیلی میرے سامنے لاکر رکھی۔ میں نے دو شعر فی البدیہہ لکھکر اُس غلام کے حوالے کیے اور خود اُس انعام کو لیکر وہاں سے چلدیا۔ اُن دو شعروں کا مضمون یہہ ہے کہ "زمانہ ابودلف ہی کا نام ہے؛ کیونکہ وہ جس طرف اپنا رُخ کرتا ہے، ساری دنیا کا مونھ بھی اُسی طرف پھر جاتا ہے۔"

کہتے ہیں کہ مامون رشید اُس قصیدے کے بعض مضامین کو سنکر ناراض ہوا تھا جس میں یہہ دو شعر بھی شامل ہیں اور اُسکے حکم سے علّوئہ کی زبان گُدّی کی طرف سے نکال لی گئی تھی۔ اگر یہہ صحیح ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علّوئہ نے ابودلف کی مدح میں یہی دو شعر نہیں لکھے تھے؛ بلکہ وہ بہت سے اشعار کا قصیدہ تھا، جس میں یہہ دو شعر بھی شامل تھے۔

ابو وائل بکر بن نطاح نے جو عرب کے مشہور بہادروں اور شہسواروں میں شمار کیا جاتا ہے، ابودلف کی مدح میں دو نہایت عمدہ شعر کہکر پیش کیے تھے، جن کا مضمون یہہ ہے کہ "اے کیمیا کی جستجو میں سرگردان اور پریشان پھرنے والے! ابودُلف کی مدح و ستایش سے بڑھکر کوئی کیمیا نہیں ہے۔ اگر ساری دنیا کے خزانے ناپید ہو جائیں اور ایک درم کے سوا کچھ باقی نہ رہے اور وہ درم ابودُلف کے پاس ہو، تو اگر تم کوئی شعر اُس کی مدح و ستایش میں کہکر اُسکے پاس لیجاؤ گے تو ابودُلف وہ درم تم کو ضرور دے ڈالیگا۔"

ابودُلف نے اِن دو شعروں کے صلے میں بکر بن نطاح کو دس ہزار درم کا انعام عطا کیا تھا۔ اُس نے اس رقم سے نہر ابلہ کے کنارے [illegible]

کے قریب ہے، ایک گاؤں خرید لیا۔ چند روز کے بعد وہ ابودلف کے پاس دوبارہ آیا اور اسنے دو شعر اور کہکر پیش کیے، جن کا مضمون یہہ ہے کہ " میں نے آپ کی فیاضی کی مدد سے نہر ابلہ کے کنارے ایک گاؤں خرید لیا ہے، جسمیں سنگ مرمر کا ایک چھوٹا سا خوشنما مکان ہے۔ اِس گاؤں کے پہلو میں ایک اور گاؤں ہے، جسکو اسکے مالک فروخت کرنا چاہتے ہیں؛ مگر جو روپیہ اسکے خریدنے میں صرف ہو سکتا ہے، وہ آپکے پاس ہے "۔ ابودلف نے پوچھا کہ اُس گاؤں کی کیا قیمت ہے؟۔ بکر بن نطاح نے کہا: دس ہزار درم۔ ابودلف نے دس ہزار درم اُس کو دلوا دیے اور ہنسکر کہا: اِس گاؤں کے پہلو میں بھی کوئی اور گاؤں ہوگا اور اُسکے پہلو میں کوئی اور، یہہ سلسلہ تو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ پس مناسب یہی ہے کہ اب اور گاؤں کے خریدنے سے پہلوتہی کرو۔

ابن معتز کے تذکرہ میں اسی شاعر کی نسبت ایک نہایت دلچسپ لطیفہ لکھا ہے کہ ایکدفعہ انعام کی اُمید پر اُسنے ایک فصیح و بلیغ قصیدہ ابودلف کی مدح میں لکھا۔ جب اُس قصیدہ کو ابودلف کے پاس لیکر پہونچا، تو اُس نے کہا کہ ابو وائل! تم نے اِس قصیدہ کے آخر میں صلہ کی تمنا ظاہر کی ہے اور انعام کی خواہش تم جیسے غیرتمند شہسوار اور بہادر آدمی کو یہاں تک کھینچ لائی ہے؛ مگر تم نے ایک اور موقع پر ایک شعر کہا ہے، جس کا مضمون یہہ ہے کہ " اگر ہمارے خاندان میں سے کوئی شخص مفلس اور محتاج ہو جاتا ہے، تو تلوار کے ذریعے اپنی روزی حاصل کرتا ہے؛ مگر ہمارے سوا اور خاندانوں کے آدمی جب مفلس ہوتے ہیں، تو بھیک مانگنے کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں " اِس شعر کا مضمون اور اِس قصیدہ کے آخری اشعار کا مضمون دونوں ایک دوسرے کے برخلاف ہیں۔ پہلے شعر میں جو استغنا کا دعوی تم نے کیا ہے، وہ قصیدے کے اِن اشعار سے بالکل ٹوٹ جاتا ہے اور تمہارا ایک قول دوسرے قول کے بالکل خلاف ہے؛ بلکہ قول اور فعل دونوں میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ بکر بن نطاح اِس بات کو سُنکر نہایت شرمندہ ہوا اور ندامت اور خجالت سے دیر تک سر نہیں اُٹھا سکا۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے کہا: جناب! اصل بات یہہ ہے کہ عربی گھوڑے، یمنی تلواریں اور خطی نیزے جو آپ کے پاس ہیں، اگر میرے پاس ہوتے تو میں اپنے قول کو سچا کر دکھاتا۔ اور دلیری اور بہادری کا جو دعوی میں نے کیا ہے اُسکو ثابت کر دیتا اور مجھ پر طعن و تشنیع کرنے کی نوبت نہ آتی۔ ابودلف نے اُسکو پانسو دینار انعام دیئے۔ اِس کے علاوہ ایک یمنی تلوار، ایک عربی گھوڑا اور ایک خطی نیزہ بھی اُسکو دلوا دیا اور اُس سے ہنسکر کہا کہ یہہ انعام لو۔

اب تم کو اپنے دعوے کے ثبوت میں شاید کوئی تامل نہیں ہوگا۔ جاؤ اور ان اسلحہ کے ذریعے اپنی روزی حاصل کرو اور سوال کرنے سے اپنی عزت اور شرافت پر کوئی دھبا نہ آنے دو۔ بکر بن نطاح نے تلوار حمائل کی۔ نیزہ ہاتھ میں لیا اور عربی گھوڑے پر سوار ہوکر ھمدان کیطرف روانہ ہوگیا۔ رستہ میں ایک قافلہ سے مٹ بھیڑ ہوئی اور اُس کو معلوم ہوا کہ وہ سب ابودُلف کے سپاہی اور ملازم ہیں اور اُنکی جاگیرات سے جو روپیہ وصول ہوا ہے، اُس کو جمع کرکے لائے ہیں اور ابودلف کی خدمت میں لے جاتے ہیں۔ بکر بن نطاح نے فوراً تلوار کھینچکر اُس قافلہ پر حملہ کیا اور اُن میں سے بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ جو باقی رہ گئے، وہ اُسکے خوف سے فرار ہوگئے۔ بکر بن نطاح نے تمام خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اُسکو لیکر اپنے مسکن کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب اس واقعہ کی خبر ابودُلف کو پھونچی، تو وہ بے اختیار ہنسا۔ اور اُسنے کہا کہ ہمیں نے اُس عزت مند اور بہادر شہسوار کو جرأت دلائی ہے اور ہمیں نے اُس کو مسلح اور مُلبستہ کیا ہے۔ اگر اب وہ اپنے قول کو سچا نہ کر دکھاتا اور اپنے دعویٰ کا ثبوت نہ دیتا، تو نہایت تعجب کی بات تھی۔ سچ یہہ ہے کہ یہہ خطا تو ہماری ہے۔ اور اس کا خمیازہ بھی ہمیں کو بھگتنا چاہیئے۔ سانپ کے مونہہ میں ہاتھ دینا اور اُسکی دُم کو پکڑ کر دبانا آسان ہے، مگر جب وہ کاٹ کھائے، تو اُس کی شکایت بھی نہیں کرنی چاہیئے۔

شیخ بہاء الدین آملی نے کشکول میں لکھا ہے کہ ایک عربی شاعر ابودُلف کے پاس گیا اور اُس نے اَبُودُلَف کی مدح میں اشعار لکھکر پیش کیے۔ ابودلف نے اُس سے دریافت کیا کہ تم عرب کے کونسے قبیلہ سے ہو؟ اُس نے کہا کہ میں بنو تمیم میں سے ہوں۔ ابودلف نے اُسکو ایک شعر پڑھکر سنایا، جو کسی شاعر نے بنو تمیم کی ہجو اور مذمت میں کہا ہے اور اُس شعر کا مضمون یہہ ہے کہ "بنو تمیم بخل کے طریقہ کو تو خوب پہچانتے ہیں، مگر جب اُن سے کہو کہ ذرا فیاضی کی راہ میں تو چلو، تو وہ رستہ بھول جاتے ہیں اور بہک کے دوسری راہ پر پہونچتے ہیں" شاعر نے اس شعر کو سُنکر کہا کہ جناب! میں بھی تو آخر اسی قبیلہ میں سے ہوں اور بخل کے رستے کو خوب پہچانتا ہوں اور اسی رستہ کو پہچاننے کے سبب سے آپ کے دروازے تک آپھونچا ہوں۔ اَبُودُلَف اِس جواب سے نہایت شرمندہ ہوا اور اُسکو کچھ انعام دے کر رخصت کر دیا۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ لگاتار فیاضیوں کے سبب سے بہت سا روپیہ ابودلف کے ذمہ قرض ہوگیا اور یہہ بات دُور دُور تک

مشہور ہوئی۔ ایک شاعر اس خبر کو سُنکر
اَبُودُلَف کے پاس آیا اور اُسنے دو شعر لکھکر
پیش کیے، جن کا مضمون یہہ تھا کہ "اے
فیاض اور دریا دل امیر! آپ کی سخاوتوں
اور فیاضیوں کا شہرہ دُور دُور تک پہونچا ہے اور
آپکی خندہ جبینی اور مروت کی داستان تمام دُنیا
میں سُنی جاتی ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ
ان فیاضیوں اور سخاوتوں کے سبب سے آپ
مقروض ہو گئے ہیں۔ میرے ذمہ بھی لوگوں کا
بہت سا قرضہ ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے
قرضہ کی رقم کو اپنے قرضہ میں شامل کر لیں اور
میرا قرضہ ادا کر دیں" ابُودُلَف اِن اشعار کو سُنکر
ہنسا اور اُسنے اُس کے قرضہ کی رقم پوچھکر
اُسکو فوراً ادا کر دیا۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابو دلف کرج سے
بغداد میں پہونچا اور علی بن عیسےٰ بن ماھان کے
ہاں مہمان ہوا۔ ایکدفعہ اُسنے دیکھا کہ علی بن عیسےٰ
کے مکان کے دروازہ پر ایک مفلس اور غریب
آدمی کھڑا ہوا ہے اور دربان سے اندر
جانے کی اجازت چاہتا ہے؛ مگر دربان اُسکو
جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہہ دیکھکر اُسپر
غیظ و غضب طاری ہوا اور اُسنے کہا کہ جس
مکان میں امیروں اور دولتمندوں کی دعوت
کیجاتی ہو اور غریب اور مفلس آدمی کھانے سے
محروم رہتے ہوں، اُس میں میرا مہمان ہونا
ہرگز مناسب نہیں ہے اور میں ایسے میزبان کی
دعوت میں شریک ہونے کو اپنے لیے حرام
سمجھتا ہوں۔ یہہ کہکر ابو دلف فوراً علی بن عیسےٰ
کے مکان سے چلا آیا اور پھر تمام عمر اُس سے
ملنے نہیں گیا۔

جَابِر کرخی بیان کرتا ہے کہ میں ایک دفعہ
ابو دلف کی مجلس میں حاضر تھا۔ اَبُوتَمَّام طائی جو
اُس زمانہ کا مشہور شاعر تھا، ابو دلف کے پاس
آیا اور اُس نے ایک نہایت فصیح و بلیغ قصیدہ
پڑھکر سنایا۔ قصیدہ کو پڑھتے پڑھتے وہ اُن
اشعار پر پہونچا، جن کا مضمون یہہ تھا کہ "اگر بنو تمیم
اپنی کمان پر فخر کرتے ہیں اور جو مراتب اور
فضائل انھوں نے حاصل کر لیے ہیں، اُن پر
اپنی کمان کے قصہ کو طرہ سمجھتے ہیں، تو اے
بنو ربیعہ! تم ذی قار کے معرکہ پر فخر کر سکتے ہو،
جہاں تمہاری آبدار تلواروں نے اُن فرمانرواؤں
کے تخت کو اُلٹ دیا تھا، جنھوں نے بنو تمیم
کی کمان اپنے پاس گروی رکھی تھی۔ سچ یہہ ہے
کہ جو خوبیاں اور بزرگیاں تم نے حاصل کی ہیں،
اُن کے سامنے اوروں کی بزرگیاں اور
خوبیاں سراسر عیب دکھائی دیتی ہیں۔" ابودلف
نے یہہ اشعار سُنکر کہا: اے بنو ربیعہ!
تم سُنتے ہو۔ ابو تمام نے تمھاری کیسی تعریف
کی ہے۔ سچ یہہ ہے کہ آجتک کسی شاعر نے
ایسی سچی تعریف تمھاری نہیں کی تم اس تعریف کا

جسقدر فخر کرو زیب دیتا ہے - اب یہہ بتاؤ
کہ جس شاعر نے تمھاری ایسی اعلیٰ درجہ کی مدح
وستایش کی ہے، تم اُسکو کیا صلہ اور انعام
دیتے ہو؟ قبیلۂ بنو ربیعہ کے جو سردار اور اُمرا
اس مجلس میں موجود تھے، اُن سبنے ابودلف
کی یہہ بات سُنکر اپنی ریشمی چادریں جو اُن کے
کندھوں پر پڑی ہوئی تھیں، اُتار کر ابو تمام
کی طرف پھینکدیں - ابودلف نے کہا: اے
بنو ربیعہ کے سردارو! ابو تمام نے تمھاری
چادروں کو قبول کر لیا ہے اور اب وہ تمکو
بعنایتاً واپس دیتا ہے - تم میں سے ہر شخص
اپنی چادر اُٹھالے اور اپنے کندھوں پر
ڈال لے - میں تم سب کی طرف سے اِس مدح و
ستایش کا صلہ دونگا - اور جو انعام تم سبنے
ملکر دیا ہے، اُسکی برابر میں تنہا اُس کو عطا کرونگا
یہہ کہکر ابودُلف نے ابو تمّام کی طرف خطاب کیا
اور کہا کہ ہاں تم اب اپنے قصیدے کو پڑھکر
تمام کرو - جب ابو تمام نے نہایت خوش الحانی
کے ساتھ اپنے فصیح و بلیغ قصیدہ کو انجام پر
پہونچایا، تو ابودُلف نے پچاس ہزار دینار کا
انعام اُس کو عطا کیا اور کہا کہ اے میدانِ شاعری
کے شہسوار اور دریائے فصاحت کے شناور یہہ
عطیہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ تمھاری بے نظیر
شاعری اور تمھاری بے مثل فصاحت و بلاغت
کا معاوضہ ہو سکے - یہہ انعام فی الواقع تمھاری شان
اور رتبہ سے بہت کم ہے، مگر اس کو قبول
کرنے سے تم مجھپر اور میرے تمام قبیلہ پر احسان
کرو - ابو تمام اِس انعام کی رقم کو لیکر تعظیماً کھڑا
ہوگیا اور چاہا کہ ممدوح کے ہاتھ کو بوسہ دے؛
مگر ابودلف نے منظور نہیں کیا اور اُس کو
قسم دی کہ خبردار اپنی جگہ سے نہ ہلنا - میں ایسا
کبھی پسند نہیں کرسکتا کہ تم جیسا عالی دماغ اور
بلند مرتبہ آدمی میرے ہاتھ کو بوسہ دے -

اِسکے بعد ابودُلف نے ابو تمام سے کہا کہ تم نے
محمد بن حمید بن قحطبہ کے مرثیہ میں جو اشعار
لکھے ہیں، وہ ذرا پڑھکر سناؤ - ابو تمام
نے ابن قحطبہ کا مرثیہ جو فی الواقع نہایت فصیح و
بلیغ اور مؤثر تھا، ابودلف کو پڑھکر سنایا -
ابودلف نے مرثیہ کو سُنکر کہا: کاش ابن قحطبہ
کی جگہ میں قتل کیا جاتا اور یہہ مرثیہ میرے لیے
لکھا جاتا - ابو تمام نے کہا: خدا نکرے کہ میں آپکا
مرثیہ لکھوں - میں تو یہہ چاہتا ہوں کہ آپ سے پہلے
میری موت آجائے اور میں آپکی موت کو دیکھنے
کے لیئے زندہ نہ رہوں - ابودلف نے کہا کہ جس
شخص کے مرثیے میں ایسے پاکیزہ اور درد انگیز اور
فصیح و بلیغ اشعار لکھے گئے ہیں، وہ کسی طرح
مردہ نہیں کہلا سکتا اور اُس کا نام عرب و عجم
فاضلوں اور انشا پردازوں اور تمام آدمیوں کی
زبانی سے نہیں اُتر سکتا - وہ بقائے دوام
اور شہرتِ عام کا مرتبہ حاصل کر چکا ہے اور اب

موت اُسکی زندگی پر حملہ نہیں کرسکتی اور قبر کی
خاک اُسکی بزرگی اور ناموری کو نہیں چھپا سکتی

ابو تمام کے جو اشعار اوپر لکھے گئے ہیں،
اُن میں دو قصہ طلب اشارے کیے گئے ہیں
اور جب تک اُن کو بیان نہ کیا جائے، یہہ
اشعار اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اس لیے
ہم اس موقع پر اُن دونوں قصہ طلب اشارون کی
تشریح کرتے ہیں۔ پہلا اشارہ کمان کے قصہ کا
ہے اور اُسکی کیفیت یہہ ہے کہ بنو تمیم جس زمین میں
رہتے تھے، اُس میں ایک دفعہ قحط کی مصیبت
طاری ہوئی۔ اُنھوں نے مجبورًا اپنے وطن کو
خیرباد کہکر ایران کی طرف جانے کا ارادہ کیا
اُن کا سردار حاجب بن زرارہ شاہ ایران کے
دربار میں اوّل اس غرض سے گیا کہ اپنی قوم کے لیے
ایران میں سکونت پذیر ہونے کی اجازت
حاصل کرے۔ جب وہ دربار میں داخل ہوا
اور اُس نے اپنا مطلب بیان کیا، شاہ ایران
نے کہا کہ تم عربی نژاد لوگ کج نہاد اور سرکش
ہوتے ہو اور لوگوں کے ہلاک کرنے اور
رستوں کے لوٹنے میں کچھ باک نہیں کرتے
حرص و طمع اور ظلم و ستم کی عادت تمھاری
فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ یہہ ممکن نہیں ہے
کہ جس سرزمین میں تم قیام کرو، امن و امان اور
سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرو،
اسلیئے مَیں ایران میں قیام کرنے کی تمھاری قوم کو
اجازت نہیں دیسکتا اور اسکو مصلحتِ ملکی کے
خلاف سمجھتا ہوں۔ حاجب نے کہا: ای شاہِ
کجکلاہ! جو کچھ آپنے ہماری نسبت بیان کیا ہے
اُس میں کچھ غلطی نہیں ہے۔ بیشک ہماری قوم
غارتگری اور کشت وخون پر ہر وقت تیار اور
کمربستہ رہتی ہے؛ مگر اسکے ساتھ ہی ایک اور
عادت بھی ہے، جو ہماری طبیعتوں میں قدرت
نے خمیر کردی ہے اور وہ یہہ ہے کہ جب ہم
کوئی عہد کرلیتے ہیں، تو اُس سے مرتے دم
تک گریز نہیں کرتے اور اُس کے برخلاف
کام کرنے کو شرافت اور انسانیت کے لیے
موجب ننگ وعار سمجھتے ہیں۔ میں آپ سے
وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بنو تمیم کو ایران
میں سکونت اور قیام کرنے کی اجازت مل جائیگی،
تو وہ کسی طرح کا فساد اِس ملک میں برپا نہیں
کرینگے اور امن و امان میں کوئی خلل اُنکی جانب
سے پیدا نہیں ہوگا۔ شاہِ ایران نے کہا: تم اپنی
قوم کے بیشک ضامن ہو، مگر تمھارے لیے
ایک اور ضامن کی ضرورت ہے۔ حاجب نے کہا:
میں اپنی کمان کو شہنشاہ کے پاس رہن رکھتا
ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک کمان
شہنشاہ کے پاس رہن رہیگی، کوئی حرکت عہد و
پیمان کے خلاف حاجب سے سرزد نہیں ہوگی
شاہِ ایران نے ہنسکر حاجب کی کمان لے لی
اور اُسکو اپنے پاس بطور رہن کے محفوظ رکھا

اور بنو تمیم کو ایران کی حدود میں قیام کرنے کی اجازت عطا کر دی۔ بنو تمیم مدت تک ایران میں رہے اور حاجب نے جو اقرار اپنی قوم کی طرف سے کیا تھا، اُس سے بنو تمیم نے سرِ مو تجاوز نہیں کیا اور کوئی بات عہد و پیمان کے خلاف اُن سے ظہور میں نہیں آئی جب بنو تمیم کو اِس بات کی خبر ہوئی کہ اُن کے وطن میں دوبارہ سرسبزی اور رونق نے عود کیا ہے اور قحط کی مصیبت دُور ہو گئی ہے تو اُنھوں نے اپنی سرزمین کی طرف واپس جانیکا قصد کیا۔ اُسوقت حاجب بن زرارہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُس کا بیٹا عطارد بن حاجب موجود تھا اُس نے شاہِ ایران کے پاس جاکر اپنے باپ کی کمان واپس طلب کی اور رہنمائی کی درخواست کی۔ شاہِ ایران نے نہایت خوش ہوکر اُسکو اور اُسکی قوم کو انعام و اکرام سے سرافراز کیا اور حاجب کی کمان واپس دی اور اُن کو اپنے وطن کی طرف لوٹ جانے کی اجازت عطا کی۔

دوسرا قصہ طلب اشارہ ابو تمام کے اشعار میں معرکہ ذی قار کے متعلق ہے۔ اُسکی مختصر کیفیت یہہ ہے کہ جب خسرو پرویز زید بن عدی کی تحریک سے نعمان بن منذر پر غضبناک ہوا اور اُس کو مداین میں اپنے دربار میں طلب کیا، تو نعمان کے دل میں یہہ خیال پیدا ہوا کہ اگر میں شاہِ ایران کے دربار میں پہنچا تو ضرور قتل کیا جاؤں گا۔ اسلئے شاہِ ایران کے فرمان کی مطلق پروا نہیں کی اور اُس کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔

خسرو پرویز نے ایاس بن قبیصہ کو جو عرب کے سرداروں میں شمار کیا جاتا تھا، چار ہزار فوج کے ساتھ حیرہ کی طرف روانہ کیا اور اُس کو حکم دیا کہ نعمان بن منذر کو گرفتار کرکے مداین کی طرف روانہ کرو۔ جب یہہ خبر نعمان کو پہونچی، تو وہ اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کے ساتھ قبیلہ طے کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اِس قبیلہ کے آدمیوں نے اُس سے کہا کہ ہم میں یہہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ شاہِ ایران کی فوجوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اِس لیے ہم تم کو اپنی پناہ میں نہیں رکھ سکتے۔ نعمان نے اُس نواح کے اور قبائل سے امداد کی درخواست کی، مگر کسی قبیلہ نے امداد و اعانت کرنی منظور نہیں کی۔ آخرکار وہ اِسی سرگردانی اور پریشانی کی حالت میں ایک چشمہ کے کنارے پر پہونچا، جس کا نام ذی قار تھا اور جو بنو شیبان کی ملکیت میں تھا۔ ھانی بن مسعود نے جو قبیلہ بنو شیبان کا سردار تھا، نعمان کو اپنے ہاں کچھ عرصہ تک مہمان رکھا اور اُس کی بجید ارات کی۔ پھر اُس نے نعمان سے کہا کہ تم اپنا اہل و عیال اور مال و اسباب کو میرے پاس بطور امانت کے

نکل جاؤ اور خود پرویز کے پاس مدائن میں
چلے جاؤ۔ اگر تم وہاں پہونچکر قتل کیے گئے،
تو اس ننگ و عار سے اپنے تئیں محفوظ رکھوگے
کہ تم عرب کے قبائل کے پاس پناہ لینے کے لئے
مارے مارے پھرتے ہو اور کوئی قبیلہ تم کو
اپنی پناہ میں لینا منظور نہیں کرتا اور اگر خسرو
پرویز نے تمھاری نافرمانیوں کو معاف کر دیا
اور تم پر مہربان ہوگیا، تو حیرہ کی حکومت
دوبارہ تم کو مل جائیگی اور تم آیندہ اطمینان
کے ساتھ زندگی بسر کروگے۔ نعمان نے
ھانی کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور
وہ فوراً مدائن کی طرف روانہ ہوگیا۔

مورخین کا اسمیں اختلاف ہے کہ خسرو پرویز
نے اسکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بعض تو یہہ
کہتے ہیں کہ اس نے نعمان کو قیدخانہ میں ڈلوادیا
اور وہ اسی راہ سے ملک عدم کو پہونچگیا۔ بعض کا
بیان یہہ ہے کہ اس کا انتقال طاعون سے ہوا
بعض کا قول ہے کہ خسرو پرویز نے ایک مست
ہاتھی کے سامنے نعمان کے ہاتھ پاؤں باندھکر
اسکو ڈلوادیا تھا اور اسنے اسکو کچل ڈالا۔
نعمان کے مرنے کے بعد خسرو پرویز نے
ایاس بن قبیصہ کو جو حیرہ میں نعمان بن منذر
کی جگہ حکومت کرتا تھا، اس مضمون کا فرمان
بھیجا کہ نعمان نے بنو شیبان کے سردار ھانی
بن مسعود کے پاس اپنا مال و اسباب بطور
امانت کے رکھا ہے۔ اس سے وہ تمام مال و
اسباب وصول کرکے مدائن کو روانہ کرو۔ ایاس نے
اس فرمان کے مضمون سے ھانی بن مسعود کو
مطلع کیا۔ اس نے جواب دیا کہ نعمان نے
جو امانت میرے سپرد کی ہے، میں اسمیں
خیانت نہیں کرسکتا اور جب تک میں زندہ
ہوں، کوئی شخص اس امانت کی طرف آنکھ
اٹھاکر نہیں دیکھ سکتا۔ ایاس نے ھانی کا
جواب خسرو پرویز کو لکھ بھیجا۔ اس نے اس
جواب پر غضبناک ہوکر دو فوجیں حیرہ کی طرف
روانہ کیں۔ ان میں سے ایک فوج جسکی تعداد
بارہ ہزار تھی، اسکے فوجی افسر ھامرز کے زیرکمان
تھی۔ دوسری فوج پر جسکی تعداد آٹھ ہزار تھی
فرخزاد افسر تھا۔ دونوں افسروں کو حکم تھا
کہ وہ اپنے تئیں ایاس بن قبیصہ کے ماتحت
سمجھیں اور اسی کے اشارے پر کام کریں۔

ایاس بن قبیصہ ان فوجوں کو لیکر ذی قار
کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں پہونچکر ان کو معلوم
ہوا کہ بنو شیبان کے ساتھ بنو عجل اور بنو بکر
وغیرہ عرب کے مشہور رہاور قبیلے بھی شامل
ہوگئے ہیں۔ دو روز تک عربوں اور ایرانیوں
کے درمیان کشت و خون کا بازار گرم رہا۔
دوسرے دن کی شام کو عرب کے دلیر اور
جانباز قبائل نے ایرانیوں کی فوجوں کو شکست دی
ایاس بن قبیصہ بقیۃ السیف ایرانیوں کو لیکر

خسرو پرویز کے دربار میں پہونچا اور اُسنے
اِس شکست کی خبر اپنے آقا کو دی - یہہ وہ زمانہ ہے
جبکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں
رونق افروز تھے جب اِس فتح کی خبر آنحضرت
کو ہوئی تو آپ نے زبان مبارک سے یہہ الفاظ
ارشاد فرمائے: اللہ اکبر! اللہ اکبر! ھذا
اوّل یوم انتصفت العرب من العجم یعنی آج
پہلا دن ہے کہ عرب کے بہادروں نے عجم کے
باشندوں سے انتقام لیا ہے -

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مامون کے
سپہ سالار طاہر نے ابودلف کو اِس بات پر مجبور
کرنا چاہا تھا کہ وہ امین کے دعوی خلافت کی
حمایت نکرے اور مامون کے ساتھ بیعت
کرنے پر آمادہ ہو، مگر اُسنے اِس بات کو منظور
نہیں کیا تھا اور یہہ اقرار کر لیا تھا کہ میں فریقین
میں سے کسی کی حمایت اور طرفداری نہیں
کروں گا اور جب تک قسمت دونوں کے درمیان
فیصلہ نکردے، میں کرج کے پہاڑوں میں
گوشہ نشیں رہوں گا جب مامون نے ہرے
کی تسخیر کرنے کا ارادہ کیا، تو اُسنے ایک قاصد
ابودلف کے پاس بھیجا اور وہ مامون کی طرف سے
یہہ پیغام لایا کہ تم اِس مہم میں ما بدولت کی ہمرکاب
رہو اور کرج سے روانہ ہو کر فوج شاہی میں
شامل ہو جاؤ - جب یہہ پیغام ابودلف کے پاس
پہونچا، تو اُسنے اپنے قبیلہ کے تمام آدمیوں کو جمع کیا
اور اُن سے اِس باب میں مشورہ کیا - سبنے
بالاتفاق کہا کہ آپ ملک عجم میں تمام عربی قبائل کے
سردار ہیں اور تمام قبائل آپ کی اطاعت کو
فرض جانتے ہیں اور جہاں آپ کا پسینہ گرے،
وہاں اپنا خون گرانے پر تیار ہیں - اگر آپ
اجازت دیں، تو ہم سب یکدل و یکجان
ہو کر مامون کی فوج کا مقابلہ کریں اور اُس کو
عربی تلواروں کا جوہر دکھائیں؟ ابودلف نے
اِس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور اُسنے
یہی مناسب سمجھا کہ خلیفہ کے فرمان کی اطاعت
کرے اور فوج شاہی میں جا کر شریک ہو - اُسکے
قبیلہ کے آدمیوں اور عزیزوں اور رفیقوں نے
اِس بات پر بہت زور دیا کہ اگر آپ مامون کے پاس
جائیں گے، تو چونکہ آپ امین کے مصاحب
رہ چکے ہیں اور اُسکے دعوی خلافت کی تائید
کرتے رہے ہیں، یہہ بات قرین قیاس معلوم
ہوتی ہے کہ وہ آپ کو ضرور قتل کریگا - مامون
کے پاس جانا اور اُسکے فرمان کی اطاعت کرنا
ہمارے نزدیک خطرہ سے خالی نہیں ہے -
ابودلف نے کہا: مامون کے پاس جانے میں
اگر کوئی خطرہ ہے، تو وہ صرف میرے لیے ہے
تمہارے حق میں کسی ضرر کے پہونچنے کا اندیشہ
نہیں ہے - یہہ کہکر اُس نے اپنے دو شعر پڑھے
جن کا مضمون یہہ ہے کہ "میں اپنی قوم کی
حمایت میں اپنی جان پر کھیل جانے کا ہمیشہ سے

عادی رہا ہوں اور ہر خطرہ اور ہر مصیبت
میں اُن کے لیے سینہ سپر ہوتا رہا ہوں۔ میں خوفناک
حادثوں اور قیامت خیز ہنگاموں کا اُسوقت تک
برابر مقابلہ کرتا رہوں گا، جب تک کہ اُن پر
مجھکو فتح حاصل ہو، یا میری لاش زمین میں دفن
ہوجائے۔"

اَبُودُلف جب مامون کے پاس پہونچا،
تو وہ اُسکے ساتھ نہایت مروّت اور مہربانی
سے پیش آیا اور اُسکو بغداد کی شاہی پولیس
میں ایک جلیل القدر عہدہ پر سرفراز کیا۔ مامون
کی وفات تک وہ اِسی عہدہ پر مامور رہا۔ اِسکے
بعد معتصم نے اپنی ایک فوج پر اُسکو افسر
مقرر کردیا۔ جب معتصم کا نامور جنرل افشین
بابک خرمی کے ساتھ جنگ کرنے پر مامور ہوا،
تو اِس مہم پر اَبُودُلف بھی اُسکے ساتھ گیا تھا۔
کہتے ہیں کہ عین جنگ کے موقع پر افشین کی تلوار
ٹوٹ گئی اور اُسکو اپنی تلوار کے ٹوٹ جانیکا
نہایت صدمہ ہوا۔ ابودلف نے جو اُس موقع پر
موجود تھا دو شعر فی البدیہہ کہے، جنکا مضمون
یہہ تھا کہ "اے شاہی فوجوں کے سپہ سالار آپکی
تلوار کا ٹوٹ جانا دشمن کی شکست کی علامت ہے
اور مجھکو اِس واقعہ سے یقین ہوتا ہے کہ بابک کی
فوج کے نشان عنقریب ٹوٹ کر گر جائینگے۔ تلوار کے
ٹوٹنے سے آپکو دل شکستہ نہیں ہونا چاہیے،
کیونکہ اِسکے ٹوٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غنیم کی فوجوں کی
کمر ٹوٹ جائیگی۔" یہہ عجیب اتفاق ہے کہ ابودلف
نے جو پیشین گوئی اِن اشعار میں کی تھی، وہ
بالکل پوری ہوئی اور دوسرے ہی دن بابک
کی فوج کو ایسی شکست فاش نصیب ہوئی
کہ اُس کا سنبھلنا مشکل ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ افشین کسی وجہ سے ابودلف
سے رنجیدہ اور ناراض ہوگیا تھا اور دل میں
کینہ رکھتا تھا اور اِس بات کا منتظر رہتا تھا کہ
اگر موقع ملے، تو ابودلف کو قتل کرڈالے۔ بابک
خرمی پر فتح پانے کے بعد اُس کی عزت اور
وقعت معتصم کے دل میں بہت بڑھگئی تھی۔
ایکدفعہ اُس کو معتصم سے ابودلف کی مخالفت
کرنے کا موقع ہاتھ آگیا اور اُس نے ابودلف کے
قتل کرنے کی اجازت حاصل کرلی، مگر قاضی
احمد بن ابی دواد کی شفاعت سے ابودلف کی
جان بچ گئی اور افشین اپنے ارادے میں
ناکامیاب رہا۔ اِس واقعہ کو ہم قاضی احمد بن ابی دواد
ہی کے الفاظ میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔

قاضی القضاۃ احمد بن ابی دواد کا بیان ہے
کہ ایکدفعہ آدھی رات کو خود بخود میری آنکھ
کھل گئی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح
دوبارہ نیند آجائے، مگر نہ آئی۔ اُسوقت ایک
عجیب حالت بیچینی اور پریشانی کی تھی، جسکو میں
الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا اور جس کا سبب
مجھے مطلق معلوم نہیں تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا:

خدا خیر کرے، دیکھیے، آج رات کو کیا ہونے والا ہے۔ میرا ایک غلام تھا، جس کا نام مسلاہر تھا اور جو ہر وقت میرے پاس رہتا تھا۔ میں نے اُس کو آواز دی۔ جب وہ آیا، تو میں نے اُس سے کہا: سائیس سے جاکر کہدو ابھی گھوڑا تیار کرے۔ مسلاہر نے کہا: جناب! آدھی رات کا وقت ہے۔ اِس وقت آپ کہاں تشریف لیجائینگے؟ اگر خلیفہ کے پاس جانے کا قصد ہے، تو یہہ کوئی وقت وہاں جانے کا نہیں ہے۔ اِسکے علاوہ کل خلیفہ صبح کو دربار نہیں کرینگے اور آپ کے دربار میں جانے کا دن بھی نہیں ہے۔ پس اِسقدر سویرے اُٹھنا اور سواری تیار کرانا میری ناقص رائے میں بے محل ہے۔ اگر خلیفہ کے سوا کسی اور شخص سے ملنے کا قصد ہے، تو پھر بھی یہہ وقت کہیں جانے اور کسی سے ملنے کا نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اِس وقت سب خوابِ غفلت میں ہونگے۔ مسلاہر کی بات سنکر مَیں خاموش ہو رہا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہہ سچ کہتا ہے؛ مگر میرا دل کسی طرح قرار نہیں پکڑتا تھا اور میری بےچینی اور بےقراری کا وہی عالم تھا اور نیند بالکل اُڑ گئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عنقریب کوئی ناشدنی واقعہ پیش آنے والا ہے۔ ناچار بستر سے اُٹھکر میں دیر تک مکان کے صحن میں ٹہلتا رہا۔ پھر نوکروں کو پکارا اور اُن سے کہا کہ غسلخانہ میں شمع روشن کرو۔ اِسکے بعد میں فوراً غسلخانہ میں گیا اور ہاتھ مونھہ دھوکر باہر نکلا۔ جب کپڑے پہنکر مکان کے دروازے پر پہونچا، تو میرا گھوڑا تیار تھا۔ فوراً اُسپر سوار ہوا اور ایک طرف کو چل نکلا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مجھکو کہاں جانا چاہیئے اور اِسوقت گھوڑا مجھکو کہاں لے جا رہا ہے۔ کچھہ سوچ کر میں نے یہہ ارادہ پختہ کرلیا کہ امیرالمؤمنین کے محل کی طرف چلنا چاہیئے۔ اگرچہ یہہ وقت باریابی کا نہیں ہے، تاہم اگر اجازت اندر جانے کی ہوگئی، تو میں خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اگر اجازت نہ ہوئی، تو واپس چلا آؤں گا۔ اِس سے کم سے کم یہہ فائدہ تو ضرور ہوگا کہ میرے دل کی یہہ بےچینی دُور ہو جائیگی۔

جب میں خلیفہ کے محل کے قریب پہونچا، تو پہرہ داروں کے افسر نے میرے پاس آکر دریافت کیا کہ اِسوقت آپکے یہاں آنے کا کیا سبب ہے؟ میرے خیال میں اِسوقت امیرالمؤمنین آپ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دینگے۔ میں نے کہا: تم اندر جاکر میری اطلاع کردو۔ اگر امیرالمؤمنین مجھکو اندر طلب فرمائیں گے، تو میں حاضر ہوں گا؛ ورنہ واپس چلا جاؤں گا۔ پہرہ داروں کے افسر نے سینہ پر ہاتھ رکھا اور فوراً محل میں چلا گیا۔ میں نے ایک لمحہ دروازہ پر توقف کیا۔ جب وہ واپس آیا، تو اُسنے کہا: چلیے، امیرالمؤمنین آپ کو طلب فرماتے ہیں۔ میں فوراً محل میں داخل ہوا۔ جب خوابگاہ کے کمرے میں پہونچا، تو میں نے

دیکھا کہ اُس وقت امیر المومنین تنہا بیٹھے ہوئے ہیں اور شمع جل رہی ہے۔ اُس وقت امیر المومنین کے چہرہ سے افسردگی اور رنج کے آثار نمایاں تھے اور یہہ معلوم ہوتا تھا کہ دیر سے اِسی پریشانی اور تفکر کے عالم میں ہیں۔ میں نے ادب سے جھک کر سلام کیا۔ امیر المومنین نے میرے سلام کا جواب دیکر کہا: قاضی صاحب! تم اتنی دیر سے کہاں تھے؟ میں ایک عرصہ سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔ میں یہہ بات سُنکر سخت حیران ہوا اور میں نے کہا کہ امیر المومنین! میں بالکل بے وقت آیا ہوں اور میں خیال کرتا تھا کہ اسوقت حضور استراحت میں ہونگے۔ جب میں محل کے دروازہ پر پہونچا، تو مجھکو یہہ بھی یقین نہیں تھا کہ حضور مجھکو اندر آنے کی اجازت دینگے۔ خلیفہ نے کہا: تمھیں یہہ بھی معلوم ہے کہ آج صبح کیا واقعہ پیش آنے والا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، میں بالکل نہیں جانتا۔ خلیفہ نے کہا: تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ، تو میں بیان کروں۔ میں دو زانو ہوکر ادب سے بیٹھ گیا۔ خلیفہ نے کہا: تم نے اِس کافر نعمت افشین کا حال دیکھا؟ محض اِس سبب سے کہ اُس نے بابک کے ساتھ لڑائیوں میں کامیابی حاصل کی ہے اور اُس سے ایک خدمت بن آئی ہے، ما بدولت کی نگاہ میں اُسکی عزت اور وقعت بڑھ گئی ہے اور ہم اُسپر پہلے سے زیادہ شفقت اور عنایت کرتے ہیں۔ اُسپر مغرور ہوکر اُسنے بارہا یہہ جرأت کی ہے کہ وہ ہمارے سامنے ایسی باتیں کہہ گذرتا ہے، جو ہرگز کہنے کے لائق نہیں ہیں اور ایسے سوال کر بیٹھتا ہے، جو کسی طرح اُسکے مونھ پر زیب نہیں دیتے۔ ایک عرصہ سے اُسکے اور امیر ابودلف کے درمیان کسی وجہ سے عداوت پیدا ہوگئی ہے اور افشین کی خواہش یہہ رہی ہے کہ کسی طرح اُسکے قتل کرنے کا موقع ہاتھ آئے اور اُسکی جائداد پر قابض ہو۔ ہم سے بارہا اُس نے یہہ درخواست کی ہے اور ہم نے ہمیشہ اُسکی اِس درخواست کو رد کیا ہے، کیونکہ ابودلف ہماری سلطنت کا قدیم خیر خواہ ہے اور اُس نے جو خدمتیں انجام دی ہیں، وہ کسی طرح افشین کی خدمات سے کم نہیں ہیں۔ کل شب کو افشین نے نہایت اصرار کے ساتھ پھر یہہ درخواست کی کہ اُسکو امیر ابودلف قتل کرنے کی اجازت دیجائے۔ ہم نے کئی بار اُسکی درخواست کو نامنظور کیا، پھر بھی وہ اپنے اصرار اور ضد پر قائم رہا۔ اُسکے بار بار کہنے اور اصرار کرنے سے میں اِسقدر تنگ ہوا کہ میری زبان سے سہواً "ہاں" کا لفظ نکل گیا۔ قاضی صاحب! میں اپنی اِس غلطی پر اِسقدر نادم ہوں کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ میری زبان سے یہہ لفظ کیوں نکلا۔ اب عنقریب صبح ہوجائیگی اور میں اِسی فکر اور اِسی اضطراب میں ہوں کہ بیچارہ ابودلف اِس واقعہ سے مطلق آگاہ نہیں ہے اور افشین کے

سوار بیکایک اُس کے مکان کا محاصرہ کرلینگے
اور اُس کو گرفتار کرکے لیجائیں گے اور افشین کو
بغیر اس کے کہ اُس کو قتل کرے، ہرگز قرار نہیں ہوگا
میں نے کہا: اللہ! اللہ! امیرالمومنین! آپ
ایک بیگناہ شخص کے خون کو اپنی گردن پر لیتے ہیں
قیامت کے دن خدا اور رسول کو آپ کیا جواب دینگے
یہہ کہکر میں نے حدیث پڑھنی شروع کی
اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھکر اُن کی تفسیر بیان کی
اور کہا کہ خدا اور رسول کو آپ کا یہہ فعل ہرگز
پسند نہیں ہوگا۔ علاوہ اس کے کہ ابودلف بالکل
بےگناہ ہے، وہ اِس سلطنت کا ہمیشہ سے خیرخواہ
اور آلِ عباس کا ہمیشہ سے دست و بازو رہا ہے
وہ عرب کا مشہور بہادر اور شہسوار ہے اُس نے
صوبہ قہستان میں جو کارِ نمایاں انجام دیے
ہیں، اُن کو زمانہ اب تک فراموش نہیں کرسکتا ہے
وہ امیرالمومنین کی حفاظت اور حمایت میں اپنی
جان پر کھیل چکا ہے اور ہزاروں دفعہ اپنے
تئیں خطروں اور مصیبتوں میں ڈال چکا ہے
اگر وہ قتل کردیا جائیگا، تو عام آدمیوں میں
جو اُسکی فیاضیوں کے ممنون ہیں، ایک شورش
برپا ہوجائیگی۔ اِسکے علاوہ بنو ربیعہ اور اُنکے
حلیف قبائل اِس واقعہ پر کبھی خاموش ہوکر
نہیں بیٹھینگے اور ایسے فتنے سلطنت میں
پیدا ہوں گے، جن کا تدارک کرنا محال ہوجائیگا
امیرالمومنین کو اِس معاملہ پر اچھی طرح غور کرلینا چاہیے

خلیفہ نے کہا: جو کچھ تم نے بیان کیا، اُس میں ایک
حرف غلط نہیں ہے؛ مگر اب اِس کا کیا علاج ہے
کہ تدارک کا موقع میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔
افشین سے میں اقرار کرچکا ہوں کہ ابودلف کو
تیرے ہاتھ سے نہیں چھڑاؤں گا اور جو سلوک تو
اُسکے ساتھ کرے، مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
میں نے کہا: امیرالمومنین! آخر اب کوئی تدبیر بھی ہے
جس سے ابودلف کی جان بچے اور اُس بیگناہ کا
خون آپ کی گردن پر نہ ہو؟ خلیفہ نے کہا: میرے
نزدیک اب اِسکے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ تم خود
افشین کے پاس جاؤ اور جس طرح ممکن ہو، اُسکو
اِس بات پر آمادہ کرو کہ وہ ابودلف کے قتل کرنے سے
باز رہے۔ وہ تمہاری عزت کرتا ہے اور مجھے اُمید ہے
کہ وہ تمہارے کہنے کو رَد نہیں کریگا؛ مگر میری
طرف سے کوئی بات اشارۃً بھی نہ کہنا۔ اگر اُس نے
تمہاری سفارش کو منظور نہ کیا اور ابودلف کو
قتل کرڈالا، تو کوئی چارہ اِسکے سوا نہیں ہے کہ
قضا و قدر کے احکام پر صبر کیا جائے۔ میں نے
جب خلیفہ کی زبان سے یہ بات سُنی، تو میرے ہوش
و حواس جاتے رہے۔ میں فوراً وہاں سے اُٹھا
اور اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ چند آدمی جو میرے
خادم تھے اور اُسوقت محل کے دروازہ پر موجود تھے
میں نے اُن کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ گھوڑے پر
سوار ہوکر میں نے اُس کو نہایت تیزی اور عجلت
کے ساتھ افشین کے مکان کی طرف دوڑایا۔

صبح قریب تھی اور مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو
کہ ابودلف قتل ہو جائے اور میں دیر میں پہونچوں
گھوڑے کی تیز رفتاری کا یہہ عالم تھا کہ مجھے یہ بالکل
خبر نہیں ہوئی کہ میں آسمان پر جا رہا ہوں یا زمین
ریشمی چادر جو میرے کندھوں پر تھی، اُڑ کر زمین پر
جا پڑی اور مجھے اِس بات کی بھی خبر نہیں ہوئی۔
جب میں افشین کے مکان کے دروازہ پر پہونچا،
تو بغیر اجازت لینے کے سیدھا اُس مکان کے
اندر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ افشین اپنی مسند پر
بیٹھا ہوا ہے۔ اَبُودُلَف اُسکے سامنے ہے اور
اُسکی مشکیں باندھ دی گئی ہیں۔ جلاد ابودلف کے
سر پر کھڑا ہے اور اِس بات کا منتظر ہے کہ افشین کے
اشارے پر تلوار کا وار کرے۔ میں نے یہہ بھی
دیکھا کہ افشین نہایت بدزبانی کے ساتھ ابودلف کو
لعنت ملامت کر رہا ہے اور ابودلف سر جھکائے
خاموش بیٹھا ہے اور اُسکی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے
جب افشین نے مجھے اپنے پاس آتے دیکھا، تو
غصہ سے اُسکی آنکھیں سُرخ ہو گئیں اور اُسکی
گردن کی رگیں اُبھر آئیں۔ برخلاف معمول کے
اُس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، نہ بیٹھنے کا
اشارہ کیا، نہ تعظیم کے لیے کھڑا ہوا۔ میں نے
اِس بات کی مطلق پروا نہیں کی اور اپنے دل میں کہا
کہ میں جس کام کے لیے یہاں آیا ہوں، وہ نہایت
مہتم بالشان ہے۔ اِس وقت اِن باتوں کی طرف
توجہ کرنی نہیں چاہیئے۔ میں نے آگے بڑھکر اُسکے
ہاتھ چوم لیئے اور قریب جاکر بیٹھ گیا۔ میں نے
چاہا کہ اُسکو باتوں میں مشغول کر لوں، کیونکہ
یہہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ جلاد کو تلوار چلانے کا
حکم نہ دے بیٹھے۔ اُسنے میری طرف سے مونھہ
پھیر لیا اور میری باتوں کی طرف مطلق توجہ نہیں کی
میں ادب کے انداز سے کھڑا ہو گیا۔ اور اُسکے سامنے
جاکر اہل عجم کی تعریف کرنی شروع کی، کیونکہ
افشین عجمی تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ اہل عجم کو
اہل عرب پر فضیلت دینے سے خوش ہوتا ہے۔
اگرچہ میں جانتا تھا کہ عجم کو عرب پر ترجیح دینے میں ایک
گناہ کا مرتکب ہوتا ہوں، مگر میں نے ایک بیگناہ کی
جان بچانے میں اِسکی بھی پروا نہیں کی۔ اہل
عجم کی مبالغہ آمیز تعریف کرنے کے بعد میں نے
کہا کہ میں ابودلف کے معاملہ میں آپ سے گفتگو
کرنے اور اُسکی سفارش کرنے آیا ہوں۔ اگر آپ
میری خاطر سے اُسکی خطا معاف کر دیں اور
اُسکے قتل کرنے سے باز آئیں اور اُسکو میرے سپرد
کریں، تو میں نہایت ممنون ہوں گا اور
خداوندِ عالم اِس نیکی کا ثواب آپ کو عطا کریگا
افشین نے غصہ کے لہجہ میں جواب دیا کہ یہہ
نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔ امیر المومنین نے
ابودلف کو میرے سپرد کیا ہے اور قسم کھائی ہے
کہ میں اُسکے باب میں ایک حرف نہ کہوں گا اور
جو برتاؤ تم اُسکے ساتھ کرو، میں اُس میں ہرگز
دخل نہ دوں گا۔ آج میری برسوں کی آرزو پوری

ہوئی ہے - اُسکے باب میں کسی کی سفارش قبول
نہیں کروں گا - میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے
ابن ابی دواد! آج تیرا حکم مشرق سے مغرب تک
رواں ہے اور کوئی شخص تیرے کہنے کو رد نہیں کرتا
افسوس ہو کہ اس کمینے آدمی کے ہاتھ سے تو اسقدر ذلت
اٹھائے - یہہ خیال تھا، جو اُسوقت میرے دل میں
گزرا تھا، مگر اس کے بعد ہی بجلی کی طرح ایک اور خیال
میرے دماغ میں آیا اور وہ یہہ تھا کہ اگر میں
ذلیل اور خوار ہو کر ایک بے گناہ کی جان بچا سکوں
تو خدا اور رسول کے نزدیک میری ذلت
عزت سے بدل جائیگی - موجودہ ذلت اور
حقارت کی مجھے مطلق پروا نہیں کرنی چاہیئے -
میں نے دوبارہ اُسکے ہاتھوں کو بوسہ دیا -
اور منت سماجت کی، مگر اُسنے بالکل توجہ نہیں کی
اس کے بعد میں اُسکے پاؤں کی طرف جھکا اور
اُن کو چوم کر درخواست کی کہ آپ برائے خدا
اَبُوْدُلَفْ کے قتل سے باز آیئے - افشین نے
نہایت غضبناک ہو کر کہا: آخر یہہ حرکت کب تک!
اگر تم ہزار بار میرے ہاتھوں اور قدموں کو بوسہ
دوگے، تاہم یہہ ممکن نہیں ہے کہ میں ابودلف کو
زندہ رہنے دوں - اس جواب کو سُنکر میرا
بدن غصہ سے کانپنے لگا اور میں نے کہا کہ مجھے
نہایت افسوس ہے کہ میرا حکم مشرق سے مغرب تک
جاری ہے - کوئی شخص میری بات کو رد نہیں کرتا
خلیفہ اور اُس کے تمام ارکان دولت میری

عزت کرتے ہیں - برخلاف اِس کے تم مجھکو
ذلیل کرتے ہو اور ذلت بھی ایسی جس کی
کوئی حد نہیں - کاش تم میرے کہنے کو مان جاتے
اور مجھکو ہمیشہ کے لئے اپنا شرمندۂ احسان کرتے
اب میں تمھیں نہایت بلند آواز سے مطلع کرتا
ہوں اور امیر المؤمنین کا پیغام سُناتا ہوں - امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ تم
ابودلف کو واپس اُسکے مکان پر بھیجدو
اور اُس کو ہرگز قتل نکرو - تمھارا کوئی
اختیار اُسپر نہیں ہے - اگر تم نے اُسکو
مار ڈالا، تو اُس کا انتقام تم سے لیا جائیگا -
جب افشین نے میری زبان سے یہہ بات
سُنی، تو اُس کے تمام بدن میں لرزہ پڑگیا -
اُسنے پوچھا: کیا حقیقت میں یہہ امیر المؤمنین کا
پیغام ہے؟ میں نے کہا: ہاں یہہ امیر المؤمنین کا
حکم ہے، جو میں اسوقت ادا کر رہا ہوں - یہہ
کہکر میں نے اپنے آدمیوں کو آواز دی، جو
افشین کے مکان کی دہلیز میں میرے آنیکے
منتظر بیٹھے ہوتے تھے - جب وہ اندر آئے، تو
میں نے اُن کی طرف خطاب کر کے کہا: تم اِس
بات کے گواہ رہنا کہ میں نے امیر المؤمنین کا
یہہ پیغام افشین کو پہونچا دیا ہے کہ تم اَبُوْدُلَفْ
کو اُسکے مکان پر واپس بھیجدو اور اُس کو
قتل نہ کرو - اگر تم نے اُس کو قتل کر ڈالا،
تو اُس کا قصاص تم سے لیا جائے گا - اِسکے
بعد میں نے ابودلف سے کہا: تم اِس وقت

بالکل تندرست ہو یا نہیں ؟ اُس نے کہا: میں بالکل صحیح وسالم ہوں میں نے پوچھا: تمھارے بدن پر اسوقت کوئی زخم تو نہیں آیا؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں نے پھر اپنے آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: تم اِس بات کے بھی گواہ رہنا کہ جب میں نے امیر المؤمنین کا پیغام افشین کو پہونچایا، تو اُس وقت ابو دلف بالکل صحیح وسلامت تھا۔ یہہ کہکر میں غصہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور سوار ہو کر نہایت عجلت کے ساتھ شاہی محل میں پہونچا؛ کیونکہ مجھے اندیشہ تھا کہ افشین خلیفہ کی خدمت میں جلد حاضر ہوگا اور اِس بات کو دریافت کریگا کہ خلیفہ نے کوئی پیغام ابو دلف کے قتل نہ کرنے کا دیا ہے یا نہیں۔ اگر خلیفہ نے کہا کہ میں نے اس مضمون کا کوئی پیغام نہیں دیا، تو وہ ضرور واپس جاکر اَبُودُلَف کو قتل کر ڈالیگا۔ جب میں خلیفہ کے سامنے گیا، تو مجھ سے حال دریافت کیا۔ میں نے جو حال گذرا تھا اُس کو بیان کرنا شروع کیا۔ جب میں یہہ بیان کر رہا تھا کہ میں نے کئی بار افشین کے ہاتھوں اور قدموں کو بوسہ دیکر اُس سے منّت اور التجا کے ساتھ یہہ درخواست کی کہ وہ ابو دلف کے قتل کرنے سے باز رہے اور اُسنے غصہ سے کہا کہ اگر تم ہزار بار بھی میرے ہاتھوں اور قدموں کو بوسہ دوگے، تاہم میں ابو دلف کے قتل کرنے سے باز نہ آؤں گا، اُس وقت امیر المؤمنین کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ ابھی میں

سارا حال کہنے نہ پایا تھا کہ افشین بھی آپہونچا مجھے اُسوقت نہایت افسوس ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اُس کے دریافت کرنے پر خلیفہ نے کہدیا کہ میں نے کوئی پیغام ابو دلف کے قتل نہ کرنے کا نہیں دیا، تو علاوہ اسکے کہ میں رُسوا اور ذلیل ہوں گا، ابو دلف بے گناہ مارا جائیگا۔ افشین نے آتے ہی دریافت کیا کہ کل حضور نے مجھے اَبُودُلَف کے قتل کرنے کی اجازت دی تھی، آج قاضی ابن ابی دواد یہہ پیغام میرے پاس لیکر گئے ہیں کہ حضور نے مجھے اُس کے قتل کرنے سے منع کر دیا ہے۔ کیا یہہ بات سچ ہے؟ خلیفہ نے کہا: ہاں سچ ہے۔ اِس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں ہے۔ میں نے کل تمھارے اصرار سے اجازت دی تھی؛ مگر میں دیکھتا تھا کہ تم فی الواقع اُسکے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ ہماری سلطنت کا قدیم خیر خواہ ہے؟ اُس نے ہماری حکومت کے قائم رکھنے میں کوشش کی ہے اُس نے بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔ اگر تم اِس بات کو جانتے تھے، تو تم پر لازم تھا کہ اسکی جان بخشی کرتے اور اُسکے ساتھ احسان اور مروت سے پیش آتے؛ مگر افسوس ہے کہ تم نے اِس بات کا مطلق خیال نہیں کیا کہ ابو دلف کا ہمارے نزدیک کیا درجہ ہے اور اُسکے ہلاک ہونے سے ہماری سلطنت کو کسقدر نقصان پہونچیگا۔ تم نے اپنے ناپاک جذبات کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی اور اپنے جوشِ انتقام کی

پیروی کی۔ تم نے اسی پر قناعت نہیں کی، بلکہ
قاضی القضاۃ احمد بن ابی دواد کی بھی توہین کی
اور اس بات کا مطلق لحاظ نہیں رکھا کہ دربار
خلافت میں اُن کا کسقدر اعزاز کیا جاتا ہے
اور تمام ارکان سلطنت اُن کی بات کو کسقدر
مانتے ہیں۔ ہاں بیشک تم سے اسکے سوا کیا توقع
ہوسکتی تھی کہ تم عربوں کے ساتھ دشمنی سے
پیش آؤ، کیونکہ تم عجمی ہو۔ یہہ کہکر خلیفہ نے غصہ سے
مونھہ پھیر لیا اور افشین دل شکستہ اور افسردہ
ہوکر وہاں سے اُٹھہ گیا۔ اُسکے جانے کے بعد خلیفہ نے
مجھ سے پوچھا کہ تم نے میری طرف سے ایسا پیغام
کیوں ادا کیا، جو میری زبان سے نہیں نکلا تھا؟
میں نے کہا: امیر المؤمنین میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی
یہہ بات گوارا نہیں کی کہ ناحق ایک مسلمان کی جان
لی جائے اور اُس کا خون امیر المؤمنین کی گردن پر ہو
اور روز قیامت کو خدا اور رسول کے سامنے
امیر المؤمنین کو اُسکی جوابدہی کرنی پڑے۔ یہہ کہکر
میں نے قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں پڑھنی
شروع کیں۔ خلیفہ نے ہنسکر کہا: بیشک تم کو یہی
کرنا چاہیے تھا۔ میں نے خلیفہ کو دعا دی۔ اور
شکریہ ادا کیا۔ خلیفہ نے حاجب کو طلب کیا اور
اُس سے کہا: تم اسی وقت افشین کے مکان پر
جاؤ اور ابودلف کو خاصہ کے ایک گھوڑے پر
سوار کرکے قاضی ابن ابی دواد کے مکان پر
پہونچا آؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بھی وہاں سے
رخصت ہوا۔ جب اپنے مکان پر پہونچا، تو ابودلف
مجھے دیکھتے ہی اُٹھہ کھڑا ہوا اور سلام کرکے
میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ میں نے کہا: میرا شکریہ
نہیں، تم کو امیر المؤمنین کا شکریہ ادا کرنا چاہیے
اس کے بعد حاجب نے نہایت عزت و احترام
کے ساتھ ابودلف کو اُس کے مکان پر پہونچا دیا

مورخین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے
بعد معتصم نے افشین کو قتل کر ڈالا اور
اُن میں سے بعض کی یہہ رائے ہے کہ اس قتل
کی تحریک خود قاضی احمد بن ابی دواد کی تھی

کہتے ہیں کہ ابودلف خلیفہ معتصم کے
بیٹے شاہزادہ واثق کے مصاحبوں میں
داخل تھا اور مامون کی وفات کے بعد ایک
مدت تک اُس کے جلسوں میں شریک ہوتا رہا
ایک دن خلیفہ کے دربار میں اس بات کا ذکر آیا
کہ ابودلف کو فن موسیقی میں کمال حاصل ہے
خلیفہ نے شہزادہ واثق سے اُس کا حال دریافت کیا
شہزادہ نے کہا کہ کل صبح کو میرا ارادہ صید کا ہے
اور اس تقریب سے ایک جلسہ کیا جائیگا۔ میرے تمام
مصاحب اور احباب اُس جلسہ میں شریک ہونگے
اور ابودلف بھی یقیناً آئیگا۔ اگر امیر المؤمنین بھی
اُس جلسہ میں رونق افروز ہوں، تو علاوہ اسکے
کہ اس میں میری سعادت متصور ہے، ابودلف کی
موسیقی دانی کا حال بھی حضور کو معلوم ہوجائیگا
خلیفہ نے اس بات کو منظور کیا اور دوسرے دن

تسیح کو اُس جلسہ میں شامل ہوا۔ شہزادہ نے ابودلف کو اشارہ کیا کہ اِسوقت امیرالمومنین کی خواہش ہے کہ تم کوئی راگ گا کر سناؤ۔ ابودلف نے جریر کے چند اشعار ایک دلفریب دُھن میں گا کر سنائے۔ خلیفہ معتصم اُسکی خوش الحانی اور موسیقی دانی پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اُس نے فورًا اپنے مصاحبوں اور ندیموں میں اسکو داخل کر لیا۔

قاضی القضاۃ احمد بن ابی دواد اور ابودلف کے درمیان ایک مدت سے دوستی اور محبت تھی اور اُن کو ابودلف کی موسیقی دانی کا حال بالکل معلوم نہ تھا۔ قاضی صاحب موسیقی سے کمال نفرت رکھتے تھے اور اُس کو ایک فعلِ عبث تصور کرتے تھے۔ ایک دن خلیفہ معتصم نے قاضی صاحب سے کہا: تم کو اپنے قدیم دوست ابودلف کا حال بھی کچھ معلوم ہے کہ اُس کو موسیقی کے فن میں کیسی مہارت ہے؟ قاضی صاحب نے ناک بھوں چڑھا کر کہا: امیرالمومنین مجھکو اِس بات پر ہرگز یقین نہیں ہے کہ ابودلف جو ایک دانشمند اور کہن سال آدمی ہے، ایسے فعلِ عبث کا مرتکب ہوگا۔ خلیفہ نے قاضی صاحب کو ایک پردے کے پیچھے کھڑا کر دیا اور ابودلف کو بلوا کر اُسکو گانے کا حکم دیا۔ ابودلف نے طرح طرح کے دلفریب نغمے سنانے شروع کیے اور وہ دیر تک فنِ موسیقی کا کمال دکھاتا رہا۔ قاضی صاحب یکایک پردہ کے پیچھے سے نکل آئے اور ابودلف کو ملامت کرنی شروع کی۔ ابودلف جو قاضی صاحب کا بہت ادب کرتا تھا، نہایت شرمندہ ہوا اور اُسنے کہا کہ آپ مجھکو ناحق ملامت کرتے ہیں۔ میں تو گانے پر مجبور کیا گیا تھا۔ آپ ہی فرمائیے کہ نہ گاتا، تو کیا کرتا۔ قاضی صاحب نے غصہ کے لہجہ میں کہا: یہہ تو مانا کہ تم کو گانے پر مجبور کیا گیا تھا، مگر اِس بات پر کس نے مجبور کیا تھا کہ تم ہر راگ کو فنِ موسیقی کے اصولوں کے موافق ادا کرو۔

ابودلف کی شجاعت اور دلیری کے بہت سے قصے تاریخ کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ ایک معرکہ میں دشمن کی فوج کے دو سوار پہلو سے پہلو ملائے کھڑے تھے۔ ابودلف نے اُن پر حملہ کیا اور برچھے سے ایک ساتھ دونوں کی پشت کو بیندھ ڈالا۔ بکر بن نطاح اِس واقعہ کو اپنے اشعار میں اِس طرح بیان کرتا ہے کہ "لوگ کہتے ہیں کہ ابودلف جنگ کے وقت دو دو سواروں کی پشت کو اپنے برچھے سے ایک ساتھ چھید ڈالتا ہے، تاہم نہیں تھکتا۔ میں نے اُن سے کہا کہ تم اِس بات پر تعجب نکرو۔ اگر اُسکے نیزہ کا طول ایک میل کا ہوتا، تو وہ ایک میل تک سواروں کی قطار چھید ڈالتا۔"

جس زمانہ میں ابودلف اصفہان اور اُسکے

مضافات پر حکومت کرتا تھا، اُسوقت ایک رہزن قرقودہ نامی کی بہت شہرت تھی، جس نے اُس نواح میں ہزاروں قافلوں کو غارت کیا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے ابودلف کا ایک خزانہ بھی لوٹ لیا تھا، جس کو ابودلف کے ملازم اصفہان کی طرف لارہے تھے۔ اس واقعہ کو سنکر ابودلف بہت غضبناک ہوا، مگر قرقودہ کا ٹھکانا معلوم نہیں تھا۔ اسلیے غصہ سے پیچ وتاب کھاکر خاموش ہورہا۔ ایک دن ابودلف شکار کو نکلا اور اتفاقاً اُس جنگل میں جا نکلا، جہاں قرقودہ کا مسکن تھا۔ اُس نے اَبُودُلَف کو پہچانکر اُسپر حملہ کیا۔ ابودلف نے خیال کیا کہ اُس کے آس پاس اور رہزن بھی ضرور ہونگے اور وہ بھی اب آپہونچیں گے۔ اُس نے بلند آواز سے کہا: میرے بہادر جوانو! اب گھات سے نکل پڑو اور قرقودہ کو زندہ وسلامت نہ جانے دو۔ قرقودہ نے اس آواز کو سنکر خیال کیا کہ ابودلف نے میری گرفتاری کے لیے اپنی فوج کو اس جنگل میں چھپا رکھا ہے۔ اُسپر خوف سے لرزہ طاری ہوگیا۔ اور وہ بھاگ نکلا۔ ابودلف نے فوراً اُس کا تعاقب کیا اور نیزہ تان کر اُسکی پشت پر وار کیا۔ نیزہ اُس کی پشت سے پار ہوگیا اور وہ گھوڑے سے گرکر زمیں پر تڑپنے لگا۔

شجاعت سے زیادہ اُسکی سخاوت کے قصے مشہور ہیں۔ علی بن یوسف بیان کرتا ہے کہ میں ایک دن اَبُودُلَف کے پاس بیٹھا ہوا تھا اُسکے ایک نوکر نے آکر کہا کہ دروازہ پر جعیفران[1] کھڑا ہوا ہے اور اندر آنے کی چاہتا ہے۔ ابودلف نے میری طرف خطاب کرکے کہا: میں اس دیوانہ کے ساتھ کیا کروں؟ عقلمندوں کے حقوق تو ہم ادا کرچکے، اب کیا دیوانوں کے حقوق بھی ہماری گردن پر ہیں! میں نے کہا کہ یہ دیوانہ بہت سے عقلمندوں سے بہتر ہے۔ اس کی زبان بہت شیریں ہے اور اسکے اشعار نہایت فصیح ہیں۔ میری رائے میں آپ اس کو اندر آنے سے نہ روکیے۔ آپ کو اُس سے کوئی ایذا نہیں ہوگی۔ اَبُودُلَف نے جعیفران کو اندر بلالیا۔ اُس نے ابودلف کے سامنے اپنے چند اشعار پڑھے، جن کا مضمون یہ تھا کہ "اے زندہ اور گذشتہ لوگوں میں سب پر فضیلت رکھنے والے! میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اُمت محمدی میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جسکی تمام دُنیا ثناخواں ہو؟ اُنھوں نے بالاتفاق کہا کہ ایسا شخص اَبُودُلَف کے سوا کوئی نہیں ہے، جو اپنے نامور اسلاف کا بہترین نمونہ ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر خدا کے سوا دُنیا میں کسی کی پرستش کرنی جائز ہوتی، تو تم ساری دنیا کے

[1] جعیفران اُس زمانہ کا مشہور شاعر تھا۔ اُس نے اہل دنیا کے حالات معلوم کرنے کے لئے اپنے تئیں دیوانہ مشہور کر دیا تھا۔

معبود ہوئے۔ میری دعا ہے کہ تم پر ہمیشہ
خدا کی نعمتیں اور برکتیں نازل ہوں
اور دنیا تمھاری ثروت اور تونگری پر حسد
کرتی رہے"۔ یہہ اشعار سنکر ابودلف نے
جعیفران کو ایک ہزار درم انعام دیا۔
جعیفران نے دس درم اُٹھالیے اور کہا، بس میرے لیے
یہہ کافی ہیں۔ اگر پھر ضرورت ہوگی، تو میں یہاں آکر
لیجاؤں گا۔ ابودلف نے اپنے خزانچی سے کہا، جعیفران
جب تمھارے پاس آئے اور کچھ طلب کرے فوراً
اُس کو دیدیا کرو۔ جعیفران نے چلتے وقت دو شعر
اور پڑھے، جن کا مضمون یہہ ہے کہ "یہہ لوگ جن کو
میں دیکھتا ہوں چند روز میں مرجائینگے اور دنیا کی
ہر چیز ایکدن فنا ہونے والی ہے؛ لیکن خدا کے سوا
اگر دنیا میں کوئی چیز باقی رہتی ہے، تو وہ فیاض آدمی کا
نام ہے"۔

صالح بنو ہاشم کا ایک سیاہ فام غلام تھا۔
اُس کی صورت مکروہ تھی؛ مگر طبیعت موزوں
پائی تھی۔ ایک دفعہ افلاس نے اُس کو بہت
تنگ کیا۔ اُسکی بیوی نے کہا: اب شعر شاعری کا
چرچا تو دنیا میں باقی نہیں رہا۔ اس فن کے ذریعے
تم کچھ کما نہیں سکتے۔ پس میری رائے میں مناسب
یہہ ہے کہ تم تلوار باندھکر شاہی فوج میں داخل
ہوجاؤ اور اس طرح مجھکو اور اپنے تئیں افلاس کی
مصیبت سے بچاؤ۔ اُس نے جواب میں چند اشعار کہے
جن کا مضمون یہہ ہے کہ عجیب بات ہے کہ تو مجھکو
زرہ پہننے اور تلوار باندھنے پر آمادہ کرتی ہے۔
کیا میں اُن لوگوں میں سے ہوں، جو موت کو
کھیل سمجھکر لڑائیوں میں شریک ہوتے ہیں اور
جان دینے پر کمربستہ رہتے ہیں؟ جب موت
دوسروں پر حملہ کرتی ہے، تو مجھکو بہت خوف معلوم
ہوتا ہے۔ یہہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ میں خود موت کے
منھ میں چلا جاؤں؟ تو خیال کرتی ہے کہ میرے
دل میں جنگجو آدمیوں سے مقابلہ کرنے اور بہادروں کو
جنگ میں مغلوب کرنے کا جوش موجود ہے۔ اگر ایسا
دل تو دیکھنا چاہتی ہے، تو وہ میرے پاس نہیں ہے؛
بلکہ امیر ابودلف کے پہلو میں ہے"۔ یہہ اشعار حسن
اتفاق سے ابودلف نے سن پائے اور اُس نے
صالح کو ایک ہزار دینار کا انعام عطا کیا۔

ابودلف نے سنہ ۲۲۵ ہجری میں بغداد میں
وفات پائی۔ علامہ ابن خلکان نے اُس کی تصنیفات
میں سے ذیل کی کتابوں کا نام لیا ہے: (۱) کتاب
البزاۃ والصید۔ اس میں شکار کا اور شکاری
جانوروں کا ذکر ہے۔ (۲) کتاب السلاح: اسمیں
ہتیاروں کے اقسام اور اُنکے استعمال کے
طریقے بیان کیے ہیں (۳) کتاب النزہ: اسمیں
سیر و تفریح کے مضامین ہیں (۴) کتاب سیاسۃ الملوک:
اسمیں بادشاہوں کے طریق انتظام اور طرز حکومت پر
بحث کی گئی ہے۔ (عبدالعلی خاں)

الفاظ جمع کیے گئے ہیں۔ چونکہ اس وقت
وہ کتاب ہمارے سامنے نہیں ہے، اس لیے
ہم دونوں کا مقابلہ کرکے کوئی رائے نہیں دے سکتے،
مگر چونکہ ہر سال اُردو میں انگریزی الفاظ کی کھپت
زیادہ ہوتی جاتی ہے، اِس لیے ہمیشہ اُس
کتاب کو ترجیح دیجائیگی، جو سب سے آخر میں تصنیف
کی گئی ہو۔ علاوہ اِسکے چونکہ اس کتاب کی
ترتیب دینے والے ایک وسیع المعلومات اڈیٹر
اخبار ہیں، ہم کو اِس بات پر پورا اطمینان ہے
کہ یہہ کتاب بہ نسبت دیگر کتابوں کے جو اِسی مضمون
پر آج سے پیشتر لکھی گئی ہوں، زیادہ مفید ہوگی
ہماری رائے میں ہر شخص جو اُردو اخبارات کے
مطالعہ کا شوق رکھتا ہے، اس کتاب کو اپنے پاس
رکھنا ایک ضروری فرض تصور کرے گا۔
ہم کو اُمید ہے کہ اگر اس کتاب کا دوسرا اڈیشن
نکلا، تو اُسمیں اب سے زیادہ الفاظ جمع
کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

یہہ کتاب کارخانہ پیسہ اخبار لاہور سے چھہ آنہ
قیمت پر مل سکتی ہے۔

سیاہ و سفید

یہہ ایک دلچسپ اُردو ناول کا نام ہے،
جو منشی دینا ناتھ صاحب حافظ آبادی کی
تصنیف سے ہے اور جو کارخانہ پیسہ اخبار
لاہور سے حال ہی میں شایع ہوا ہے۔ اِسمیں
نہایت عمدگی کیساتھہ ایک سُراغرساں کی اُس کوشش اور
سرگرمی کی تصویر کھینچی گئی ہے جسکے ذریعہ سے اُس نے
کالے اور گورے آدمیوں کے ایک عجیب و غریب سازش کا سراغ لگایا ہے
اور اُس کا راز افشا کیا ہے۔ سُراغرسانی کے ناول ہمارے ملک میں
آجکل بہت زیادہ مقبول ہوجاتے ہیں۔ پس ہمکو اُمید ہے کہ یہہ ناول
بھی جس کا پلاٹ بہت دلچسپ ہے۔ عام لوگوں میں
بہت مقبول ہوگا۔ اِس کی قیمت چھہ آنے ہے
اور کارخانہ پیسہ اخبار لاہور سے درخواست کرنے پر
مل سکتا ہے۔

حیاتِ جاوید

یعنی

سرسید کی لائف

مصنفہ

مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مدظلہ العالی

جسکا ملک ایک بیتابانہ اشتیاق کیساتھ انتظار کر رہا تھا، نامی پریس کانپور سے نہایت آب و تاب کے ساتھ
چھپکر نکلی اور شایع ہو رہی ہے۔ مولانا نے برسوں کی محنت اور جانکاہی کے بعد اِس بے نظیر کتاب کو مرتب

گیا ہے اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ یہ کتاب اُن کی تمام تصنیفات سے بالاتر اور اعلیٰ درجے کی ہے
اس کے ایک حصہ میں مولانا نے سرسید مرحوم مغفور کے حالاتِ زندگی مفصّل بیان کیے ہیں۔ دوسرے حصہ میں اُن
تمام ریمارکس پر ریویو کیا ہے اور بتایا ہے کہ سرسید کی کامیابی اور ترقی کا راز کیا تھا۔ تیسرے حصے میں (۵) ضروری ضمیمے ہیں،
جن کے بغیر کتاب نامکمل ہوتی۔ سرسید کی سب سے آخری تصویر بھی جو نہایت ہی عمدہ ہے، کتاب کے اوّل میں چسپاں کی گئی ہے
مضامین کتاب کی ایک فہرست بترتیب صفحات اور ایک فہرست بترتیب حروف تہجی دی گئی ہے، جس سے ہر شخص کتاب کے ہر مضمون
آسانی سے نکال سکتا ہے۔ اس کی ضخامت ایک ہزار صفحہ سے زائد ہے۔ قسم اوّل عمدہ جلد ولایتی کی قیمت ۹ روپیہ اور قسم دوم ولایتی کاغذ
قیمت ۷ روپیہ ہے۔ (علی گڈھ میں (مینیجر ڈیوٹی شاپ۔ مدرسۃ العلوم) کے پتہ سے اور دہلی) میں (مولوی سید عبدالعلی
صاحب۔ حویلی میر فضل متصل کوچہ پنڈت) کے پتہ سے درخواست کرنے پر مل سکتی ہے۔ پس جن صاحبوں کو اس
بے مثل کتاب کے خریدنے کی خواہش ہو، وہ مفصلۂ بالا پتوں پر قیمت بھیج کر طلب فرمائیں۔

کتابیں جو دفترِ معارف سے مل سکتی ہیں

(۱) جوشِ مذہبی (مذہبی جوش سے عمدہ کام لینے کی ترکیب)۔ قیمت ۲

(۲) ٹرکش ٹریٹس (ترکوں کے کھانے اور اُنکے تیار کرنیکی ترکیبیں) قیمت ۲

(۳) وبائی ہیضہ میں ہم کو کیا کرنا چاہیئے؟ قیمت ۲

(۴) بہشتِ شدّاد (ایک ترک ناول نویس کی دلچسپ تحریر کا نمونہ
جسکی بنیاد باغِ ارم کے تاریخی قصہ پر رکھی گئی ہے) قیمت ۸

(فیس وی پی و محصولِ ڈاک خریدار کے ذمہ ہے) مینیجر معارف۔ پانی پت

معارف

اڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم

جلد ۴ | ستمبر ۱۹۰۱ء | نمبر ۹

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک للعہ | مقام اشاعت دفتر معارف - پانی پت | قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصول ڈاک ۵؍

ناول

مرقع کرشیا

فاروقی پریس دہلی میں محمد عبد السلام منیجر کے اہتمام سے طبع ہوا

قواعد ضوابط

۱ یہ علمی اور ادبی رسالہ جو بلادِ عثمانیہ کے نامور شرکی رسالوں کے نمونہ پر ہے اور جو "معارف" کے نام سے موسوم ہے، ہر مہینہ کی آخری تاریخ کو (پانی پت) سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں (۳۲) صفحات پر مضامین اور (۸) صفحات پر ایک دلچسپ ناول ہوتا ہے۔

۲ اس رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے اُردو زبان کے علم ادب کا دائرہ وسیع ہو اور اُس میں ہر قسم کے اعلیٰ فلسفی، اخلاقی، مذہبی، مُلکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین لکھے جائیں، مغربی اور مشرقی طرز کی عمدہ اور پاکیزہ نظمیں درج کی جائیں، انگریزی، عربی، اور تُرکی زبانوں کی نایاب کتابوں، اور اخباروں، اور رسالوں سے ہر قسم کے مفید اور دلچسپ اور پاکیزہ مضامین ترجمہ کیے جائیں، تاکہ مسلمانوں میں روشن ضمیری، عمدہ تربیت اور تہذیب کی اشاعت ہو۔

۳ یہ ضرور نہیں کہ ہر پرچے میں ہر قسم کے مضامین شامل ہوا کریں؛ بلکہ ان اقسام کے مضامین یکے بعد دیگرے شایع کیے جاتے ہیں۔

۴ اس میں ملک کے بڑے بڑے نامور جادو نگاروں اور اعلےٰ درجہ کے انشا پردازوں کے مضامین شایع کیے جاتے ہیں۔ جو حضرات کسی مضمون میں اپنا نام درج کرانا نہیں چاہتے، اُن کا نام ظاہر نہیں کیا جاتا۔

۵ اس رسالہ کی قیمت سالانہ مع محصولِ ڈاک عام لوگوں سے ۔ للعہ ؎ ہے، جو پیشگی نقد قیمت بھیجئے، یا وی پی کی درخواست کرنے سے خریداروں کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ نمونہ کے پرچہ کے لیے ۔ ۵ ، ؎ کے ٹکٹ آنے ضرور ہیں۔ اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص، یا انجمن، یا مدرسہ کے لیے کم نہیں ہو سکتی۔ ایسی درخواستوں کا مطلق جواب نہیں دیا جاتا۔ دولتمندوں، یا حکمران طبقہ کے معزز لوگوں سے معمولی قیمت سے اُس قدر زیادہ قیمت لی جائے گی، جسقدر کہ وہ دینا پسند کریں، تاکہ علم و ہنر کی اشاعت میں، اُن کو کسیقدر فیاضی کے اظہار کا موقع مل سکے۔ اس رسالہ کے متعلق تمام خط و کتابت "دفترِ معارف۔ پانی پت" کے پتہ سے مولوی وحید الدین سلیم اڈیٹر معارف کے نام ہونی چاہیئے اور رسالہ کی قیمت بھی انھیں کے نام آنی چاہیئے۔ جواب طلب اُمور کے لیے آدھ آنے کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا ضروری ہے۔

۶ جو بزرگ اِس رسالہ کی خریداری منظور فرمائیں، اُن سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ اپنا نام اور ٹائٹل اور پتہ صاف لفظوں میں تحریر فرمائیں گے۔

۷ حضرات خریدارانِ معارف سے اُمید ہے کہ اپنے پتہ کی تبدیلی سے وقتاً فوقتاً رسالہ کی تاریخ اشاعت سے پہلے دفترِ معارف کو مطلع فرماتے رہیں گے۔

۸ اگر کوئی پرچہ ڈاک میں گم ہو جائے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دینے پر بلا قیمت مل سکتا ہے ورنہ قیمت بھیجکر طلب فرمائیں۔

۹ جو حضرات "معارف" کیلیے مضامین مرحمت فرمائیں، وہ خوشخط اور صاف لکھوا کر بھیجیں، باریک چھوٹے ہوں تاکہ آسانی ہو اور کوئی غلطی نہ ہو

ی وحید الدین سلیم - مقام
دفتر معارف - پانی پت -
اردوں سے قیمت سالانہ
ب ڈاک للعہ ، قیمت فی پرچہ
صول ڈاک ۵ ر

معارف

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص یا انجمن
یا مدرسے کے لیے کم نہیں ہو سکتی

یہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو
شائع ہوتا ہے ۔ اس میں علمی ، فلسفی ،
اخلاقی ، مذہبی ، ملکی ، تمدنی ، تاریخی اور لیٹریری
مضامین نکلتے ہیں ۔ مشرقی اور مغربی طرز کی
نظمیں اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے

قد بھیجیے یا ویلیو پی ایبل کی اجازت دیجیے ۔ نمونہ کے لئے ٹکٹ ارسال کیجیے ، نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھیے
، پر فوراً اطلاع کیجئے ، خط و کتابت یا ارسال زر اڈیٹر کے نام کیجیے ۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجیے

سلد ۴	ستمبر ۱۹۰۱ ء	نمبر ۹

...ولی کی حق گوئی و حق پسندی

...گرچہ وحشیانہ آزادی وبیباکی عرب عربا ، کی طبیعتوں میں
...ے متوارث چلی آتی تھی ، مگر اسلام کی تعلیم سے ،
...ال کہ خود مختار سلطنتوں کے سیلاب نے اُس کو گرلا
...ندر نہیں کیا ، اُن کی یہ جبلی خصلت تہذیب شائستگی کے
...ے آراستہ ہو گئی تھی اور آزادی کا جو ہر
...ولی و حق پسندی کے قالب میں ڈھل گیا تھا یہی
...ی کہ خلفا کی غلطیوں پر گرفت کی جاتی تھی اور وہ معقول
...ض سنکر خاموش ہو جاتے تھے ۔ عمر فاروق پر
...وئی اعتراض کرتا تھا اور کہتا تھا کہ " اے عمر !
...سے ڈر " تو وہ اُس کا شکریہ ادا کرتے تھے اور
...تھے " خدا اُس کا بھلا کرے ، جس نے ہمارے عیب سے
...واگاہ کیا ۔" ایک دفعہ اُنھوں نے ایک ستر آدمی کو جبکہ
...اپنے گھر کے اندر شراب و نغمہ میں مشغول تھا ، جا پکڑا
...اس کو سخت نفریں کی ۔ اُس نے کہا " اے

امیرالمؤمنین ! تیری حرکت اس سے بھی زیادہ قابل نفرین ہے
تو نے تجسس کیا ، حالانکہ خدا تجسس کرنے سے منع کرتا ہے ،
پھر تو گھر میں بغیر اذن کے چلا آیا ، حالانکہ خدا نے
اسکی ممانعت کی ہے ۔ عمر فاروق نے کہا " بیشک
تو سچ کہتا ہے " اور وہاں سے نہایت ندامت اور افسوس
کیساتھ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے کہ " ثَكِلَتْ عُمَرَ اُمُّهُ اِنْ
لَمْ يَغْفِرْ لَهُ ذَنْبَهُ " یعنی عمر کی ماں اُس کو روئیو ، اگر خدا
اُس کا قصور معاف نہ کرے ۔

قرونِ اولیٰ کی تاریخ میں اِس قسم کی مثالیں شمار
واحصار سے خارج ہیں اور جس طرح مردوں کی آزادی و
حق گوئی کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں ، اسی طرح عورتوں کی بھی
ایسی مثالوں کی کچھ کمی نہیں ہے ۔ یہاں ہم کتاب
عقد الفرید سے چند حکایتیں اُن عورتوں کی نقل کرتے ہیں
جو جنگِ صفین میں بنی ہاشم کی طرفدار تھیں اور
عین جنگ کے موقع پر اہلِ شام کے برخلاف نہایت
جوش و خروش کے ساتھ خطبہ پڑھتی تھیں اور جنگ کے

خاتمہ کے بعد جب امیر معاویہ سے اُن کی گفتگو ہوئی، تو اُنھوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے دلی خیالات ظاہر کیے اور جس بات کو وہ اپنے نزدیک حق جانتی تھیں، اُسکے ظاہر کرنے سے امیر شام کا رعب وداب اُن کو مانع نہیں آیا۔

از انجملہ شعبی سے روایت ہے کہ بنی ھلال کی ایک عورت بکارہ نام نے امیر معاویہ کے روبرو جبکہ وہ مدینہ میں تھے حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ اُسکو اجازت دی گئی۔ بکارہ اُسوقت معمر ہو گئی تھی اُسکی بینائی میں فرق آگیا تھا، قویٰ ضعیف ہو گئے تھے اور بدن میں رعشہ تھا۔ دو خادم اُسکو تھام کر امیر کے سامنے لائے۔ بکارہ نے سلام کیا اور بیٹھ گئی۔ امیر نے سلام کا جواب دیا اور مزاج پوچھا اور کہا: افسوس ہے کہ زمانہ نے تمھارا حال دگرگوں کر دیا۔ بکارہ نے کہا: بیشک، اُسکی گردشیں ایسی ہی ہیں۔

مروان نے بطور سعایت کے کہا: اے امیر المومنین! تم نے اُس کا کلام بھی سُنا ہے؟ وہ کہتی ہے:

انری ابن ھند للخلافۃ مالکا
ھیھات ذاک وان اراد بعید
ملتک نفسک فی الخلاء ضلالۃ
اغراک عمرو للشقا وسعید

یعنی کیا ہم ابن ھند (یعنی معاویہ) کو خلافت کا مالک سمجھیں؟ یہ دور از قیاس ہے اور اگر وہ ایسا چاہے، تو اُسکے مرتبہ سے بالاتر ہے (اے معاویہ) تیرے نفس نے گمراہی سے یہ آرزو تیرے دل میں ڈالی ہے اور عمرو ابن العاص اور سعید ابن العاص نے تجھکو بدبختی کے لیے ورغلایا ہے۔

جب مروان یہ اشعار پڑھ چکا، تو سعید ابن العاص نے کہا: اس نے یہ اشعار بھی کہے ہیں:

قد کنت اطمع ان اموت ولا اری
فوق المنابر من امیۃ خاطبا
فاللہ اخر مدتی فتطاولت
حتی رأیت من الزمان عجائبا
فی کل یوم للزمان خطیبھم
بین الجمیع لآل احمد عائبا

یعنی میری آرزو تھی کہ میں مرجاؤں اور بنی اُمیہ میں سے کسیکو منبر پر خطبہ پڑھتا نہ دیکھوں؛ مگر خدا نے میری رسی دراز کردی، یہانتک کہ زمانہ کے عجیب عجیب کرشمے میری نظر سے گذرے اور میں برابر اُن کے خطیبوں سے علی الاعلان آلِ احمد کی بُرائیاں سُنتی رہی۔

مروان وغیرہ جب یہ چھیڑ کرنے کے بعد خاموش ہوگئے بکارہ بولی: اے معاویہ! بے شک یہ میرا کلام ہے، جو اُنھوں نے اِسوقت پڑھا اور جو ابھی تجھپر ظاہر نہیں کیا وہ اِس سے بہت زیادہ ہے۔ امیر کو یہ سُنکر ہنسی آگئی اور کہا: یہ امر تمھاری حاجت برآری کرنے سے مجھکو مانع نہیں آسکتا۔ تم اپنی حاجت بیان کرو۔ اُس غیرت مند عورت نے کہا: بس اب اِس بے لطفی کے بعد ایسا نہیں ہوسکتا اور وہاں سے اُٹھکر چلی گئی۔

از انجملہ شعبی نے بنی امیہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے کہ ایک دن رات کو جبکہ امیر کے پاس عمرو، سعید، عتبہ، اور ولید موجود تھے، عدی ابن

یس ہمدانی کی بیٹی ذرقاء کا ذکر چلا، جو اپنی قوم کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھی۔ امیر نے کہا: تم میں سے کسیکو اُس کا کلام یاد ہے؟ اُن میں سے بعض نے کہا: ہاں اے امیرالمؤمنین! ہمکو یاد ہے۔ امیر نے کہا مجھکو مشورہ دو کہ اُسکے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ بعضوں نے کہا کہ اُسکو قتل کرا دیا جائے۔ امیر نے کہا تم نے بہت بُرا مشورہ دیا۔ کیا مجھکو زیبا ہے کہ میں اپنی نسبت لوگوں سے یہ کہلواؤں کہ ایک عورت کو، جبکہ وہ قابو میں آگئی، قتل کروا ڈالا۔

اِسکے بعد امیر نے کوفہ کے عامل کو لکھا کہ ذرقاء کو اُسکے چند معتمد محرموں اور قبیلہ کے سرداروں کے ہمراہ عمدہ ساز و سامان کے ساتھ اور معقول سفر خرچ دیکر اِس طرف روانہ کردو۔ عامل نے ذرقاء کو طلب کیا اور امیر کا خط پڑھوا دیا۔ ذرقاء نے کہا: اگر امیر نے میرا وہاں جانا میری مرضی پر رکھا ہے تو میں جانا نہیں چاہتی اور اگر حکم ہے، تو بہرحال جانا پڑے گا۔ فرماں برداری ضرور ہے۔ آخر عامل نے جیسا کہ اُسکو حکم تھا بہت تزک و احتشام کیساتھ اُس کو روانہ کیا۔

جب وہ معاویہ کے پاس پہونچی، تو اُسکو بہت خاطرداری اور اعزاز کے ساتھ لیا اور پوچھا کہ سفر کسطرح طے ہوا؟ کہا: جس طرح لڑکی ماں کی گود میں پرورش پاتی ہے، یا بچہ گہوارہ میں سوتا ہے۔ امیر نے کہا: ہم نے اِسی طرح عامل کو ہدایت کی تھی۔ پھر ذرقاء سے پوچھا: تم کو معلوم ہے کہ تم کیوں بلائی گئی ہو؟ کہا: جو راز مجھپر ظاہر نہیں کیا گیا، اُسکو میں کیونکر جان سکتی ہوں۔

امیر نے کہا: اے ذرقاء! کیا تو سرخ اونٹ پہ سوار جنگ صفین کے مجمع میں موجود نہ تھی اور کیا تو اپنے خطبوں سے آتش حرب کو نہیں بھڑکا رہی تھی اور لوگوں کو مقابلہ پر برانگیختہ نہیں کر رہی تھی؟ آخر اِس جوش کا کیا سبب تھا؟ ذرقاء نے کہا: اے امیرالمؤمنین! سر مر چکا اور دُم کٹ چکی[1] اور جو جانا تھا جا چکا۔ زمانہ پلٹیاں کھانے والا ہے اور حوادث و واقعات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

امیر نے کہا: اے ذرقاء تجھکو اپنا اُس دن کا خطبہ یاد ہے؟ اُسنے کہا: لا واللہ مجھکو بالکل یاد نہیں رہا۔ امیر نے کہا تجھکو نہیں، تو مجھکو یاد ہے۔ تیری اُس تقریر کا کیا کہنا ہے، جو تو اُس وقت کہہ رہی تھی کہ "لوگو باز آؤ اور پلٹ جاؤ۔ تم اُس فتنہ میں پڑ گئے ہو، جس نے تیرہ ظلمت کے پردے ڈال دیئے ہیں اور تم کو راہ راست سے برگشتہ کر دیا ہے۔ یہ کیسا اندھا اور بہرا اور گونگا فتنہ ہے کہ نہ ہانکنے والی کی ہانک سنتا ہے اور نہ کھینچنے والے کی مرضی پر چلتا ہے۔ دیکھو! چراغ آفتاب کے سامنے روشن نہیں ہوتا اور ستارے چاند کے سامنے ماند رہتے ہیں اور لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے۔ دیکھو! جو ہم سے راہ پوچھیگا ہم اُسکو راہ بتائیں گے اور جو ہم سے سوال کریگا، ہم اُس کو جواب دینگے۔ لوگو! حق اپنی کھوئی ہوئی چیز کو ڈھونڈ رہا تھا، سو وہ اُس کو مل گئی ہے۔ پس اے مہاجرین! تم دقت پر صبر کرو، تفرقہ کا رخنہ بند ہو گیا ہے اور کلمۂ حق پر سب متفق ہو گئے ہیں اور سچائی نے ظالموں کا سر توڑ دیا ہے۔ یاد رکھو! عورتوں کی آرایش مہندی سے ہے اور مردوں کی خون سے"

[1] عربی کی یہ مثل کہ "ہمات الراس و بتر الذنب" ایسے موقع پر بولی جاتی ہے، جیسے ہم کہتے ہیں، "گزشتہ را صلوات" یا "الماضی لایذکر"

غرضکہ جسقدر امیر کو اُسکے فقرے یاد تھے، پڑھکر کہا: اے ذرقاء! جو خون علی نے بہائے، اُن میں تو بھی شریک تھی؟ ذرقاء نے کہا: خدا تیرا بھلا کرے اور تجھے سلامت رکھے، تو نے ایک مژدہ سنا کر اپنی جلیس کو (یعنی مجھکو) خوش کر دیا۔ امیر نے کہا: کیا اس بات سے کہ سنکر دما میں تو علی کے ساتھ شریک تھی تجھکو خوشی ہوئی؟ کہا: بے شک اور اب تجھکو میرے خیالات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔ امیر یہ سنکر ہنسا اور کہا: واللہ علی کے ساتھ تمھاری وفاداری اُسکی وفات کے بعد زیادہ عجیب ہے، ما بہ نسبت اُس محبت وولا رکے، جو اُسکی زندگی میں تم اُسکے ساتھ رکھتے تھے۔ اے ذرقاء! اب تو اپنی حاجت بیان کر۔ میں اُسکو پورا کروں گا۔ ذرقاء نے کہا: میں نے قسم کھائی ہے کہ جنکے برخلاف میں نے کوشش کی ہے، اُن سے کبھی کچھ سوال نکرونگی۔ ہاں اگر تو بغیر طلب اور خواہش کے کچھ دے تو تجھکو اختیار ہے۔ امیر نے کہا ٹھیک ہے اور اُس کو اور اُسکے ہمراہیوں کو انعام واکرام وخلعت دیکر رخصت کیا۔

سعید ابن حذافہ سے منقول ہے کہ مروان نے جبکہ مدینہ کی ولایت اُسکے نامزد تھی، ایک لڑکے کو کسی قصور پر قید کر دیا۔ جب اُسکے گھر خبر پہونچی، تو اُسکی دادی اُمّ سنان بنت جشمہ، مروان کے پاس گئی اور اپنے پوتے کے باب میں کچھ گفتگو کی۔ مروان نے نہایت سخت جواب دیا۔ وہ جواب سنکر سیدھی امیر معاویہ کے دربار میں پہونچی اور اپنا حسب نسب بیان کیا۔ امیر نے اُس کو پہچان لیا اور کہا: اے بنت جشمہ! بہت اچھا ہوا کہ تو آئی! مگر یہاں قدم رنجہ کرنے کا کیا باعث ہوا؟ مجھکو خوب معلوم ہے کہ تو ہم پر تبرا کرتی تھی اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے مقابلہ میں برانگیختہ کرتی تھی۔ اُمّ سنان نے کہا: سن اے معاویہ! عبد مناف کی اولاد کو اخلاق پاکیزہ اور حلم وسیع دیا گیا ہے۔ وہ واقف ہو کر انجان نہیں بنتے اور حلم اختیار کرکے سفاہت اختیار نہیں کرتے۔ اور عفو کے بعد انتقام نہیں لیتے اور سب سے زیادہ اپنے اسلاف کے قدم بقدم چلنا تجھکو سزاوار ہے۔ امیر نے کہا: ہاں بیشک ہم ایسے ہی ہیں۔ اسکے بعد امیر نے اُمّ سنان کے چند اشعار پڑھے، جن میں علی مرتضےٰ کی مدح وثنا اور اُن کے مخالفین پر تعریض کی گئی تھی۔ اُمّ سنان نے اقرار کیا کہ بے شک یہ اشعار میرے ہیں، مگر میں اُمید کرتی ہوں کہ تو ہمارے لیے (علی مرتضیٰ کے بعد) اچھا جانشین ہوگا۔

امیر کے ایک جلیس نے اُمّ سنان کے کچھ اور اشعار پڑھے، جن سے امیر کی طبیعت پر اُسکی نسبت بُرا اثر ہو۔ اُمّ سنان نے کہا: اے امیر المؤمنین! مسلمانوں کے دل میں تیری دشمنی پیدا ہونیکے یہی لوگ باعث ہیں۔ اِن کی باتوں کو حقیر جان اور اِن کو اپنا مقرب نہ بنا۔ اگر تو ایسا کریگا، تو خدا کا قرب اور مسلمانوں کی محبت تیرے ساتھ زیادہ ہوگی۔ تو ہماری رائے اور ہمارے دلی خیالات سے واقف ہے۔ واللہ کہ علی کو ہم تجھسے زیادہ محبوب رکھتے تھے، لیکن تجھکو بھی اور لوگوں سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ امیر نے پوچھا

کن سے ؟ کہا: مروان بن الحکم اور سعید بن العاص سے ۔ امیر نے پوچھا: میں اس محبت کا مستحق تیرے نزدیک کیونکر ہوا؟ کہا: اپنی وسعتِ حلم اور عفو و درگذر کے سبب سے۔

امیر نے پوچھا یہاں کیونکر آنا ہوا؟ کہا مروان نے مدینہ میں ایسے قدم جمائے ہیں کہ گویا کبھی وہاں سے نہ نکلے گا۔ نہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کرتا ہے اور نہ شریعت کے موافق فیصلہ کرتا ہے۔ مسلمانوں کی لغزشیں ڈھونڈھتا رہتا ہے اور انکے پردے فاش کرتا ہے چنانچہ ابھی اس نے میرے پوتے کو قید کیا ہے۔ میں انکے پاس گئی تھی۔ اس نے کہا: تو نے ایسا کیا اور تو نے ویسا کیا۔ (یعنی بنی امیہ کے برخلاف کارروائیاں کیں) میں نے بھی اس کو پتھر سے زیادہ کرخت اور حنظل سے زیادہ کڑوے جواب دیے اور اپنے تئیں ملامت کی اور دل میں کہا کہ میں کیوں نہ اپنا معاملہ اُس شخص کے پاس لیجاؤں جس سے بہ نسبت مروان کے زیادہ عفو و درگذر کی امید ہے پس میں تیرے پاس آئی ہوں، تاکہ تو میرے معاملہ میں غور کرے۔ امیر نے کہا تو سچ کہتی ہے میں تجھ سے تیرے پوتے کی صفائی کی نسبت کچھ پوچھنا نہیں چاہتا اور کاتب کو اشارہ کیا کہ رہائی کا حکم لکھکر اس عورت کو دیدو اور پانچہزار درہم زادِ راہ کے لیے اور اونٹ سواری کے لیے اُسکو دیکر رخصت کیا۔

از انجملہ ابوبکر ہذلی نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ اطرش ابن رواحہ کی بیٹی اپنے عصا کے سہارے امیر معاویہ کے دربار میں آئی اور یہ کہکر کہ السلام علیک یا امیر المؤمنین! بیٹھ گئی۔ امیر نے کہا: اے عکرشہ! کیا میں اب تیرے نزدیک امیر المؤمنین ہو گیا؟ عکرشہ نے کہا: ہاں؛ کیونکہ اب علی زندہ نہیں ہے۔ اسکے بعد امیر نے کہا: کیا تو تلوار حمائل کیے صفین میں یہ خطبہ نہیں پڑھ رہی تھی اور چند فقرے جو اُسکے خطبہ میں سے یاد رہ گئے تھے، پڑھے، جن میں یہ الفاظ بھی شامل تھے کہ "اے مہاجرین و انصار! معاویہ نا سمجھ عربوں کو، جو نہ ایمان کو جانتے ہیں، نہ شریعت کو سمجھتے ہیں، ساتھ لیکر تم سے لڑنے کو آیا ہے۔ اُن کو دنیا کا لالچ دیا ہے۔ سو وہ لالچ میں آگئے ہیں اور اُن کو باطل کیطرف بلایا ہے، سو وہ اُسکی طرف دوڑ پڑے ہیں" پھر امیر نے کہا: میں اُسوقت تجھکو دیکھ رہا تھا کہ تو گویا اسی عصا کے سہارے سے کھڑی تھی اور دونوں لشکر بالاتفاق کہہ رہے تھے کہ یہ اطرش بن رواحہ کی بیٹی عکرشہ ہے۔ اُسوقت اگر تیرے اختیار میں ہوتا، تو تو اہلِ شام کا قتل و قمع کر ڈالتی! مگر جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہی ظہور میں آتا ہے۔ آخر اس جوش کا کیا سبب تھا؟ عکرشہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! صدقات میں ہمارا حق تھا، جو کہ ہمارے متمولوں سے لیے جاتے تھے اور ہمارے بے مقدوروں پر تقسیم کیے جاتے تھے سو یہ حق ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔ نہ ہمارے شکستہ حالوں کی خبر لیجاتی تھی اور نہ ہمارے محتاجوں کی دستگیری کی جاتی تھی۔ بس اگر یہ تیری رائے سے ہوا تھا، تو تجھکو غفلت سے ہوشیار ہونا اور اپنی رائے کی رجوع کرنا چاہیے تھا۔ اور اگر تیری رائے کے خلاف تھا تو تجھکو زیبا نہیں تھا کہ خائنوں سے مدد لے اور ظالموں کو کام سپرد کرے۔ امیر نے کہا: اے عکرشہ! ہمکو رعیت کے معاملات میں ایسے امور پیش آجاتے ہیں جنکی رعک تھام کرنا او مشکل ہو جاتا ہے۔ عکرشہ نے کہا بخدا

ہمارے لیے کوئی حق ایسا مقرر نہیں کیا، جسمیں دوسرے کا ضرر ہو۔ آخر امیر نے اُسکی خواہش کے موافق حکم دیدیا۔

ازانجملہ ابو سہل تمیمی سے روایت ہو کہ معاویہ ابن ابی سفیان نے موسم حج میں بنی کنانہ کی ایک عورت کا حال پوچھا، جو حجونیہ میں آکر اُتر اکرتی تھی اور جسکو حجونیہ کہتے تھے اور جو نہایت سیہ فام اور فربہ تھی۔ لوگوں نے کہا: وہ موجود ہے۔ امیر نے اُس کو بُلا بھیجا اور جب وہ آئی تو اُس سے پوچھا: اے دارمیّہ! تو جانتی ہے کہ تجھکو کیوں بُلایا گیا ہے؟ اُس نے کہا: غیب کا علم تو خدا ہی کو ہے۔ امیر نے کہا: میں نے تجھے یہ پوچھنے کو بُلایا ہے کہ تو کس لیے علی سے محبت اور مجھ سے بغض رکھتی تھی؟ اُس نے کہا: تو مجھکو معاف کرے گا؟ امیر نے کہا: نہیں۔ اُس نے کہا: اگر تو نے معافی سے انکار کیا ہے، تو سُن! میں علی کو اسلیے دوست رکھتی تھی کہ وہ رعیّت کے ساتھ انصاف کرتا تھا، سب کو استحقاق کے موافق حقوق دیتا تھا، مسکینوں سے محبت رکھتا تھا اور دینداروں کی تعظیم کرتا تھا اور تجھ سے اِسلیے بغض رکھتی تھی کہ تو اپنے سے افضل کے ساتھ لڑا اور جس کا تو مستحق نہ تھا، اُس حق کا طالب ہوا۔ تو نے خونریزی کرائی، فیصلوں میں ناانصافی کی اور ہوائے نفس کے موافق حکومت کی۔

امیر نے کہا: اے نیکبخت! تو نے علی کو دیکھا بھی ہے؟ کہا: کیوں نہیں۔ امیر نے کہا: تو نے اُسکو کیسا پایا؟ کہا: واللہ اُسکو تیری طرح حکومت نے فتنہ میں نہیں ڈالا اور دولت نے تیری طرح اُسکو غافل نہیں کیا۔ امیر نے پوچھا: تو نے اُس کا کلام بھی سُنا ہے؟ کہا: کیوں نہیں۔ اُس کا کلام تاریکی سے دلوں کو اِس طرح جلا کرتا تھا، جیسے کہ تیل برتن کا زنگ چھُٹا دیتا ہے۔ امیر نے کہا: بیشک تو سچ کہتی ہے۔ اگر تجھکو کوئی حاجت ہو تو بیان کر۔ اُس نے کہا: کیا تو اُسکو پورا کریگا؟ امیر نے کہا: ضرور۔ اُس نے کہا: مجھکو سو اونٹنیاں سُرخ رنگ کی دے، جنکے ساتھ اُن کا ساربان بھی ہو۔ امیر نے کہا: اگر میں یہ اونٹنیاں تجھکو دوں، تو کیا میری جگہ تیرے دل میں علی کے برابر ہوگی یا نہیں؟ دارمیّہ نے کہا: سبحان اللہ!! کیا اُسکے سوا دوسرے شخص کی جگہ!! امیر نے اُسکے جواب میں یہ دو شعر پڑھے:

اذا لم اعد بالحلم منی علیکم
فمن ذا الذی بعدی یؤمل للحلم
خذیها هنیئاً واذکری فعل ماجد
جزاک علی حرب العداوة بالسلم

یعنی اگر میں تمہارے ساتھ فراخ حوصلگی سے پیش نہ آؤں، تو پھر میرے بعد کون ہے، جس سے اُسکی امید کیجائے؟ لے! یہ اونٹنیاں تجھکو مبارک ہوں اور یاد رکھ اُس شخص کو، جس نے تیرے ساتھ عداوت کی لڑائی کا معاوضہ صلح کیساتھ کیا ہے۔ اِسکے بعد امیر نے کہا: واللہ اگر علی زندہ ہوتا، تو اِن میں سے ایک اونٹنی بھی تجھکو نہ دیتا۔ وہ بولی: واللہ اونٹنی تو اونٹنی، وہ ایک بلی کا بچہ بھی مسلمانوں کے مال سے دینے والا نہ تھا۔

ازانجملہ شعبی سے روایت ہے کہ معاویہ نے کوفے کے والی کو لکھا کہ ام الخیر بنت حریش ابن سراقہ کو سوار کرا کے عزت و احترام کے ساتھ ہمارے پاس بھیجدے۔ والی نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور ام الخیر بہت آرام کے ساتھ

معاویہ کے پاس پہونچی۔ معاویہ نے اُسکو اپنے محل میں اُتارا اور چوتھے روز، جبکہ جلیس و مصاحب جمع تھے، اُسکو بات چیت کے لیے بُلایا۔ ام الخیر نے کہا: السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امیر نے سلام کا جواب دیا اور تعریضاً اِس بات کا شکریہ ادا کیا کہ تونے مجھے امیر المومنین کے لفظ سے یاد کیا۔ ام الخیر نے کہا: اے امیر المومنین! لکل اجل کتاب یعنی ہر چیز کی مدت معین ہے۔ امیر نے کہا: سچ ہے۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے پوچھا کہ عمار یاسر کے قتل کیوقت تو نے کیا خطبہ پڑھا تھا؟ کہا: نہ میں نے اُس کو پہلے سے بنایا تھا اور نہ اُس موقع کے بعد کسیکو سنایا یہی چند جملے تھے، جو صدمہ کے سبب ٹپک پڑے تھے؛ لیکن اگر اُسکے سوا تو کوئی اور کلام سُننا چاہے تو میں سُناؤں۔ امیر یہ سُنکر مصاحبوں کی طرف ملتفت ہوا اور پوچھا: تم میں سے کسیکو اس کا وہ کلام یاد ہے؟ ایک نے اُن میں سے کہا: اے امیر المومنین! مجھکو کچھ کچھ اُس میں سے یاد ہے اور اُس نے اُس بلیغ خطبے کے چند فقرے امیر کے سامنے پڑھے، جنہیں لوگوں کو علی مرتضٰے کے فضائل و مناقب کا ذکر کرکے اُن کا ساتھ دینے اور اہل شام سے لڑنے کی ترغیب نہایت پُرزور الفاظ میں دی گئی تھی۔ امیر نے اُن فقروں کو سُنکر ام الخیر سے کہا: ظاہر ہے کہ اِس کلام سے تیرا مطلب میرے قتل کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ پس اگر میں تجھکو قتل کرا دوں، تو اِسمیں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔ ام الخیر نے کہا: واللہ مجھکو ہرگز شاق نہیں کہ میرا قتل اُس شخص کے ہاتھ سے ظہور میں آئے، جسکی شقاوت سے میری سعادت متصور ہے۔ امیر نے کہا: اے فضول گو! عثمان بن عفان کے باب میں تو کیا کہتی ہو؟ ام الخیر نے کہا: لوگوں نے جب اُسکو خلیفہ کیا، تو اُس سے راضی تھے اور جب اُسکو قتل کیا، تو اُس سے ناراض تھے۔ امیر نے کہا: اے ام الخیر! مدح ایسی ہی ہوتی ہے؟ وہ بولی: خدا اُسکا گواہ ہے اور اُسکی گواہی کافی ہے۔ میرا مطلب اِس سے عثمان کی تنقیص نہیں ہے، بلکہ وہ سابقین اولین میں سے تھا اور بیشک آخرت میں اُس کا درجہ بلند ہوگا۔ امیر نے کہا: اچھا زبیر کے باب میں تو کیا کہتی ہے؟ کہا: بھلا میں رسول اللہ صلعم کی پھپھی کے بیٹے اور آنکے حواری کے حق میں کیا کہہ سکتی ہوں جسکی نسبت رسول مقبول نے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے۔

اسکے بعد ام الخیر نے کہا: اے معاویہ! تو قریش میں احلم الناس مشہور ہے۔ میں تجھکو خدا کی قسم دیتی ہوں کہ مجھے اِن سوالات سے معذور رکھ اور اِن کے سوا اور جو تیرا جی چاہے، سو پوچھ۔ امیر نے سوالات موقوف کیے اور اُس کو معقول رخصتانہ دیکر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

مذکورۂ بالا حکایتوں سے قطع نظر اِس کے کہ قرون اولے کی عورتوں کی راستبازی اور حق گوئی کما حقہ ثابت ہوتی ہے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگ کے معرکوں میں شریک ہوتی تھیں، اپنے جتھوں کا ساتھ دیتی تھیں، فریق مخالف کے برخلاف لوگوں کو اُکسانے کے لیے نہایت فصیح و بلیغ اور پُرزور خطبے خود انشا کرکے پڑھتی تھیں، خلیفہ کے دربار میں بے حجابانہ حاضر ہوتی تھیں اور بھرے مجمع میں آزادانہ اور بیباکانہ گفتگو کرتی تھیں اور سب سے بڑھکر اِن حکایتوں سے امیر معاویہ کا تحمل

اور فراخ حوصلگی کا ثبوت ملتا ہے کہ باوجود ہر طرح کے اقتدار اور اختیار کے رعیت کے ضعیف ترین فرد کی ایسی تلخ اور ناگوار باتیں برداشت کی جاتی تھیں اور اعیانِ دربار کے سامنے اُن کو اپنے اوپر اعتراض اور خردہ گیری کرنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ امیر کا یہ قول مشہور ہے کہ النساء یغلبن الکرام و یغلبھن اللئام یعنی عورتیں شریفوں پر غالب اور کمینوں سے مغلوب رہتی ہیں اور اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ امیر کا اغماض اور تحمل شاید عورتوں کے ساتھ مخصوص ہو، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ امیر کا یہ برتاؤ عورتوں اور مردوں کے ساتھ برابر تھا۔ چنانچہ ابو عمر نے ھمدان کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ معاویہ نے ضرار الصدی سے کہا کہ میرے سامنے علی کے کچھ اوصاف بیان کر۔ اُس نے جناب مرتضوی کے عدل و انصاف، علم و حکمت، دنیا سے نفرت، شب بیداری، اشکباری، ذکر و فکر، قناعت، مسکینوں پر شفقت، اہلِ دین کی تعظیم، قوی اور کمزور کے ساتھ یکساں برتاؤ اور اسی قسم کی بہت سی خصلتیں بیان کیں۔ معاویہ پر اس ذکر سے رقت طاری ہو گئی اور کہا: ابوالحسن پر خدا کی رحمت ہو۔ واللہ وہ ایسا ہی تھا۔ پھر ضرار سے پوچھا کہ تجھ پر اُسکے غم میں کیا گذرتی ہے؟ ضرار نے کہا جو اُس عورت پر گذرتی ہے، جس کا اکلوتا بیٹا اُس کی گود میں ذبح کیا گیا ہو۔

ظاہر ہے کہ امیر معاویہ کا جو معاملہ جناب مرتضوی کے ساتھ رہا تھا اُسکو ہر شخص خوب جانتا تھا۔ باوجود اسکے لوگ آپکے فضائل و مناقب بے دھڑک امیر کے سامنے بیان کرتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُسوقت تک اسلام کی تعلیم کا اثر جو اُس نے عرب جو بار کی آزاد طبیعتوں پر کیا تھا، زائل نہوا تھا اور وہ باوجود ہر طرح کی قدرت اور مکنت کے حق کی تلخ اور ناگوار باتیں، جو اُن کی طبیعت اور مرضی کے خلاف کہی جاتی تھیں، گوارا کرتے تھے۔ اگرچہ خلافتِ راشدہ کے تیس برس جنکی رسول مقبول نے پیشین گوئی فرمائی تھی گذر چکے تھے اور ملکِ عضوض کا دور دورہ شروع ہو گیا تھا، مگر آزادی جو عرب کی خاک کا اصلی جوہر تھا اور اسلام کی تعلیم نے اُس کو جلا دی تھی، اُس میں ابھی تک کچھ فرق نہیں آیا تھا۔

مذکورۂ بالا حکایتوں کا مضمون ہم نے بطور خلاصہ بیان کیا ہے، خصوصاً اُن خطبوں میں سے جو صفین میں امیر معاویہ کے برخلاف پڑھے گئے، صرف معدودے چند جملوں کا ترجمہ کیا گیا ہے اور بعض حکایتیں جو صاحب عقد الفرید نے اسی باب میں عورتوں کے متعلق نقل کی ہیں بالکل چھوڑ دی گئی ہیں، اور نہ نتائج مذکورۂ الصدر کے سوا اور بھی بہت سے نتیجے اِن حکایتوں سے استخراج ہو سکتے تھے، مگر بخوفِ تطویل صرف اسی خلاصہ پر اکتفا کیا گیا۔

(الطاف حسین حالی)

آج اور کل

(۱)

تقدیر اگر ہو مسکراتی	رستے میں پھول ہو بچھاتی
چُننے ہوں وہ پھول تو یہ چُننا	بس آج ہی پھول تم وہ چُننا

(۲)

پر ہمت اگر نہ کچھ بڑھی ہو	قسمت کی تیوری چڑھی ہو
گر رنج ہو اس کا اے برادر	کل پر رکھنا یہ رنج، کل پر

(۳)

آج اپنی خطائیں مانتے گر | کل ظلم جو کر رہے تھے ہم پر
کافی ہے ندامت اُن کو کافی | دینا اُنھیں آج ہی معافی

(۴)

پُرغم ہے جو صبح و شام تم کو | لینا ہے گر انتقام تم کو
دینی ہے سزا حریف کو گر | رکھنا موقوف اسکو کل پر

(۵)

قرضہ دینا ہے گر کسیکا | وعدہ کل کا ہو اُس سے ٹھہرا
کل کا نہ زباں سے لفظ کہنا | آج اُسکو ادا ہی کرکے رہنا

(۶)

ہو قرض کسی پہ گر تمھارا | بازی قسمت کی ہو وہ ہارا
کل کا کرو آج گر بہانا | بات اُسکی کل ہی آزمانا

(۷)

توبہ کرنی ہو گر بدی سے | شیطاں ہر چند دانت پیسے
کچھ لیت و لعل نہ آج میں کرنا | ہاں آج ہی توبہ کر گذرنا

(۸)

ترغیب بدی کی دے کوئی گر | دل شوقِ گناہ میں ہو مضطر
"کل تک ٹھیرو" یہ دل کو کہنا | قائم اسی کل پہ روز رہنا

(۹)

سنتے ہو عزیز نکتہ پرور! | ہر کام کا وقت ہے مقرر
کیوں آج کے کام میں خلل ہو؟ | کل کا جو کام ہے وہ کل ہو

(عزیز الرحمٰن عزیز)

سرسید کے متفرق خطوط

(۲)

بنام خان بہادر مولوی سید زین العابدین

مکرمی زینو بھیا!

ابھی تمھارا خط پہونچا۔ کچھ شبہ نہیں کہ تم کو مجھ سے جدا ہونے کا ایسا ہی رنج ہے، جیسا کہ تم نے لکھا؛ مگر تم تو اس رنج کو کسیقدر لکھ بھی سکے؛ مگر مجھکو تمھارے چلے جانے سے جو رنج ہے، وہ لکھا بھی نہیں جاسکتا۔ زبان کھجلاتی ہے اور کوئی یہاں نہیں ہے کہ اُسکو بُرا کہوں۔ دل میں غصہ آتا ہے اور کوئی یہاں نہیں ہے، جسپر غصہ نکالوں۔ ہاتھ کھجلاتے ہیں اور کوئی یہاں نہیں ہے، جسکو ماروں۔ حقیقت میں تمھارے جانے سے مکان سونا نہیں ہوا؛ بلکہ دل سونا ہوگیا۔ مجھکو اُٹھکر خدا یاد نہیں آتا؛ مگر تم یاد آتے ہو سے

آیکہ ہرگز فراموشت نہ کنم

کا نقشہ ہوگیا ہے۔ قبل روانگی پنجاب میری طبیعت درست نہیں تھی پنجاب میں اور زیادہ مضمحل اور درماندہ ہوگئی۔ لاہور میں زیادہ نہ ٹھہر سکا اور اضلاع پنجاب میں جہاں جہاں جانا تھا، جا نہیں سکا واپس چلا آیا۔ بعد واپسی کے طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور کل تک اچھی نہیں تھی۔ آج اچھا ہوں اور اُمید ہے کہ دو ایک دن میں طبیعت درست ہوجائیگی۔ تمھاری صحت اور تندرستی کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔

لاہور اور اضلاع لاہور میں جو چندہ ہوا، اُسکی تعداد

قریباً اکیس ہزار روپیہ کے ہے، لیکن میرے لاہور میں قیام نہ کرنے سے اور اضلاع میں نہ جانے سے منجملہ زر چندہ کے دس ہزار ایک سو روپیہ نقد وصول ہو گیا۔ زر بقیہ کے وصول کرکے بھیجنے کا دوستوں نے وعدہ کیا ہے، معلوم نہیں کہ وصول ہوگا یا نہیں، یا کسقدر وصول ہوگا۔ بہرحال میں بہ سبب ناسازی طبیعت نہ لاہور میں ٹھہر سکتا تھا، نہ اطراف میں جا سکتا تھا۔

میری طبیعت اِس وقت سُست تھی، اِس لیے میں نے اپنے ہاتھ سے خط نہیں لکھا، مگر میری طبیعت اچھی ہے۔ کچھ تردُّد نہ فرمائیے، مگر اس شعر پر ضرور عمل کرنا۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی ✽ بیاد آر محبان باد پیما را

تمہارے گھر میں سب طرح خیریت ہے۔ والسلام

(خاکسار سید احمد۔ از علی گڈھ۔ ۲۶ اپریل ۱۸۹۵ء)

بنام منشی نیاز محمد خان وکیل جالندھر

مخدومی و مکرمی منشی نیاز محمد خاں صاحب۔

آپکا عنایت نامہ مورخہ ۱۳ مئی میرے پاس پہونچا، ممنون عنایت ہوا۔ میرے نزدیک ضلع جالندھر میں کالج کے نام سے چندہ جاری رکھنا کچھ ضروری نہیں ہے، بلکہ جو سسٹم کہ آپ نے والنٹیئر کی جاری کی ہے، اُسی کو قائم اور جاری رکھیں۔

پیشۂ وکالت کی نسبت جو شبہات کہ آپنے لکھے ہیں، حال یہ ہے کہ وکالت کا پیشہ ہو یا اور کوئی، اُس میں ایمانداری سے کام ہو سکتا ہے اور بے ایمانی سے بھی ہو سکتا ہے۔ جو لوگ کہ بے ایمانی سے کام کرتے ہیں، بیشک اُن کو چند روزہ ترقی اور عروج ہوتا ہے، لیکن آخر کو ترقی اور عروج اُنھیں لوگوں کا قائم رہتا ہے، جو دیانت داری اور ایمانداری سے کام کرتے ہیں۔ وکیل جو ایمانداری سے کام کرتے ہیں، بیشک کمپیٹیشن میں بے ایمان لوگوں سے پیچھے رہجاتے ہیں، مگر آخر کو اُنھیں کا بول بالا ہوتا ہے اور وہی مشہور ہوتے ہیں، جو نیک نامی اور دیانت داری سے کام کرتے ہیں۔ البتہ صبر درکار ہے تاکہ وہ زمانہ آوے، جس میں وہ اپنی نیکنامی اور ایمانداری کا پھل پاویں۔ یہ خیال کرنا کہ وکالت میں خلاف کانشنس کے کام کرنا پڑتا ہے، میری رائے میں صحیح نہیں ہے۔ وکیل کے پاس جو مقدمات آتے ہیں، درحقیقت اُسکو معلوم نہیں ہوتا کہ اصلیت اُن مقدموں کی کیا ہے۔ صرف وہ اُنھیں باتوں کو جانتا ہے، جو موکل نے اُس سے بیان کیں اور اسپر یقین نہیں ہو سکتا کہ درحقیقت سچ کیا ہے، لیکن وکیل کو بھی جو عدالت میں کام کرتا ہے، اِس سے بحث نہیں ہوتی کہ سچ کیا ہے، بلکہ اِس بات کا تجویز کرنا کہ سچ کیا ہے، حاکم کا ذمہ ہے، نہ وکیل کا۔ میں چند مثالیں آپکے سامنے بیان کرتا ہوں، مثلاً ایک تمسک کی نالش ہوئی اور وہ دعویٰ خارج از حدِ سماعت ہے۔ مدعا علیہ کے وکیل کو اس بات سے بحث نہیں ہے کہ دعویٰ سچا ہے، یا جھوٹا، بلکہ وہ صرف یہ بحث کرتا ہے کہ حدِ سماعت سے خارج ہے اور حاکم کو اُسکی تجویز کا اختیار نہیں۔ یا مثلاً ایک دعویٰ تمسک یا دعویٰ قتل پیش ہے اور مدعا علیہ اُس سے منکر ہے۔ مدعی کے وکیل کا تو یہ کام ہے کہ دلائل ثبوتِ دعوے کو حاکم کے سامنے پیش کرے اور مدعا علیہ کے وکیل کا یہ کام ہے کہ حاکم کو بتلائے کہ جو ثبوت مدعی کے وکیل نے پیش کیا ہے، اِس سے اُس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ اِس بات سے کہ تمسک حقیقت واقعی ہے، یا مدعا علیہ واقعی قاتل ہے، وکیل کو کچھ بحث نہیں ہوتی۔ علیٰ ہذا القیاس وکالت میں کوئی امر ایسا نہیں معلوم ہوتا، جس سے وکیل خلاف

اپنے کانشنس کے کام کرنے پر مجبور رہو۔ جو وکیل کہ اس طرح کام نہیں کرتے اور گواہوں کے بنانے میں اور اُن کو تعلیم کرنے میں یا اور جھوٹے مقدموں کے برپا کرنے میں مدعی یا مدعا علیہ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، وہ بے شک بے ایمان ہیں اور خلافِ کانشنس کام کرتے ہیں؛ لیکن ایسا کرنے میں وکیل ہی بے ایمان نہیں ہو جاتے؛ بلکہ وہ لوگ بھی جو وکیل نہیں ہیں، ایسے ہی بے ایمان اور خلافِ کانشنس کام کرنے والے ہیں۔ پس آپکا یہ لکھنا کہ بعض دفعہ وکیل کو خلافِ کانشنس کام کرنا پڑتا ہے، صحیح نہیں ہے۔ ایمانداری اور سچائی سے کام کرنا چاہیے اور اِس بات پر کہ اور لوگ بے ایمانی سے بہت کچھ حاصل کرتے ہیں، ہرگز خیال نہیں کرنا چاہیے۔ اگر مسلمان پیشۂ وکالت سے علیحدہ ہو جائیں، تو اور طرح پر قوم کو بہت نقصان پہونچنے کا احتمال ہے۔ اِس زمانہ میں جو ایسے پیشے ہیں، جن میں کچھ عزت، یا اُن پیشوں کے ذریعہ سے انسانوں کی بہتری منظور ہے، مسلمانوں کو ضرور ہے کہ اُن پیشوں میں مشغول رہیں؛ لیکن ہر پیشہ کا کام خواہ وہ وکالت ہو، یا اور کوئی پیشہ، نہایت سچائی اور ایمانداری سے کرنا چاہیے۔ خدا آپ کو توفیق دے کہ آپ سچائی اور ایمانداری پر اپنی زندگی بسر کریں۔

والسّلام۔

(خاکسار سید احمد) ۔ (۳ جون ۱۸۹۴ء) ۔ (علیگڈھ)

ایضاً

جناب خاں صاحب مخدوم و مکرم من منشی نیاز محمد خاں صاحب۔

آپ کا عنایت نامہ معہ چند سطر تحریر یزرگانہ جناب مولوی مراد علی صاحب پہونچا۔ آپ کا اور مولوی صاحب کا ممنون ہوا۔ آپ کو جو قومی اتفاق کا خیال ہے (جو غالباً خدا کو منظور نہیں ہے) اس سے کمال خوشی ہوئی ہے۔ منشی محرم علی صاحب چشتی جو میرے بھی دوست ہیں، سلامت روی کی چال کبھی نہیں چلتے۔ میں نے ایکدفعہ اُنکو جبکہ علیگڈھ میں آئے تھے، بہت کچھ سمجھایا تھا، مگر اُن کے خیال میں نہیں آیا۔ اگر جناب خان بہادر محمد برکت علیخان سے جو اُن کے محسن تھے، یا اُن کی کارروائی سے، یا انجمن اسلامیہ سے اُن کو کچھ رنجش تھی، تو اُن کو محمدن اجوکیشنل کانفرنس کو (جس کو کسی سے کچھ تعلق نہیں ہے، نہ اُن مقاصد سے جو انجمن اسلامیہ لاہور کے ہیں، نہ اُن مطالب سے جو محمڈن نیشنل ایسوسی ایشن کے ہیں، اُس کو کچھ علاقہ ہے) اُن رنجشوں میں سانا اور اُسکی مخالفت کا اخبار میں چھاپنا آپکے نزدیک کچھ معنی رکھتا ہے؟ ایسوسی ایشن کی روئداد مثل طوطا اور مینا کی کہانی کے ہے۔ ایک شخص سے لغو و بیہودہ کلمات کہوانا اور دوسرے کا کہنا کہ ایسا کہنا مناسب نہیں ہے، یا خلافِ قواعد مجلس ہے، کیا کوئی ایسی باریک بات ہے، جو کوئی سمجھ نہیں سکتا؟ جس گفتگو کو پریسیڈنٹ یا ممبران نے خلافِ اصول قرار دیا، کیا وہ روئداد میں چھپ سکتی ہے؟ میں ایسے امور کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ میں بڑے بڑے مولویوں اور سجادہ نشینوں کے فتووں پر تو ملتفت ہوتا ہی نہیں چہ جائے کہ منشی محرم علی صاحب کی ایسوسی ایشن کی گفتگو؛ مگر جو کہ آپنے اِسی کے متعلق اپنے عنایت نامہ میں لکھا ہے، اِس لیے یہ امر میں نے لکھ دیا۔

آپ کا عنایت نامہ آج پہونچا ہے۔ کل میں نے ایک خط منشی محرم علی صاحب کو لکھا ہے اور کل ہی اخبار میں مضمون چھاپ دیا ہے۔ میری رائے میں دونوں مجلسوں کے ایک ساتھ ہونے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ منشی محرم علی صاحب جب چاہیں مجلس کریں۔ اوّل تو یہ کیوں قرار دیا جاتا ہے کہ ایک مجلس دوسری

کی مخالفت قائم ہوئی ہے؟ ہماری مجلس کا مقصد دوسرا ہے، اُنکی
مجلس کا مقصد دوسرا۔ باقی یہ بات کہ منشی محرّم علی صاحب
کہتے ہیں کہ محمڈن ایجوکیشنل کانگرس بے فائدہ ہے، اسکو
ایک کافر مرتد نے قائم کیا ہے، اُسمیں شریک ہونا کفر وارتداد
ہے، بہت بہتر، جو لوگ اسکو ایسا سمجھیں، وہ اُس میں
شریک نہ ہوں۔ اِس میں جھگڑا و تکرار، پیچ بچاؤ اور مخالفت
کیا ہے؟ بہت سے شیعہ ہیں، جن سے ہم سے نہایت دوستی ہے
وہ اپنے گھر میں ہمارے بزرگوں پر تبرا کیا کرتے ہیں، کیا کریں
ہمارا کیا نقصان ہے؟

محمڈن اوقاف میں موجودہ قانون کی رو سے گورنمنٹ
کچھ دست اندازی نہیں کر سکتی۔ آپ کو معلوم نہیں ہو کہ ہم
تین برس سے مسلمانی اوقاف پر غور کر رہے ہیں۔ اور اُسکی
اصلاح کی تدبیریں سوچ رہے ہیں۔ حال میں جو اڈرس
[illegible] دیا گیا ہو، اُس میں بھی اس کا اشارہ تھا
[illegible] اور [illegible] نواب شمال مغرب سے بھی تحریراً
[illegible] کوئی شخص [illegible] نہیں کر سکتا کہ جو اوقاف
[illegible] اُس میں کسی نے تغلب و
[illegible] مگر [illegible] سامان درستی سے باضابطہ نہوں،
[illegible] ایک شخص نے جس نے کوشش کر کے وہ سب نظیر
کام کیے ہوں، اپنے رائے کے مطابق خرچ کیا ہو۔ پھر کیا یہ
اُمور اِس طرح سے مخالفت کے لائق ہیں، جس طرح منشی
محرم علی صاحب نے شروع کیے ہیں؟ دونوں انجمنوں میں
جو آپ اتفاق چاہتے ہیں، نہایت عمدہ بات ہے، خدا کرے کہ
ہو جاوے، مگر منشی محرم علی صاحب کا مزاج جہاں تک میں
سمجھتا ہوں، اِس قسم کا ہے کہ آپس میں نہ موافقت ہو سکتی ہے

اور نہ موافقت ہونے کے بعد قائم رہ سکتی ہے۔ میں ایک دور دراز کا
رہنے والا دو تین دن کے لیے لاہور آتا ہوں۔ مجھکو اُن
تنازعات سے جو دونوں انجمنوں میں ہیں، خواہ وہ واجب
ہوں یا نا واجب، کیا علاقہ ہے اور کسیکی طرفداری اور
کسیکی برخلافی سے کیا تعلق ہے؟ وہ جانیں اور اُن کا کام
دو تین دن کے قیام میں جو کارروائی ہوگی، وہ کر کے اپنے گھر
چلا آؤنگا۔ جس کسیکا یہ خیال ہو کہ میں ایک کا طرفدار ہونگا
اور ایک کا مخالف، یہ محض غلط اور بیہودہ خیال ہے۔ اب
آپ کے سوالات کا جو آپ نے مہربانی سے پوچھے ہیں، جواب
دیتا ہوں کہ محمڈن نیشنل کانفرنس کے جلسہ میں شریک
ہونگا یا نہیں؟ اُن کی طرف سے کوئی اڈرس لونگا یا نہیں؟
اس کے جواب سے پہلے آپ یقین کریں کہ میرے جواب کو آپ
انجمن اسلامیہ لاہور کی طرفداری پر محمول نہ کریں۔ جب میں
کلکتہ میں تھا، تو خود مولوی امیر علی صاحب میرے
پاس تشریف لائے اور نہایت دلائل اور اصرار سے چاہا کہ میں
محمڈن نیشنل کانفرنس میں شریک ہوں، مگر میں نے
انکار کیا۔ سبب اِس کا یہ ہے کہ میں محمڈن نیشنل کانفرنس
کے مقاصد سے متفق نہیں ہوں۔ میری رائے میں مسلمانوں کو
کسی قسم کا پولیٹیکل اجی ٹیشن اختیار کرنا مناسب نہیں ہے
اور نہ کوئی شخص ہندوستان میں پولیٹیکل اجی ٹیشن اختیار
کر سکتا ہے۔ آپ بھی جب سنیں گے کہ پولیٹیکل اجی ٹیشن
کیا شے ہے اور کون شخص اُسکو کر سکتا ہے اور اُسکے اصول
کیا ہیں، تو مجھے اُمید ہے کہ آپ بھی میرے ساتھ اتفاق کرینگے۔
پس ایسی صورت میں نہ میں اُن کی مجلس میں شریک ہو سکتا ہوں
اور نہ اُس مجلس سے اڈرس لے سکتا ہوں؛ اِلّا دوستانہ

طور پر منشی محمد علی صاحب سے ملنے کو جانے میں مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اگر فرصت ہوئی اور انھوں نے بھی پسند کیا، تو میں انکے گھر ملنے کو جاؤنگا؛ کیونکہ ظاہرا وہ اس جلسۂ ایجوکیشنل کانگرس میں تشریف نہیں لائینگے اور اگر ان کو اہتمام جلسہ محمڈن نیشنل کانفرنس سے فرصت نہ ہوئی، تو مجبوری ہے؛ مگر مجھکو جانے میں کچھ عذر نہیں۔

میرا ارادہ ہے کہ میں چھبیسویں دسمبر کی میل ٹرین میں یہاں سے روانہ ہوں چھبیسویں کو آٹھ نو بجے وہاں پہونچ جاؤں اور تیسویں دسمبر کو وہاں سے روانہ ہوکر اکتیس کو علیگڈھ پہونچ جاؤں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میری یہ بھی رائے ہے کہ اڈریس کا پیش ہونا ایک محض لغو اور بیہودہ بات ہے۔ میں سب دوستوں کو منع کرونگا۔ اور کسی کی اڈریس نہ لونگا۔ والسلام۔

(خاکسار سید احمد) (۱۰ دسمبر ۱۸۸۹ء) - (علی گڈھ)

بنام میر واجد علی کلرک پولیٹیکل ہاسٹل

مخدومی و مکرمی میر واجد علی صاحب -

کامن سنس ایک دوسری چیز ہے۔ اُسکو اس تقسیم سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ فطرت اِس بات کو ثابت کرتی ہے کہ انسان کی عقل کے لیے بھی ایک حد ہے اور خود عقل ثابت کرتی ہے کہ جو باتیں اُس حد سے بالاتر ہیں، وہ عقلِ انسانی سے مافوق ہیں۔ پس اُس حد تک عقل پر عقلِ انسانی کا اطلاق ہے؛ مگر یہ حد عقلِ کامل کی ہے۔ بہت سے انسان ایسے ہیں جنکی عقل اُس حد تک نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ انسانوں کی عقول کے درجات متفاوت ہیں۔ پس بلحاظ اُن درجات متفاوتہ کے ہر ایک شخص کی عقل کی نسبت عقلِ شخصی کا اطلاق کیا گیا ہے اور جبکہ اشخاص سے قطع نظر کی جائے، تو عقل کلّی کو عقلِ انسانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(خاکسار سید احمد - ۱۰ اکتوبر ۱۸۹۰ء - علیگڈھ)

بنام شیخ عمر بخش وکیل ہوشیارپور

مخدومی -

یاجوج و ماجوج کا ذکر اور اُنکی نسبت پیشین گوئیاں کتاب حزقیل نبی میں، جو منجملہ مجموعہ کتب عہد عتیق ہے، ملاحظہ فرمائیے۔ ذوالقرنین کے لفظ کے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ معہذا وہ ایک اشارہ دو حالتوں کا اُس شخص کی ہے، جس نے دیوار بنائی۔ یہ آپ نے کیونکر کہدیا کہ مشرکین عرب اِس قصہ سے واقف نہ تھے؟ اوّل تو مشرکین عرب کی کتابیں کہاں ہیں اور مجوس کی کتابیں کہاں ہیں؟ بعض لوگ ذوالقرنین سے کیقباد مراد لیتے ہیں۔ بہرحال اِس قصہ کی بابت لوگوں میں ذکر ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی - سوال کنندہ کی تخصیص کرنی بیجا ہے۔ کسی شخص یا اشخاص نے پوچھا ہوگا۔ تفسیروں میں جو یہودیوں کو سوال کرنیوالا قرار دیا ہے، اُس سے میں مخالف ہوں، جیساکہ رسالہ تحریر فی قصۃ اصحاب الکہف والرقیم میں میں نے بیان کیا ہے قرآنِ مجید میں جو کچھ لکھا ہے اُسکے صدق کے ثبوت کیلیے ہم کو اِس بات پر بحث کرنی کہ سائل یہودی تھے، یا کون، ضرورت نہیں ہے کیا عجب ہے، یہودی ہوں، جن کی کتب میں یاجوج و ماجوج کی نسبت بہت لکھا ہے۔ کیا عجب ہے کہ عیسائی ہوں؛ کیونکہ اُن کے ہاں بھی مطابق عہد عتیق کے اُن کا ذکر و قصہ ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک مشاہدۂ

یوحنا میں بھی اُن کا ذکر ہے۔ کیا عجب ہے کہ کفار عرب نے بھی بغرض تعنت سائل کے متعین کرنے کی نہ ہم کو ضرورت ہے، نہ جتنا صرف جواب کے صحیح کرنے کی ضرورت ہے۔ سو مودگزٹ میں پورا رسالہ نہیں چھپا۔ دونوں رسالے یعنے ترقیم فی قصۃ اصحاب الکہف والرّقیم اور ازالۃ الغین عن قصۃ ذی القرنین علیحدہ پوری چھپ رہے ہیں والسلام

(خاکسار سید احمد)۔ (۲ جولائی ۱۸۹۰ء)۔ (علیگڈھ)

بنام منشی سراج الدین اڈیٹر اخبار

"چودھویں صدی" راولپنڈی

مشفقی مکرمی مخدومی منشی سراج الدین صاحب

آپنے اپنے اخبار میں متعدد خط اس منشا سے کہ وہ چودھویں کی لکھی ہوئی ہیں چھاپے ہیں۔ کیا آپ کو یقین دلی ہے کہ وہ خط درحقیقت کسی عورت کے لکھے ہوئے ہیں؟ اگر ایسا یقین نہیں ہے تو کیا یہ کانشنس کے برخلاف نہیں ہے کہ جس کو تم صحیح نہیں سمجھتے اُس کو بطور سچ کے ظاہر کرو؟ میری نصیحت یہ ہے کہ ہر ایک کام میں تم اپنے دل کو ٹٹولو کہ جو کچھ تم کہتے ہو، یا کرتے ہو، تمہارا دل اُس کو سچ جانتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جانتا اور اُس کو سچ کے طور پر بیان کیا، تو خلاف کانشنس بلکہ خلاف ایمانداری کام کیا۔ آپ مجھکو معاف کیجے۔ بہ سبب اِسکے کہ آپ سے محبت ہے، یہ کڑوی نصیحت کی ہے۔ والسلام

(خاکسار سید احمد)۔ (علی گڈھ)۔ ۹ اپریل ۱۸۹۶ء

ایضاً

مخدومی مکرمی محبّی۔

آپ کے چار قطعہ عنایت نامہ جات پہنچے۔ دو ہوتے، تو دوگانہ شکریہ ادا کیا جاتا۔ چار ہیں، دوگانہ شکریہ بھی اُنکے لیے کافی نہیں۔ میں اِس خیال سے کہ آپ میری کسی تحریر سے برا نہ مانینگے، جو میرے دل میں آتا ہے لکھ بھیجتا ہوں خصوصًا اپنے خاص دوستوں کی نسبت میری خواہش ہے کہ ہر اخلاق میں وہ اعلیٰ درجہ پر ہوں اور سب اخلاق سے مقدم سچائی ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ ہم خود اپنے آپ کو سچا جانیں اور یہ سچائی جیسی کہ قول سے متعلق ہے، ویسی ہی فعل سے بھی متعلق ہے، ایسی ہی پرائیویٹ خطوط سے اور ایسے ہی اخبار سے متعلق ہے۔ بہرحال جو محبت و عنایت آپ میرے ساتھ برتتے ہیں اُس کا دل سے شکرگذار ہوں .... سے اور مجھ سے پرانی دوستی ہے اور درحقیقت مجھکو اُن کے ساتھ کسی درجہ تک محبت بھی ہے۔ اُنھوں نے جو ...... کی تعلیم کو خراب کیا ہے، اُس کا بے انتہا مجھکو رنج ہے، مگر میرے اختیار میں بجز رنج کرنے کے اور کیا تھا؟ مجھکو دو شخصوں پر بے انتہا تعجب ہے .... اگر اور کوئی ہوتا، تو تعجب نہ ہوتا۔ تعجب یہ ہے کہ یہ دونوں صاحب بھی مطلق نہیں سمجھے کہ لڑکوں کی تعلیم کیونکر ہوتی ہے، کیونکر ہونی چاہیے اور محبت پدری کہانتک کام میں لائی جائے اور کہاں تک اُس کو روکا جائے، تاکہ وہ اولاد کے حق میں مضر نہ ہو جائے ....

(خاکسار سید احمد - علی گڈھ)

ایضاً

مشفقی مکرمی

کیا آپ کا اخبار بھی مثل دیگر نالائق اخبار ونکے نامہذب ہونے کو ہے؟ نہایت افسوس اور کمال درجہ افسوس ہے کہ مضمونِ مذاق نوشتہ........ آپکے اخبار ۳ اپریل میں چھپا ہے۔ آپ کا اخبار روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا۔ لوگوں کا خیال اُس کی طرف رجوع تھا۔ کیا اُس کا ارادہ ہے کہ اپنی تمام عزت وقدر کھو دے؟ والسلام۔

(خاکسار سید احمد - علی گڈہ ۔)

ایضاً

مخدومی ۔

دوستانہ صلاح دیتا ہوں کہ آپ اپنے اخبار کو مہذب بنائیں۔ بدگو کے ساتھ اگر بدگوئی کی، تو دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ میری نسبت لوگ کیا کیا کچھ نہیں لکھتے ہیں کیا مجھے لکھنا نہیں آتا؟ ہندوستانی ریاستیں ہندوستان میں غنیمت ہیں۔ جیتے اُن کے ساتھ دوستانہ برتاؤ چاہیے۔

(خاکسار سید احمد - علی گڈہ)

ایضاً

جناب ایڈیٹر صاحب سرِ سور گزٹ

میرا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ جناب حضرت علی مرتضےٰ علیہ السّلام یا ائمۂ اطہار میں سے کسی ایک نے بھی متعہ کیا ہے۔

(خاکسار سید احمد - علی گڈہ - ۱۴ فروری ۱۸۸۹ء)

ایضاً

محبی ومکرمی ومخدومی

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ ممنون ہوا۔ آپ کے قلم نے ہوموو گزٹ میں میری نسبت زیادہ جوش دکھایا ہے جس کے لائق میں خود اپنے آپ کو نہیں سمجھتا۔ میں فرض کرتا ہوں کہ آپ اپنی عنایت ومحبت سے مجھے ایسا ہی سمجھتے ہیں ؛ لیکن اور لوگ تو ایسا نہیں سمجھتے پس وہ لوگ آپ کی تحریر کو فضول سمجھتے ہوں گے۔ پس ایسی تحریرات سے جنکو لوگ فضول سمجھیں کیا فائدہ ہے؟ .... آپ میری تصویر کو کیا کیجیے گا؟ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ تصویر کھینچنا، کھنچوانا، رکھنا سب منع ہے۔ باایں ہمہ اگر آپ چاہتے ہیں؛ تو لیجیے ملفوف ہے۔ اگر تصویر میں کچھ نقص ہو، تو بے چاری بے جان بے زبان تصویر پر الزام نہ دیجیگا؛ بلکہ جس کی تصویر ہے، اُس پر اور اگر آگے بڑھیے، تو اوپر ؛ مگر یہ نصیحتِ پیرِ دانا یاد رکھنی چاہیے۔

پیرِ ما گفت خطا در قلمِ صنع نرفت
آفریں بر نظرِ پاکِ خطا پوشش باد

والسّلام۔

(خاکسار سید احمد - علی گڈہ - ۱۳ جون ۱۸۸۹ء)

ایضاً

مخدومی مکرمی

اِن چیزوں کو موجودہ حالت میں بحث میں لانا مسلمانوں کی ترقی میں ہرج ڈالنا اور اُن کو مشوش

اور زیادہ تر تنفر کرتا ہے۔ یہ اُمور نہایت جزئیات ہیں
جن کی بحث سے ترقی تعلیم اور ترقی تہذیب میں ہرج پڑیگا
پس اُسکو ہرگز بحث میں نہیں لانا چاہیئے۔ پہلا امور معظم
اور اصول کو رائج کرنا چاہیے تصاویر و تماثیل کے جائز و
ناجائز ہونے کے دلائل موجود نہیں اُس کی نسبت فیصلہ کرنا
اور ناجوازی او جواز کی وجہ بتانا نہایت دقیق اصول پر مبنی ہے
تصاویر کا رواج خود ہوتا جاتا ہے۔ پس جو بنیل کر چلی اُسکو
اُس کو آزار نے کی کچھ ضرورت نہیں والسلام

(خاکسار سید احمد - علی گڈھ)

ایضاً

مخدومی

بیشک میں پردہ کی رسم کا متعدد وجوہ سے نہایت
طرفدار ہوں اور بالتخصیص ہندوستان میں۔ اِس میں میرا
کچھ اجتہاد نہیں ہے، نہ میں نے کبھی اِسپر غور کیا، مگر
فقہائے اِسلام کا یہ مسئلہ ہے کہ مُنھ اور ہاتھ پہنچے تک
اور پانوں ٹخنے تک ستر میں داخل نہیں ہیں۔ فقہائے
متأخرین نے بسبب فسادات زمانہ مُنھ کو پردے میں داخل
کیا ہے۔ مولوی شہود صاحب نے میری نسبت ایک
لغو بات لکھدی ہے شاید میں نے کسی کے سامنے کہا ہوگا کہ
شرعاً منھ اور ہاتھ پردے میں داخل نہیں ہیں اُن کو چاہیے کہ
خود فقہ کی کتابیں دیکھیں والسلام

(خاکسار سید احمد علی گڈھ)

ایضاً

مخدومی مکرمی۔

میں نے آپ کا اخبار مورخہ ۸۔ جنوری پڑھا۔ بلاشبہ
یہ آپ کی محبت کا جو آپ کو مجھ نا چیز سے ہے، ممنون و احسانمند
ہوں اور آپ کو اُس تحریر کی نسبت جو اس پرچے میں ہے بوجہ
جوشِ محبت معذور سمجھتا ہوں، مگر جانے دو جس کا جو دل چاہے
کہے۔ ہمارا کیا بگڑتا ہے اگر ہم کو بُرا کہنے سے اُن کا دل خوش ہوتا ہے
خوش کر لینے دو۔ تم بھی اُس بُرا کہنے سے خوش ہو؛ کیونکہ
وہ ہمارے دوست ہیں۔ ہم کو گناہوں سے پاک کرتے ہیں۔ مجھے
نہایت افسوس ہے کہ میں نے وہ خط جناب ....
کے پاس بھیجدیا۔ اگر اُن کا ذکر ہوتا، تو میں ہرگز نہ بھیجتا،
باوجودیکہ مجھے لفافہ کے خط سے قریب یقین کے ہو گیا تھا کہ وہ
.... صاحب کا ہے، مگر.....
... میں میں اُن سے نہایت صاف دلی سے ملا تھا، لیکن جب
تحریر پر غور کرنے سے وہ یقین زیادہ مستحکم ہوگیا، تو بلاشبہ ایسے
شخص نے جو ایسے بزرگ، ہمارے مخدوم اور اپنے محسن، ہا
بلکہ پرورش کنندہ .... کی نسبت ایسا لکھے، تو
وہ اِس قابل نہیں کہ اُس سے تعلق رکھا جائے۔ بس یہی کافی ہے
اِس سے زیادہ اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ تم میرے ساتھ
محبت رکھتے ہو اور اِس کا بھی تم کو یقین ہے کہ جو لوگ میری نسبت
عیب لگاتے ہیں، وہ مجھ میں نہیں ہیں، تو تمھارے خوش رہنے
کے لیے اور مجھکو خدا کا شکر کرنے کے لیے یہی بات کہ وہ عیب اُس شخص میں
جسکو تم دوست رکھتے ہو، نہیں ہے، کافی ہے۔ اس سے زیادہ
کیا خوشی کی بات ہے۔ پس بُرا کہنے والوں کی بُری بات کا یہی نیک

پہلو نکا لو اور خوش رہو۔ خدا تم کو ہمیشہ خوش رکھے۔ والسلام علیکم

(خاکسار سید احمد - علی گڈھ)

ایضًا

بھائی سراج الدین -

تمھارا خط پہنچا۔ ہمکو خدا نے دنیا میں اسلیے پیدا کیا ہے کہ نیکی بھلائی چاہیں۔ برا کرنے والے کی برائی سے ہمکو کیا کام ہے۔ ہم کو اپنا دل، اپنا کام، اپنی زبان بھلی رکھنی چاہیے۔ بدوں یا بدطینتوں پر افسوس کرنا چاہیے، مگر اس سے زیادہ کچھ کرنا خود اپنے آپ کو بھی ویسا ہی کرنا ہے۔ جو لوگ برا کہنے والے ہیں اُنکی نسبت ہم کو صبر و تحمل چاہیے۔ اگر وہ برائی ہم میں ہے، تو اُسکے دور کرنے میں کوشش لازم ہے۔ اگر نہیں ہے تو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ وہ برائی ہم میں نہیں ہے۔ برا کہنے والے کی نسبت خیال ہی نہیں کرنا چاہیے۔ کہ کون ہے۔ دنیا میں یہی بھی نہیں پایا۔ پس یہی آرام و آسایش کا طریقہ ہے۔ اگر تم بھی چاہتے ہو کہ دنیا میں آرام سے رہو، یہی طریقہ اختیار کرو۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہم مگر افسوس کے ساتھ کہ .... کی طبیعت خدا نے ایسی بنائی ہے کہ اُنسے بھلائی اور سچائی کی توقع نہیں۔ کچھ ہی کرو آزار ہی پہنچیگا۔ پس گلہ کیا ہے کیا تم دنیا کے بچھوؤں سے گلہ کرتے ہو اور کیا وہ کسی کی دشمنی سے ڈنک مارتے چلتے ہیں؟ پس .... کے حال سے کچھ بحث مت کرو۔ لوگوں کا جیسا دل چاہے، ویسا اُنکے ساتھ برتاو کریں۔ اگر ہم سے معافی چاہتے ہیں ہمارا اُس نے کیا گناہ کیا ہے۔ کیا میری ڈاڑھی منڈ گئی۔ آپ آکر دیکھ لیں بدستور ہے۔ جو دو دو چونٹی ہی ہو گئی ہوگی۔ مجھے تمام عمر افسوس ہیگا کہ میں نے وہ خط کیوں .... کے پاس بھیجدیا؛ لیکن اگر ...... صاحب ممدوح کی نسبت اُس میں متوحش بات نہ لکھی ہوتی، تو میں ہرگز نہیں بھیجتا۔ خیر جو ہو گیا، اُس پر افسوس سے کیا فائدہ ہے میرے نزدیک .... کی کسی بات کے درپے ہونا نہیں چاہیے۔ خدا کی دنیا میں بہت مختلف اقسام کی خلقت ہے ہر ایک اپنا کام کرتا ہے۔ تم اپنا کام کرو؛ مگر جان لو کہ تمھارا کام کیا ہے؛ نیکی، بھلائی اور اپنے کام سے مطلب۔ دوسرے کے کام سے کچھ غرض نہیں۔ جس سے دل رکا ہوا ہو اُس سے مت ملو؛ کیونکہ اُس سے دل کو خوشی نہ ہوگی، یا منافقانہ طریقہ پر ظاہرداری کرنی پڑے گی نہ ملنے میں بہ نسبت ملنے کے آرام ہے۔ اسی طرح اُنکی باتوں کی پروا نہ کرنے میں بالکل آرام ہے ....

...... والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

(خاکسار سید احمد - علیگڈہ)

ایضًا

مخدومی مکرمی -

آپ کا پوسٹ کارڈ پہنچا۔ جو کلمات مبارکباد کے آپنے تحریر فرمائے ہیں اُن کا دل سے شکر ادا کرتا ہوں۔

خواب حیرت میرے پاس پہنچی اُس کا بھی شکر ہے۔ فضیلت کو بروقت فرصت پڑھکر فضیلت حاصل کرونگا۔

مجھے یاد نہیں، میں نے آپکے کسی خط کا جواب نہیں بھیجا۔ میں نے تو غالبًا سب خطوں کا جواب بھیجا ہے اگر کسی خط کا جواب نہ جائے، تو آپ میرے حالات پر خیال فرما کر معاف کرینگے معہذا جبکہ آپ میرے ساتھ از راہ عنایت پوری محبت رکھتے ہیں؛ تو مجھکو ضرور ہے کہ آپ کے خطوں کا جواب نہ بھیجوں، یا بہت

تاخیر سے بھیجوں، تاکہ لطفِ انتظار جس کی قدر آپ جانتے ہوں گے، قائم رہے۔ والسلام۔

(خاکسار سید احمد۔۔ علی گڈھ)

ایضاً

مخدومی مکرمی

آپ کا پوسٹ کارڈ اور مجموعہ لکچر پہنچا۔ میں آپکی عنایت کا اور اس محبت کا، جسکے سبب آپ کو اُن لکچروں کے جمع کرنے اور چھاپنے کا خیال ہوا، دل سے شکر گذار ہوں؛ لیکن میرے احباب جسقدر مجھپر مہربانی فرمائینگے اور بہ نیکی یاد کرینگے، اُسیقدر بعض لوگ ناراض ہوں گے، اور جو دل چاہیگا، واہی یا نا واہی مجھپر اور آپ پر ناراض ہوں گے۔ بیچاری مہدی علی نے کیا قصور کیا ہے جو اُسپر بوچھار ہو رہی ہے۔ والسلام۔

(خاکسار سید احمد۔ علیگڈھ۔ ۱۷ اپریل ۱۸۹۰ء)

بنام نواب انتصار جنگ مولوی محمد مشتاق حسین

بھائی مشتاق حسین۔

کل میں سارے دن متردد رہا؛ کیونکہ تمھارا کوئی خط نہیں آیا تھا۔ آج خط آیا اور حال معلوم ہوا۔ گو میں کسی وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور کسی وقت کی نہیں پڑھتا اور وقت بے وقت کا بھی خیال نہیں کرتا۔ دو دو وقتی بھی ملا کر پڑھ لیتا ہوں۔ ریل میں لمبا سفر ہو تو مجھ سے ادا نہیں ہو سکتی۔ یہ سب باتیں مجھ میں ہیں اور نالائقی اور شامتِ اعمال سے ایسی سستی نماز میں ہے؛ مگر تم نے اس معاملہ میں جو پیش آیا، نہایت لچر سمجھا گیا۔ نماز جو خدا کا فرض ہے، اُس کو ہم اپنی شامتِ اعمال سے جس خرابی سے ہو ادا کریں، یا قضا کر دیں؛ لیکن کوئی شخص اگر کہے کہ تم نماز پڑھو، اِس کا صبر ایک لحظہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سنی بھی نہیں جا سکتی۔ میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنا صرف گناہ ہے، جسکے بخشے جانے کی توقع ہے۔ اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھنا، یا سستی میں ڈالنا میری سمجھ میں کفر ہے، جو کبھی بخشا نہ جائیگا۔ تم کو پہلے ہی اپنی طرف سے ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا، جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی اور جب ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا تھا، تو پھر گھلگھلانا اور گڑگڑانا اور "حضور! رخصت ہی دیں، تنخواہ کاٹ لیں" کہنا واہیات تھا۔ تراق سانی استعفا دیدینا تھا اور صاف کہدینا تھا کہ "میں اپنے خدا عظیم الشان قادرِ مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا، نہ آپکی۔" کیا ہوتا، نوکری نہ میسر ہوتی، فاقے مرجاتے، نہایت اچھا ہوتا۔ والسلام۔

(خاکسار سید احمد۔ از بنارس۔ ۹ جنوری ۱۸۹۵ء)

بنام نواب سردار محمد حیات خاں مرحوم

مائی ڈیر حیات۔

آپکا عنایت نامہ پہنچا۔۔۔۔۔ بعد برسات پٹیالہ جانا ہوگا آپکی ملازمت کو بھی دل چاہتا ہے اور ہم ھنداں حضرت مجدد کے مزار کی زیارت کا ارادہ ہے کیا عجب ہے کہ ملتان تک آنا ہو جاوے۔
ملتان میں کن کن بزرگوں کی زیارت ہے۔ اُن سے اجازت لے لیجے اور یہ بھی دریافت فرما لیجے کہ کیا عنایت ہوگا۔ والسلام۔
(خاکسار سید احمد۔ علیگڈھ۔ ۲۶ جون ۱۸۹۰ء)

مکّہ کی شادیاں

مکّہ میں جس طریقہ سے شادیاں ہوتی ہیں، اُن کا بیان نہایت دلچسپ ہے۔ ناظرینِ معارف کے لیے ہم وہاں کی شادیوں کا خاکا کھینچتے ہیں۔ جو شادیاں بہت دھوم دھام سے ہوتی ہیں، اُن میں مردانہ اور زنانہ مکانات خوب آراستہ کیے جاتے ہیں۔ دیوار و در کو چونے کی استرکاری کی جاتی ہے۔ پھر اُس پر طرح طرح کی شوخ رنگوں سے بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔ ہر مکان میں نہایت مکلّف فرش بچھایا جاتا ہے۔ رات کے وقت اُن کو جھاڑ فانوس سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ اگر شادی میں کثرت سے آدمی بُلانے منظور ہوتے ہیں اور مکان میں اسقدر گنجایش نہیں ہوتی کہ سب آدمی اُس میں سما سکیں، تو کھلے میدانوں میں جھنڈیوں، قناتوں اور شامیانوں سے مصنوعی مکان سجائے جاتے ہیں۔ جھنڈیوں پر بھی طرح طرح کے رنگین اور خوشنما کپڑے منڈھ دیے جاتے ہیں۔ دیکھنے والوں کو یہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ یہ مصنوعی مکان ہیں۔

میں اِس موقع پر ایک شادی کا ذکر کرتا ہوں، جو نہایت دھوم دھام سے ہوئی تھی اور اِس سے ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ مکّہ میں شادیوں کا کیا طریقہ ہے اور مکانوں کی آرایش اور شادیوں کی دعوت وغیرہ رسوم کا کیا حال ہے۔ اِس شادی کی کیفیت ایک سیّاح نے اپنے سفرنامہ میں لکھی ہے۔ سیّاح مذکور لکھتا ہے کہ سنہ ۱۳۰۱ ہجری میں شیخ محمد حسین نے جو مفتیٔ الهند کے لقب سے ممتاز ہیں اور جنکو اُن تمام ہندوستانیوں کے مقدمات و معاملات کے فیصلہ کرنے کا اختیار ہے جو مکّہ میں رہتے ہیں، اپنے بیٹے کی شادی نہایت شان و تجمل سے کی۔ اِس شادی میں سات روز تک مہمانوں کو دعوت دی گئی۔ پہلے دِن اُن تمام حاجیوں کی دعوت تھی، جو اُس سال مکّہ میں حج کے ارادہ سے آئے تھے۔ دوسرے دن مکّہ کے اُن تمام باشندوں کو دعوت دی گئی، جو هندوستان یا دیگر ملکوں سے آکر وہاں آباد ہو گئے ہیں۔ تیسرے دن شریفِ مکّہ اور شیخ السادات اور وہ تمام سید دعوت میں شامل ہوے، جو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کی اولاد میں تھے۔ چوتھے دن مکّہ کے علما و فضلا اور بڑے بڑے آدمی دعوت میں شریک ہوے۔ پانچویں دن مکّہ کا گورنر اور قاضی اور اُن کا اسٹاف اور ترکی فوج شریکِ دعوت کی گئی۔ چھٹے دِن اُن تمام ترکوں کو دعوت دی گئی، جو مکّہ میں تجارت کی غرض سے، یا کسی اور غرض سے مقیم ہیں۔ ساتویں دن اِس شہر کے عام باشندے مدعو کیے گئے۔ اِس طرح پوری سات دن میں مفتیٔ الهند کو اُس شادی کی مہمانداریوں سے فرصت ہوئی۔

اِس سے پہلے کہ اِس دعوت کا ذکر کیا جائے، اُس مکان کا ذکر کرنا مناسب ہے، جس میں اِس دعوت کا سامان کیا گیا تھا۔ یہ مکان ساٹھ گز لمبا، پچیس گز چوڑا اور بارہ گز بلند تھا۔ اُس کے اندر چاروں طرف قرینہ سے بنچ بچھے ہوے تھے۔ بیچ میں آمد و رفت کا دروازہ تھا۔ اِس دروازہ کے قریب ایک نہایت خوشنما ملمّع قنات مکان کے عرض میں نصب کیگئی تھی، جس کے ذریعہ سے یہ مکان دو بڑے کمروں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ قنات میں تین محرابی دروازے رکھے گئے تھے اور اُن پر رنگین پردے آویزاں تھے۔ مکان کے اندر چاروں طرف کی دیواریں کمخواب اور زربفت سے منڈھی گئی تھیں۔ بنچ جو دیواروں سے لگا کر بچھائے گئے تھے، اُن پر کمخواب، اطلس اور مخمل کے گدّے پڑے ہوے تھے اور اُن پر بہت سے تکیے رکھے ہوے تھے۔ جن پر طرح طرح کے رنگین اور خوشنما غلاف چڑھے ہوے تھے۔ گدّوں اور تکیوں پر نہایت باریک اور سفید چادریں ڈالدی گئی تھیں، جن سے گدّوں کے رنگین اور خوشنما غلافوں کی جھلک نظر آتی تھی۔

ستونوں کے درمیان ہر کمرہ کی زمین پر مکلف فرش بخارا
کے قالینوں کا تھا۔ کمروں کی چھتیں سفید پارچہ کی تھیں اور اُن میں
قسم قسم کی رنگین ہانڈیاں اور طرح طرح کے خوشنما جھاڑ آویزاں تھے
دیواروں پر ہزاروں دیوارگیریاں لگی ہوئی تھیں، جنکا رنگ
مختلف تھا۔ جب یہ ہانڈیاں اور جھاڑ اور دیوارگیریاں ایک ساتھ
روشن کی جاتی تھیں، تو تمام مکان بقعۂ نور نظر آتا تھا۔ دونوں
کمروں میں ہر طرف چند آئینے دیواروں سے ملا کر رکھے گئے تھے،
جو قدِ آدم سے زیادہ بلند تھے اور جنکے گرد نہایت خوشنما طلائی
چوکھٹے لگائے گئے تھے۔ ان آئینوں میں جب مکان کی آرائش مہمانوں کی
صورتیں اور اُن کے طرح طرح کے لباس نظر آتے تھے، تو ایک عجیب لطف کا
سماں دکھائی دیتا تھا۔ روشنی کے وقت تو ان آئینوں کے سبب سے تمام
مکان جگمگا اُٹھتا تھا۔ دونوں کمروں میں ایک کمرہ ہندوستانیوں کے لیے
اور ایک اہلِ عرب کے لیے تھا۔ درمیان کی قنات بہت اونچی نہ تھی، اسلیے
دونوں کمروں کے بیٹھنے والوں کو ہر کمرہ کی دیواروں اور چھت کی
آرائش صاف نظر آتی تھی۔

باہر کیطرف دونوں کمروں سے ملا ہوا ایک اور مکان تھا جسکا
طول بیس گز اور عرض دس گز تھا۔ اُسکے درمیان دو قناتیں کھڑی
کرکے اُس مکان کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ بیچ کا حصہ خالی چھوڑا
گیا تھا۔ اور اُس میں ایک فرش بطور پا انداز کے ڈالا گیا تھا۔ یہ حصہ بطور
دہلیز کے بنایا گیا تھا اور اُس میں مالک مکان اور اُسکے عزیز و اقارب
مہمانوں کے انتظار میں کوچوں اور کرسیوں پر بیٹھے رہتے تھے۔ جب کوئی
شخص آتا تھا، تو اُسکو مالکِ مکان معانقہ اور مصافحہ کے بعد
تعظیم و تکریم سے کسی کمرہ میں لے جا کر بٹھاتا تھا۔ دہلیز کے دونوں پہلوؤں
میں جو حصے اس مکان کے تھے، اُن میں سے ایک حصہ کو تین کمروں میں
تقسیم کیا تھا اور اُن میں داخل ہونے کے لیے قنات میں تین دروازے
رکھے گئے تھے۔ ان میں سے ایک کمرہ جو صدر دروازہ کے قریب تھا، اُس میں
طرح طرح کے میوے اور مٹھائیاں مہیا کی گئی تھیں۔ دوسرے کمرہ میں
شربت وغیرہ کا سامان تھا۔ تیسرا کمرہ بطور آبدارخانے کے تھا۔ یہ تینوں
کمرے دہلیز کی دائیں طرف تھے۔ بائیں طرف بھی اسی طرح کے تین
کمرے بنائے گئے تھے، جن میں سے اُس کمرہ میں جو صدر دروازہ کے
ملا ہوا تھا، روشنی کا سامان رکھا گیا تھا۔ دوسرے کمرہ میں حقہ پینے کا
اور تیسرے میں قہوہ پینے کا سامان تھا۔ وہ دونوں کمرے جو قہوہ خانہ
اور آبدارخانے کے نام سے موسوم تھے، دعوت کے کمروں سے
متصل تھے۔

دعوت کے کمروں میں جو فرش قالینوں کا بچھایا گیا تھا،
اُسپر مہمانوں کی آمد کیوقت ایک سفید دسترخوان بچھایا جاتا تھا
اُس کا طول تو کمرہ کے طول کے برابر ہوتا تھا، مگر عرض اسقدر
ہوتا تھا کہ اُسپر ایک ایک تشتری بمشکل رکھی جا سکے۔ مہمان دسترخوان کے
دونوں طرف آمنے سامنے بیٹھ جاتے تھے۔ چار مہمانوں کے درمیان
ایک چینی پلاؤ کی رکھی جاتی تھی۔ یہ پلاؤ ایسی نفاست اور سلیقہ سے
تیار کیا جاتا تھا کہ اُسکی خوشبو اور ذائقہ کی کچھ تعریف نہیں ہو سکتی
علاوہ پلاؤ کے ہر شخص کے سامنے چینی کی دو دو رکابیاں رکھی
جاتی تھیں، جن میں سے ایک میں رکابی کے دَور کے برابر
دو بڑی بڑی جلیبیاں ہوتی تھیں۔ اُنکا وزن آدھ سیر سے کم نہ ہوگا۔ یہ جلیبیاں
نہایت صاف اور سفید و ملائم ہوتی تھیں۔ مکہ میں عام طور پر اسی شکل اور اسی رنگ کی
جلیبیاں تیار کیجاتی ہیں۔ دوسری رکابی میں تین سموسے نہایت خوش رنگ
اور خوش ذائقہ رکھے ہوتے تھے، جن میں بکری کے گوشت کا قیمہ
اور قسم قسم کے مصالح بھرے ہوتے تھے۔ سموسوں کا وزن بھی آدھ سیر
سے کسیطرح کم نہ ہوگا۔ دعوت کیوقت اس بات کا انتظار نہیں کیا جاتا تھا
کہ جب سب مہمان جمع ہو جائیں، تو کھانا شروع کیا جائے؛ بلکہ جسقدر

آدمی جمع ہو جاتے تھے، اُن کو کھانا کھلا دیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صبح سے شام تک مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

آٹھواں دن نکاح کا تھا۔ نکاح کی مجلس میں کسی شخص کو شریک ہونے کی ممانعت نہ تھی؛ مگر رقعے خاص خاص آدمیوں کے نام جاری کیے گئے تھے۔ اِس تقریب میں شریفِ مکہ، شیخ السادات، قاضی، گورنر حجاز اور شہر کے عمائد و اکابر وغیرہ شریک ہوئے تھے۔ نمازِ ظہر کے بعد سب آدمی دولہا کے مکان میں جمع ہو گئے تھے۔ عصر کی نماز کے قریب قاضی نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور ایجاب و قبول کی رسم ادا کی گئی۔ اِس رسم کے تمام ہو لینے کے بعد رومی اور عربی باجے بجنے شروع ہوئے اور اُن کے ذریعے سے نکاح کا اعلان کیا گیا۔ پھر چھواروں کے علاوہ قسم قسم کی شیرینی تقسیم کی گئی، جو حاضرینِ محفل میں سے ہر شخص کے حصے میں ایک ایک سیر کے قریب آئی۔ رنگ، وضع، بناوٹ اور ذائقہ کے لحاظ سے ہندوستان کی کوئی مٹھائی مکہ کی مٹھائی کی ہمسری نہیں کر سکتی۔ مکہ کی تمام مٹھائیوں میں عام طور پر ہر قسم کا میوہ اور خاصکر بادام زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اِس سبب سے ہندوستانی اِن مٹھائیوں کو غالباً لوزیات میں شمار کرینگے۔ دولہا کے مکان پر نکاح ہونے کا سبب یہ تھا کہ جب برات دلھن کے مکان پہنچی، تو وہاں کوئی مکان ایسی گنجایش کا نہیں تھا کہ برات کے سب آدمی اُس میں سما سکیں۔ مجبوراً برات کے آدمی دلھن کے مکان سے دولہا کے مکان پر واپس آئے اور معمولی رسموں کے ادا ہونے کے بعد وکیل و شاہدوں کے ذریعے سے نکاح پڑھا دیا گیا۔

بیانِ بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ شریفِ مکہ، قاضی مکہ اور گورنر حجاز ہر شادی میں شریک ہوتے ہیں۔ نہیں؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس شادی میں وہ کسی خاص وجہ سے شریک ہوتے ہیں، اُس میں شادی والوں کا اعزاز عام لوگوں کی نظروں میں بہت بڑھ جاتا ہے۔ عام شادی میں خواہ وہ غریب کی ہو، یا امیر کی، یہ لوگ کبھی شریک نہیں ہوتے۔ جس شادی کا میں نے ذکر کیا، اُس میں ایک لاکھ کے قریب روپیہ صرف ہوا تھا اور اُس میں شریف اور قاضی اور گورنر کے شریک ہونے سے اُس کی شہرت عرب میں دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔

شادیوں میں آرایش کا تمام سامان، جس کو انگریزی میں فرنیچر کہتے ہیں، گھر کا نہیں ہوتا؛ بلکہ عام طور پر کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ اِس میں فرش فروش تکیے گدے، شیشہ آلات، شامیانے اور قناتیں وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں۔ جب لوگوں کے گھروں میں شادی کے سامان اور تجمل کی گنجایش نہیں ہوتی، تو مصنوعی مکان جھنڈیوں اور قناتوں سے بنائے اور سجائے جاتے ہیں، جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ یہ مکان ٹھیکہ پر بنوائے جاتے ہیں۔ ٹھیکہ دار بہت جلد اِن مصنوعی مکانوں کو تیار کر دیتے ہیں، پھر اُن کو ہر قسم کے فرنیچر سے آراستہ کرتے ہیں۔ جب شادی ہو چکتی ہے، تو وہ اُس تمام سامان کو اُٹھا کر لے جاتے ہیں اور سامان کا کرایہ اور اُسکے آراستہ کرنے کی اُجرت شادی والوں سے وصول کر لیتے ہیں۔

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا، وہ مردانہ محفل کے مکانات کے متعلق تھا۔ اِسکے علاوہ زنانہ محفلیں بھی ہوتی ہیں، جو دولہا اور دلھن کے مکانات پر منعقد کی جاتی ہیں۔ اِن محفلوں کے متعلق جو مکانات مخصوص ہوتے ہیں، وہ بھی نہایت عمدگی اور سلیقہ سے آراستہ کیے جاتے ہیں۔ دلھن کی نشست کا کمرہ خاصکر نہایت زرق برق فرنیچر سے سجایا جاتا ہے اور اُس کمرہ کی زینت و آرایش کا کماحقہٗ بیان نہیں ہو سکتا۔

ہوتے ہیں اور اُن میں بھی اکثر موتیوں کا کام ہوتا ہے۔ انگوٹھیاں اور چھلّے بھی پہنے جاتے ہیں، مگر سوائے دو اخیر کی انگلیوں کے باقی انگلیاں بالکل خالی رہتی ہیں۔ پاؤں میں بھی صرف انگوٹھے اور اُسکے پاس کی انگلی میں طلائی چھلّے پہنے جاتے ہیں جو ناخن کی جڑ تک چوڑے ہوتے ہیں۔ کوئی عورت کانچ کا یا چاندی کا زیور نہیں پہنتی۔ شادی میں اکثر وہی عورتیں جاتی ہیں، جنکے پاس عمدہ لباس اور عمدہ زیور ہو، ورنہ ہرگز نہیں جاتیں؛ مگر یہ ضرور نہیں کہ زیور اور لباس اپنے ہی گھر کا ہو بلکہ اکثر عورتیں شادی میں جانے کے وقت لباس اور زیور بازار سے کرایہ پر منگا لیتی ہیں۔ ایک شب کے لیے تمام زیور کا کرایہ پندرہ روپئے ہوتا ہے۔ اسی پر لباس کے کرایہ کو قیاس کر لینا چاہیے، جو شادیوں میں استعمال کرنے کو منگایا جاتا ہے۔

جب عورتیں اس طرح لباس و زیور سے آراستہ ہو کر کسی شادی میں جاتی ہیں، تو مکان کے دروازہ تک وہ عورتیں استقبال کو آتی ہیں جنکے ہاں شادی کی محفل ہوتی ہے۔ اسوقت وہ اپنے چہروں سے نقاب اُلٹ کر سر پر ڈال لیتی ہیں اور اب زری اور کارچوبی کام کا وہ حصہ جو چہروں پر نقاب ڈالتے وقت پوشیدہ رہتا ہے، نمایاں ہو جاتا ہے۔ پہلے ایکدوسرے کے ہاتھ پر بوسہ دیتی ہیں، پھر دیر تک مزاج پرسی کرتی رہتی ہیں۔ اسکے بعد وہ خاتون جسکے مکان پر شادی ہوتی ہے، اُن کے نقاب اور ملایہ کو اپنے ہاتھ سے اُتار کر ایک علیحدہ کمرہ میں جا رکھتی ہے۔ پھر اُن کو اپنے ساتھ لیجا کر قرینہ سے محفل میں بٹھاتی ہے۔

ہندوستان کے باشندے اس بات کو شاید تعجب سے سنیں گے کہ مکّہ کی عورتیں عموماً حقہ کا استعمال کرتی ہیں۔ چنانچہ شادی کی زنانہ محفلوں میں جب عورتیں جمع ہوتی ہیں، تو ہر ایک کے سامنے پیچوان رکھا جاتا ہے، جسکی چلم چاندی کی ہوتی ہے اور اُسکے سرپوش میں چاندی کے گھونگرو لٹکتے رہتے ہیں۔ حقّے کے علاوہ قہوہ کا دَور بھی برابر چلتا رہتا ہے۔ ان محفلوں میں عورتیں نیچوں پر تکیوں سے پشت لگا کر، یا پاؤں لٹکا کر ایسی بے تکلفی سے بیٹھتی ہیں کہ اُنکے حسن و جمال، یا زیور و لباس کی کوئی خوبی چھپی نہیں رہتی۔ ان عورتوں کے سامنے چند ڈومنیاں نہایت خوش الحانی سے عربی گیت گاتی ہیں اور اُنکے ہاتھوں میں ایک باجا بھی ہوتا ہے، جو ایک ہاتھ لمبا اور ایک فٹ دَور کا ہوتا ہے اور اوپر سے منڈھا ہوا اور نیچے کو کھلا ہوا ہوتا ہے۔ مگر یہ عورتیں باہم گفتگو میں اسقدر مصروف ہوتی ہیں کہ اُنکی توجہ گیت سننے کی طرف مطلق نہیں ہوتی۔

عام طور پر شادی کی زنانہ محفلوں میں ایسا تکلف اور تجمل ہوتا ہے کہ بن بُلائی عورتیں بھی تماشا دیکھنے کے لئے جوق جوق چلی آتی ہیں۔ اگرچہ اُن میں سے بعض عورتیں محفل کے مناسب زیور اور لباس پہنکر آتی ہیں، مگر چونکہ شادی والوں کی طرف سے وہ بُلائی نہیں جاتیں، اسلیے اکثر عورتوں کا سادہ لباس ہوتا ہے۔ ایسی عورتوں کو ایک بنچ پر جگہ ملتی ہے، جو مکان کے ایک گوشہ میں بچھا رہتا ہے اور جسپر گدّے اور تکیے بھی پڑے رہتے ہیں؛ مگر نہ اُن کا استقبال کیا جاتا ہے نہ اُن کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ وہ اپنا ملایہ اوڑھے اور چہرے پر نقاب ڈالے چُپ چاپ بیٹھی رہتی ہیں اور محفل کا تماشا دیکھا کرتی ہیں۔ مکان کی عورتیں اُن سے بات چیت نہیں کرتیں۔ اگر کبھی اتفاق سے گھر کی باندیاں قہوہ کی پیالیاں اُن کی طرف لیجاتی ہیں، تو یہ عورتیں دُور ہی سے لالا یعنے نہیں نہیں کہہ دیتی ہیں اور اُن کو اپنے پاس آنے نہیں دیتیں۔

گانے کی محفل اکثر دو تین گھنٹہ تک رہتی ہے۔ پھر سب عورتیں اُٹھکر دوسرے کمرے میں جاتی ہیں جہاں فرش پر کھانا چُنا رہتا ہے۔

کھانا کھانے کے بعد وہ دلھن کو دیکھنے کی درخواست کرتی ہیں۔ دلھن کی والدہ جب اُن کو اجازت دیتی ہے، تو وہ دلھن کے کمرے میں باری باری سے غول باندھکر جاتی ہیں۔ یہ کمرہ نہایت تکلف سے آراستہ کیا جاتا ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں دلھن ایک آرام کرسی پر بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ اُسکے چہرہ پر ایک باریک نقاب ہوتا ہے، جس سے خط و خال کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ سر پر کارچوبی کام کا ایک رومال بندھا ہوتا ہے۔ شادی کا لباس سر سے پاؤں تک مغرق اور سرخ رنگ کا ہوتا ہے اور وہ سونے اور موتیوں کے زیور سے بھی آراستہ ہوتی ہے۔ مکہ میں یہ بھی ایک عجیب رسم ہے کہ جب عورتیں دلھن کو دیکھنے کے لئے اُس کمرہ میں جاتی ہیں، تو اُسوقت دلھن اپنے دونوں ہاتھ کانوں سے ایک ایک بالشت کے فاصلہ پر اُٹھائے رہتی ہے۔ دلھن کی پشت آرام کرسی سے لگی ہوتی ہے اور وہ اُسپر کسیقدر پاؤں پھیلائے رہتی ہے اور کسیقدر گھٹنے کھڑے رہتے ہیں۔ جہیز میں جو لونڈیاں دلھن کے ساتھ دی ہوتی ہیں، وہ اُسوقت دلھن کے دائیں بائیں کھڑی ہوتی ہیں اور اُن کا لباس اور زیور بھی نہایت تکلف کا ہوتا ہے۔ دلھن کے کمرہ میں ایک آرام کرسی کے سوا کوئی بنچ یا کرسی نہیں ہوتی۔ اسلیے جو عورتیں دلھن کو دیکھنے اُس کمرہ میں جاتی ہیں، وہ بیٹھ نہیں سکتیں، بلکہ پانچ چھ منٹ دلھن کے روبرو کھڑی رہتی ہیں اور اُسکو اچھی طرح دیکھ بھال کر کمرہ سے دعائیں دیتی نکل آتی ہیں۔ ایک غول کے بعد عورتوں کا دوسرا غول آتا ہے اور باری باری سے دلھن کو دیکھکر اور دعائیں دیکر چلی جاتی ہیں۔ برادری کی عورتوں کے بعد اُن عورتوں کو کمرہ میں جانے کی اجازت ہوتی ہے، جو صاحبخانہ کی طرف سے شادی میں بلائی جاتی ہیں، پھر وہ عورتیں دلھن کو دیکھنے جاتی ہیں، جو بلائی نہیں گئیں، بلکہ تماشائیوں کی حیثیت سے محفل میں شریک ہوئی ہیں۔

دلھن کے کمرہ سے باہر نکلکر عورتیں دوبارہ محفل میں نہیں بیٹھتیں، بلکہ مکان کے صحن میں یا چھت پر ٹہلتی رہتی ہیں۔ جب سب عورتیں دلھن کو دیکھ چکتی ہیں، تو اُس کو محافہ میں سوار کرکے دولھا کے مکان پر لے جاتے ہیں جہاں بھی دلھن ایک نہایت آراستہ اور پر تکلف کمرہ میں بٹھائی جاتی ہے اور اُسی طرح باری باری سے عورتیں اُسکو دیکھنے کے لیے آتی ہیں اور دعائیں دیکر چلی جاتی ہیں۔ دلھن کا کمرہ دونوں طرف ٹھیکہ پر آراستہ کرایا جاتا ہے۔ شادی ہوچکنے کے بعد ٹھیکہ داروں کو اُسکے آراستہ کرنے کی اُجرت ادا کردی جاتی ہے اور وہ اپنے سامانِ آرائش کو واپس لیجاتے ہیں۔

شادی میں جو عورتیں بُلائی جاتی ہیں، جب وہ رخصت ہوتی ہیں، تو وہ عورت جو صاحب خانہ ہوتی ہے، اُن کے ملایے اور نقاب لاکر اپنے ہاتھ سے اُن کو اُڑھاتی ہے اور چند رسمی کلمات کے بعد اُن کو مکان کے دروازہ تک لیجاتی اور رخصت کردیتی ہے۔

آخر میں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ شادی سے پہلے چند باتیں ضرور دریافت کی جاتی ہیں اوّل یہ کہ لڑکی سینے پرونے، کشیدہ کاڑھنے، کارچوبی کام کرنے، کپڑے دھونے اور ہر قسم کا کھانا پکانے کا سلیقہ رکھتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ ان کاموں اور خانہ داری کے مشاغل میں سلیقہ نہیں رکھتی، تو اُس کو قبول نہیں کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ لڑکیاں غریب گھر کی ہوں یا امیر گھر کی بچپن سے دستکاری کا کام سیکھتی ہیں اور اُنمیں کمال پیدا کرتی ہیں دوم یہ امر بھی پہلے سے طے ہوجاتا ہے کہ شوہر کو اپنے ساتھ فرش اور قالین اور گدّے اور تکیے

اس تعداد کے اور اس قسم کے لائے ہونگے، کیونکہ مکان کو مکلف رکھنا وہاں ایک ضروری اور مہتم بالشان فرض ہے۔ مہر کی مقدار بھی آپس کی قرارداد سے پہلے ہی طے ہو جاتی ہے۔ ملک میں عام طور پر نکاح سے پہلے کل مہر لینے کا دستور ہے، کیونکہ دلہن کیلئے جہیز کا سامان اسی روپیہ سے خرید کیا جاتا ہے۔ اگر کل روپیہ نکاح سے پہلے ادا نہ کیا جائے، تو یہ ضروری ہے کہ نصف مہر نکاح سے پہلے ادا کیا جائے اور نصف بعد نکاح کے فوراً ادا کردیا جائے۔ اُمرا اپنی لڑکیوں کے جو مہر باندھتے ہیں، اُسکی مقدار کا کچھ اندازہ نہیں ہوسکتا؛ مگر غریبوں میں عام طور پر مہر کی مقدار تیس چالیس ریال تک ہوتی ہے۔

یہاں بیوی اور شوہر میں اکثر اتفاق رہتا ہے، مگر خلع اور طلاق کے واقعات بھی اکثر سننے اور دیکھنے میں آتے ہیں۔

(عزیز الرحمن عزیز)

بگلا
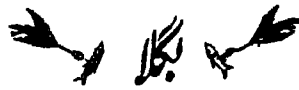
ہاں ذرا دیکھو تو! بگلا ہے ہوا میں اُڑ رہا
پَر سفید اُسکے ہیں اور گردن ہے لمبی خوشنما
مچھلیوں کو دیکھکر تھا تلملاتا بار بار
لو گرا پانی پہ وہ پَر تول کر بے اختیار

ہے سمندر اُس کا گھر، اُس کو ہوا سے کام کیا
لوٹتا رہتا ہے اُس میں صبح کیا اور شام کیا
کرتی ہیں اٹکھیلیاں پانی کی لہریں صبح و شام
وہ سمندر کے چڑھا رہتا ہے سینہ پہ مدام

دھوپ میں ہوتا ہے دن کو جب سمندر موجزن
گود میں اُس کی پڑا سوتا ہے یہ ہوکر مگن
نیلگوں پانی سمندر کا ہے گہوارہ اُسے
اور جگا سکتا نہیں طوفان کا نقارہ اُسے
اُٹھتی ہیں پانی میں لہریں اور ہو کر بیقرار
پاس سے اُسکو نکل جاتی ہیں چھو کر بار بار

جس طرح سیلاب میں جاتی ہے مچھلی تیرتی
یا ہوا کے رخ پہ کشتی جاسے ماہی گیر کی
اس طرح بگلے کو بھی لہروں میں اطمینان ہے
ہوں خطا اوسان اُسکے، اس کا کیا امکان ہے

جب جہاز آتے ہیں پاس اُسکے اُڑاتے بادباں
دیکھکر اہلِ جہاز اُسکی دلیری کا سماں
کہتے ہیں: اللہ ری بگلے! تیری عالی ہمتی
ہے سدا خونخوار لہروں کو سمجھتا سرسری
ایسا تو منجدھار میں رہتا ہے محوِ خواب ناز
جیسے لنگر زن ہو ساحل کے قریں کوئی جہاز

جب سمندر نیلگوں ہو اور ہوا ہو خوشگوار
آسماں سر پر ہو ساکن اور مطلع بے غبار
پاؤں پھیلاتا ہے وہ اس طرح سطحِ آب پر
جیسے شہزادہ کوئی لیٹا ہو فرشِ خواب پر

جب ہوا کی تندی ہوتا ہے پانی موجزن

کھیلتی لہریں سمندر کی ہیں طوفاں سے گلن،
مچھلیاں گھبرا کے جاتی ہیں نکل گرداب سے،
بگلے اُٹھتے ہیں مگر لہرا کے سطحِ آب سے،
ہو کے خوش چکر لگاتے ہیں ہوا میں بار بار،
چیختے پھرتے ہیں وہ چاروں طرف دیوانہ وار
سائیں سائیں کر رہی ہے گرچہ طوفاں کی ہوا،
مثلِ بادل کے گرجتا ہے سمندر بر ملا
اب منا تا خیر ہے ہر ایک اپنی جان کی،
پر انھیں دیکھو ذرا پروا نہیں طوفان کی

اس میں کیا شک ہے کہ بگلا ہے بہادر اور دلیر،
زندگی اپنی سدا طوفان میں کرتا ہے ڈھیر
تند خو امواج کی گردن پہ رہتا ہے سوار،
آندھیوں کی ٹکریں ہے جھیلتا لیل و نہار

وہ جہاز، انساں کو جن پر ہے نہایت فخر و ناز،
جن سے اُسکی طاقت و جبروت کا کھلتا ہے راز،
چیرتے جاتے ہیں جو پانی کو بے خوف و خطر،
جن پہ فوجیں جنگ کی خاطر سے کرتی ہیں سفر،
جب فنا موجوں میں ہوتی ہے ہوا سے ریل پیل،
اُن کو طوفاں جانبِ گرداب دیتا ہے دھکیل
پاؤں میں مستوں کے جیسے لڑکھڑا اٹھے بار بار،
ہیں لڑھکتے اس طرح پانی پہ وہ بے اختیار،
بادلوں میں جھاگ کے ہوتے ہیں پنہاں یکدم،
شور اُٹھتا ہے کہ لو اب ڈوبتے جاتے ہیں ہم

سنکے یہ شور و فغاں آتی ہے بگلے کو ہنسی
طعن کرتا ہے، جب آنکی دیکھتا ہے بے کسی
کیوں نہ ہو مغرور بگلا، ہے وہ طوفاں سے نڈر،
اُس کو موجوں کی نہ پروا ہے نہ آندھی کا خطر
جس طرح گھوڑے پہ ہو آسن جمائے شہسوار،
اس طرح پانی کی لہروں پر ہے اُسکو اختیار

آشیاں ساحل پہ وہ اپنا بناتا ہے کبھی
اور خشکی کی طرف بھی اُڑ کے جاتا ہے کبھی،
ہے سمندر پہ مگر رہنا سدا اُس کو پسند،
شور رہتا ہے قیامت کا جہاں ہر دم بلند،
جھاگ اٹھتے ہیں جہاں، گرداب پڑتے ہیں جہاں،
ڈوبتی ہیں کشتیاں اور ٹوٹتے ہیں بادباں

اُس کو سردی کی نہ پروا ہے نہ ویرانی کا ڈر
بے تکلف ایسے ملکوں کا وہ کرتا ہے سفر،
آدمی یا جانور کا ہے جہاں کمتر گذر،
برف کے تودے برستے ہیں جہاں شام و سحر،
برف میں ڈوبی ہوئی رہتی چٹانیں ہیں جہاں،
ہے جہاں یخ بستہ پانی اور سورج ہے نہاں
واں بھی رہتا ہے اُسی آسودگی سے صبح و شام،
جس طرح اُس کا سمندر کے کنارے تھا مقام
ویل یا دریائی گھوڑے مرتے رہتے ہیں جہاں،
ہے یہ بگلے کے لیے سامانِ دعوت بیکراں
برف میں ہو یا سمندر میں سدا دل شاد ہے

فکر سے روزی کی بالکل ہر طرح آزاد ہے

ولولے جو دل میں ہیں نکلے کے اٹھتے صبح و شام
جب وہ انسانوں کے دل میں اپنا کر لیتے ہیں مقام
وہ بھی بےخوف و خطر ملکوں میں جاتے ہیں نکل
جستجو میں انکی خطروں کو نہیں آتا خلل
ہر مصیبت میں وہ سینے اپنے کرتے ہیں سپر
کوئی خطرہ ہو، نہیں کرتے ذرا اس سے خطر
ہر جگہ، ہر وقت، ہر حالت میں رہتے ہیں جری
حادثوں کو دیکھ کے وہ جاتے ہیں سرسری
ہے یہی وہ جوہر، جس پر ہے ترقی کی بنا
جس میں یہ عادت ہے کب وہ قوم ہوتی ہے فنا
آؤ! سیکھیں جوانمردی کا سبق ہم کام ہم
اپنی قسمت کو کریں محنت سے اپنی رام ہم
آفتیں جھیلیں، رہیں محنت سے ہم تا آشنا
کام سے ہوں آشنا، آرام سے نا آشنا
نفس سرکش کو دبانے کی یہی تدبیر ہے!
ورنہ کرنا رام اس توسن کو ٹیڑھی کھیر ہے
نفس امارہ کو جب قابو میں ہم لے آئیں گے،
محنتوں کے ہو گئے خوگر راحتیں ہم پائیں گے
رفتہ رفتہ ہونگی آساں مشکلوں پر مشکلیں
طے کریں گے رات دن ہم منزلوں پر منزلیں
کامیابی کا یونہی بس کرتے کرتے انتظار
شاہدِ مقصد سے ہم اک روز ہونگے ہمکنار

(W.S)

اُرطاۃ بن سُہَیّہ

بنی اُمیہ کے زمانہ کا مشہور شاعر ہے۔ سُہَیّہ اسکی ماں کا نام ہے، جو قبیلہ بنی کلب کی ایک عورت تھی اور ایک جنگ میں گرفتار ہو کر ضرار بن ازور کے ہاتھ آئی تھی۔ ضرار نے چند روز کے بعد اس عورت کو زُفر بن عبداللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ جب وہ زُفر کے پاس پہنچی، تو حاملہ تھی۔ ارطاۃ کے پیدا ہونے پر ضرار نے اسکو سُہَیّہ سے لے لیا تھا اور اسکی پرورش کا انتظام بھی خود کیا تھا، مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ دوبارہ اپنی ماں کے پاس پہنچا دیا گیا یہی سبب ہے کہ وہ ابن سُہَیّہ کے نام سے مشہور ہوا۔

جب ارطاۃ جوان ہوا، تو اسکو شاعری کی طرف خود بخود میلان ہوا اور اس نے نہایت فصیح و بلیغ اشعار کہنے شروع کیے اسکی شاعری اور سخن سنجی کا چرچا رفتہ رفتہ عرب سے شام تک پھیل گیا۔ خوش قسمتی سے دمشق کے دربار میں اسکی رسائی ہو گئی اور وہ خلفائے بنی امیہ کی شان میں قصیدے کہنے لگا۔ مروان بن حکم نے خصوصیت کے ساتھ اس کو قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا اور اس کا بھائی یحییٰ بن حکم بھی اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ ایکدفعہ اس نے مروان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا، جسمیں فصاحت اور بلاغت کوٹ کوٹ کر بھری تھی مروان نے اس قصیدہ کے صلہ میں اسکو تیس اونٹ عطا کئے جن پر غلہ اور کھجوریں لدی ہوئی تھیں۔

شبیب بن برصاء قبیلہ بنی عوف کا ایک مشہور شاعر تھا اسکے ساتھ ارطاۃ کی ایک مدت سے چشمک تھی۔ اور دونوں اپنے اشعار میں ایک دوسرے کے نسب پر حملہ کرتے تھے۔ ایکدفعہ

عبد الملک بن مروان نے جو خاندانِ بنی اُمیّہ میں سے نہایت نامور فرمانروا ہے، ارطاۃ سے کہا کہ تم نے شبیب کی ہجو میں جو اشعار حال میں کہے ہوں، وہ پڑھ کر سناؤ ارطاۃ نے اپنے اشعار پڑھنے شروع کیے۔ پہلے شعر کا مضمون یہ تھا کہ "میرا باپ تیرے باپ سے اچھا تھا اور تو عالی نسب ہونے میں مجھ سے کہیں کمتر ہے" عبد الملک نے کہا: اِس شعر میں جو مضمون تم نے باندھا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ شبیب کا باپ تمھارے باپ سے زیادہ اشرف تھا۔ ارطاۃ نے ایک اور شعر پڑھا، جس کا مضمون یہ تھا کہ "جب کہیں بہادری اور شجاعت، فیاضی اور جوانمردی کے اظہار کا موقع آیا ہے میں اِن سب باتوں میں تجھ سے کہیں افضل رہا ہوں۔" عبد الملک نے اِس شعر کو سُنکر کہا کہ ہاں اِس شعر کا مضمون بالکل صحیح ہے۔ حاضرینِ دربار کو عبد الملک کا یہ فیصلہ سنکر نہایت تعجب ہوا، کیونکہ اِس بات سے صاف معلوم ہو گیا کہ وہ دُور دراز کے بادیہ نشین عربوں کے حالات سے بھی ویسا ہی واقف ہے، جیسا کہ وہ اپنے گرد و پیش کے لوگوں کے حالات جانتا ہے۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ نسب کے لحاظ سے شبیب بہ نسبت ارطاۃ کے زیادہ شریف تھا، مگر حسب یعنی ذاتی کمالات اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے شبیب کو ارطاۃ سے کچھ نسبت نہ تھی۔

علمائے ادب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ارطاۃ عبد الملک بن مروان کے دربار میں پہنچا۔ خلیفہ نے اُس سے دریافت کیا کہ ارطاۃ تمھارا کیا حال ہے؟ ارطاۃ نے کہا اے امیر المؤمنین! میری تمام جوڑ بند ڈھیلے پڑ گئے ہیں، بال سفید ہو گئے ہیں، وہ چیزیں تو بڑھ گئی ہیں، جن کا گھٹنا میں پسند کرتا تھا اور وہ چیزیں گھٹ گئی ہیں، جن کا بڑھنا میرے لیے مفید تھا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ اب تمھاری شاعری کا کیا حال ہے؟ شعر کہتے ہو یا نہیں؟ ارطاۃ نے کہا: امیر المؤمنین! سچ تو یہ ہے کہ نہ آجکل مجھکو خوشی ہوتی ہے، نہ کسی بات پر غصہ آتا ہے، نہ کسی واقعہ کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے، نہ کسی چیز کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے اور یہی جذبات ہیں کہ جب کسی موزوں طبع انسان کے دل پر طاری ہوتے ہیں، تو بے اختیار اُسکی زبان سے اشعار ٹپک پڑتے ہیں۔ اِن میں سے کوئی جذبہ اب میرے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ آجکل تو میری زبان پر یہ اشعار رہتے ہیں (جن کا مضمون یہ ہے) کہ لیل و نہار انسان کو اِس طرح کھائے جاتے ہیں، جس طرح مٹی زمین پر پڑی ہوئی لوہے کو کھا جاتی ہے جب موت کسی انسان پر حملہ کرتی ہے، تو اُسکی زندگی میں ایک لمحہ کی بیشی نہیں ہو سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ اب موت عنقریب حملہ کریگی اور ابو الولید کو نگل ڈالیگی۔ خلیفہ نے جب اِس آخری شعر کو سُنا، تو سہم گیا، کیونکہ اُسکی کنیت ابو الولید تھی۔ اُس نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ موت عنقریب آئے اور مجھکو نگل ڈالے یہ بد دعا تمہیں کو مبارک رہے۔ ارطاۃ نے کہا: امیر المؤمنین! اِس شعر میں آپکی طرف اشارہ نہیں ہے! بلکہ ابو الولید کے لفظ سے میں نے اپنی ذات مُراد لی ہے؛ کیونکہ میری کنیت بھی یہی ہے۔ اِس بات کے سننے سے خلیفہ کی تسلی ہو گئی۔ پھر وہ اِن اشعار کے مضمون پر خیال کر کے رونے لگا اور اُس نے کہا سچ تو یہ ہے کہ موت کا کوئی وقت نہیں ہے اور وہ کسیکو بھی نہیں چھوڑے گی۔

شبیب جسکی ارطاۃ سے چشمک تھی بنی عوف کے

قبیلہ سے تھا، جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ اِس قبیلہ کے لوگ عام طور پر بڑی عمر میں اندھے ہو جاتے تھے، مگر شبیب جب بوڑھا ہوا، تو اُسکی بینائی بدستور قائم رہی۔ ارطاۃ کو اُسکی ہجو کرنے کا موقع ہاتھ آیا۔ اُس نے شبیب کی ہجو میں ایک قصیدہ تیار کیا۔ اس قصیدہ کے ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ "اے شبیب! اگر تو بنی عوف کے قبیلہ میں سے ہوتا تو ضرور اِس عمر میں اندھا ہو جاتا، مگر چونکہ تیری بینائی بدستور قائم ہے، اِس لیے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تیرے نسب میں فرق ہے اور تو عوفی نہیں ہے"

کہتے ہیں کہ اِس شعر نے حد سے زیادہ شہرت پائی اور اب بنی عوف میں سے ہر ایک بوڑھا آدمی اِس بات کی تمنا کرتا تھا کہ خدا ہم کو مرنے سے پہلے اندھا کر دے شبیب نے اَرطاۃ سے زیادہ عمر پائی اور اتفاق کی بات ہے کہ جب ارطاۃ نے انتقال کیا، تو اُسکی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اُس نے کہا: کاش! اِسوقت ارطاۃ زندہ ہوتا اور یہ دیکھتا کہ میں اندھا ہو گیا ہوں اور میرے عوفی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ ارطاۃ عاشق مزاج آدمی تھا اور قبیلہ بنی غنی کی ایک حسین اور مہ جبین عورت سے اظہار محبت کیا کرتا تھا، جس کا نام وجزہ تھا۔ اُسنے اپنے اشعار میں بار بار اِس عورت کا نام لیا ہے چنانچہ وہ اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے کہ "وجزہ نے مجھے اِس قابل نہیں رکھا کہ میں کسی چشمہ کے کنارے پر بیٹھکر ایک چلو پانی پیوں اور اپنی پیاس بجھاؤں، یا کسی دوست کے پاس بیٹھکر اُس سے ہمکلام ہوں اور اُسکی بذلہ سنجی سے لطف اُٹھاؤں کیسی عجیب بات ہے کہ دمتان کے اطراف میں جن جن مقامات پر وجزہ نے کبھی قیام کیا ہے، اب وہ سب برباد ہو گئے، حاسدوں اور رقیبوں کی بن آئی کہ اب میرے اور وجزہ کے درمیان جدائی ہو گئی ہے اور وہ کہیں اور میں کہیں ہوں۔ ہم دونوں مدتِ دراز تک ایک دوسرے کی گفتگو سے لطف اُٹھاتے رہے ہیں اور آپس میں محبت اور عشق کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ زمانہ کی گردش کا یہی حال ہے کہ وہ دوستوں میں نا اتفاقی اور جدائی ڈالنے پر ہر وقت کمربستہ رہتی ہے اور دشمنوں کو ہنسنے اور خوش ہونے کا موقع دیتی ہے" اِسی طرح بہت سے اشعار ہیں جن میں ارطاۃ نے وجزہ کا ذکر کیا ہے اور اُسکی پاکدامنی اور محبت، خوبصورتی اور خوش سیرتی کی تعریف کی ہے۔

ایکدفعہ ارطاۃ اُس زمانہ میں وجزہ سے ملا جبکہ وہ اپنی جوانی سے اُتر گئی تھی اور اُسکے حسن کی آب و تاب باقی نہیں رہی تھی۔ افلاس نے اُسکی حالت کو اور بھی متغیر کر دیا تھا وہ ارطاۃ سے اپنی حالت دیر تک بیان کرتی رہی اور ارطاۃ رنج و افسوس کا اظہار کرتا رہا۔ جب اُس سے رخصت ہو کر آیا، تو اُسنے دس اونٹ وجزہ کے مکان پر بھیجدیئے اور اُس نے ارطاۃ کی ہمدردی اور غمخواری کا شکریہ ادا کیا۔

حکما نے بیان کیا ہے کہ محبت گھر سے شروع ہوتی ہے۔ جس شخص کو اپنے ماں باپ، اولاد اور عزیز و اقارب سے محبت نہیں ہوتی، وہ غیروں کے ساتھ محبت و الفت کا اظہار نہیں کرسکتا۔ جو آدمی دنیا میں عاشق مزاج اور محبت پرست ہو گذرے ہیں، اُن کو اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں سے انتہا درجہ کی محبت تھی۔ یہ سچ ہے کہ جب عشق نے غلبہ کیا اور اُنکی جنون تک نوبت پہنچ گئی، تو وہ اپنے محبوب کے سوا

اپنے دوستوں اور رشتہ داروں غرضکہ سب کو بھول گئے، مگر یہ آخر جنون کی حالت تھی اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا ہوش و حواس قائم رہنے کی حالت میں وہ سب کے ساتھ برابر محبت اور الفت کا اظہار کرتے رہے۔ ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ ادطاۃ عاشق مزاج آدمی تھا اور وجیہ کے ساتھ اسکو غایت درجہ کی محبت تھی، جو اخیر عمر تک قائم رہی، مگر یہ محبت اعتدال سے تجاوز کرکے جنون تک کبھی نہیں پہنچی۔ وہ اپنی بیوی اور بال بچوں کے ساتھ بھی انتہا درجہ کی الفت رکھتا تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب اُس کا ایک کمسن بیٹا جس کا نام عمر تھا، بچپن کی حالت میں انتقال کر گیا، تو اُسکو سخت صدمہ ہوا اور اُسکے ہوش و حواس قائم نہیں رہے۔ اُس نے اُس بچہ کی قبر کے قریب اپنے لیے ایک مکان بنا لیا اور اُسمیں سال بھر تک ٹھیرا رہا اور اُسکے مرنے پر جانگداز مرثیے کہتا رہا۔ چونکہ ادطاۃ کے قبیلہ کے لوگ خانہ بدوش تھے اور صحرانشین قبائل کی طرح ایک مقام پر مدت تک قیام نہیں کرتے تھے، اس لیے اُسکے قبیلہ کے آدمی سال بھر تک ایک جگہ ٹھیرنے سے تنگ آگئے اور اُنھوں نے ادطاۃ کو وہاں سے کوچ کرنے پر آمادہ کرنا چاہا۔ ادطاۃ نے قبر کے پاس جاکر بلند آواز سے کہا: اے ابن سلمےٰ! (سلمےٰ ادطاۃ کی بیوی کا نام تھا) ہماری کوچ کرنے کا وقت آپہونچا ہے۔ اُٹھ اور ہمارے ساتھ چل۔ قبیلہ کے آدمیوں نے ادطاۃ کو سمجھایا کہ تم خدا کے واسطے ایسی دیوانگی کی باتیں ترک کرو، اگر تمھارے ہوش و حواس قائم ہیں، تو صبر و تحمل سے کام کرو۔ ادطاۃ نے کہا: آج رات بھر ٹھیرو اور صبح تک انتظار کر دیں کل صبح اس امر کا فیصلہ کرونگا کہ مجھکو یہاں سے کوچ کرنا چاہیے یا نہیں۔ دوسرے دن صبح کے وقت ادطاۃ نے پھر قبر کے پاس کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا: اے عمر! اے سلمےٰ کے بیٹے! اے میرے پیارے بچے! اُٹھ اور ہمارے ساتھ چل، کیونکہ ہمارے قبیلہ کے آدمی اب زیادہ عرصہ تک یہاں قیام نہیں کرسکتے۔ قبیلہ کے آدمیوں نے ادطاۃ کو پھر سمجھانا شروع کیا اور اُسکو دیر تک نصیحت کرتے رہے اور کہتے رہے کہ ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ جس بچے کو انتقال کیے ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہے، وہ اب کیونکر زندہ ہو سکتا ہے اور کیونکر تمھارے ساتھ چل سکتا ہے۔ ادطاۃ نے ایک آہ سرد بھر کر کہا: اگر وہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکتا، تو میں بھی یہاں سے نہیں چل سکتا۔ یہ کہکر اُس نے اپنی سواری کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو مخاطب کرکے کہا: تمھارا جی چاہے، تو یہاں قیام کرو، ورنہ کوچ کر جاؤ اور مجھے میرے حال پر رہنے دو۔ اس واقعہ کو ادطاۃ نے اپنے دردناک اشعار میں اس طرح بیان کیا ہے کہ میں ابن سلمےٰ کی قبر کے پاس کھڑا ہوا، جو رونے اور غم کرنیکا مقام تھا۔ میں نے بلند آواز سے کہا: اے ابن سلمےٰ! کیا تو ہمارے ساتھ شام کو کوچ کرتا، یا صبح کے وقت ہمارے ساتھ سفر کرنے پر آمادہ ہوتا۔ اے دوستو اور اے میرے عزیزو! میں ابن سلمےٰ کو کیونکر بھول سکتا ہوں، کیونکہ اسیر بہار اور خزاں کے چند ہی موسم گذرے ہیں مجھے عمر کی قبر پر کھڑا ہوا اور اُسکو دیر تک غور سے دیکھتا رہا، مگر اُسکے سوا مجھے اور کچھ بھی نظر نہیں آیا کہ چٹیل میدان میں ایک قبر ہے جسکے نشان بارش اور تند ہوا کے اثر سے روز بروز مٹتے جاتے ہیں۔ ان اشعار سے اور اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ادطاۃ اپنی محبوبہ وجیہ کی محبت اور الفت میں دیوانہ نہیں ہوا تھا، مگر بیٹے کے مرنے کے صدمہ سے اُسکے ہوش و حواس قائم نہیں رہے۔

افسوس ہے کہ ادطاۃ کی تاریخ وفات ہم معلوم نہیں کرسکے۔

اسلامی عہد کے چند دلچسپ تاریخی لطیفے

ہم نے بعض دوستوں اور بزرگوں کے اصرار سے ارادہ کیا ہے کہ ناظرین معارف کی دلچسپی کے لیے تاریخ اسلام میں سے بعض پاکیزہ اور دلچسپ لطیفے انتخاب کرکے معارف کے کسی صفحے پر درج کیا کریں۔ یہ لطیفے جو وقتاً فوقتاً شائع کیے جائیں گے ہر طبقہ کے مسلمانوں کے متعلق ہوں گے یعنی ان سے سلاطین، وزرا، امرا، ارکان سلطنت، علما، ادبا، اور شعرا وغیرہ کی زندگی اور طبعی لطافت کا اندازہ ہو سکیگا اور اس طرح ہم مسلمانوں کی تاریخ کے ایک دلچسپ حصہ پر کسیقدر روشنی ڈال سکیں گے۔

(۱)

ہشام ابن عبدالملک کے حالات میں لکھا ہے کہ اس نے ابراہیم ابن ابی عبلہ کو خراج مصر کے انتظام پر مامور کرنا چاہا۔ ابراہیم نے انکار کیا۔ ہشام کو یہ امر ناگوار گذرا اور اس نے ابراہیم کو نہایت قہر کی نگاہ سے دیکھا اور کہا: اگر خوشی سے نہیں، تو جبراً تمھکو قبول کرنا پڑیگا۔ ابراہیم یہ سنکر خاموش ہو رہا، یہانتک کہ ہشام کا غصہ فرو ہوا۔ اب ابراہیم نے کہا: اگر حکم ہو تو میں کچھ عرض کروں۔ ہشام نے اجازت دی۔ ابراہیم نے کہا: اے امیرالمومنین! خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ ہم نے امانت آسمان اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی، مگر سب نے اسکے برداشت کرنے سے انکار کیا۔ باوجود اس کے خدا تعالیٰ نے ان کو اسکے اٹھانے پر مجبور نہیں کیا۔ پس میں بھی اس بات کا مستحق نہیں ہوں کہ میرے انکار پر تجھکو غصہ آئے اور تو مجھکو جبراً خراج مصر پر مامور کرے۔ ہشام یہ سنکر ہنس پڑا اور ابراہیم کو اس خدمت سے معذور رکھا۔

(۲)

ایک دفعہ مہدی جو عباسیوں میں نامور خلیفہ ہو گزرا ہے شکار کی غرض سے اپنی فوج سے آگے نکل گیا اور ایک صحرانشین عرب کے خیمہ کے پاس جا نکلا۔ اسوقت بھوک اور پیاس بہت غالب تھی۔ عرب سے کہا کہ اگر تمھارے پاس کچھ کھانے کو ہو، تو مہربانی سے لاؤ۔ عرب نے کہا: اور تو کچھ نہیں ہے، دودھ البتہ موجود ہے۔ یہ کہکر اس نے دودھ کا ایک پیالہ بھرکر دیا۔ مہدی نے دودھ پی کر اس سے پوچھا: تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ عرب نے کہا: نہیں۔ مہدی نے کہا: میں امیرالمومنین مہدی کا ایک خدمتگار ہوں۔ عرب نے دودھ کا ایک اور پیالہ بھر دیا۔ اس کو پی کر پھر مہدی نے پوچھا: تم جانتے ہو، میں کون ہوں؟ عرب نے کہا: تم امیرالمومنین کے ایک خدمتگار ہو۔ مہدی نے کہا: نہیں، میں خلیفہ کی فوج کا ایک سردار ہوں۔ عرب نے تیسری دفعہ دودھ کا ایک اور پیالہ دیا۔ اس کو پی کر مہدی نے پھر اس سے پوچھا: تم جانتے ہو، میں کون ہوں۔ عرب نے کہا: تم امیرالمومنین کی فوج کے ایک سردار ہو۔ مہدی نے کہا: نہیں، بلکہ میں خود امیرالمومنین ہوں۔ عرب نے کہا: سبحان اللہ تم بھی عجیب آدمی ہو۔ ایکدفعہ تم نے اپنے تئیں خلیفہ کا خدمتگار بتایا، پھر خلیفہ کی فوج کا سردار ظاہر کیا۔ اسکے بعد ایک دم سے تم خلیفہ بن بیٹھے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں اب کی دفعہ دودھ کا پیالہ بھر دونگا، تو تم پیغمبری کا دعویٰ کر بیٹھوگے۔ مہدی ہنسی کے مارے لوٹ گیا۔ اتنے میں فوج بھی قریب آپہنچی اور اس نے عرب کو انعام و اکرام دے کر سرفراز و ممتاز کیا۔

ایڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم - مقام اشاعت: دفتر معارف - پانی پت - عام خریداروں سے قیمت سالانہ مع محصول ڈاک للعہ، قیمت فی پرچہ نمونہ مع محصول ڈاک ۵ر

معارف

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص یا انجمن یا مدرسے کے لیے کم نہیں ہو سکتی

یہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو شایع ہوتا ہے۔ اس میں علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین نکلتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کی عمدہ نظمیں اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے۔

قیمت نقد بھیجیے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت دیجیے۔ نمونہ کے لیے ٹکٹ ارسال کیجیے۔ نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھیے۔ پتہ بدلنے پر فوراً اطلاع کیجیے۔ خط و کتابت یا ارسال زر اڈیٹر کے نام کیجیے۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجیے۔

جلد ۴	اکتوبر ۱۹۰۱ء	نمبر ۱۰

سرسید کے متفرق خطوط

ذیل میں جو خطوط ہم چھاپتے ہیں وہ ہم کو سرسید کی لائف کے اُس مسودے سے دستیاب ہوئے ہیں جو منشی سراج الدین اڈیٹر اخبار چودھویں صدی راولپنڈی نے مرتب کیا تھا۔ مسودہ سے یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی کہ یہ خطوط سرسید مرحوم و مغفور نے کن دوستوں کے نام لکھے تھے۔ مگر چونکہ وہ ... نکات جو اِن خطوط میں درج ہیں، اُن کے نام کے معلوم نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں آسکتا، اس لیے ہم اِن خطوط کو شایع کرتے ہیں۔ اور صاحب موصوف کی کاوش سے شکریہ ادا کرتے ہیں، جن کے مسودہ سے ہم نے فائدہ اُٹھایا ہے۔

(اڈیٹر)

مخدومی و مکرمی۔

آپ کا خط ... پڑھنے سے سخت ملال ہوا، جو مقتضائے طبع انسانی ہے۔ قرضہ کی پریشانی بلاشبہ رنج دہ ہے ... سب سے بڑا کام انسان کے لیے دنیا میں یہ ہے کہ دنیا کو برتے اور دل کو اُس سے تعلق نہ ہو ...

"حدیث دنیا ... غافل بدن"

ہمارے نزدیک اس میں کسقدر غلطی ہے۔ خدا سے غافل ہونا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ خود خدا ایسا ہمارے پیچھے پڑا ہے کہ اگر ہم چھوڑنا بھی چاہیں، تو نہیں چھوڑتا۔ اس طرح ہم بھی خدا کے پیچھے پڑے ہیں کہ اگر خدا خود چاہے، تو ہم کو چھوڑ نہیں سکتا۔ بھلا دیکھیں تو، خدا ہم کو اپنے بندے یا اپنے مخلوق ہونے سے خارج تو کر دے۔ خدا کی

قدرت سے خارج ہے

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم، تو جاں شدی،
تاکس نگوید بعد ازیں، من دیگرم، تو دیگری

پس از خدا غافل بدن چہ معنی دارد؟ دنیا ہم برتنے کے لیے ہے۔ ہم خوب دل سے اس کو برتیں، مگر دل کو اس سے تعلق نہ ہو۔ پس یہی سب سے بڑا کام ہے اور یہی تعلق کفر ہے جس کی نسبت رسول مقبولؐ نے فرمایا "حبذا المال لعارف" پس قرضہ کے رنج اور اس کی پریشانی کو خدا کی رحمت سمجھنا چاہیے۔

خیر الامور اوسطہا سیدھی راہ ہے اور اس کے سوا افراط و تفریط ہے جو ہر کام میں خواہ دینی ہو یا دنیوی گناہِ عظیم ہے۔ خدا تعالیٰ جب کسی کو کسی نیک کام کی طرف ہدایت کرنا چاہتا ہے، تو وہ شجر و حجر و حیوان سے ہدایت کر دیتا ہے۔ کیا نیوٹن کے لیے عظیم الشان سیب کی نسبت ہدایت [illegible] معلوم ہوتا ہے، صرف ایک سیب کے درخت سے گرنے سے ہدایت نہیں پائی؟ پھر کیوں تعجب کیا جائے، اگر کوئی انسان اخلاقی و روحانی باتوں میں کسی قدرتی صفت یا خاصیت کے سبب سے، جو شجر و حجر و حیوان میں پائی، ہدایت پائے؟ پس اگر آپ کی ہدایت اور نیکی کے لیے بھی خدا نے ایک انسان عیسائی کی زبان سے کچھ کہلوا دیا، تو کیا تعجب ہے؟ مگر اس کے برتنے میں غلطی کرنا بڑی غلطی ہے اور وہ غلطی افراط و تفریط میں پڑنا ہے، قدرتی جو انسان میں ہیں اُن کو برتنا خدا کا حکم ہے اور اُنھیں کو افراط و تفریط سے کام میں لانا سخت گناہ ہے۔ میں نہایت خوشی سے اپنی تفسیر کی چار جلدیں عمدہ سنہری جلد بندھی بندھائی تمھاری نذر کرنے سے نہایت خوش ہوں گا، اگر وہ تمھارے پاس نہ ہو۔ اگر آپ کو تہذیب الاخلاق کی خواہش ہے تو میں آپ کے لیے پورا سلسلہ بہم پہنچانے کی کوشش کروں گا، اگرچہ کسی سال کی جلدوں کا ملنا نہایت دشوار ہو گا۔ میں اپنی خوشی سے جو ہو اطلاع دو۔

خاکسار سید احمد۔ علیگڈھ ۳ ستمبر ۱۸۹۱ء

مخدومی

اس وقت آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے اور کیوں اس قدر زندگی سے نا امیدی ہے! میری دانست میں مرنے کے بعد بہ نسبت زندگی کے زیادہ راحت ہے۔ آپ کے سوال کا مفصل اور مدلل جواب لکھنے کو وقت اور [illegible] چاہیے، مگر جب روح انسانی کو کاسب اور مکتسب قرار دیا گیا تو ضرور بعد مفارقت ابدان کے، اُن کو جو باہم دنیا میں ملاقات تھی اور اُن کی روحوں کو شناخت کریں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ اُن روحوں کو اپنے احباب و رشتہ مندوں کے حال سے آگاہی ہوتی ہو۔ یہ سب باتیں روح کی کاسب اور مکتسب ہونے سے متفرع ہوتی ہیں اور روح کا کاسب و مکتسب ہونا میرے نزدیک ثابت و محقق ہے۔ روح کو بعد جدا ہونے کے بدن سے ایک قسم کا جسم حاصل ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ وہ اور جسم سے بھی بدلا جائے۔ اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ بعض عالموں نے تسلیم کیا ہے کہ

بعد مفارقت بدن کے روح ترقی الی الاعلیٰ کرتی ہے۔ اس کی دلیل جو اُن عالموں نے لکھی ہے، وہ ابتک بخوبی میری سمجھ میں نہیں آئی، مگر میرا دل تسلیم کرتا ہے کہ ان کا یہ لکھنا صحیح ہے۔ میں معتقد ہوں کہ روح کو ترقی ہوتی جائیگی، اسیقدر تعارف زیادہ ہوتا جائے گا۔ اور اسی امر کو میں نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ جسم ہو جو اول حاصل کیا تھا، تبدیل ہوجائے۔ فوائد عظیمہ بیان نہیں ہوسکتے، روحوں کو آپس میں ملنے سے کیا لذت اور سرور ہوگی، اس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ دنیاوی لذتوں سے بہت زیادہ لذت ہوگی۔

خدا سب مسلمانوں کا خاتمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر کرے۔ صرف یہی ایک بات تمام مشکلوں کی مشکل‌کشا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

(خاکسار سید احمد ۲۹ جولائی ۱۸۹۶ء علیگڈھ)

مشفقی نامی

آپ کا عنایت نامہ دردانگیز پہنچا۔ جو رنج آپکو ہے وہ بلاشبہ ہمدردی کے لائق ہے؛ لیکن امر لاعلاج کا یہ علاج نہیں ہے کہ انسان اُسی میں غلطاں و پیچاں رہے اور سب کاموں کو جن کے لیے خدا نے اُس کو پیدا کیا ہے، چھوڑ بیٹھے۔ رضا بقضا جو اہل اللہ کا مقولہ ہے، نہایت عمدہ اور فلسفیانہ ہے۔ حتی المقدور انسان کو اُس پر عمل کرنا چاہیے۔ تعارف جسم سے متعلق نہیں ہے، بلکہ روح سے متعلق ہے، پس بعد فنائے ظاہری اگر روح اپنے جسم کی ترقی کرے، تو تعارف ساقط نہیں ہوتا۔ میری دانست میں آپ کو اتباع والدہ صاحبہ کا جن کا حق جمیع اُمور پر مقدم ہے، لازم ہے۔ آپ اُن کی صلاح کو مان لیں اور شادی کرلیں۔ اُمید ہے کہ آپکی حالت موجودہ اور آئندہ درست ہوجائیگی۔

ایک بیوی کی وفات کے بعد دوسری بیوی کرنی کسی طرح اخلاق کے برخلاف نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم کو بھی حضرت خدیجہ کبریٰ سے نہایت محبت تھی۔ اُن کے بعد آپ نے نکاح فرمایا۔ کون شخص ہے جو کانشنس یا اخلاق میں آنحضرت صلعم سے زیادہ اپنے تئیں قرار دیسکتا ہے؟ تمام حالات و مشکلات، جو آپنے لکھی تھیں، وہ سب واردات حالیہ ہیں، جو کبھی قائم نہیں رہتیں۔ انسان کو چاہیے کہ اُن واردات حالیہ کو دل سے علیحدہ کرکے سوچے کہ اُس کو کیا کرنا چاہیے۔ میری سمجھ میں والدہ صاحبہ کی اطاعت اور اُن کو رنج کی حالت میں نہ رکھنا تمام اخلاقوں اور عبادتوں اور کانشنس کے جذبوں سے افضل ہے۔ والسلام

(خاکسار سید احمد۔ علیگڈھ۔)

مخدومی

جس شہر میں وبا ہو، وہاں سے چلا جانا وبا سے بچنے کو مع اس اعتقاد کے کہ اگر اللہ نے اس فعل سے ہمارا وبا سے بچنا مقدر کیا ہے،

تو بھی بچ سکے اور مقدر نہیں کیا ہے، تو باوجود
چلے جانے کے نہیں بچتے۔ خلاف شرع و احکام
رسول خدا صلعم نہیں ہے۔ مذہب اسلام کا
اصول یہ ہے کہ آدمی ہر کام کے لیے جو اسباب
ہوں، اُن اسباب کو فاعل حقیقی نہ سمجھے،
بلکہ فاعل حقیقی خدا کو سمجھے، جو علت العلل تمام
افعال و واقعات کا ہے، تاکہ کسی وقت قادر مطلق پر
اعتماد یا توجہ سے غافل نہ ہو۔ جس طرح کہ آدمی
امراض میں دوا کرتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ دوا
مرض کے لیے مفید ہے، مگر اس کے ساتھ ہی
یقین کرتا ہے کہ اگر خدا نے صحت مقدر کی ہے
تو صحت ہوگی۔ اسی طرح جہاں وبا ہے وہاں سے
چلا جانا مثل دوا کے ہے اگر خدا نے بچنا مقدر
کیا ہے، تو اس دوائے فعلی سے فائدہ ہوگا،
نہیں تو نہیں۔ بخاری میں جو حدیثیں ہیں اُن کا بھی
یہی مطلب ہے۔ ایک حدیث میں ہے فلا تخرجوا
منہا، مگر اس حدیث کے الفاظ پورے نہیں ہیں،
اس کے بعد جو حدیثیں ہیں اُن کے الفاظ پورے
ہیں فلا تخرجوا فراراً منہ جس کا صاف
مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھ کر چلا جانا کہ ہم اُس سے
بھاگ کر بچ جاویں گے ممنوع ہے، کیونکہ اگر
اللہ نے مقدر نہیں کیا، تو بھاگ کر نہیں
بچ سکتے۔

جہاں وبا ہے وہاں داخل ہونا اور
وبا کے مقام سے چلا جانا دونوں کی [illegible]
اگر توکل بر تقدیر کی تاکید ہو اور اسباب کی طرف
توجہ ممنوع ہو، تو جہاں وبا ہے وہاں جانے کا
امتناع غلط ہو جاتا ہے، اُسی دلیل سے جس دلیل سے
کہ ایسے مقام سے چلا جانا ممنوع ہوتا ہے۔ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ جب شام کو جا رہے تھے اور معلوم
ہوا کہ وہاں وبا ہے تو صحابہ سے صلاح کی اور
آخرکار یہ فیصلہ ہوا کہ مت جاؤ۔ اُس وقت
ابو عبیدہ نے کہا کہ افراراً من قدر اللہ؟ اُس کے
جواب میں حضرت عمر نے کہا کہ نعم نفر من قدر اللہ
الی قدر اللہ پس اس جواب سے بیشک مسئلہ حل
ہو جاتا ہے اور یہی جواب اُس شخص کی جانب سے
ہوتا ہے، جو اُس مقام سے جہاں وبا ہے،
چلا جائے اور کوئی شخص اُس کو کہے کہ افراراً
من قدر اللہ تو اُس کا جواب یہی ہوگا کہ نعم نفر
من قدر اللہ الی قدر اللہ پس جب ان تمام حدیثوں
اور اُن کے الفاظ و مقاصد پر غور کرو، تو یہی مطلب
دکھایا جاتا ہے، جو میں نے بطور خلاصہ اوّل
لکھا ہے۔ یہ بات کہ اگر کوئی شخص اپنے عزیز و اقربا کو
جنکی تیمارداری اُس کے ذمہ ہے اور جو وبا میں
مبتلا ہوں، وبا کے ڈر سے چھوڑ کر چلا جائے تو یہ
ایک گناہ ہے، اس کو عام بحث سے کوئی تعلق
نہیں ہے۔ ایسے شخص کی نسبت وہ حدیث ہے
جو بخاری میں اجر الصابر فی الطاعون میں مذکور ہے

والسلام

(خاکسار سید احمد۔ علیگڑھ)

مخدومی

نجوم کے قواعد جو نسبت اشخاص کے ہیں سب جھوٹے ہیں۔ کسی مسلمان کو باعتبار مذہب و عقائد و عقل کے اور کسی غیر مسلمان کو باعتبار عقل کے اُن پر متوجہ ہونا اور وقت ضائع کرنا نہیں چاہیے جبکہ میری یہ رائے ہے، تو تائیداُس کام کی نہیں کرتا جس کو میں خود بُرا جانتا ہوں والسلام

(خاکسار سید احمد ۔ علیگڈھ)

مخدومی و مکرمی

آپس میں تکرار نہایت نامناسب ہے۔ دوستانہ طور پر اس کو رفع کرنا چاہیے۔ مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھی میرے دوست ہیں۔ اُن کو مناسب تھا کہ اپنے مجلس کی مرضی کے بغیر ۔ ۔ ۔ آ ۔ ۔ جاتے۔ ہمارے دوست منشی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو بھی لفظ "۔ ۔ ۔ ۔" کا لکھنا مناسب نہ تھا۔ دونوں برابر ہو گئے، دونوں کو بھول جانا اور دل صاف کر لینا چاہیے۔ دونوں صاحب میرے دوست ہیں اور یہ پرچہ پیام دونوں صاحبوں کو درگذر کرنے اور ملا دینے کے لیے ایک دوست کا کام دے گا۔ آپ دونوں صاحب جو اِس پرچہ کے ذریعہ سے ملا دیجیے۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ کسی ایسی دقت کے معاملہ میں دست اندازی نہ کریں، جس میں عدالت میں نالش کی نوبت پہنچے؛ ورنہ مجلس بدنام اور بے فوائد معدوم ہو جائیں گے۔

(خاکسار سید احمد ۔ علیگڈھ)

مخدومی و مکرمی مولوی صاحب

سوائے توحید ذاتِ باری تعالیٰ کے ماننے کے تہذیب نفس انسانی اور اصل شائستگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ والسلام۔

(خاکسار سید احمد ۔ ۲۹ جون ۱۸۹۵ء علیگڈھ)

مخدومی

ہر شخص یہاں تک کہ شیخ چلی بھی الہام کا دعویٰ کر سکتی ہے، مگر اس کا نتیجہ کیا ہے؟ کسی کے الہام سے کیا فائدہ یا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ نادان ہیں وہ جو اُن سے (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی سے) جھگڑا کرتے ہیں۔ والسلام۔

(خاکسار سید احمد ۔ ۱۸ مئی ۱۸۹۱ء ۔ علیگڈھ)

مخدومی و مکرمی

آپ جو رسالہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لکھنا چاہتے ہیں، کیا آپ کو بھی کچھ مالیخولیا ہو گیا ہے؟ اِس لغو حرکت سے کچھ فائدہ نہیں اور مجھکو ہرگز اسقدر فرصت نہیں ہے کہ نسبت حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کے، جو محض غلط روایا پر مبنی ہے، کچھ لکھوں۔

(خاکسار سید احمد ۔ علی گڈھ)

ابوسعید ابوالخیر

یہ پانچویں صدی ہجری کے مشہور بزرگان طریقت میں سے ہیں، جن کی فارسی رباعیاں عمر خیام کی رباعیوں کی طرح مدت دراز تک زبان زد خلائق رہی ہیں۔ اُن کا اصلی نام فضل اللہ تھا، مگر وہ ابوسعید کے نام سے، جو اُن کی کنیت تھی، مشہور ہو گئے تھے۔ ابوالخیر اُن کے والد بزرگوار کا نام تھا اور یہ نام بھی اُن کے نام کے ساتھ ہمیشہ لکھا جاتا ہے، تاکہ یہ بات معلوم ہو کہ وہ ابوالخیر کے فرزند تھے۔ ابوالخیر کو علم نباتات میں کامل درجہ کی مہارت تھی اور وہ غزنی میں بوٹیاں فروخت کر کے اپنی روزی پیدا کیا کرتا تھا۔ یہ زمانہ سلطان محمود غزنوی کا تھا۔ اُس نے رفتہ رفتہ سلطان کے ارکان دولت اور درباری اُمرا سے دوستی پیدا کر لی تھی اور اُن سے رسائی پیدا کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سلطان کے مصاحبوں اور ندیموں میں داخل ہو گیا تھا۔

ابوسعید نے جب ہوش سنبھالا، تو اُن کو علم کا شوق دامنگیر ہوا اور وہ علمائے غزنی کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے تمام درسی علوم میں مہارت پیدا کر لی اور تفسیر و حدیث اور فقہ میں تو ایسا کمال پیدا کیا کہ اُس زمانہ میں کوئی اُن کا ہمسر نہ رہا۔ جب سے انھوں نے ہوش سنبھالا تھا، تصوف کا مذاق جو اُن کی طبیعت میں موجود تھا، وہ ہمیشہ اُن کو اِس فن کی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رکھتا تھا۔ ابوالخیر کو اُن کے اس مذاق کی بالکل خبر نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ ابوالخیر نے ایک نہایت خوشنما اور شاندار مکان اپنے لیے بنوایا تھا اور اُس میں اکثر اُن اُمرا کی دعوت کیا کرتا تھا، جو سلطان کے مقرب اور خاص مصاحب تھے اور جنکی دوستی اور ملاقات کے سبب سے وہ بھی رفتہ رفتہ سلطان کے مصاحبوں میں شامل ہو گیا تھا۔ زینت و آرائش کے دیگر سامانوں کے علاوہ اُس مکان کی دیواروں پر سلطان اور اُس کے ارکان دولت و وزرا و اُمرا کی تصویریں کھنچی ہوئی تھیں اور اِس سے ابوالخیر کی غرض یہ تھی کہ سلطان اور اُس کے ارکان دولت کے ساتھ اپنی خیرخواہی اور محبت کا اظہار کرے۔ ایکدن ابوسعید نے اپنے والد بزرگوار سے کہا کہ میرے لیے ایک مکان خرید کر دیجیے میں اُس میں رہوں گا اور اپنے علمی مشاغل میں تنہا رہکر مصروف رہا کروں گا۔ ابوالخیر نے اپنی وسعت کے موافق ایک عمدہ اور شاندار مکان ابوسعید کے لیے خرید کر دیا۔ وہ باپ سے جدا ہو کر اُس مکان میں رہنے لگے۔ چند روز کے بعد ایکدن ابوالخیر جو ابوسعید کے مکان میں پہنچا، تو اُس نے دیکھا کہ اُس کی دیواروں پر جابجا قرآن مجید کی وہ آیتیں نقش کی گئی ہیں، جن میں توحید کا بیان ہے۔ طاقوں میں کہیں تو کلمہ لکھا ہوا ہے، کہیں یا ھو اور کہیں

یَامَنْ لَیْسَ اِلَّا ھُوَ، غرضکہ وہ جدھر نظر اُٹھاتا تھا، اُس کو خدا کی ہستی اور وحدانیت کا مضمون نظر آتا تھا۔ اُسنے حیران ہوکر ابوسعید سے کہا: بیٹا! کیا اِس مکان کی آرائش کے لیے کوئی اور چیز نہ تھی کہ تم نے قرآن مجید کی آیتوں اور صوفیۂ کرام کے اقوال سے تمام دیواروں کو زینت دی ہے۔ ابوسعید نے کہا: آبّا جان! آپ نے اپنے بیٹھنے کے کمرے میں سلطان کی اور اُسکے ارکانِ دولت کی تصویریں کھچوائی ہیں اور اس سے آپ کی غرض یہ ہے کہ سلطان اور اُسکے ارکانِ دولت کے ساتھ آپ اپنی محبت کا اظہار کریں اور وہ آپ کے ساتھ شفقت اور عنایت سے پیش آئیں۔ میں نے اپنے کمرہ کی دیواروں پر قرآن مجید کی آیتیں اور صوفیانہ اقوال جو خدا کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں نقش کرائے ہیں اور اس سے میری غرض یہ ہے کہ خدا کے نام کا میرے دل پر گہرا نقش ہو اور ہر وقت اُسکی وحدانیت اور جلال کی تصویر میری آنکھوں کے سامنے رہے۔ شاید کسی دن وہ مجھپر مہربان ہو اور اُسکی عنایت اور رحمت سے میری نجات ہوجائے۔ اب میں آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں کہ سلطان کی مہربانی کی توقع رکھنا بہتر ہے، یا خدا کی رحمت وعنایت کا امیدوار رہنا! ابوالخیر نے جب یہ بات اپنے دانشمند بیٹے کی زبان سے سنی، تو اُس نے کہا کہ بیٹا! فی الحقیقت تمھارا مذاق میرے مذاق سے زیادہ لطیف اور اعلیٰ ہے میرا مذاق پست اور میرا خیال ادنیٰ ہے۔ میں اب اپنے کمرے کی تمام تصویریں کو دیواروں سے محو کردوں گا اور تمھارے اِس پاکیزہ اور اعلیٰ مذاق کی پیروی کروں گا یہ کہکر وہ اُس مکان سے چلا گیا اور اُس نے اپنے مکان میں پہنچکر اپنے کمرہ کی تمام تصویروں کو محو کرادیا اور اُن کی جگہ قرآن مجید کی آیتیں اور حکیمانہ اور صوفیانہ اقوال منقوش کرائے۔

ابوسعید اس واقعہ کے بعد اپنے والد بزرگوار کے اصرار سے علم کی تکمیل کی غرض سے مرو کو گئے اور وہاں پانچ سال تک عبداللہ حصری اور قفال کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے رہے۔ یہ دونوں بزرگوار اُس زمانہ میں علومِ شریعت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ ابوسعید مرو میں جانے سے پہلے مذہبی علوم میں کافی دستگاہ پیدا کرچکے تھے اور اُن کی شہرت ان علوم میں دور دور پھیل چکی تھی، مگر اُن کو علم کی تحصیل سے سیری نہیں ہوئی تھی اور وہ رات دن علمی نکات کی تلاش میں رہتے تھے اور معلومات کے دائرہ کو وسیع کرتے جاتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے والد بزرگوار کے کہنے سے مرو میں پہنچے اور اُنھوں نے عبداللہ حصری اور قفال کی علمی صحبتوں سے استفادہ حاصل کیا۔ مرو میں جب تک وہ رہے اُن کا یہی وتیرہ رہا کہ حلقۂ درس سے برخاست ہونیکے

بعد وہ اپنے مکان پر چلے آتے تھے اور عبادت کیا کرتے تھے اگرچہ یہاں رہکر اس مدت میں انھوں نے ظاہری علوم میں اعلیٰ درجہ کا کمال پیدا کر لیا تھا! مگر باطنی اور روحانی دنیا سے وہ ابتک بہت دور تھے اور قلب کی پاکیزگی اور صفائی کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی تھی۔ مجبوراً انھوں نے سرخس کا سفر کیا اور وہاں پہنچکر ابو علی فقیہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور ان سے فقہ اور تفسیر کی تکمیل کی اور شب و روز اس تلاش میں رہنے لگے کہ کوئی ایسا شخص ملے جو باطنی اور روحانی کمالات رکھتا ہو تو اسکی صحبت میں رہکر فیض اٹھائیں۔

ایکدن حسن اتفاق سے وہ ابو الفضل کی خانقاہ میں جا نکلے، جو سرخس کے بزرگان طریقت میں [illegible] ہوئے [illegible] [illegible] کتاب [illegible] لطف [illegible] ابوسعید نے [illegible] بات [illegible] معلوم کرنا [illegible] مشغول [illegible] اس کی طرف [illegible] ابوسعید [illegible] باطن میں صفائی [illegible] لطافت پیدا نہ ہو جائے، کتابوں کے مطالعہ سے کچھ فائدہ [illegible] ابوسعید پر شیخ کے [illegible] کہنے کا بہت اثر ہوا۔ چپ چاپ بیٹھکر انکے پاس سے چلے آئے۔ دوسرے دن جب ابو علی فقیہ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے تو انھوں نے درس کے شروع کرنے سے پہلے ایک آیت قرآن مجید کی پڑھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ تم ان لوگوں سے کنارہ کرو جو اپنی ہی ادھیڑبن میں رہتے ہیں اور خدا سے لو لگاؤ۔ اس آیت کے سننے سے یکایک ابوسعید پر وجد کی حالت طاری ہوئی۔ ابو علی نے ان کی اس حالت کو دیکھکر پوچھا کہ اس تغیر حالت کا کیا باعث ہے؟ ابوسعید نے کہا کہ میں کل شیخ ابو الفضل کی خانقاہ میں گیا تھا اور چند لمحے انکی فیض صحبت سے مستفید ہوا تھا ان کی خدمت میں تھوڑی دیر بیٹھنے کا یہ اثر ہوا ہے کہ میری طبیعت حد سے زیادہ گھبرا رہی ہے۔ ابو علی نے کہا: تو بہتر یہی ہے کہ تم انھیں کی خدمت میں حاضر رہو اور ان سے روحانی اور باطنی تعلیم حاصل کرو کیونکہ ظاہری علوم میں تو تم کافی مہارت پیدا کر چکے ہو۔ یہ سنکر وہ پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے روحانی برکات حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ دوسرے دن صبح کو خانقاہ میں پہنچے اور شیخ کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔

شیخ ابو الفضل کے علاوہ انھوں نے شیخ ابو [illegible] سے بھی روحانی اور باطنی کمالات حاصل کیے [illegible] برس تک جنگلوں میں تنہا پھرتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے میہنہ میں قیام کیا اور ظاہری و باطنی فیض کا ایک ایسا چشمہ جاری کیا جس سے بیشمار آدمی سیراب ہوئے۔ اسی زمانہ میں انھوں نے شیخ ابو العباس سے جو آمل میں نہایت بلند پایہ بزرگ تھے فیض باطنی

حاصل کیا۔ اُن کی صحبت کا ابوسعید پر یہ اثر ہوا
کہ اُنھوں نے ظاہری علوم کا درس دینا ترک کر دیا
اور صرف باطنی اور روحانی تعلیم کا سلسلہ جاری
رکھا۔ آخر عمر میں وہ نیشاپور میں وارد ہوے
اس شہر کی محلوں میں پھرتے پھرتے جب وہ
ایک مقام پر پہنچے، تو اُنھوں نے لوگوں سے
دریافت کیا کہ اِس مقام کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے
کہا: اِسکو درب دوست کہتے ہیں۔ اُنھوں نے
یہ کہکر کہ اب دوست کے دروازہ سے کہاں
جائیں، وہیں رہنا اختیار کر لیا اور وفات کے
وقت تک وہیں رہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ شیخ ابوسعید نے
(۸۳) برس سے زیادہ عمر پائی اور ۴۴۰ھ ہجری میں
نیشاپور میں اُن کا انتقال ہوا اور وہیں دفن
کیے گئے۔ شیخ نے وفات پانے سے چند روز پہلے
اپنے مریدوں کو جمع کر کے اُن سے کہا کہ میں چار
لفظوں میں تمھارے لیے ہدایت اور نصیحت کو
ختم کرتا ہوں۔ اُن کو توجہ سے یاد رکھو اور سنو
وہ چار الفاظ یہ ہیں (۱) رُفت و رُو (۲) شست و شو
(۳) گفتگو (۴) جستجو۔ اِن چار لفظوں میں
ظاہر و باطن کی پاکیزگی اور ترقی کی تدبیر ظاہر
کر دی گئی ہے۔ اگر تم اِن پر عمل کرو گے، تو
روحانی اور جسمانی کمالات کا حاصل کرنا تم پر
آسان ہو جائیگا۔ کہتے ہیں کہ چالیس برس کی
ریاضت کے بعد شیخ نے شادی کر لی تھی اور اُن سے
اولاد پیدا ہوئی تھی۔ اُن کا مقولہ تھا کہ مردانِ خدا
وہی ہیں، جو لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں اُن سے
معاملہ کرتے ہیں اور شادی کر کے اولاد پیدا
کرتے ہیں؛ مگر باوجود اسکے خدا کی یاد سے ایک دم
غافل نہیں ہوتے۔ شیخ کے علمی اور عملی کمالات کا شہرہ
بہت دُور دُور پھیل گیا تھا۔ ہر قوم اور ہر مذہب کے
آدمی اُن کی خدمت میں آتے اور اُن سے فیض
پاتے تھے۔ سلاطین اور اُمرا اُن کو تحفے اور
ہدیے بھیجتے تھے۔ علما اور حکما اُن کے پاس
اپنی کتابیں اس غرض سے لاتے تھے کہ اُن کے
قلم سے اِصلاح پا کر وہ دُنیا میں مقبول ہوں
اکثر فلاسفہ سے اُن کے علمی مناظرے ہوتے
تھے اور وہ اکثر بحثوں میں اُن پر غالب آتے تھے
شیخ کے بہت سے لطیف مقولے مشہور ہیں
ایک شخص نے اُن سے دریافت کیا کہ تصوف کے
کیا معنی ہیں؟ اُنھوں نے کہا کہ "ہواے نفسانی
کہ در سر داری بنہی و حقوقِ الٰہی کہ بر ذمہ داری
بدہی و ہرچہ کہ بر تو آید، از و نجہی" یعنی اگر تم
تصوف کے طریقہ پر چلنا چاہتے ہو، تو نفسانی
خواہشوں کو جو تمھارے دل و دماغ میں موجزن
رہتے ہیں، دُور کر دو، خدا کے جو حقوق تمھاری
گردن پر ہیں، اُن کو ادا کرو اور جو مصیبت
اور تکلیف تم پر نازل ہو، اُس سے پریشان اور
بیقرار نہو۔ شیخ کا ایک یہ مقولہ بھی مشہور ہے
کہ خدا اور انسان کے درمیان عرش و کرسی

حجاب نہیں ہو سکتے ! بلکہ اصلی حجاب جو خدا اور انسان کے درمیان ہے، وہ خود پرستی اور پندار ہے۔ اگر یہ پردہ درمیان سے اٹھ جائے تو انسان خدا سے واصل ہو جاتا ہے۔ ایکدفعہ ایک مرید نے اُن سے کہا کہ مجھ سے کوئی بات کہیے۔ شیخ نے کہا: خدا کے سوا کسی اور چیز کا ذکر کرنا تو نامناسب ہے اور خدا کا ذکر ہو نہیں سکتا کیونکہ اسکی شان اس سے بہت ارفع ہے کہ اسکی کوئی صفت بیان کی جائے، یا اُس کا کوئی ذکر کیا جائے۔

شیخ کی سوانح عمری ناتمام رہیگی، اگر ہم انکا فارسی کلام درج نہ کریں۔ رباعیوں کے سوا شیخ کی کوئی نظم مشہور نہیں ہے۔ فارسی شاعری کی لطافت اور خوبی یہی ہے کہ اسکی بنیاد تصوف پر ہو۔ اُن کی رباعیوں میں بھی عمر خیام کی رباعیوں کی طرح تصوف کا مذاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مدت دراز تک عام اور خاص لوگوں میں اُن کا چرچا رہا ہے۔ ہمکو تعجب ہے کہ یورپ میں اب تک ایشیا کے اس نامور صوفی شاعر کا کلام نہیں پہنچا ہے۔ ہم ذیل میں اُن کی چند لطیف رباعیاں درج کرتے ہیں اور انھیں پر سوانح عمری کو ختم کرتے ہیں۔

جسمم ہمہ تنگ گشت، چشمم بگریست
عشق تو بے جسم ہمی باید زیست

از من اثرے نماند، این عشق از چیست؟
چون من ہمہ معشوق شدم، عاشق کیست؟

تا روے ترا بدیدم اے شمع طراز
نہ کار کنم، نہ روزہ گیرم، نہ نماز
چون با تو بوم مجاز من جملہ نماز
چون بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

خوب تر اندر جہان ازین چہ بود کار؟
دوست بر دوست رفتہ، یار بر یار
آن ہمہ اندوہ بود، وین ہمہ شادی
این ہمہ گفتار بود، وین ہمہ کردار

بردارم دل گر از جہان فرمائی
برہم زنم، از سود و زیان فرمائی
بنشینم، اگر بر سر آتش گوئی
برخیزم اگر از سر جان فرمائی

نازار دلے را کہ تو جانش باشی
معشوقۂ پیدا و نہانش باشی
زان مے ترسم کہ از دل آزاری تو
دل خون شود و تو در میانش باشی

آنی کہ تو حال دل نالان دانی
احوال دل شکستہ بالان دانی

گر خوانمت از سینۂ سوزاں، شنوی
ور دم نہ زنم، زبانِ لالاں دانی

راہِ تو بہر قدم کہ پویند، خوش است
وصلِ تو بہر سبب کہ جویند، خوش است
روئے تو بہر دیدہ کہ بینند، نکوست
نامِ تو بہر زباں کہ گویند، خوش است

غازی برہِ شہادت اندر تگ و پوست
غافل کہ شہیدِ عشق فاضل تر ازوست
در روزِ قیامت ایں بداں کے ماند؟
کیں کشتۂ دشمن است و آں کشتۂ دوست

فردا کہ زوالِ شش جہت خواہد بود
قدرِ تو بقدرِ معرفت خواہد بود
در حسنِ صفت کوش کہ در روزِ جزا
حشرِ تو بصورتِ صفت خواہد بود

دل جز رہِ عشقِ تو نہ پوید ہرگز
جز محنت و دردِ تو نہ جوید ہرگز
صحرائے دلم عشقِ تو شورستاں کرد
تا مہرِ کسے دراں نہ روید ہرگز

سیمابی شد ہوا و زنگاری دشت
ای دوست بیا و بگذر از ہرچہ گذشت

گر میلِ وفاداری، اینک دل و جاں!
ور عزمِ جفاداری، اینک سر و طشت!

آں روز کہ آتشِ محبت افروخت
عاشق روشِ سوز ز معشوق آموخت
از جانبِ دوست سر زد ایں سوز و گداز
تا در نگرفت شمع، پروانہ نسوخت

پرسید ز من کسے کہ معشوقِ تو کیست؟
گفتم کہ فلاں کس است، مطلوبِ تو چیست؟
بنشست و بہ ہائے ہائے بر من بگریست!
کز دستِ چنیں کسے، چساں خواہی زیست!

ببرید ز من نگارِ ہمخانگیم
بدرید ز من لباسِ فرزانگیم
مجنوں بہ نصیحتِ دلم می آید
بنگر کہ کجا رسید دیوانگیم!

رفتم بہ طبیب و گفتم از دردِ نہاں
گفتا کہ ز غیرِ دوست بربند زباں
گفتم کہ غذا؟ گفت: ہمیں خونِ جگر
گفتم پرہیز؟ گفت: از ہر دو جہاں

ای روئے تو ماہِ عالم آرائے ہمہ
وصلِ تو شب و روز تمنائے ہمہ

گر باد گراں بہ زمنی، وائے بمن!
ور باد گراں ہیچ منی، وائے ہمہ!
(عبدالعلی خلق)

طاہر کا خط عبداللہ بن طاہر کے نام

ناظرین معارف، جو خاندان عباسیہ کے نامور خلیفہ مامون کی تاریخ زندگی کا مطالعہ کر چکے ہیں، وہ جانتے ہونگے کہ طاہر اس نامور خلیفہ کا ایک مشہور جنرل تھا جس کی شجاعت اور دلیری کے کارناموں سے عربی زبان کی تاریخیں لبریز ہیں۔ جب وہ مامون کی سلطنت کی مستحکم بنیاد قایم کر چکا تو وہ خراسان کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔ اسکے بیٹے عبداللہ بن طاہر کو مامون نے اول پولیس کا افسر مقرر کیا تھا، مگر تھوڑے ہی دنوں میں اُسکی ذاتی لیاقت نے اسکو مصر کی گورنری تک پہنچا دیا۔ تقرر کے وقت مامون نے اُس کو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے، لیکن طاہر نے جو کچھ تمہاری تعریف میں کہا، اُس سے کم کہا، جس کے تم در اصل مستحق ہو۔ طاہر نے یہ مژدہ سنا، تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل اور طویل خط لکھا، جو آئین حکومت، انتظامات ملکی اور رفاہ رعایا کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستور العمل تھا۔ یہ خط اس قدر مقبول عام ہوا کہ تمام لوگوں نے اُسکی نقلیں لیں۔ خود مامون نے باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوا دیں اور کہا کہ طاہر نے دین و دنیا، تدبیر و رائے، سیاست و اصلاح ملک، حفاظت سلطنت اور قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔ علامہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں اِس خط کو بجنسہٖ نقل کیا ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ناظرین معارف کی دلچسپی کے لیے اِس تاریخی خط کا مطلب خیز ترجمہ کرکے اُن کی خدمت میں پیش کریں۔ وھو ھذا۔

میرے عزیز بیٹے! میں سب سے اوّل تمکو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو، جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ تم کو رات دن اِس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اسکی مرضی پر چلو اور اُسکے غصہ سے ڈرتے اور کانپتے رہو۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی رعیت کی نگہبانی اور حفاظت میں شب و روز سرگرم رہو۔ جو صحت اور تندرستی خدا نے تم کو عنایت کی ہے، اُسکو غنیمت سمجھو اور آخرت کو پیش نظر رکھو۔ یاد رکھو کہ ایکدن تم خدا کے حضور میں جاؤ گے اور تم سے تمہارے افعال کی نسبت سوال کیا جائیگا، اسلیے جو کام تم شروع کرو، اسکو ایسی طرح انجام دو کہ قیامت کے دن تم کو عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہونا پڑے۔

یاد رکھو کہ خدا نے تم پر احسان کیا ہے اور رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا تم پر واجب کیا ہے۔ تم خدا کے بندوں پر حکومت کرتے ہو۔ تم پر لازم ہے کہ اُن کے ساتھ انصاف کرو اور اُس کا پورا پورا حق ادا کرو اور اُسکی حدود سے سرِ مو تجاوز نہ کرو۔ اُن کی عزت اور جان و مال کی حفاظت کرو، ملک میں امن و امان قایم رکھو اور اہل ملک میں عام رحمت و

آسودہ پھیلاؤ۔ خدا نے جو فرائض تمھارے
ذمہ واجب کیے ہیں، اُن کے انجام دینے
یا نہ دینے کی نسبت تم سے ایک دن ضرور باز پرس
کی جائے گی اور تمھاری نیکیوں اور بدیوں کا
موازنہ کیا جائیگا اور اُن کا بدلہ دیا جائے گا۔
پس تم پر لازم ہے کہ اس بات کے سوچنے اور
سمجھنے کے لیے اپنے دماغ پر زور دو اور عقل
فہم سے اچھی طرح کام لو۔ یہ وہ اُصول ہے،
جسپر تمھاری زندگی کا مدار ہونا چاہیے۔ میں دُعا
کرتا ہوں کہ خدا تم کو اِس اُصول پر عمل کرنے کی
توفیق دے اور تم اِسپر عمل کرنا لازم جانو اور
اپنے تمام کاموں کی بنیاد اِسی اُصول پر رکھو۔

پانچ نمازیں جو خدا نے تم پر فرض کی ہیں،
اُن کو ٹھیک وقت پر اور جماعت کے ساتھ
ادا کرو۔ وضو اور طہارت کے جو شرائط ہیں،
اُن سب کا لحاظ رکھو۔ نماز میں جو سورتیں
پڑھو، اُن کو آہستگی اور ترتیل کے ساتھ ادا کرو
رکوع اور سجدہ کرنے میں کوئی گھبراہٹ نہیں
ہونی چاہیے۔ غرضکہ نماز کے جتنے ارکان ہیں،
اُن سب کو نہایت اطمینان سے انجام دو۔
جو لوگ تمھارے مصاحبوں اور ندیموں میں
داخل ہوں، یا تمھارے خدمتگار اور ملازم
ہوں، اُن کو بھی اِس بات کی ترغیب دو
کہ وہ جماعت کی نماز پڑھا کریں۔ نماز سے
جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے، نیکیوں کی تحریک
ہوتی ہے اور انسان بدیوں اور گناہوں سے
محفوظ رہتا ہے۔ تم پر یہ بھی لازم ہے کہ رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی پیروی
اور خلفائے راشدین اور سلفِ صالحین کے
طریقۂ زندگی کو اختیار کرو۔

جب کوئی مشکل کام پیش آئے، تو خدا سے
دعا کرو کہ وہ تمھیں اُسکے حل کرنے کی توفیق دے
اور وہ پہلو سُجھائے، جو سراسر نیک ہو۔ پھر
اِس بات کی کوشش کرو کہ وہ کام ایسے
طریقہ سے انجام دیا جائے، جو خدا کے احکام
اور رسول اللہ کی ہدایتوں اور نصیحتوں کے
خلاف نہ ہو۔ اِسکے بعد اُس کام پر ہاتھ ڈالو
اور انصاف کو کبھی اور کسی معاملہ میں ہاتھ سے
نہ دو۔ ہر معاملہ کا، جو تمھارے عزیزوں اور
دوستوں سے تعلق رکھتا ہو، یا اجنبی لوگوں کے
متعلق ہو، انصاف کے موافق فیصلہ کرو۔
اس کا بالکل خیال نہ کرو کہ تم اُس فیصلہ کو پسند
کرتے ہو، یا ناپسند کرتے ہو۔

شریعت کے عالموں اور قرآن مجید پر عمل
کرنے والوں کو سب لوگوں پر ترجیح دو اور
اُن کو اپنی صحبت میں شریک کرو؛ کیونکہ ایک
انسان کے لیے جو چیز سب سے بڑھکر مایۂ ناز ہو سکتی
ہے، وہ دینداری اور خدا شناسی ہے۔ یہ
وہ چیز ہے، جو نیکیوں اور بھلائیوں کی ہدایت
کرتی ہے اور مُہلک برائیوں اور بدیوں سے

باز رکھتی ہے۔ جب خدا کسی انسان کو نیکی کی توفیق دیتا ہے، تو وہ خدا کی عظمت و جلال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اور آخرت میں بلند ترین درجات پر پہنچنے کی تمنا کرتا ہے اگر تم بھی اِس ہدایت پر عمل کرو، تو آخرت میں روحانی ترقی تم کو نصیب ہوگی، دنیا میں ہر شخص تمھاری ساتھ عزت و توقیر سے پیش آئیگا، تمھارا رُعب اہلِ دُنیا پر طاری ہوگا وہ تمھارے ساتھ محبّت اور الفت سے پیش آئینگے اور تمھارے انصاف پر بھروسا رکھیں گے۔

ہر ایک کام میں جسکو تم شروع کرو، یا انجام دو، اعتدال کو کبھی ہاتھ سے ندو اور ہمیشہ خیر الامور اوسطہا پر عمل کرو۔ افراط و تفریط سے بچنا اور ہر کام میں توسط اختیار کرنا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ اُس سے زیادہ مفید اور عمدہ اور اطمینان بخش کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اعتدال ہدایت کیطرف رہبری کرتا ہے اور ہدایت اِس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے خوش قسمتی اور کامیابی کا منظر اُس شخص کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا ہے، جو ہدایت کے طریقہ پر چلتا ہے۔ اعتدال ہی پر مذہب کا مدار ہے اور شریعت بار بار اِسی کی تاکید کرتی ہے۔ تم بھی دنیا میں اعتدال اور توسط کو اختیار کرو۔

عزیز بیٹے! تم ہمیشہ آخرت کی طلب میں ہو اور نیک کام کرنے پر ہمیشہ آمادگی ظاہر کرو اور یاد رکھو کہ نیکی میں کوشش کرنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ نیکی کرنے سے کوئی مقصد اِسکے سوا نہیں ہے کہ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرو اور آخرت میں خدا کے دوستوں اور اُسکے نیک اور مقبول بندوں کا قرب تمکو حاصل ہو۔ اگر تم اعتدال اور توسط اختیار کروگے، تو دنیا میں تمھاری عزت ہوگی اور تم گناہوں اور بدیوں سے بچوگے۔ اِس سے بہتر کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے تمام کام درست ہوں۔ پس تم کو بھی اِسی طریقہ پر چلنا چاہیے، تاکہ تمھارے سب کام درست ہوں اور تمھاری عزت اور وقعت لوگوں کی نگاہوں میں زیادہ ہو۔

خدا کی نسبت تم ہمیشہ نیک گمان رکھو۔ تمھاری رعیت بھی ہمیشہ تمھاری نسبت نیک گمان رکھیگی۔ ہر کام میں خدا سے عجز و نیاز کے ساتھ التجا کرنے کو اپنی کامیابی کا ذریعہ تصور کرو، تاکہ ہمیشہ اُس کی نعمتیں اور برکتیں تم پر نازل ہوں۔ ہر شخص کی نسبت جسکو تم کوئی کام سپرد کرو، نیک گمان کرو اور بغیر کسی معقول وجہ کے اُس کے کام کی نسبت بدگمانی نہ کرو۔ تمھارا فرض یہ ہے کہ اِلزام لگانے سے پہلے ہر کام کا امتحان کرو اور اُسکی حقیقت معلوم کرو۔ یہ میں نے اسلیے کہا کہ لوگوں کے نسبت بدگمانی کرنا اور اُنپر بیجا طور سے الزام لگانا شریعت میں سخت گناہ ہے۔

پس تم اپنے دوستوں اور ملازموں کیساتھ ہمیشہ حسن ظن سے پیش آؤ۔ بغیر تحقیق کے کبھی اُنکے کاموں کی نسبت بدگمانی نہ کرو اور اُن پر الزام نہ لگاؤ۔ دیکھنا شیطان تمھارے طریقۂ زندگی میں کوئی رخنہ نہ پائے، ورنہ وہ تمھاری ادنیٰ کوتاہی کو کافی سمجھیگا اور تم کو بدگمانی میں ڈال کر غم میں مبتلا کردے گا اور تمھارے عیش کو مکدّر اور تمھاری زندگی کو تیرہ و تار کر ڈالے گا۔ خوب سمجھ لو کہ حسنِ ظن سے ایک عجیب طاقت اور راحت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر تم لوگوں کی نسبت نیک گمان رکھوگے، تو تمھاری تمام خواہشیں پوری ہونگی اور سب کام درست رہینگے اور لوگ تم سے محبت کریں گے، مگر یہ بھی خیال رہے کہ اگر محض حسن ظن پر بھروسا کروگے اور اپنے ملازموں کے ساتھ حد سے زیادہ مروت اور بے تعلقی سے پیش آؤگے اور اُن سے بازپرس نہیں کروگے اور اپنے کاموں پر نظر نہیں رکھوگے، تو اُس کا انجام یہ ہوگا کہ تمھارے ہر انتظام میں خلل آجائیگا اور تمھارا ہر کام نادرست ہوگا۔ تمھارا فرض ہے کہ اپنے ماتحتوں اور ملازموں کے کاموں پر نظر رکھنے اور رعیت کے باب میں احتیاط کرنے اور اُن کی اصلاح و بہبودی پر متوجہ ہونے اور اُن کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پیش نظر رکھنے کو سب کاموں سے زیادہ مقدم سمجھو۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے دین قایم رہتا ہے اور سنتِ نبوی زندہ ہوتی ہے۔ جب تم اِس طریقہ پر عمل کرو، تو اپنی نیت کو ہر حال میں خالص رکھنا۔

عزیز بیٹے! تم کو سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیے اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کل تم سے تمھارے بُرے اور بھلے کاموں کی نسبت سوال کیا جائیگا۔ برائیوں پر تم کو سزا دیجائیگی اور نیکیوں پر تم انعام پاؤگے۔ خدا نے دین کو دنیا کے امن و امان اور حفاظت اور اہلِ دنیا کی بہبودی اور آسایش کے لیے پیدا کیا ہے۔ پس تمھارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ تم جن لوگوں پر حکومت کرتے ہو، اُن کے ساتھ دینداری کے طریقہ سے پیش آؤ اور شریعت کی ہدایتوں کے موجب اُن سے برتاؤ کرو۔ خدا نے جرائم کی جو حدیں قایم کردی ہیں، اُنکو جاری کرو اور مجرموں کو اُنکے جرموں کے موافق سزا دو اور اس میں ذرا غفلت اور کوتاہی نہ کرو۔ اگر تم مجرموں اور بدکاروں کے سزا دینے میں تامل کروگے، تو عام آدمی تمھاری نسبت بدگمانی کریں گے اور اُن کا خیال تمھاری نسبت اچھا نہیں رہیگا۔

دین کے احکام پر عمل کرنے میں تم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ جو ہدایتیں واضح اور روشن ہیں، اُن کو اختیار کرو اور جن باتوں میں شبہ ہو، اُن کو بالکل ترک کردو، اس سے فائدہ یہ ہے کہ تمھارا ایمان قایم رہیگا اور تمھارے

دینداری میں کوئی فرق نہیں آئیگا۔ جب تم
کوئی معاہدہ کرو، تو اسکو ضرور پورا کرو۔ اگر
کسی آدمی سے نیکی اور بھلائی کا وعدہ کرو،
تو اُس کا پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ نرمی کی
باتوں کا ہمیشہ نرم جواب دو۔ اپنی رعیت کے
عیبوں سے چشم پوشی کرو۔ جھوٹ بولنے اور
فریب کی باتیں کرنے سے زبان کو بند رکھو۔ جو
لوگ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے کی
عادت رکھتے ہوں، اُن سے تم ہمیشہ دشمنی رکھو
چغلخوروں کو بدگوئی اور غیبت کی سزا دو، کیونکہ
ایسے آدمیوں کو صحبت میں رکھنے اور اُن کو
جھوٹ بولنے پر جرأت دلانے سے تمہارے موجودہ
اور آیندہ کاموں میں ضرور خلل آئیگا۔ جھوٹ بولنا
تمام گناہوں کی ابتدا ہے اور تہمت لگانا اور غیبت
کرنا اُن کی انتہا ہے۔ چغلخور آدمی کا کوئی دوست
نہیں ہوتا اور جس شخص میں یہ بیہودہ اور خراب
عادت ہوتی ہے، اُس کا کوئی کام پورا نہیں ہوتا
نیک چلن اور راستباز آدمیوں سے تمکو ضرور
محبت کرنی چاہیے۔ شریفوں کی اعانت کرو مگر
اُسی حالت میں، جبکہ وہ حق پر ہوں۔ کمزوروں کی
غمخواری کرو۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے
پیش آؤ۔ غرضکہ ہر ایک گروہ کے اور ہر قسم کے
آدمیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرو، مگر ہر وقت اور
ہر حالت میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جو کچھ تم کرتے ہو،
اُس سے خدا کی خوشنودی اور اُسکے احکام کی
فرمانبرداری کرنا مقصود ہے اور تم اپنے حسن عمل کی
جزا اہل دنیا سے نہیں، بلکہ آخرت میں خدا سے
پاؤگے۔

ناجائز ارادے اور ظلم و ستم کے ولولے
اپنے دل میں پیدا نہونے دو اور اپنے تئیں
ہمیشہ اُن سے دور رکھو اور رعیت پر ظاہر
کردو کہ تم ظلم و ستم نہیں کروگے اور اپنے کسی
ناجائز ارادے کو پورا کرنا نہیں چاہو گے۔ رعیت
کے ساتھ ہمیشہ انصاف کو مد نظر رکھو اور رعیت کے
معاملات کا جو فیصلہ کرو، وہ ہمیشہ حق پر ہو اور اُنکی
نسبت پہلے سے ایسی معلومات حاصل کرلو، جو
راہ راست سے تم کو منحرف نہونے دیں۔
غصہ کے وقت ہمیشہ اپنے نفس کو قابو میں
رکھو اور تحمل اور بردباری کو ہر کام میں ترجیح دو۔
خودبینی اور غرور سے اپنے تئیں محفوظ رکھو اور
کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں جو حکومت کرتا ہوں،
جو چاہوں، کرسکتا ہوں، کیونکہ یہی وہ چیز ہے
جس سے ارادہ کا فاسد ہونا اور خدا کی عظمت و
جلال پر یقین نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خدا کی نسبت
تم ہر وقت اپنی نیت کو خالص رکھو اور اُسکی عظمت
و جبروت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور یہ خوب جان لو
کہ اِس دنیا کی حکومت خدا کے سوا کسی کیلیے
نہیں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے سلطنت اور
حکومت عطا کرتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے،
چھین لیتا ہے۔ جو لوگ دنیا میں حکمرانی کرتے ہیں

اور آسودگی اور دولتمندی میں ڈوبے ہوئے ہیں، جب وہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری اُنکے ہیں اور اُنکے ساتھ نافرمانی اور سرکشی سے پیش آتے ہیں، تو بہت جلد اُن کی حشمت اور ثروت کو زوال آتا ہے اور بدبختی کا عذاب اُن پر نازل ہوتا ہے۔

حرص وطمع کو اپنے پاس نہ آنے دو اور جو خزانے اور ذخیرے تم جمع کرتے ہو، وہ ایسے ہونے چاہییں کہ تم اُن کو تقوی اور نیکی پر صرف کرو اور رعیت کی بہبودی اور آسائش میں اُنکو صرف کرو۔ نیکیوں اور بھلائیوں میں، انصاف اور معدلت میں، رعیت کی اصلاح اور ملک کی آبادی میں، لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے اور مظلوموں کی فریاد سننے میں جہاں تک ہو سکے، کوشش کرو اور کبھی ان امور سے تغافل نہ ہو۔ جب دولت کے انبار لگ جاتے ہیں اور خزانوں میں روپیہ کثرت کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے تو اُسمیں کبھی ترقی اور بیشی نہیں ہوتی جبتک کہ اُسکو رعیت کی بہبودی اور حق رسانی میں صرف نہ کیا جائے۔ اگر تم میری اس ہدایت کا خیال رکھوگے، تو رعایا کی حالت درست ہوگی، ملک کو رونق اور سرسبزی حاصل ہوگی اور تمھاری حکومت مضبوط اور تمھاری مملکت محفوظ ہوجائیگی۔ تم کو ہمیشہ اپنے خزانوں کو اسلام اور اہل اسلام کی حمایت وحفاظت

صرف کرنا چاہیے۔ جو لوگ امیر المومنین کے خیرخواہ اور وفادار ہیں، اُن کا اور رعایا کا حق تم کو اپنے خزانوں میں سے نکالنا چاہیے اور ہمیشہ ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے رعیت کو آسائش اور بہبودی حاصل ہو۔ اگر تم ایسا کروگے، تو خدا کی نعمت جو تم کو دی گئی ہے، پائدار اور برقرار رہیگی، بلکہ روز بروز اس میں اضافہ ہوگا اور خراج کے وصول کرنے اور رعیت سے مالیہ کا روپیہ حاصل کرنے پر تم پہلے سے زیادہ قادر ہوگے اور تمھارے احسان اور انصاف کے سبب سے تمام آدمی تمھاری اطاعت اور فرماں برداری پر پہلے سے زیادہ کمربستہ ہوں گے اور جو انتظام تم جاری کرنا چاہوگے اُس کو وہ نہایت آسانی سے قبول کریں گے میں نے یہ نصیحت اسلیے کی ہے کہ تم اُسپر اپنی پوری توجہ مبذول کرو اور اپنی فضیلت اور خوبی سب اسی نصیحت پر عمل کرنے میں تصور کرو۔ تم کو سمجھنا چاہیے کہ جو مال خدا کی راہ میں صرف کیا جاتا ہے، وہ کبھی رائگاں نہیں جاتا، بلکہ باقی اور پائدار رہتا ہے۔

تم کو لازم ہے کہ جو لوگ تمھارے احسان کا شکریہ ادا کریں اور تمھارے ساتھ اطاعت اور خلوص کا اظہار کریں، اُن کے ساتھ تم حسن سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ دنیا تمہیں دھوکا دے اور ناز ونعمت میں پڑکر اپنی عزت کو

قبول جاؤ اور اُن حقوق کے پورا کرنے میں
سُستی کرو، جو تمھاری گردن پر ہیں۔ یاد رکھو
سُستی کرنے کا نتیجہ افراط و تفریط ہے اور
افراط و تفریط کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ تمھارا ہر کام
صرف اس غرض سے ہونا چاہیے کہ تم اُسکے ذریعہ
سے خدا کو راضی کرو اور اُسی سے ثواب کی توقع
رکھو۔ یہ میں بار بار اسلیے کہتا ہوں کہ خدا ہی نے
تم پر اپنی نعمتیں نازل کی ہیں اور وہی تم کو
کامل مہربانی کرسکتا ہے۔ وہ اُن لوگوں کو
جو اُسکی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں زیادہ
نعمت عطا کرتا ہے اور نیکی کرنے والوں کو اُنکی
نیکی اور بھلائی کی عمدہ جزا دیتا ہے۔

کسی گناہ کو تم اپنی نظر میں حقیر نہ جانو۔ [illegible]
[illegible] کے ساتھ نرمی اور بھولے پن سے پیش
کسی بدکار پر رحم نہ کرو۔ کسی ناشکرے کے ساتھ
ہنسی سے پیش نہ آؤ۔ کسی دشمن کے ساتھ چکنی
چپڑی باتیں نہ کرو۔ کسی بدگو و بدخلق کی ہاں
میں ہاں نہ ملاؤ۔ کسی بے وفا اور مکار کا اعتبار
نہ کرو۔ کسی گنہگار آدمی کے دوست نہ بنو۔ کسی بدکار
کی تعریف نہ کرو۔ کسی فقیر کو محروم اور نا امید نہ لوٹاؤ
کسی انسان کو حقارت اور ذلت کی نظر سے
نہ دیکھو۔ بیہودہ باتوں سے ہمیشہ نفرت کرو
کسی کے ساتھ ہنسی اور دل لگی سے پیش نہ آؤ۔ جو
وعدہ کرو، اُس کو پورا کرو۔ ہوا و ہوس کی باتوں اور احمقانہ
باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ کبھی غصہ کا
اظہار نہ کرو۔ کبھی تعریف کی خواہش نہ کرو۔
جب چلو، تو اکڑ کر نہ چلو۔ آخرت کی باتوں میں
[illegible] منہمک نہ ہو جاؤ کہ دنیا میں کوئی کام
[illegible] نہ رکھو۔ [illegible] کے افعال سے
چشم پوشی نہ کرو۔ جو انعام تم کو آخرت میں ملیگا
اُس کی دنیا میں خواہش کرنا حماقت ہے۔
جو لوگ [illegible] کمال مہارت رکھتے ہوں اُن سے
ہمیشہ مشورہ لیتے رہو اور اُن کے مشوروں کو
[illegible] سنو۔ جو لوگ تجربہ کار اور دانشمند ہیں
[illegible] اُن کی رائے پر عمل کرو۔ [illegible] اور غیر قوم
[illegible] اپنے مشوروں میں
داخل نہ کرو اور اُن کی کوئی بات نہ سنو؛
کیونکہ فائدہ کی بہ نسبت اُن سے نقصان اور
ضرر پہنچنے کا زیادہ اندیشہ ہے

بخل سے زیادہ کوئی چیز [illegible] بات [illegible]
جس سے رعیت کی اصلاح و انتظام کے کام
میں خلل واقع ہوتا ہو۔ اسکے ساتھ ہی تم یہ بھی یاد رکھو
کیونکہ اگر تم حریص ہوگے، تو رعیت سے
زیادہ وصول کروگے اور اُن کو بہت کم دوگے
اس صورت میں تمھارے بہت ہی کم کام پورے
ہونگے؛ کیونکہ رعیت تمھارے ساتھ اسی حالت
میں محبت کرسکتی ہے، جبکہ تم اُن کی دولت کی
پروا نہ کرو اور اُنکے ساتھ ظلم و ستم سے پیش نہ آؤ
سب سے پہلے تم اُن لوگوں کے ساتھ احسان کرو،
جو تمھارے دوست اور وفادار ہوں اور

تمھاری حکومت کے خیر خواہ ہوں۔ اُن کی ساتھ خوب فیاضی سے پیش آؤ اور اس موقع پر ہرگز بخل نہ کرو۔ یاد رکھو کہ یہی سب سے پہلی نافرمانی ہے جو انسان سے ظہور میں آئی ہے اور جو لوگ نافرمان ہیں، وہ یقیناً ذلیل اور خوار ہوں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں بخل سے بچاتے ہیں، وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ تم اس آیت کو ہر وقت مدِ نظر رکھو اور مسلمانوں کا حصہ اپنے خزانہ میں سے ہمیشہ نکالتے رہو اور اس بات پر یقین کر لو کہ فیاضی خدا کے بندوں کے سب سے عمدہ اور پاکیزہ افعال میں سے ہے۔ تم بھی اس کو اپنی عادت اور خصلت بنا لو، مگر تمھاری کوئی فیاضی بے محل اور بے موقع نہیں ہونی چاہیے۔

فوج کے متعلق جو اُمور دفتروں اور رجسٹروں میں درج ہوں، اُن پر ہمیشہ تم اپنا خیال رکھو۔ اُن کی تنخواہیں وقت پر ادا کرو۔ اُن کی خدمات کے لحاظ سے ہمیشہ اُن کی تنخواہوں میں اضافہ کرتے رہو، تاکہ وہ فاقہ زدہ اور تنگ حال نہ ہوں۔ اس سے اُن کی قوت اور ہیبت میں ترقی ہوگی اور وہ نہایت خلوص اور وفاداری کے ساتھ تمھارے حکموں پر گردن جھکائیں گے۔ حکمرانوں کے لیے اس سے بڑھکر کامیابی اور خوش قسمتی کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی فوج اور رعایا کے ساتھ رحم و انصاف اور نیکی اور فیاضی سے پیش آئیں۔ اگر تم اس نصیحت پر عمل کروگے اور اس بات کو اپنا شعار بنا لوگے تو تم کامیابی اور بہبودی سے محروم نہیں رہوگے۔

انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا خدا کو اسقدر پسند ہے کہ اُس کے مقابلہ میں نہ کوئی چیز وقعت رکھتی ہے، نہ کوئی چیز اسقدر مقبول ہے۔ انصاف وہ میزان ہے، جس میں خدا کے بندوں کے افعال تولے جاتے ہیں۔ انصاف فیصلہ کرنے اور انصاف کے موافق کام کرنے سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے۔ ملک میں امن و امان کی روشنی پھیلتی ہے۔ مظلوم اپنی بے کسی اور مظلومیت کی داد پاتے ہیں۔ لوگوں کے حقوق ضایع نہیں ہوتے۔ اُن کی زندگی آسایش اور بہبودی سے بدل جاتی ہے۔ وہ حکمرانوں کے فرمانبردار ہوتے ہیں۔ اُن کی عزتیں اور جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں اور مذہب کے احکام پر ہر شخص کی گردن جھکنے لگتی ہے۔

میرے عزیز بیٹے! تم بھی خدا کے احکام پر گردن جھکاؤ اور اُن کو جاری کرنے میں سختی سے کام لو۔ ظلم و ستم سے اپنے تئیں محفوظ رکھو۔ شریعت کی حدیں قایم کرو، مگر کسی کام میں جلدی نہ کرو اور گھبراہٹ اور بیقراری کی علامتیں اپنے چہرے پر ظاہر نہ ہونے دو۔ جو تجربے تمکو حاصل ہو چکے ہیں، اُن سے فایدہ اُٹھانے میں ذرا غفلت نہ کرو۔ خاموشی سے چوکنے اور ہوشیار رہو۔ بولنے میں ہمیشہ سچائی اور

سنجیدگی سے کام لو۔ دشمنوں سے بھی انصاف
کے ساتھ پیش آؤ۔ جب کسی معاملہ میں تم کو
شبہ ہو، تو اس میں تامل کرو اور صریح جچی تلی
اور روشن اور واضح دلیلوں کی تلاش میں رہو
نہ اپنی رعیت میں سے کسی شخص کی جنبہ داری اور
بے جا حمایت کرو، نہ کسی شخص کے طعن اور
ملامت کی پروا کرو۔ تم کو ہمیشہ ہر کام استقلال سے
کرنا چاہیے اور فیصلہ کرنے سے پہلے خوب سوچنا
اور سمجھنا اور اس کے ہر پہلو کو ٹٹولنا چاہیے۔ تمہارے
دل میں اسکے سوا کوئی خواہش نہیں ہونی چاہیے
کہ جو معاملہ تمہارے سامنے پیش کیا جائے، اس کے
حق کو معلوم کرکے اسکے موافق فیصلہ کرو اور جو بات
ناحق ہے، اس کو رد کرو۔ تم پر لازم ہے کہ
تم اپنی تمام رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ
اور جس طرح تم ان پر حکومت کرتے ہو، اسی طرح
ہمیشہ یہ خیال کرو کہ حق تم پر حکومت کرتا ہے۔
کسی شخص کی جان لینے میں جلدی نہ کرو، کیونکہ
ناحق کسی کی جان لینا خدا کے نزدیک ایسا
بڑا گناہ ہے، جسکی برابر کوئی گناہ نہیں ہو سکتا۔
جو خراج زمینوں سے وصول کیا جاتا ہے
اور ملکی انتظامات میں صرف کیا جاتا ہے، اس پر
اپنی پوری توجہ مبذول کرو۔ یہی وہ چیز ہے
جس سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے،
اسلام کو ترقی ہوتی ہے۔ اہل اسلام قوت اور
عظمت حاصل کرتے ہیں۔ [illegible]

جب شعلہ زن ہوتا ہے اور جو کفار مسلمانوں کے
دشمن ہیں، ان کی ذلت ہوتی ہے۔ جن لوگوں سے
خراج وصول کیا جاتا ہے، وہ ان پر اس طرح
لگانا چاہیے کہ انصاف کے خلاف نہ ہو۔ خراج
عام طور پر سب سے وصول کرنا چاہیے اور کسی کو
معاف کرنا نہیں چاہیے۔ نہ کسی شریف کو، اس
سبب سے کہ وہ شریف ہے، نہ کسی دولتمند کو،
اس سبب سے کہ وہ دولت و ثروت رکھتا ہے،
نہ کسی کاتب کو، اس سبب سے کہ وہ تمہاری
پیشی میں رہتا ہے، نہ کسی اپنے مصاحب یا ملازم کو،
اس سبب سے کہ وہ تمہارا مصاحب یا ملازم ہے؛
مگر اسکے ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ خراج کی جو
مقدار کسی شخص سے وصول کرو، وہ ایسی ہونی
چاہیے، جو اس کی طاقت اور استطاعت
کے موافق ہو اور اسکے وصول کرنے میں
[illegible] نہ ہونی چاہیے۔ اس
برتاؤ سے ہر شخص خوشنود ہوگا اور سب سمجھینگے
کہ اگر خراج کے وصول کرنے میں کسی پر سختی ہوتی ہے،
تو وہ درحقیقت کسی ایک پر نہیں ہے، بلکہ سب پر ہے۔
خوب یاد رکھو کہ جن لوگوں پر تم حکومت
کرتے ہو، ان کے تم محافظ اور خزانچی مقرر
کیے گئے ہو۔ جو لوگ تمہاری حکومت کے سایہ
میں زندگی بسر کرتے ہیں، وہ رعیت اسی لیے
کہلاتے ہیں کہ تم ان کے راعی اور نگہبان ہو
وہ اپنی آمدنی میں سے جو کچھ تم کو دیتے ہیں، اس سے

یہ غرض ہے کہ تم اُس کو اُن کی اصلاحِ حالت اور اُن کی بہبودی میں صرف کرو۔ جن لوگوں کو تم اُن پر حکومت کرنے کے لیے مقرر کرو، وہ ایسے ہونے چاہییں، جن کی رائے صائب ہو، جو تجربہ کار ہوں، جو اپنے فرائضِ منصبی سے کامل طور پر واقف ہوں۔ جو سیاست اور حکومت کی قابلیت رکھتے ہوں اور جو دیانتدار اور نیکدل ہوں۔ اُن کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو اور یہ ایک ضروری بات ہے جس سے کبھی تمکو غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم میری اِس نصیحت پر عمل کروگے اور اپنے فرائض کو، جو تمھارے ذمہ ہیں، نہایت مستعدی اور سرگرمی سے انجام دوگے، تو خدا اپنی برکتیں تم پر نازل کریگا۔ اُسکی نعمتیں تمھارے لیے روز افزوں ہونگی۔ تمھاری شہرت اور ناموری تمام دنیا میں پھیل جائیگی۔ تمھاری رعیت تم سے محبت اور عزت کے ساتھ پیش آئیگی۔ اُن کی عام بہبودی اور آسائش کو ترقی ہوگی۔ نیکیاں اور بھلائیاں تمھارے مُلک میں پھیل جائینگی۔ آبادی اور سرسبزی عام طور پر تمام ملک میں نظر آئیگی۔ تمھاری حکومت کی آمدنی میں ہر طرح اضافہ ہوتا رہیگا۔ تمھارے خزانے بھرپور رہنگے۔ تمھاری فوج طاقتور ہوگی۔ عام لوگوں کو اپنی فیاضی کے ذریعہ تم مسخر کرسکوگے۔ تمھارے انصاف اور تمھاری سیاست کا چرچا دشمنوں میں بھی پھیل جائیگا اور وہ

تم کو رشک اور حسد کی نظر سے دیکھیں گے۔ ہر ایک ملکی انتظام کے سرانجام دینے کے لیے تمھارے پاس کافی سامان اور کافی قوت مہیا ہوگی۔ پس تم کو لازم ہے کہ میری اِس ہدایت کو پیشِ نظر رکھو اور اِس نصیحت پر عمل کرو اور اِس طریقہ پر کسی اور طریقہ کو ترجیح نہ دو، کیونکہ اگر خدا نے چاہا، تو اِسکے سبب تمھاری تعریف ہر شخص کی زبان پر جاری ہوگی۔ اپنے مُلک کے ہر ضلع میں تم ایک ایسے مستعد شخص کو مقرر کرو، جو وہاں کے حاکم کی طرزِ حکومت اور طریقۂ انتظام اور اُسکے چال چلن اور دیگر ضروری حالات سے تم کو ہمیشہ مطلع کرتا رہے۔ اِس سے فائدہ یہ ہے کہ ہر حاکم اور عامل، جو بطور نائب کے تمھاری طرف سے کسی ضلع پر حکومت کرتا ہوگا، وہ ہمیشہ یہ خیال کریگا کہ تم ہر وقت اُسکے سر پر ہو اور اُسکی کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے تم خبردار نہ ہوتے ہو۔ اپنے نائبوں اور ملازموں کو جب تم کوئی حکم دو، تو ہمیشہ یہ خیال کرلینا چاہیے کہ اُس کا کیا انجام ہوگا۔ اگر اُس کا انجام تم کو اچھا دکھائی دے، تو اُس کو فوراً جاری کردو، ورنہ تامل کرو اور اُن لوگوں سے مشورہ کرو، جو اہل بصیرت اور صاحبِ علم ہوں۔ غرضکہ ہر حکم سوچ سمجھ کر دینا چاہیے، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ

جب انسان کسی کام کو شروع کرتا ہے تو اُس کا اپنی عقل کے موافق اندازہ کرتا ہے اور وہ اندازہ غلط ہوتا ہے۔ پھر اُسکو اپنی مرضی کے موافق سرانجام دیتا ہے اور دوسرا انجام دینا اُس کام کو تباہ کرنا ہوتا ہے۔ انجام پر نظر نہ ڈالنے کا ہمیشہ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کام بگڑ جاتا ہے اور اُس کی درستی اور اِصلاح کا وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے پس تم کو لازم ہے کہ جس کام کو کرو، احتیاط اور ہوشیاری سے کرو اور ہر کام کو بذات خود انجام دو۔ ہر کام کے شروع کرنے سے پہلے تمھارا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ تم اُس کے انجام پانے کی خدا سے دعا مانگو اور اُس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو۔ آج کا کام تم کو آج ہی انجام دینا چاہیے اور اسکو کل پر چھوڑنا نہیں چاہیے؛ کیونکہ کل جو کام تم کو کرنا ہے، وہ آج کے کام سے تم کو باز رکھیگا اور اتنی مہلت نہیں دے گا کہ تم اُسکے ساتھ اِس کو بھی انجام کر سکو۔ خوب یاد رکھو کہ جو دن گذر گیا وہ اپنا کام بھی ساتھ لے گیا۔ اگر ایک دن کے کام میں ذرا بھی تاخیر ہوتی ہے، تو دوسرے دن دو کام کرنے پڑتے ہیں اور اُن دونوں کا انجام دینا مشکل ہو جاتا ہے اگر تم ہر دن کا کام اُسی دن کرتے رہوگے، تو اپنے نفس اور بدن کو آرام دوگے اور تمھارا کوئی کام اَدھورا نہیں رہیگا۔

جو لوگ شریف ہوں اور سن رسیدہ اور تجربہ کار ہوں، جنکی نیک نیتی اور خیرخواہی اور محبت کا ثبوت بار بار مل چکا ہو۔ اُن کو اپنا خالص دوست اور خیرخواہ سمجھو اور اُنکے ساتھ حسن سلوک اور رفیاضی سے پیش آؤ جو شریف آدمی تباہ حال اور مفلس ہو گئے ہوں، اُن کی اِصلاح حالت کی کوشش کرو اور اُن کی پرورش اور خبر گیری کرتے رہو محتاجوں اور مسکینوں اور اُن لوگوں کا بھی ہمیشہ لحاظ رکھو، جو اپنے معاملہ کو تمھارے سامنے پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جو اپنے حقوق سے آگاہ ہی نہیں ہیں۔ اُن سے نرمی اور مہربانی کے ساتھ اُن کا حال پوچھو اور اُن کے معاملہ کی تحقیق کرو اور اُن کی خبر گیری کے لیے ایسے شخصوں کو مقرر کرو جو نیک نیت اور نیک دِل ہوں اور اُنکو حکم دو کہ وہ کامل تحقیق کے بعد اُن کے معاملات کا انصاف اور رحمدلی سے فیصلہ کریں اور اُن کی ضرورتوں کو پورا کریں یا مناسب حکم کے لیے اُن کے معاملہ کی رپورٹ تمھارے پاس بھیجیں۔ جن لوگوں پر کوئی سختی اور مصیبت نازل ہوئی ہو، اُن کے اور یتیموں اور بیوہ عورتوں کے لیے

اپنے خزانے سے روزینہ مقرر کرو۔ اس
باب میں تم کو امیر المومنین کے طریقہ کی پیروی
کرنی چاہیے۔ تم اُنکے ساتھ مہربانی سے
پیش آؤ اور اُن کو مدد دو، اور اُن کے ساتھ
دلی ہمدردی کا اظہار کرو؛ تاکہ اُن کی زندگی
تلخی اور تکلیف میں بسر نہ ہو اور تمھاری زندگی
اور مال میں خدا برکت دے اور تمھیں قیامت
کے دن اس کا ثواب ملے۔

جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہیں اور اس پر
عمل کرتے ہیں، اُن کو بہ نسبت دوسروں کے
بیت المال سے حصہ دینے میں ترجیح دو
اور اُن کی خبرگیری اور دلجوئی کو مقدم
جانو۔ مسلمان بیماروں کے لیے شفاخانے
تعمیر کراؤ، جن میں وہ آرام سے رہ سکیں
اور اُن کی خدمت اور خبرگیری کے لیے شفاخانوں
میں ملازم مقرر کرو؛ تاکہ جس چیز کی اُن کو
ضرورت ہو، وہ فوراً اس کو مہیا کریں۔
اُن کے علاج کے لیے ایسے طبیب ملازم رکھو
جو تجربہ کار ہوں اور جو اپنے فن میں کامل
مہارت رکھتے ہوں۔ ان تمام اُمور میں تمکو
خرچ کرنے کی اجازت ہے، جب تک کہ فضول
خرچی اور اسراف کا الزام تم پر نہ لگایا جائے۔

یاد رکھو کہ لوگوں کے حقوق جب بالواسطہ
ادا کیے جاتے ہیں، تو وہ اس بات پر قانع
نہیں ہوتے؛ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ بذاتِ خود
حاکموں کے روبرو پیش ہو کر اپنے معاملے پیش
کریں؛ کیونکہ اس طرح اُن کو یہ اُمید ہوتی ہے
کہ اُن کی اچھی طرح حق رسی ہوگی اور اُن کے
معاملہ پر کماحقہ توجہ کی جائے گی۔ اکثر یہ ہوتا ہے
کہ جو لوگ حکومت کرتے ہیں اور لوگوں کے
معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں، جب اُن کے سامنے
بہت سے معاملات پیش ہوتے ہیں اور بہت سے
مقدمات کا انبار ہو جاتا ہے، تو وہ اُن کی
کثرت کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں اور پوری توجہ سے
ہر معاملہ کو طے نہیں کرتے اور محنت و مشقت کرنے سے
جی چُراتے ہیں؛ مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو
شخص خدا کے بندوں سے بے پروائی کے
ساتھ پیش آتا ہے اور اُنکے معاملات پر پوری
توجہ نہیں کرتا۔ وہ اُس شخص کے برابر کبھی نہیں
ہو سکتا، جو انصاف کے درپے ہے اور
جو نیکنامی اور ثواب کا خواہاں ہے پس تم کو
لازم ہے کہ تم لوگوں کو بے تکلف اپنے
پاس آنے اور عرض معروض کرنے کی اجازت دو
اور بالمشافہ اُن سے گفتگو کرو اور اُن کے
معاملات اور مقدمات پر توجہ کرنے کے لیے
اپنے حواس کو جمع رکھو اور اُن کی ہر بات
اطمینان سے سنو اور اُن کے ساتھ نرمی
اور مہربانی اور خندہ جبینی سے پیش آؤ۔ جو
سوال تم اُن سے کرو، وہ نرمی اور آہستگی سے
کرو۔ اگر وہ حاجتمند ہوں، تو اُنکے ساتھ

فیاضی کا برتاؤ کرو اور جب کسی کو کچھ دو، تو ہمیشہ ہنس مکھ ہو کر دو اور اُس پر خوشی کا اظہار کرو اور اُن سے نہ کسی معاوضہ کی توقع رکھو نہ اُن پر کوئی احسان جتاؤ۔ اگر تم ایسا کرو گے، تو یہ ایک ایسی تجارت ہوگی، جس کا فائدہ تم آخرت میں پاؤ گے۔

جو حکمراں تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور جو قومیں زمانۂ سلف میں برباد ہو چکی ہیں، اُن کے حالات کو مطالعہ کرو اور اُن سے عبرت حاصل کرو۔ پھر اپنے ہر کام کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے دائرہ میں محدود کر دو۔ اُسکے احکام پر گردن جھکاؤ، اُسکی شریعت پر عمل کرو۔ اُسکے دین کو قائم کرنے میں سرگرم رہو۔ جو بات سنتِ الٰہی کے برخلاف ہو اور جس سے خدا کی نارضامندی اور ناخوشی کا اندیشہ ہو، اُس کو یک لخت ترک کر دو۔ تمھارے نائب جو مال جمع کرتے ہیں، اُس پر ہمیشہ نظر رکھو۔ ناجائز طریقے سے جمع نہ کرو اور بے جا طور پر خرچ نہ کرو۔ علما کو اپنی مجلسوں میں شریک کرو اور اُن سے مشورہ کرتے رہو۔ اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع کر دو اور نیکیوں کے پھیلانے میں مستعدی کے ساتھ کوشش کرتے رہو۔ تمھارے سب سے زیادہ مقرب اور عزیز دوست وہ لوگ ہوں، جو تمھارے عیبوں کو دیکھ کر اُن کے ظاہر کرنے میں کبھی باک نہ کریں اور خلوت اور جلوت میں ہمیشہ حق بات کہیں اور اسکی پروا نہ کریں کہ نکتہ چینی کرنے سے تم اُن سے ناخوش ہو جاؤ گے۔ اگر ایسے آدمی تم کو دستیاب ہو جائیں تو یہ سمجھ لینا کہ وہ تمھارے نہایت خیر خواہ دوست ہیں اور اُن کی قدر کرنا تمھارا فرض ہے۔

جو عامل اور [illegible] اور کاتب تمھارے پاس روزانہ آتے ہوں، اُن کے لیے دن کا ایک خاص وقت مقرر کر دو، تاکہ وہ اپنی ضرورتوں کو تمھارے سامنے پیش کر سکیں اور رعیت اور اضلاع کے حالات سے تم کو مطلع کر سکیں۔ جب کوئی معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے، تو اپنی پوری قوت اُسکے سمجھنے اور اُسکی نسبت [illegible] صرف کرو اور پوری توجہ اس بات پر مبذول کرو کہ اُس کا فیصلہ کیا ہونا چاہیے۔ بار بار اُس پر غور و فکر کی نظر ڈالو، اور انصاف اور ہوشیاری سے اُس کو طے کرو۔ جس معاملہ میں کوئی شبہ ہو، اُس کو سوچنے اور تحقیق کرنے کے دوسرے وقت پر اُٹھا رکھو۔

اپنی رعیت میں سے کسی آدمی پر احسان نہ جتاؤ اور اسے احسان کا جو صلہ تم رعیت سے چاہو، وہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ امیر المومنین کی حکومت کے خیر خواہ اور وفادار ہوں۔ تمھاری تمام فیاضیاں، جو رعیت کے ساتھ ہوں، وہ صرف اسی بات پر محدود ہونی چاہییں۔ میں آخر میں یہ بات لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ

کہ تم میرے اس خط کو بار بار پڑھو اور خوب
سمجھکر پڑھو اور جو نصیحتیں اور ہدایتیں میں نے
اُس میں درج کیں ہیں، اُن پر عمل کرو اور
ہر کام میں جس کو تم انجام دینا چاہو، خدا سے
مدد مانگو اور اُس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست
کرو، کیونکہ خدا کی رحمتیں اور برکتیں اُنھیں
لوگوں پر نازل ہوتی ہیں، جو نیک عمل کرتے
ہیں۔ غرضکہ تمھاری زندگی کا ہر کام ایسا ہونا
چاہیے، جس سے خدا کی رضامندی اور
خوشنودی حاصل ہو۔ اُسکے دین کو استحکام
مسلمانوں کی ترقی اور نیکنامی ہو۔ غیر مذہب
اور غیر قوم کے جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں
زندگی بسر کرتے ہیں، اُن کو بہبودی اور رفاہ
و آسایش حاصل ہو۔ ملک میں انصاف اور
امن و امان کی روشنی پھیلے۔ میں اب دعا کرتا
ہوں کہ خدا ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی تمکو
توفیق دے اور تم اپنی زندگی اور حکومت میں
کامیاب ہو۔ والسّلام۔

(عزیز الرحمن عزیز)

نہلسٹ اور انارکسٹ

(۱)

اس نام کے دو فرقے یورپ میں ایک
دراز سے مشہور ہیں۔ یہ دونوں فرقے چاہتے ہیں
کہ پادشاہ جو رعایا کے لیے قانون بناتے اور
اُن پر جابرانہ حکومت کرتے ہیں، یہ اختیار
اُن کے ہاتھ میں نہ رہے۔ اُن کی رائے میں
تمام انسان یکساں حقوق رکھتے ہیں اور
کسی کو کسی پر جبر کرنے اور حکومت کرنے اور
اپنی اغراض کے موافق قانون بنانے اور
اُسکو ظلم و ستم سے لوگوں میں نافذ کرنے کا کوئی
حق نہیں ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ موجودہ طریق
حکومت سے ہر فرد بشر کو آزاد کر دیا جائے جسکی
غلامی میں نوع انسان ایک مدت سے مبتلا ہے۔
اُن کے نزدیک لوگوں کو ایسی تربیت ہونی
چاہیے کہ وہ خود اپنے لیے قانون بن جائیں
اور اپنی تمام اغراض کی حفاظت کا حق اُنھیں
حاصل ہو جائے۔ نہلسٹ فرقہ کا بہت زیادہ
مجمع روس میں ہے اور انارکسٹ فرقہ کی
بڑی جمعیت اٹلی میں ہے۔

تمام آدمی اس بات پر متفق ہیں کہ نہلسٹ
اور انارکسٹ فرقوں کے خیالات موجودہ تہذیب
اور شائستگی کے زمانہ میں ایک خطرناک مصیبت
اور ایک مہلک بیماری ہیں۔ جو لوگ ان خیالات
میں مبتلا ہیں، وہ جلاد اور خونریز ہیں اور
بیگناہوں کے قتل کرنے میں نہایت بیباک
اور دلیر ہیں؛ مگر آج تک کسی نے اس بات کی
کوشش نہیں کی کہ ان گروہوں کے خیالات
کی تفتیش کرکے یہ بات معلوم کرے کہ قتل و
غارت، خونریزی اور سفاکی پر جو میلان ان
گروہوں کا ہے، وہ درحقیقت کس سبب سے

اور انکے ایسے خطرناک اور ضرر رساں افعال کس اصول کی بنیاد پر جاری ہیں۔ اگر جج کے سامنے کوئی دعویٰ پیش کیا جاتا ہے، تو اُس کا فرض ہے کہ جس طرح مدعی کی باتوں کو غور سے سنتا ہے، اسی طرح مدعا علیہ کے خیالات سے عبور حاصل کرے۔ پس ان گروہوں کے مخالفوں کے جو خیالات ہم کو معلوم ہیں، ان سے ان گروہوں کے افعال کی نسبت ہم کافی طور پر فیصلہ نہیں کرسکتے۔ اگر ہم کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ خود ان گروہوں کے خیالات کیا ہیں اور وہ کن وجوہ سے ایسے ضرر رساں اور مہلک افعال پر آمادہ رہتے ہیں، تو ممکن ہے کہ ہم اُن خطرات کا علاج کرسکیں، جو ان گروہوں کی طرف سے ہمیشہ دنیا میں زلزلہ ڈالتے رہتے ہیں۔

شیکسپیر جو انگلستان کا نہایت نامور شاعر اور ڈراما نویس ہے، کہتا ہے کہ ہر بری سے بری چیز میں کوئی بھلائی ضرور موجود ہوتی ہے اگرچہ وہ نہایت ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ اس قاعدہ کی رُو سے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان گروہوں کے اصول و اغراض کی تحقیق کریں اور وہ اصلی چیز معلوم کریں، جس پر اُن کی سفاکیوں اور خونریزیوں کی بنیاد ہے۔ اس طرح ہم کبھی نہ کبھی اس بات پر قادر ہو جائینگے کہ جو مصیبت ان گروہوں کے سبب سے دنیا پر طاری ہوتی ہے، اُس کا علاج کرسکیں اور اُس فتنہ کی آگ کو فرو کرسکیں، جو اُنکے افعال کے سبب سے دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔

جس زمانہ میں اٹلی کے بادشاہ ہمبرٹ کو ایک انارکسٹ نے جس کا نام برسیی تھا قتل کیا تھا، یورپ کے تمام اخباروں میں ان گروہوں کی نسبت نہایت دلچسپ مباحثے شایع ہو رہے تھے۔ انگلستان کے ایک اخبار نے جس کا نام ڈیلی اکسپرس تھا، ایک مضمون اپنے اڈیٹوریل میں درج کیا تھا اور اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ انارکسٹ اور نہلسٹ جو بادشاہوں اور حکمرانوں کے قتل کرنے پر ہر وقت تلے رہتے ہیں، اُن کا کوئی مقصد اس کے سوا نہیں ہے کہ دنیا میں شہرت اور ناموری حاصل کریں۔ برسیی جس نے ہمبرٹ فرمانروائے اٹلی کو قتل کیا تھا، اُسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس واقعہ سے چند روز پہلے اپنے دوستوں میں بیٹھکر یہ کہا کرتا تھا کہ میں ایک ایسا بڑا کام عنقریب کرنے والا ہوں جسکی شہرت تمام دنیا میں پھیل جائیگی اور جس سے میرا نام تاریخ کے صفحوں پر ہمیشہ یادگار رہیگا۔ چونکہ اس پست خیال اور کم ہمت آدمی سے یہ ہونا ممکن نہ تھا کہ وہ کسی نیک اور مفید کام کو کرکے شہرت حاصل کرے، اس لیے اُس نے شہرت کا ذریعہ اِسکے سوا کسی بات کو نہیں سمجھا کہ وہ کسی بڑے بادشاہ کو ہلاک کرے۔ اُس کو یہ خیال تھا کہ اگر میں ایسا کر گزرا، تو تمام اخبارات میں میرا تذکرہ ہوگا اور میری تصویریں کھینچی جائیں گی اور تمام دنیا تک

میرا نام کتابوں میں یادگار رہیگا۔
یہ لکھکر ڈیلی اکسپریس کے اڈیٹر نے اپنی رائے
کی تائید میں لارڈ سالسبری کی ایک تقریر کا خلاصہ
درج کیا تھا، جو اُسی زمانہ میں لارڈ ممدوح نے
ہوس آف لارڈس میں کی تھی اور جس کا چرچا یورپ کے
تمام اخبارات میں پھیلا ہوا تھا۔ لارڈ ممدوح نے
اثنائے تقریر میں کہا تھا کہ انارکسٹوں اور نہلسٹوں کو
جو چیز جرائم پر آمادہ کرتی ہے اور گناہوں کے
کرنے پر اُکساتی اور بھڑکاتی ہے، وہ شہرت
پرستی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ لوگ
چاہتے ہیں کہ اُن کا نام ہر جلسہ اور ہر مجمع میں لیا جائے
اور تمام اخباروں میں اُن کا تذکرہ چھاپا جائے
اور تاریخ میں اُن کے حالات لکھے جائیں۔
اس مقصد کے سوا اور کوئی مقصد اُن کا نہیں ہے
بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان گروہوں کا
یہ منشا ہے کہ حکومت کے موجودہ طریقے بدل
دیے جائیں اور اُن سے بہتر طریقے ایجاد
کیے جائیں، جو نوع انسان کیلئے زیادہ آرام دہ
اور ترقی بخش ہوں؛ مگر وہ درحقیقت سخت غلطی
پر ہیں۔ ان گروہوں کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے
اور وہ شہرت اور ناموری کے سوا اور کسی
چیز کے طالب نہیں ہیں۔ ہمارے زمانے کے نہلسٹ
اور انارکسٹ بہت سی وجوہات سے اُس
شخص کے ساتھ پوری مشابہت رکھتے ہیں، جسکا
نام ابروس ٹراٹ تھا اور جس نے زمانہ قدیم میں
لیمنی کے مندر کو اس غرض سے آگ لگادی تھی؛
کہ اُس کا نام آیندہ نسلوں میں یادگار رہے
اور اُس کا حال تاریخوں میں درج کیا جائے
یہی حال رافاشول، فیان، ہنری، کازیریو
اور لوکینی کا تھا، جنھوں نے نہایت دلیری اور
بیباکی سے دُنیا کے عظیم الشان آدمیوں کو قتل کیا
اور اس دلیری اور بیباکی سے اُن کا کوئی مطلب
اِسکے سوا نہیں تھا کہ تمام دنیا کی نظریں اُن کی طرف
اُٹھ جائیں اور اُن کی تصویریں اخبارات میں
چھاپی جائیں۔ رافاشول جب قید خانہ میں اپنے
پہرہ داروں سے یہ بات سنتا تھا کہ پیرس کے
تمام روزانہ اخبارات اُسکے ذکر سے لبریز ہوتے
ہیں، تو اُسپر خوشی کی حالت طاری ہوتی تھی اور
وہ ہنسا کرتا تھا۔ فیان بھی اس سے پہلے کہ
چیمبر آف ڈیپوٹیز کو ڈائنامیٹ سے اُڑائے،
اپنا اسی طرح کا خیال لوگوں کے سامنے بیان
کرتا تھا ہنری اور کازیریو (قاتل سعدی کارنو
فرمانروائے فرانس) اور لوکینی (قاتل ملکۂ آسٹریا)
کے بھی یہی خیالات بیان کیے جاتے ہیں۔ برسی
بھی جس نے حال میں اٹلی کے بادشاہ ہمبرٹ
کو قتل کیا ہے اس بات پر مغرور اور نازاں
دکھائی دیتا ہے کہ اُس پر تمام دُنیا کی نگاہیں
پڑتی ہیں اور اُس کا ذکر تمام روئے زمین پر
پھیلا ہوا ہے۔ جب اُس کو پولیس کے سپاہی
قیدخانہ کو لے چلے، تو اُس نے ایک اخبار کے

کارسپانڈنٹ سے نہایت فخر کے ساتھ کہا کہ تم اپنے
اخبار کو اس بات کی ضرور اطلاع دینا کہ میں نے
امریکا سے یورپ کا سفر صرف اسی غرض سے
کیا تھا کہ ہبرٹ شاہ اٹلی کو قتل کروں۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ہم
ان گروہوں کی نسبت آیندہ زمانہ میں یہ طریقہ
اختیار کریں، تو نہایت مناسب ہے کہ ان
گروہوں کی نسبت کوئی چرچا اپنے جلسوں اور
مجمعوں میں نہ کریں اور اُن کے حالات اخبارات
میں شایع نہ کریں؛ مگر جبکہ نامور بادشاہوں
اور دولتمندوں کا قتل ہونا شاذ و نادر وقوع
میں آتا ہے، تو یہ ناممکن ہے کہ ایسے غیر معمولی
واقعات پر لوگوں کی توجہ منبذل نہ ہو اور
نامہ نگار اُن حالات کو قلمبند نہ کریں"۔

ڈیلی اکسپرس کے اڈیٹر نے اپنے مضمون کے
آخر میں اسی رائے کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور
لکھا ہے کہ دنیا کے تمام اخبارات کو اس بات پر
اتفاق کر لینا چاہیے کہ آیندہ زمانہ میں نہلسٹوں اور
انارکسٹوں کا کوئی ذکر نہ کریں اور اُن کے
حالات اور واقعات کو ہرگز شایع نہ کریں؛
کیونکہ اُن لوگوں کا اپنی خونریزیوں اور
سفاکیوں سے اسکے سوا کوئی مقصد نہیں ہے
کہ تمام عالم میں اُن کی شہرت ہو۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ
امیروں اور دولتمندوں، حکمرانوں اور
پادشاہوں سے کینہ اور عداوت رکھتے ہیں،
وہ غلطی پر ہیں۔ درحقیقت اُن کو اعلیٰ درجہ کے
لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور نہ اُنکا
مقصد یہ ہے کہ دنیا کے سوشیل حالات میں
کوئی عمدہ انقلاب ہو۔

ڈیلی اکسپرس کے اڈیٹر نے اخیر میں یہ بھی
لکھا تھا کہ ہم نے جو رائے اس باب میں لکھی ہے،
اگر کسی کو اُس سے اختلاف ہو، تو وہ بے تکلف
اپنی رائے کو ہمارے اخبار میں شایع کر سکتا ہے؛
کیونکہ ہم ہمیشہ ہر معاملہ کے دونوں پہلوؤں پر
نظر ڈالتے ہیں اور ہر فریق کے خیالات پر انصاف
اور تحمل سے غور کرتے ہیں۔

اس اخبار کی دوسری اشاعت میں ایک
انارکسٹ کا خط جو اڈیٹر کے نام تھا، چھپکر شایع
ہوا۔ اُس میں انارکسٹ نے اپنے گروہ کی حمایت
کی ہے اور اڈیٹر کی رائے پر اعتراض کیا ہے
اور جن اُصولوں پر اُن کے افعال و حرکات
کی بنیاد ہے، اُن کو واضح طور پر درج کیا ہے
پھر اس اخبار کی تیسری اشاعت میں بہت سے
لوگوں کے خطوط چھاپے گئے ہیں، جو اس خط کی
تردید میں لکھے گئے ہیں۔ ہم اوّل انارکسٹ کے
خط کا ترجمہ کر کے ناظرین معارف کی خدمت میں
پیش کرتے ہیں۔ پھر اُن لوگوں کے خطوط کا
ترجمہ شایع کرینگے، جنھوں نے اُسکی تردید میں
اپنا زور قلم دکھایا ہے۔ عام طور پر لوگوں کے
خیالات انارکسٹ اور نہلسٹ فرقوں کی نسبت

وہی رہے ہیں، جو ہم نے اس مضمون کے
اوّل میں درج کیے ہیں؛ مگر موجودہ زمانہ کے
خیالات جو ان گروہوں کی نسبت ہیں، وہ
ان خطوط سے ناظرین معارف کو معلوم ہونگے
انارکسٹ کا خط حسب ذیل ہے۔

جناب اڈیٹر صاحب اخبار ڈیلی اکسپریس!

لوگوں نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ آپ کا اخبار ہر معاملہ اور ہر بحث میں ہمیشہ فریقین کے خیالات کو شایع کرتا ہے اور جو مسئلہ زیر بحث ہو، اُسپر آپ ہر پہلو سے بحث کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے، جس کے سبب سے آپ کا اخبار بہ نسبت دیگر اخبارات کے بہت زیادہ ممتاز ہو گیا ہے۔ اسی سبب سے مجھے بھی یہ جرأت ہوئی ہے کہ میں اُن خیالات کی تردید آپ کے اخبار میں درج کراؤں، جو کل کے پرچہ میں آپ نے بطور اڈیٹوریل کے درج کیے ہیں اور جن سے نہلسٹوں اور انارکسٹوں کی نسبت غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

اس سے پیشتر کہ میں اس موضوع پر بحث کروں، یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ بطور تمہید کے چند کلمات اس موقع پر درج کروں۔ آپ پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ طبیب اپنے فن میں کمال رکھتے ہیں، وہ کسی بیماری کا علاج کرنے سے پہلے اسی بات پر قناعت نہیں کرتے کہ اسکے عوارض کو معلوم کریں؛ بلکہ وہ اُس بیماری کے اسباب کی نہایت غور و فکر کے ساتھ تلاش کرتے ہیں؛ تاکہ اُن کو بیماری کی حقیقت اور علامات و اسباب کی تشخیص کرنے میں آسانی ہو اور اس کاوش اور کوشش کے بعد جو دوا وہ تجویز کرتے ہیں، وہ ضرور صحت بخش اور مفید ہوتی ہے۔

میرے اس خط کو پڑھکر بعض لوگ یہ خیال کریں گے کہ میں نے شہرت و ناموری حاصل کرنے کی غرض سے یہ خط لکھا ہے، جیسا کہ آپنے اپنے مضمون میں لکھا ہے؛ مگر میں اسی شک کے رفع کرنے کی غرض سے اس خط کو بغیر دستخط کے روانہ کرتا ہوں اور اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا مجھ سے خط و کتابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے؛ کیونکہ میں اپنا پتہ ظاہر نہیں کروں گا۔ نیز پاس اسقدر روپیہ ہی کہ بار بار خط و کتابت کے محصول میں صرف کرسکوں؛ لیکن اگر آپ کبھی مجھ سے ملنا چاہیں، تو میں سالسٹن اسٹریٹ میں آپ سے ملاقات کرسکتا ہوں۔

کیا مجھے اس بات کے کہنے کی اجازت نہیں ہو کہ آپ نے ہمارے گروہ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے، وہ حسن اخلاق اور مروّت اور مذہب عیسوی کی تعلیم کے بالکل برخلاف ہے اور انتقام کا وہی طریقہ ہے، جو یورپ کے تمام سلاطین نے ہمارے برخلاف اور انگریزوں نے تمام دُنیا کے برخلاف اختیار کیا ہے

آپ کے مضمون نے لوگوں کو اس بات کی تحریک کی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ مذہب موسوی کے موافق عمل کریں؛ جسکی تعلیم یہ ہو کہ جو شخص قتل کرے، اُس کو قتل کرنا چاہیے؛ مگر آپ مذہب عیسوی کی تعلیم کو بھول گئے ہیں، جو بلند آواز سے یہ نصیحت کرتا ہے؛ تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا: آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، مگر میں تم کو کہتا ہوں کہ ظالم سے مقابلہ نکرنا؛ بلکہ جو تمھارے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُسکی طرف پھیر دینا۔ تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا: اپنے ہمسایہ سے دوستی رکھنا اور اپنے دشمن سے

عداوت کرنا، مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کو
پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں، اُن کے لیے برکت چاہو
اور جو تم سے کینہ رکھیں، اُن کی ساتھ بھلائی کرو اور جو تمہیں
دُکھ دیں اور ستائیں، اُن کے لیے دعا مانگو، تاکہ تم اپنے
باپ کے، جو آسمان پر ہے، فرزند ہو، کیونکہ وہ اپنے
سورج کو بدوں اور نیکوں پر چمکاتا ہے اور راستوں اور
ناراستوں پر مینہ برساتا ہے (دیکھو انجیل متی آیات ۴۳ و
۴۴ و ۴۵ باب ۵)

آپ کے مضمون سے اس بات کا اشارہ پایا جاتا ہے کہ
یورپ کے تمام سلاطین متفق ہو کر تمام نہلسٹوں اور انارکسٹوں کو
کچل ڈالیں، جن کے افعال و حرکات کی بُنیاد محض انصاف
اور راستی پر ہے، یا دوسرے الفاظ میں آپ کے تحریک کا
یہ مطلب ہے کہ وہ اُس خوفناک اور حقیر زندگی کو اختیار کریں
جس کو ہم نے مجبور ہو کر اختیار کیا ہے اور جس کا ہم کو بہت
افسوس ہے، مگر ہمارے طریقہ کی بُنیاد ظلم وستم پر نہیں ہے
بلکہ انصاف اور آزادی کی خواہش پر ہے - پس اگر آپکے
اخلاق اور مذہب کی تعلیم یہی ہے، تو اسپر ہر شخص
افسوس کرے گا -

علاوہ اس کے کہ آپ کی تحریر اخلاقی اور مذہبی پہلو
کے رو سے گری ہوئی ہے، اُس میں کوئی منطقی اور عقلی
دلیل بھی نہیں ہے اور اسپر اور بھی افسوس آتا ہے - آپ کو
اور آپکے سوا اور لوگوں کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے
افعال و حرکات کی بُنیاد دماغی اور دل لگی پر نہیں ہے - ہمارے
افعال درحقیقت اُس خطرناک بیماری کے عوارض ہیں،
جو سوسائٹی کے جسم کو چپ چاپ کھائے جاتے ہیں - پس
جبکہ آپ اِس بیماری کی حقیقت اور اُسکی بُنیاد سے بالکل
بے خبر ہیں، تو یہ کہنا کہ اُسکے عوارض کو نیست و نابود کیا جائے"
محض حماقت اور نادانی پر دلالت کرتا ہے

یہ بات آپکے امکان سے خارج ہے کہ آپ نہلسٹوں اور
انارکسٹوں کے خیالات کو دُنیا سے ناپید کردیں - کیا وبائی
اور متعدی بیماریاں اِس طریقہ سے دور ہو سکتی ہیں کہ جو لوگ
ان میں مبتلا ہوں، اُن کا گلا گھونٹ دیا جائے؟ کیا یہ ممکن ہے
کہ ہم جو دُنیا کے بادشاہوں اور دولتمندوں کو قتل کرتے
ہیں، اس سے ظلم وستم کی بُنیاد ہمیشہ کے لیے اُکھڑ جائے؟
ہم جابر حکمرانوں کو صرف اس لیے قتل کرتے ہیں کہ
اُن کو ڈرائیں اور دھمکائیں، تاکہ وہ ہمیشہ راہ راست پر
رہیں - ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انصاف بذات خود کمزور ہے
اور اِس بات کی ضرورت ہے کہ اُس کو اپنے طریقہ پر چلنے
میں مدد دی جائے - ہمارے خیالات کی بُنیاد اِس اصول
پر ہے کہ تمام انسان انسانیت، عقل، شعور اور دنیوی
ضرورتوں کے لحاظ سے یکساں حالت پر ہیں اور جس طرح
زندگی کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں ہر ایک تھوڑا حصہ
لیتا ہے، اسی طرح ہر ایک شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ
اُسکی خوشیوں اور لذتوں میں بھی یکساں طور پر شریک ہو

آپ چاہتے ہیں کہ ہمارا وجود صفحۂ ہستی سے معدوم
ہو جائے اور زہریلے سانپوں اور درندوں کی طرح
ہم سب ہلاک کر دیئے جائیں، مگر میں دریافت کرتا ہوں
کہ کیا آپ کا مذہب یہی تعلیم دیتا ہے؟ میں آپ کو وحشی
نہیں کہوں گا، بلکہ جو کچھ آپ نے ہماری نسبت لکھا ہے
اُس کو نادانی اور جہالت پر محمول کروں گا اور آپکے

معذور سمجھوں گا۔ اگر آپ یہ دیکھیں یا سنیں کہ کوئی بادشاہ یا دولتمند آدمی قتل کیا گیا، تو اس پر تعجب نہ کریں تعجب کی بات تو یہ ہے کہ آپ صریحاً اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہر روز انسانوں کا ایک گروہ بھوک اور سردی سے جان دیتا ہے اور انکی لاشیں سڑکوں پر پڑی دکھائی دیتی ہیں، مگر آپ کے دل میں مطلق رحم نہیں آتا اور آپ کے اخلاقی اور مذہبی جذبات کو ذرا جنبش نہیں ہوتی۔

آپ نے بھوک کی تکلیف اور تلخی کا مزا شاید ساری عمر میں ایک دن بھی نہ چکھا ہوگا؛ ورنہ آپ کو ضرور معلوم ہوتا کہ نہلسٹ اور انارکسٹ لوگوں کے خیالات دنیا کے لوگوں کو اسقدر خوف نہیں دلاتے جسقدر کہ سوسائٹی کے یہ اصول انکے بدنوں میں لرزہ ڈال رہے ہیں کہ انسانوں کا ایک گروہ بغیر کسی حق کے اور بغیر کسی محنت اور لیاقت کے عیش و عشرت میں رات دن مصروف رہتا ہے اور دوسرا گروہ بغیر کسی گناہ کے تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہے۔ میں اپنی نسبت ایک لفظ نہیں کہوں گا؛ کیونکہ ذاتیات کی بحث چھیڑنا نادانی اور حماقت کی علامت ہے؛ بلکہ میں بطور مثال کے برلیسی کو پیش کروں گا، جس نے حال میں اٹلی کے جابر فرمانروا کو قتل کر ڈالا ہے۔

میں باشندگان لندن میں سب سے زیادہ برلیسی کے حالات سے آگاہ ہوں۔ اٹلی کی حکومت نے جو ظلم و ستم برلیسی کے عزیزوں اور رشتہ داروں پر کیا ہے اور جس سے وہ بالکل تباہ ہوگئے ہیں، اُس سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ اِس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اٹلی موجودہ زمانہ میں ظلم و ستم کا گہوارہ اور مذہبی جابرانہ حکومت کا مرکز ہے۔ اس باب میں انگلستان کا ملک بہ نسبت اٹلی کے شاید ایک قدم پیچھے ہو، مگر یہ بات کہنے میں ہم کو ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ یہ ملک بھی نہایت وحشیانہ حالت میں ہے۔

کوئی رات لندن میں ایسی نہیں گذرتی کہ بھوک اور سردی کی تکلیفوں سے انسانوں کا ایک کثیر گروہ ہلاک نہ ہوتا ہو؛ حالانکہ انھیں کے ہمسایے عیش و عشرت میں مشغول پائے جاتے ہیں اور اُنکے مکانوں کی فضا میں دلفریب نغمے اور خوشبوئیں اور روشنیاں بھری ہوتی ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ جو بھوک اور سردی سے ہلاک ہوتے ہیں، اُن کا کوئی قصور اور گناہ نہیں ہے اور جو لوگ دولت اور عیش میں ڈوبے رہتے ہیں، اُن کو ان مظلوموں اور بیکسوں پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اِس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اِن دولتمندوں نے اپنے کسی ذاتی ہنر یا خوبی سے یہ دولت حاصل نہیں کی ہے؛ کیونکہ اِس زمانہ میں دولت کا پیدا کرنا نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ یہ عیش پرست اور دولتمند لوگ اپنے تئیں نوعِ انسان کا ہمدرد بتاتے ہیں، حالانکہ ایک وقت کے کھانے میں وہ اِس قدر شراب پی جاتے ہیں کہ اُسکی قیمت سے دس یا دس ہزار غریب آدمیوں کا گزارہ چل سکتا ہے اور انکی جانیں بچ سکتی ہیں۔

اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ نہلسٹ اور انارکسٹ بادشاہوں اور دولتمندوں کو صرف شہرت اور ناموری کی دُھن میں قتل کرتے ہیں (حالانکہ یہ خیال نادان بچوں کے خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا) تو اِس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے اپنے اخبار کے مختلف پرچوں میں برلیسی کے شکل و شمائل، وضع اور لباس، خیالات و افکار، اور اُس کے گذشتہ زندگی کے حالات اور واقعات پر مفصل بحث کی ہے

وہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ آپ کے اخبار کے ناظرین پستی کے اسی حال اور انکی کسی بات سے بے خبر رہیں جو لوگ نہلسٹوں اور انارکسٹوں کے افعال و حرکات اور اُن کے افکار و خیالات پر بحث کرتے ہیں اور یہ رائے دیتے ہیں کہ ان کو روئے زمین سے ناپید کر دیا جائے وہ درحقیقت جہل مرکب میں مبتلا ہیں۔ علما اور اخباروں کے اڈیٹر البتہ ہمارے اصولوں سے دلی اتفاق رکھتے ہیں، مگر زبان سے وہ بات کہتے ہیں، جو اُن کے دل میں سچ جانتے ہیں نہ جھوٹ کہہ رہتے ہیں۔

میں اس خط کے آخر میں دوبارہ یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اصلی بیماری جس کے علاج کے آپ درپے ہیں سوسائٹی کا نشیب و فراز ہے۔ ہمارے گروہ کا وجود اس بیماری کے عوارض میں سے ہے۔ عوارض کو معدوم کرنے سے اصلی بیماری دور نہیں ہو سکتی پس اگر آپ فی الحقیقت یہ چاہتے ہیں کہ اس مہلک اور خطرناک بیماری کا علاج کریں، جس کے سبب سے سوسائٹی کا بدن دن بدن گھلتا جاتا ہے، تو آپ پر لازم ہے کہ ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کریں کہ سوسائٹی میں ایسے مختلف گروہوں کے موجود ہونے کا کیا باعث ہے، جن میں سے ایک تو دولت اور ثروت کے بلند ترین درجہ پر جا پہنچا ہے اور زندگی کی ہر قسم کی لذتوں اور حلاوتوں سے متمتع ہوتا ہے اور دوسرا گروہ افلاس اور تباہی کے عمیق ترین غار میں دھکیل دیا گیا ہے اور اس کو مسلسل تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ اس باعث کو معلوم کر لیں گے، تو یقیناً اس بیماری کو بھی دور کر سکیں گے، جس کے عوارض سے آپ ہمیشہ کانپتے اور لرزتے رہتے ہیں۔ والسلام۔

ڈیلی اکسپریس کے اڈیٹر نے انارکسٹ کے اس خط کو نقل کر کے آخر میں لکھا ہے کہ اس خط میں یہ بات تو انارکسٹ نے بہت صحیح لکھی ہے کہ ہمارا اخبار ہر معاملہ میں فریقین کے خیالات کو شائع کرتا ہے اور ہر ایک مسئلہ زیر بحث میں اسکے ہر پہلو پر غور کرتا ہے۔ اسپر سب سے عمدہ دلیل یہ ہے کہ ہم نے انارکسٹ کے خط کو بے تکلف اپنے اخبار میں درج کر دیا ہے۔ اس خط میں انارکسٹوں اور نہلسٹوں کے خیالات اور اصول کی کافی طور پر تشریح کی گئی ہے، مگر یہ بات اس میں غلط لکھی ہے کہ اٹلی کی گورنمنٹ نے بیچارے غریبوں اور شہزادوں کو ظلم و ستم سے تباہ کر ڈالا ہے۔ ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ بریسی کا ایک حقیقی بھائی اٹالین فوج میں کپتان کے عہدہ پر مامور ہے اور دوسرا اٹلی کے ایک شہر میں بوٹوں کے ایک کارخانہ کا مالک اور نہایت متمول ہے۔ اخیر کے فقرے جو انارکسٹ نے اپنے خط میں لکھے ہیں، وہ ہمارے اخبار کے ناظرین کی توجہ کے قابل ہیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس مضمون پر فریقین کے خیالات معلوم کریں اور سوسائٹی کے اُس خطرناک مرض کے اسباب کا سراغ لگائیں جسکو عوارض میں یہ گروہ اپنے تئیں شمار کرتے ہیں۔

ہم اس مضمون کے دوسرے نمبر میں اُن خطوط کو درج کریں گے جو انارکسٹ کے خط کی تردید میں چھاپے گئے ہیں۔

(ایک لبرل مسلمان)

معارف

اڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم

جلد ۴	نومبر سنہ ۱۹۱۰ء	نمبر ۱۱

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک [illegible] | مقام اشاعت، دفتر معارف - پانی پت - | قیمت فی پرچہ [illegible]

منشی محمد الحق کے اہتمام سے مطبع عام مفید پانی پت میں طبع ہوا

جلد دوم معارف

(جولائی ۱۸۹۹ء - جون ۱۹۰۰ء)

معارف کے سال اول کی کوئی جلد دفتر میں موجود نہیں ہے متفرق پرچے البتہ مل سکتے ہیں
دوسرے سال کے بارہ پرچوں کی مکمل جلد بڑی تقطیع کے (۳۸۴) صفحات پر مشتمل ہے اور للعہ قیمتہً
مل سکتی ہے۔ اس جلد کے دلچسپ اور مفید مضامین کی فہرست حسب ذیل ہے:
حالات سسلی (جزیرہ سسلی میں مسلمانوں کی شاندار حکومت کی تاریخ) شگر (شکر) کن کن چیزوں سے
اور کیونکر بنتی ہے) محفل میلاد (مولود خوانی کی مجلسیں کب سے شروع ہوئیں اور مسلمانوں کی گذشتہ
حکومتیں اس کے باب میں کیا اہتمام کرتی تھیں) عورتیں قومی ترقی کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ معجزات کو ہم کیا
مانیں اور کیوں نہ مانیں؟۔ انسان کی زندگی کیونکر دراز ہو سکتی ہے؟ سوفسطائی حکما اور اُن کا
فلسفہ۔ عرب کی تصنیفات اور یورپ کی فیاضی (دنیا میں عربی کتابوں کے مشہور کتب خانے) ریفارم
(مسلمانوں کی عادات و اخلاق و رسم و رواج کی اصلاح) کیمیائے قدیم (سونا چاندی بنانا
آجکل یورپ کے علما کے نزدیک ممکن ہے) عورتوں کی تربیت۔ ریاضت جسمانی (ورزش جسمانی کی
نسبت مذہب اسلام کیا کہتا ہے) احکام اسلام کی پابندی اور اُس کا اثر عمر و صحت پر مسلمانوں کی تاریخ کا
کا تاریخی بیان۔ عورتوں کی حالت زمانہ جاہلیت میں۔ وراثت طبعی (جسمانی اور دماغی قوتیں اولاد میں ماں
باپ کی طرف سے موروثی ہوتی ہیں، وہ اسباب جن سے جسمانی اور دماغی خرابیاں جو ماں باپ کی طرف سے اولاد
کو وراثت میں ملی ہوں، دور ہو سکتی ہیں۔ وہ تدبیریں جن سے عمدہ اولاد پیدا ہو سکتی ہے) بصرہ منصور عباسی کے
عہد حکومت میں۔ قرآن مجید میں اب نئی تفسیر کی گنجائش ہے یا نہیں؟ شادی کا مسئلہ نئی روشنی میں
ترقی انسانی (انسانی ترقی کی ابتدا اور انتہا اور اُس کے اسباب و موانع) سلطنت کی آمد و خرچ کی
مدیں زمانہ حال و سابق میں۔ مذہب و علم۔ فلسفہ تاریخ پر ایک سرسری نظر۔ آواز نویسی (اسپیکروں
اور واعظوں کی تقریروں کو سرعت کے ساتھ قلمبند کرنے کا طریقہ) علامہ ابوالفرج اصفہانی
کانشنس اور اخلاق پر ایک دلچسپ مکالمہ۔ ملا نظام الدین مرحوم بانی سلسلہ نظامیہ۔ کیا دل کی کشش اور
مادہ کی کشش دونوں ایک ہیں؟ کیا محتاجوں کی مدد کرنا کوئی جرم ہے؟ ایام جاہلیت کی شاعری۔ انسان
نے اول اول کیونکر بولنا شروع کیا؟ تجارت کی تاریخ۔ حاتم طائی۔ بچوں کی تربیت۔ چین اور چینی (ملک
چین اور وہاں کے باشندوں کے عجیب و غریب حالات) تخت جمشید (ملک ایران کی ایک قدیم شاندار یادگار)

اڈیٹر مولوی وحید الدین سلیم۔ مقامِ
اشاعت: دفترِ معارف۔ پانی پت
عام خریداروں سے قیمتِ سالانہ
مع محصولِ ڈاک للعہ۔ قیمت
فی پرچہ نمونہ مع محصولِ ڈاک ۵

معارف

اِس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص
یا انجمن یا مدرسہ کے لیے کم نہیں ہوسکتی

یہ رسالہ مہینے کی آخری تاریخ کو شایع ہوتا ہے
اس میں علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی،
تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین نکلتے
ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کی عمدہ نظمیں
اور ایک پاکیزہ ناول درج کیا جاتا ہے

قیمت نقد بھیجیے، وی پی ایبل کی اجازت دیجیے۔ نمونہ کے لیے ٹکٹ ارسال کیجیے۔ نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھیے۔ پتہ بدلنے پر فوراً مطلع کیجیے۔ خط و کتابت یا ارسالِ زر اڈیٹر کے نام کیجیے۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے، تو ایک ماہ کے اندر اطلاع ہونی چاہیے

نمبر ۱۱	نومبر سنہ ۱۹۰۱ء	جلد ۴

نہلسٹ اور انارکسٹ

(۲)

اکتوبر کے رسالہ میں اس مضمون کا پہلا نمبر شایع ہو چکا ہے، اُس میں ہم نے انارکسٹ کا خط درج کیا ہے۔ اب ہم اِس نمبر میں وہ خطوط درج کرتے ہیں، جو انارکسٹ کے خط کے جواب میں اخبار ڈیلی اکسپریس کے اڈیٹر کے نام آئے تھے اور اُس نے اپنے اخبار میں اُن کو شایع کیا ہے۔ ڈیلی اکسپریس کے اڈیٹر نے لکھا ہے کہ انارکسٹ کا جو خط ہم نے اپنے اخبار میں درج کیا تھا اُس کے جواب میں سَو سے زیادہ خطوط ہمارے پاس آئے ہیں۔ اُن میں سے ہم صرف پانچ خط انتخاب کرکے اپنے اخبار میں درج کرتے ہیں اور اُنھیں کو اِس قابل سمجھتے ہیں کہ اُن کو شایع کیا جائے۔ اِن پانچ خطوں میں سے پہلا خط جس مضمون کا ہے اِسی مضمون کے اکثر خطوط ہیں۔ ہم کو افسوس ہے کہ یہ حضرات نفسِ مضمون پر غور و تامّل کی نظر ڈالنے سے گریز کرتے ہیں اور غیظ و غضب کے جوش میں اخلاق اور تہذیب کے دائرہ سے باہر نکل گئے ہیں۔ وہ پانچ خطوط جن کو ہم نے بطور نمونے کے انتخاب کیا ہے حسبِ ذیل ہیں:

پہلا خط

جناب اڈیٹر صاحب اخبار ڈیلی اکسپریس!
یقین ہے کہ آپ مجھے اِس بات کے کہنے کی اجازت دیں گے کہ میں جو آپ کے اخبار کے خریداروں اور مطالعہ کرنے والوں میں شامل تھا، اب آپ کے

اخبار کو خریدنا اور مطالعہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ میرا نام آپ اپنے اخبار کے خریداروں میں سے یک قلم کاٹ دیجئے۔ آپ نے انارکسٹ کا خط جو اپنے اخبار میں شایع کیا ہے، اس سے میرے نزدیک آپ کے اخبار کی وقعت اور عزت باقی رہی ہے۔ مجھے اس بات پر تعجب بھی آتا ہے اور افسوس بھی کہ ڈیلی اکسپرس جیسا اخبار بلوائیوں اور فتنہ پردازوں کے اقوال اور خیالات کو شایع کرتا ہے۔ ایسے کمینوں اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو جو باغیانہ اور مفسدانہ خیالات اپنے دماغ میں رکھتے ہیں، کوئی حق اس بات کا حاصل نہیں ہے کہ وہ ان روزانہ اخباروں میں جو پبلک کی نظر سے گذرتے ہیں، اپنے خیالات و مقالات کو شایع کرائیں۔

آپ خود ہی انصاف کریں اور مجھے بتائیں کہ کون شخص ان سفاکوں اور مفسدوں کی رائیں سننی یا دیکھنی چاہتا ہے؟ یہ ناداں انارکسٹ دنیا کے دولتمندوں کی نسبت جو کچھ لکھتا ہے، وہ ایک نہایت خطرناک دھمکی ہے۔ میری رائے میں آپ کے اخبار کو کوئی حق اس طرح کی تحریر کے شایع کرنے کا نہیں ہے اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، میں افسوس کے ساتھ دوبارہ اس امر کو ظاہر کرتا ہوں کہ میں آج سے آپ کے اخبار کے خریداروں میں نہیں رہا۔ والسلام۔

راقم

افسوس

دوسرا خط

جناب اڈیٹر صاحب اخبار ڈیلی اکسپرس!

انارکسٹ کا خط جو آپ نے اپنے اخبار میں درج کیا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ پالیٹکس اور اخلاق کے لحاظ سے اس کے شایع کرنے کی نسبت لوگوں کی کیا رائے ہوگی، مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آج سے ڈیلی اکسپرس کے اڈیٹر کو دلیر اور بہادر کہنے میں کسی کو تامل نہیں ہوگا۔

میری یہ قطعی رائے ہے کہ اگر انگلستان کے تمام اخبار آپ کے اخبار کی طرح ہر مسئلہ اور ہر بحث پر فریقین کی رایوں کو شایع کیا کریں اور کسی فریق کی جنبہ داری نہ کریں، جیسا کہ آپ نے انارکسٹ کے خط کو شایع کیا ہے اور اس کی حمایت نہیں کی، تو اس سے ہمارے ملک کو بہت فائدہ ہوگا اور ہماری قوم کو خیالات کی ترقی میں بہت مدد ملیگی۔ ہمارے ملک کے اکثر باشندے اکثر معاملات اور اکثر امور پر یک طرفہ رائے رکھتے ہیں اور ان کو اس بات کا موقع نہیں ملتا کہ وہ ہر پہلو سے ان پر نظر ڈالیں۔

کل تک میرا خیال یہ تھا کہ نہلسٹوں اور انارکسٹوں کی نسبت صرف ایک رائے دنیا میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ مجرم ہیں اور جو افعال و حرکات ان سے ظہور میں آتی ہیں، ان کی بنیاد مجرمانہ اصولوں پر ہے۔ خود میری بھی یہی رائے ہے اور شاید اس رائے میں آیندہ بھی کوئی فرق نہیں آئیگا، کیونکہ میں اپنی قومی سلطنت کا خیرخواہ ہوں مگر اس لحاظ سے کہ اس سفاکی اور خونریزی کا علاج کیا جائے، انارکسٹ کے خط کو مطالعہ کرنے سے میری آنکھیں کھل گئی ہیں اور میری معلومات کا دائرہ پہلے کی

نسبت زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔

انارکسٹ نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ ہمارے گروہ کے افعال خود کوئی بیماری نہیں ہیں جس نے سوسائٹی کی زندگی کو خطرہ میں ڈال رکھا ہے؛ بلکہ جو اصلی بیماری ہے، وہ سوسائٹی کا نشیب و فراز ہے اور نہلسٹوں اور انارکسٹوں کا وجود اُس بیماری کے عوارض میں سے ہے۔ انارکسٹ ہم کو نصیحت کرتا ہے کہ اگر ہم اُس بیماری کا علاج کرنا چاہتے ہیں، تو اُس کے عوارض کو دور کرنے سے وہ بیماری دور نہیں ہوسکتی؛ بلکہ ہم کو لازم ہے کہ اُس بیماری کے اصلی سبب کا سُراغ لگائیں۔ چونکہ میں علاوہ طبیب ہونے کے سلطنت کا طرفدار اور حکمرانوں کے وجود کا حامی ہوں، اس لیے انارکسٹ کے خط سے میرے دل پر بہت زیادہ اثر ہوا ہے؛ مگر نہلسٹوں اور انارکسٹوں کی نفرت جو اسے میری اوّل سے ہے، وہ ابھی تک بدستور قایم ہے اور اُس میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ والسلام

راقم

حقیقت کا جویا

تیسرا خط

جناب اڈیٹر صاحب اخبار ڈیلی ایکسپریس!

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ وہ انارکسٹ جس کا خط آپ نے اپنے اخبار میں درج کیا ہے، ایک پست خیال اور مبتذل آدمی ہے، جو انسانیت اور تہذیب سے عداوت رکھتا ہے؛ کیونکہ علاوہ اِس کے کہ وہ اُس گروہ کی حمایت کرتا ہے، جس کے افعال اور حرکات درندوں جیسی وحشیانہ ہیں، وہ اپنی کمزور اور بیہودہ رای کی تائید میں کتاب مقدس کی آیتوں کو بھی پیش کرتا ہے، جیسا کہ اکثر جنوبی افریقہ کے بوئیر کیا کرتے ہیں۔

میں کبھی بھی یہ بات خیال میں نہیں لاسکتا تھا کہ ان ظالموں اور فتنہ پردازوں کے خیالات آپ کے اخبار میں کسی وقت زیر بحث ہونگے اور اُن کو علی الاعلان شایع کیا جائیگا۔ یہ وحشی درندے اس قابل ہیں کہ اُن کے ناپاک وجود سے روے زمین کو پاک کردیا جاے۔ وہ اس بات کا کوئی حق نہیں رکھتے کہ اُن کی بیہودہ مقالات اور مفسدانہ خیالات کے لیے اخباروں کے کالم کھولدیے جائیں اور اُن کو اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ جو چاہیں لکھیں۔

یہ نادان انارکسٹ لندن کے غریب لوگوں کے حالات پر تو افسوس ظاہر کرتا ہے، جو بھوک پیاس اور سردی کی تکلیف سے ہلاک ہوتے ہیں؛ مگر اس بات پر مطلق رنج کا اظہار نہیں کرتا کہ جو جس نے امثلی کے جس فرمانروا کو سفاکانہ اور وحشیانہ طریقہ سے قتل کیا ہے، اُس کی بیوی اور بچوں اور خاندان کی کیسی دردناک حالت ہوگی۔ میں اس بات کو مانتا ہوں کہ ہر شریف اور نیکدل آدمی ہر ایک ایسے واقعہ کے سُننے سے مغموم ہوتا ہے، جس میں مصیبت اور تکلیف شامل ہو؛ مگر یہ کونسا انصاف ہے اور کونسی عقل کی بات ہے کہ اگر کچھ مفلس آدمی بھوک اور سردی کی تکلیف سے مرتے ہیں، تو اُن کی وجہ سے دُنیا کے بڑے بڑے حکمران اور دولتمند آدمی قتل کیے جائیں! میرے

نزدیک اگر ... رائے رکھتا ہے، تو وہ محض دیوانہ
اور محض وحشی ہے۔

زہریلے سانپوں اور درندوں کو دُنیا کے ایک
حصہ میں مثل دیگر جانوروں کے سکونت اختیار کرنے کا
پورا حق حاصل ہے، مگر جب وہ دُنیا میں فساد برپا کریں
اور لوگوں کے گھروں میں داخل ہو کر اُن کو ہلاک کرنا
شروع کریں، تو اُن کا قتل کرنا واجب ہے اور اسکو
کوئی بھی انصاف کے برخلاف نہیں سمجھیگا۔

یہ سچ ہے کہ آپ نے انارکسٹ کی رائے کے ساتھ
اتفاق نہیں کیا ہے، مگر میری رائے میں یہ بھی آپکی
سخت غلطی ہے کہ آپ ایسے مفسدوں اور وحشیوں کے
خیالات کو اپنے اخبار میں شایع کرتے ہیں اور چاہتے ہیں
کہ لوگ اُن کو پڑھیں اور اُن پر بحث کریں والسلام۔

راقم
عقل

چوتھا خط

جناب اڈیٹر صاحب اخبار ڈیلی الکسپریس!

میرے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ کوئی
دن ایسا بھی آئیگا، جس میں کوئی اخبار ... جیسے مذہبی
شخص کو تنبیہ کرے گا اور میرے اُن فرائض سے
مجھکو آگاہ کرے گا، جو قومی اور مذہبی حیثیت سے
میری گردن پر ہیں۔ کل جو خط انارکسٹ کا آپنے
اپنے اخبار میں درج کیا ہے اُس نے میرے دل میں
ایک خاص طرح کی جنبش پیدا کر دی ہے۔

مذہب عیسوی کے بانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے
ہم کو اس بات کی تعلیم دی ہے کہ دانائی اور نصیحت کی
باتوں کو جس طرح ہم عالموں کی زبان سے
سُن کر قبول کرتے ہیں، اسی طرح جاہلوں کی زبان
سے سُن کر قبول کرنی چاہئیں۔ انارکسٹ کے
خط سے ایک نہایت مفید اور ضروری ہدایت نکلتی ہے،
جس کو خاص طور پر ہر انگریز کو اور عام طور پر ہر
عیسائی کو سننا مناسب ہے۔ اگر اس خط کے مطالعہ
کرنے سے پہلے کوئی مجھ سے پوچھتا کہ انارکسٹوں اور
نہلسٹوں کے مقالات و خیالات میں کوئی ایسی بات
بھی ہے، جس پر ہم کو توجہ کرنی چاہیے، تو میں صاف
طور پر کہہ دیتا کہ میرے نزدیک ہرگز ہرگز کوئی بات
قابل توجہ نہیں ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ میں اور اُن لوگوں میں جو انارکسٹ
کے خط کو پڑھکر میری طرح تعجب کی حالت میں ہیں،
کوئی پادری جو مذہب عیسوی سے کامل طور پر واقفیت رکھتا ہو
احسان کرے اور کتاب مقدس کی اُن آیتوں کی
موشگافی اور باریک بینی کے ساتھ تفسیر کر دکھائے،
جو انارکسٹ نے اپنے خط میں درج کی ہیں؟ اگر
ان آیتوں کے صحیح معنے اور اُن احکام کی حقیقت
بیان کر دی جائیں، جو ان آیتوں میں درج ہیں،
تو یہ ایک نہایت مفید بات ہوگی۔

آپ نے اپنے مضمون میں یہ بھی لکھا تھا کہ
جو شخص کسی کو قتل کرتا ہے، وہ قتل کیا جائیگا، مگر
اس کے بعد ہی بہت جلد وہ خط شایع ہوا ہے،
جس میں انارکسٹ نے اپنے ہولناک اور شورش انگیز

خیالات ظاہر کیے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اُس نے بھی انجیل کی آیتوں سے استدلال کیا ہے اور وہ یہ ہیں: تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، مگر میں تم کو کہتا ہوں کہ ظالم سے مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو تمھارے دہنے گال پر طمانچہ مارے، دوسرا گال بھی اُس کی طرف پھیر دینا۔ تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا: اپنے ہمسایہ سے دوستی کرنا اور اپنے دشمن سے عداوت کر، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کو پیار کرو اور جو تم پر لعنت کریں اُنکے لیے برکت چاہو، اور جو تم سے کینہ رکھیں، اُن کے ساتھ بھلائی کرو، اور جو تمھیں دُکھ دیں اور ستائیں، اُن کے لیے دعا مانگو، تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے، فرزند ہو، کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں پر چمکاتا ہے اور راستوں اور ناراستوں پر مینہ برساتا ہے۔ کیا یہ انجیل مقدس کی آیتیں نہیں ہیں؟ اگر ہیں، تو ان کے کیا معنی ہیں اور جو احکام ان میں درج ہیں، اُن کی تعمیل کے لیے کونسی حدود قایم ہوسکتی ہیں؟

جناب من! میری درخواست ہے کہ عیسائی، جو انگلستان میں آباد ہیں اور جو ... عقائد و مسائل کو ... ہرگز نہیں چاہتے کہ جو لوگ انتقام لیتے ہیں، اُن میں بھی ... جب تک انجیل مقدس کی اِن آیتوں کے کوئی اور معنی بیان نہ کیے جائیں اور جب تک اُن احکام کی حدود نہ بتائی جائیں، جو اِن آیتوں میں درج ہیں، ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ نہلسٹوں اور انارکسٹوں کو یک قلم ہلاک کیا جائے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اِس مسئلہ کو جب تک اچھی طرح طے نہ کر لینگے، اِس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور وہ تمام عیسائی جنکے دماغ میں عقل ہے اور جنکی عقل سلیم ہے، اِس بات پر آپ کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آپ نے ایک ضروری اور مہتم بالشان خط اپنے اخبار میں درج کیا ہے اور بغیر اِس کے کہ کسی فریق کی بیجا حمایت اور جنبہ داری کریں آپ نے نہایت اعتدال اور متانت سے اِس بحث کو چھیڑا ہے۔ والسّلام۔

راقم

ایک عیسائی

پانچواں خط

جناب اِڈیٹر صاحب اخبار ڈیلی اکسپرس!

میں نہ انارکسٹ ہوں، نہ اُن لوگوں میں شامل ہوں، جو انارکسٹوں اور نہلسٹوں کی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں، تاہم اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ انارکسٹوں اور نہلسٹوں کے گروہ میں لوگ کیوں شامل ہوتے ہیں اور اُن جیسے خیالات لوگوں کے دلوں میں کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ تو میں یہ جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ اِس کا کیا باعث ہے، مگر نہ اُن کے خیالات اور مقالات محض دل لگی اور ہنسی پر مبنی ہیں، نہ میرے

نزدیک شہرت اور ناموری کی خواہش ان لوگوں کو
ایسی وحشیانہ اور سفاکانہ حرکات پر آمادہ کرتی ہے؛
بلکہ میری رائے میں سو میں سے پچانوے ضرور ایسے
ہیں جیسا کہ میں ہرگز نہیں ہے، جو لارڈ سالسبری
یا اڈیٹر اخبار ڈیلی اکسپریس کا ہے۔
اس میں کچھ شک نہیں کہ کوئی انسان زندگی سے
مایوس اور وحشیانہ اور سفاکانہ افعال کرنے پر ہرگز آمادہ
نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ یا اس کے عزیز اقربا یا انکے
دوست نہایت سخت مصیبتوں اور تکلیفوں میں
مبتلا نہ ہوے ہوں۔ اگر کوئی شخص اسکے برخلاف خیال
رکھتا ہے، تو اس میں اور دیوانوں میں کوئی فرق
نہیں ہے۔
اگر یہ کہا جائے کہ مسل لوچی (قاتل وزیر اعظم اسپین)
کے اکثر ہملسٹ اور انارکسٹ اپنے باپوں کی
ناجائز اولاد ہیں، تو اس میں تعجب کی کوئی بات
نہیں ہے؛ کیونکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ
اُن کے باپ دولتمند اور عیش پرست تھے اور قوم
کی نظروں میں نہایت معزز اور شریف سمجھے جاتے تھے؛
مگر اُن کی مائیں یا تو بازاری عورتیں تھیں، یا غریب
اور ادنیٰ قوم کی تھیں۔ دولتمندی اور عیش پرستی
اور اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں داخل ہونے کی خواہش
جو ان لوگوں میں پائی جاتی ہے، یہ انھوں نے اپنے
باپوں سے میراث میں پائی ہے؛ مگر ان کو تعلیم و
تربیت نہیں دی گئی اور وہ زندگی کے ایسے میدان
میں چھوڑ دیے گئے ہیں، جس میں دوڑنا اُن کے لیے
سخت تکلیف دہ ہے۔ مفلسی اور بدبختی اُن کو چاروں
طرف سے گھیر رہی ہے۔ نہ اُن کا کوئی نام ہے، جس
وہ عزت کے ساتھ پکارے جائیں، نہ اُن کا کوئی کام ہے،
جس پر وہ اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ نہ باپ اُن کو
پہچانتے ہیں، نہ وہ اپنے باپوں کو جانتے ہیں۔
غرضکہ یہ لوگ موجودہ تمدن اور شائستگی کے بدترین
نتائج میں سے ہیں اور اگر سچ پوچھیے، تو وہ اپنی
ماؤں کا انتقام لیتے ہیں، جن کو امیروں اور
دولتمندوں کے ہاتھ سے ضرر پہنچا ہے۔
اس کے سوا اور بھی اسباب ہیں، جن سے
یہ گروہ پیدا ہوتے ہیں اور جنکی وجہ سے ان گروہوں
کی ترقی ہوتی رہتی ہے؛ مگر میں نے اس خط میں جو
سبب بیان کیا ہے، وہ سب سے زیادہ اہم اور
مقدم سبب ہے اور اُسی پر اس تحریر کو تمام کرتا
ہوں۔۔ السلام۔

راقم
ٹامس رڈ ورتھ

اس خط کے نقل کرنے کے بعد ڈیلی اکسپریس
کے اڈیٹر نے لکھا ہے کہ اس خط کے کاتب کے
سوا اور کسی نے اپنا نام پبلک میں ظاہر کرنا
نہیں چاہا ہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ ٹامس
رڈ ورتھ نے جو سبب ہملسٹوں اور
انارکسٹوں کے پیدا ہونے کا لکھا ہے، اُس سے
ہم کو پورا اتفاق ہے اور فی الواقع
یہ سبب نہایت مقدم اور اہم ہے،

مگر اس کے ساتھ ہی وہ اِس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ اِن گروہوں کے پیدا ہونے اور اُن کے ترقی پانے کے اور اسباب بھی ہیں جو اگرچہ ایسے اہم اور ضروری نہیں ہیں، مگر تاہم اُن کو اِن گروہوں کے پیدا ہونے اور اُن کے خیالات و افعال کے ترقی پانے میں کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے۔ اب ہم بلا عذر اِس بات کو مانتے ہیں کہ شہرت اور ناموری کی خواہش کو اِن سفاکوں اور وحشیوں کی حرکات میں اتنا دخل نہیں ہے، جتنا کہ اُن کے ناجائز اولاد ہونے کو ہے۔ یہ سبب جو ہماری خیال میں اُتر گیا ہے، ایک ایسا عظیم بالشان سبب ہے کہ یورپ کے بہت سے ناول نویسوں نے اُس کو اپنے افسانوں کا موضوع بحث قرار دیا ہے۔ پس زیادہ تر ہم کو اِس بات پر زور دینا نہیں چاہیے کہ اخبارات میں نہلسٹوں اور انارکسٹوں کے حالات نہ چھاپے جائیں، بلکہ اِس بات پر زیادہ زور دینا مناسب ہے کہ یا تو یورپ کی حکومتیں ایسے قوانین نافذ کریں جن سے عیاشی کی روک ہو، یا جو دولتمند غریب عورتوں کی عصمت اور عفت کو تباہ کرتے ہیں، اُن پر اُن کی اولاد ناجائز کی تعلیم و تربیت کا بار ڈالا جائے، یا خود حکومتیں اِس بار کو اپنے ذمے لیں۔ بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اِن خونریز فتنہ پردازوں کی ہنگامہ آرائیاں موقوف ہوں۔ انارکسٹوں اور نہلسٹوں کا یہ کہنا کہ اُن کو غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ ہمدردی ہے اور اُن کو وہ بھوک اور سردی کی تکلیف سے ہلاک ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، سراسر غلط ہے، بلکہ درحقیقت وہ اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں کا علاج چاہتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کی تعلیم اور پرورش کا انتظام کر دیا جائے، تو ناممکن ہے کہ یہ ہنگامے رات دن برپا ہوا کریں۔

ڈیلی اکسپرس کے اڈیٹر نے اس کے بعد کوئی تحریر نہلسٹوں اور انارکسٹوں کی نسبت شائع نہیں کی اور وہ خاموشی کے ساتھ اب تک اِس بات کا انتظار کر رہا ہے کہ جو تجویزیں اُس نے سلاطین یورپ کے سامنے پیش کی ہیں، اُن پر کہاں تک عمل ہوتا ہے۔

(ایلاعلیرا لمسلمان)

دولتِ عثمانیہ

سعاد تلو نعمان بے کامل نے جو سلطان المعظم کے پانچویں سکریٹری ہیں، اورینٹل کانگرس کے ایک جلسہ میں، جس میں یورپ اور امریکا کے بڑے بڑے علما اور سلاطین عالم کے سفیر موجود تھے، دولت عثمانیہ کے متعلق ذیل کا مضمون پڑھ کر سنایا تھا۔ یہ مضمون فرانسیسی زبان میں لکھا گیا تھا۔ محمد طلعت آفندی حرب نے جو باب عالی میں غیر زبانوں سے ترجمہ کرنے پر مامور ہیں، اِس مضمون کا ترجمہ عربی

زبان میں کیا تھا۔ ہم اس کو عربی سے اپنی زبان میں
ترجمہ کرکے ناظرین معارف کی خدمت میں پیش کرتے
ہیں (رشید احمد سالم)

اس وقت جو ملک ترکوں کے دائرہ
حکومت میں ہیں، اُن کی تاریخ مطالعہ کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ نوع انسان کی تمام ترقیوں
کی صبح اوّل انھیں ملکوں میں طلوع ہوئی تھی
اس لحاظ سے ہم بلاد عثمانیہ کو ہی نوع انسان کا
گہوارہ کہہ سکتے ہیں۔ عرفات وہ مقام ہے، جہاں
آدم اور حوا نے ایکدوسرے کو پہچانا، ابراہیم خلیل نے
کعبہ کی بُنیاد ڈالی، جہاں روئے زمین کے
مسلمان جمع ہوکر خدا کی عبادت میں مشغول
ہوتے ہیں۔ جودی اُس پہاڑ کا نام ہے جو
کوہستان اراراط کے سلسلہ میں شامل ہے
اور جس پر حضرت نوح کی کشتی طوفان کے بعد
ٹھیری، اور [illegible] کو ہمارے زمانہ میں رُہا
کہتے ہیں، وہ مقام ہے، جس کے قریب حضرت
ابراہیم آگ میں ڈالے گئے تھے۔

تمدن کا ظہور نیل اور فرات اور دجلہ کے
کناروں پر ہوا اور انھیں دریاؤں کی
وادیوں میں اُس نے ترقی کی اور یہی وہ
میدان ہیں، جہاں سے اُس کی شعاعیں
پھوٹ کر نکلیں اور دُنیا کی تمام ملکوں میں پھیل
گئیں۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰ کو وہ صحیفے
دیئے گئے، جن پر یہودیوں کے مذہب کا
مدار ہے۔ فلسطین میں حضرت عیسیٰ نے
اپنی نبوت کا علم بلند کیا اور دُنیا کو پاکیزہ
اور عمدہ اخلاق کی تعلیم دی۔

ہمارے پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
[illegible] بلاد عثمانیہ کے
[illegible] باعث
ہے، کیونکہ [illegible] تمام دُنیا
کے ہادی تھے۔

غرضکہ تمام مذہب جنکی [illegible]
پھیلی ہوئی ہیں، یا تو فلسطین میں پیدا ہوئے
یا عرب میں۔ [illegible] اور [illegible]
قوانین [illegible]
[illegible]
[illegible]
جس کی [illegible] پرستی میں [illegible]
[illegible] کا سکہ
بلند کیا۔ دُنیا کے [illegible]
[illegible] سلاطین عثمانیہ حکمرانی کرتے ہیں
حروف تہجی بھی اسی سرزمین میں ایجاد کیے گئے
علوم و فنون میں بڑی بڑی [illegible] بھی
انھیں ملکوں میں ظہور میں آئیں۔ معماری کا
فن بھی یہیں شروع ہوا۔ مصر کے بلند مناروں
کا جن کو اہرام کہتے ہیں اور جن کو دُنیا کے
سیّاح دیکھ کر دنگ [illegible] ہیں، دجلہ اور
فرات کے [illegible] میں

بهفست مشد اد کا ذکر غالباً ہر شخص نے سنا ہوگا۔
ممالکِ عثمانیہ کے وسیع نقشہ پر نظر دوڑانے
سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر مقام، جو ترکوں کے
دائرہ حکومت میں ہے، شوکت و عظمت اور
تہذیب و شائستگی کا سرچشمہ ہے۔ یہی وہ ملک
ہیں، جہاں آلِ حمیر اور بنی قحطان نے اپنی
عظمت کا پھریرا اُڑایا۔ یہی وہ ملک ہیں،
جہاں کلدانیوں اور اشوریوں نے تہذیب
اور تمدن کا علم بلند کیا۔ یہی وہ ملک ہیں،
جہاں غسانیوں، سلجوقیوں اور ساسانیوں
کی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ یہی وہ ملک ہیں،
جہاں اتھوپی، فنیشس، عمالقہ، و بد
بجالسہ کی حکومتیں سر سبز ہوئیں۔ فلسطین اسی
نقشہ کا ایک مقام ہے، جس کی شان و شوکت کے
ذکر سے توریت کے صفحات لبریز ہیں۔ سکندر
اعظم بھی انھیں ملکوں پر حکمراں رہا ہے
غرضکہ اکثر عظیم الشان قومیں انھیں میدانوں
میں ناموری اور شہرت حاصل کر چکی ہیں
اور ان کے اقبال کے ستارے انھیں ملکوں
کے اُفق پر نکلتے اور ڈوبتے رہے ہیں۔

بلادِ عثمانیہ بہت قدیم زمانہ سے دُنیا کی
نامور قوموں کی جولاں گاہ رہے ہیں۔ جب
ایک قوم دوسری قوم پر غالب آتی تھی، تو وہ
ہمیشہ اِس بات کی کوشش کرتی تھی کہ مغلوب
قوم کے تمدن کے نشان روئے زمین سے
مٹا دے اور اُن کی جگہ نئی یادگاریں
تعمیر کرے، جن سے فاتح قوم کی خصوصیات
نمایاں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قرطاجنہ (کارتھیج)
تدمر، طیبہ، اصف، نینوی اور بابل وغیرہ
مقامات جو دُنیا کے نہایت سر سبز اور
آباد شہر تھے، اب کھنڈر ہو گئے ہیں۔
اِن نامور قوموں نے جو ایک دوسرے
کی یادگاروں کو مٹانے اور اپنی عظمت
کو قایم رکھنے کی کوشش کی، اُس کا سبب
یہ تھا کہ ابھی تک دُنیا میں وہ قوانین ایجاد
نہیں ہوئے تھے، جن کے ذریعہ سے مختلف
قوموں کے درمیان تعلقات کا سلسلہ مضبوط
ہوتا ہے اور یہ قدیم تمدن کا بہت بڑا نقص تھا
اسلام نے جب دُنیا میں ظہور کیا، تو اُس نے
اِس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی اور
ایسے قوانین اہلِ عالم کے سامنے پیش کیے،
جن سے مختلف قوموں کے درمیان اتحاد
پیدا ہو اور وہ ایک دوسرے کے حقوق کو
تلف نہ کریں۔

بانیِ اِسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے
بلند آواز سے کہا کہ میں دُنیا میں اِس لیے
پیدا ہوا ہوں کہ اخلاق کو معراجِ کمال پر
پہنچاؤں۔ جو شخص مذہب اسلام کا غور و
تامل سے مطالعہ کرتا ہے، اُس کو یہ بات
صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ آن

شریعتوں سے بلتا جلتا ہے، جو موسیٰ اور عیسیٰ پر نازل ہوئی تھیں۔ اسلام کے دس اصول ہیں، جن میں سے پانچ اعتقادی اور پانچ عملی ہیں۔ اعتقادی اصول حسب ذیل ہیں:

اوّل ایک خدا پر ایمان لانا، جو عقل و فہم کے دائرہ میں نہیں آسکتا، جسکی مثل دُنیا میں کوئی چیز نہیں ہے، جو مادہ اور زمان اور مکان سے منزہ ہے، جو نہ کسی کا باپ ہے، نہ کسی کا بیٹا اور جس کا کوئی ہمسر اور کوئی شریک نہیں ہے۔

دوم فرشتوں پر ایمان لانا، جو خدا کے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جن کے جسم نہایت لطیف اور نورانی ہیں۔

سوم اُن کتابوں پر ایمان لانا جو پیغمبروں پر نازل ہوئیں اور جو نوعِ انسان کو انصاف اور دانائی کی ہدایت کرتی ہیں۔

چہارم تمام انبیا پر ایمان لانا، جن میں سے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، اور حضرت محمد نہایت جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر ہوئے ہیں۔ انبیا کا شمار خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اُن کو خدا نے اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا تھا اور اُن پر کتابیں اور صحیفے نازل کیے تھے اور اُن کو دُنیا میں اس لیے بھیجا تھا کہ وہ اہلِ دُنیا کو نصیحت کریں اور اُن کی دینی اور دنیوی حالت کی اصلاح کریں۔

پنجم قیامت پر ایمان لانا، جو عذاب اور ثواب کا دن ہے اور جس میں نیکیوں پر انعام اور بدیوں پر سزا دیجائیگی۔

عملی اصول حسب ذیل ہیں:

اوّل روزہ جس سے یہ مراد ہے کہ انسان تمام دن بھوکا اور پیاسا رہے اور صبح سے شام تک اپنی تمام نفسانی خواہشوں کو ترک کر دے۔ ہر مسلمان کو سال بھر میں ایک مہینے روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ اُن سے غرض یہ ہے کہ جو نعمتیں اور برکتیں خدا نے انسان پر نازل کی ہیں، اُن کو یاد رکھے اور خدا کا شکر ادا کرے اور اُن لوگوں پر رحم کرے، جو اُس سے کم درجہ کے ہیں، یا اُن نعمتوں سے بالکل محروم ہیں، مگر جو لوگ بیمار ہوں، یا سفر میں ہوں، اُن کو اور اُن عورتوں کو جو ایّام سے ہوں، روزے معاف کر دیے گئے ہیں اور یہ بہت بڑی بھلائی ہے، جو اُن کو دی گئی ہے۔

دوم رات اور دن میں پانچ وقت نماز پڑھنا۔ اس سے غرض یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے تئیں خدا کے حضور میں سمجھے اور یہ بات اُسکے ذہن نشین رہے کہ دیگر انسانوں کے جو حقوق اُس کی گردن پر ہیں

اگر اُن کو وہ ادا نہ کرے گا، تو خدا اُس سے بازپرس کریگا اور اُس کو سزا دیگا۔ بدن اور کپڑوں کا پاک صاف رکھنا نماز کی ضروری شرط ہے، چنانچہ جو عورتیں ایام سے ہوتی ہیں، اُن کو پاک ہونے کے وقت تک نماز معاف کر دی گئی ہے۔

سوم کعبہ کا حج کرنا۔ یہ اُن لوگوں کے لیے ہے، جو صحت جسمانی اور تونگری کے لحاظ سے اِس قابل ہوں اور اِس سے فائدہ یہ ہے کہ مختلف قومیں، جو ایک خدا اور ایک رسول کو مانتی ہیں، سال بھر میں ایک دفعہ ایک مقام پر جمع ہوں اور ایک دوسرے سے میل جول پیدا کریں، تاکہ اُن میں محبت و اُلفت، دوستی اور ہمدردی کو ترقی ہو۔

چہارم زکوٰۃ دینا۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے مال میں سے، جس پر ایک سال گذر چکا ہو اور جو اُسکی اصلی ضرورتوں سے بچ رہا ہو، چالیسواں حصہ نکال کر دے۔ اِس سے مقصد یہ ہے کہ جو مسلمان غریب اور محتاج ہیں، اُن کی پرورش ہوتی رہے۔

پنجم اِس بات کا زبان سے اقرار کرنا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں۔

یہ دس اُصول ہیں، جن کا ماننا اور جن پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کے تمام احکام سے واقف ہونا چاہے، تو اُس کو قرآن مجید کی ایک مختصر سی سورت پڑھ لینی کافی ہے، جس کا نام سورۂ عصر ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ "زمانہ کی قسم ہے کہ اُن لوگوں کے سوا سب آدمی نقصان اُٹھا رہے ہیں جو خدا پر ایمان لائے ہیں اور جو نیک کام کرتے ہیں اور جو ایک دوسرے کو نیک باتوں کی ہدایت کرتے ہیں اور جو مصیبت میں ایک دوسرے کو صبر کرنے کی نصیحت کرتے ہیں"۔

یہ پاکیزہ اصول اور یہ عمدہ احکام تھے جنکو اسلام نے اُس شایستہ اور مہذب دنیا کے سامنے پیش کیا، جس پر رومی اور ایرانی حکومت کر رہے تھے۔ غالباً یہ بات ہر شخص کو معلوم ہوگی کہ رومیوں اور ایرانیوں کی قومیں اُن قوموں کی جانشین تھیں، جو اُن سے پہلے گذر چکی تھیں اور جو تمدن اور شایستگی میں نامور تھیں۔ اُن کے علوم و فنون ایرانیوں اور رومیوں نے ورثہ میں حاصل کیے تھے۔ وہ ایسی سرزمینوں پر حکمران تھیں، جو دنیا میں سب سے زیادہ سرسبز اور زرخیز تھیں۔ غرضکہ یہ قومیں علمی اور جنگی لحاظ سے عربوں سے بدرجہا فائق اور بالاتر تھیں۔ کیا یہ ممکن تھا کہ مسلمان تلوار کے زور سے اِن قوموں پر غالب آجاتے، حالانکہ اُن کی تعداد اُس وقت چند ہزار سے زیادہ نہیں تھی؟ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ دنیا میں سب سے بڑا جنگجو اور بہادر شخص اٹیلا تھا، باوجود اِس کے کہ اُسکے ساتھ قوم

ہون کے لاکھوں آدمی تھے، مگر وہ اُن ملکو پر جو رومن امپائر کی سرحد سے ملے ہوئے تھے قبضہ نہیں کر سکا۔ نہایت محنت اور تکلیف کے بعد وہ صرف اسی بات پر قادر ہوا کہ اپنی جرار فوجوں کے ساتھ اُن ملکوں سے عبور کر گیا؛ مگر اُن کے باشندوں کو وہ کسی تدبیر سے بھی مطیع اور حلقہ بگوش نہ کر سکا۔ مسلمان جب رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں آئے، تو اُن کے پاس نہ اِس قدر فوج تھی، جو شمار میں اُنکی فوج کے برابری کرتی، نہ اسقدر سامان جنگ تھا، جو رومیوں اور ایرانیوں کے سامان جنگ کے سامنے کچھ حقیقت رکھتا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُنکی حالت ایسی کمزور تھی کہ اِن عظیم الشان قوموں کے مقابلہ میں اُن کا کوئی نام بھی نہیں لیتا تھا۔ باوجود اِن کمزوریوں کے اِسلام پچاس برس سے بھی کم عرصہ میں اُن ملکوں پر غالب آگیا، جن پر یہ مو قومیں اپنی عظمت و جلال کے پھریرے اُڑا رہی تھیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر فتح کی وجہ فوج کی کثرت اور سامانِ جنگ کی افراط نہیں تھی، تو پھر آخر اس کا کیا سبب تھا کہ مسلمانوں نے اِسقدر جلد ان عظیم الشان قوموں کو پاش پاش کر دیا اور اُن کے ملکوں پر قابض ہوگئے!

اِس کا جواب یہ ہے کہ وہ چیز جس نے مسلمانوں کے ہاتھ میں اِن ملکوں کی حکمرانی کی باگ سونپ دی، نہ وہ خونخوار فوجوں کی کثرت تھی، نہ تدبر اور تلواروں کی جھنکار تھی، بلکہ وہ مذہبی آزادی تھی جو مسلمان حکمران اپنی عملداری میں غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کو عطا کرتے تھے۔ یہ پاکیزہ اور اعلیٰ اصول جو تمدن کے ضروری اجزا میں شمار کیا جاتا ہے اور جس کے بغیر انسانی ترقی نہیں ہو سکتی، ایام جاہلیت میں نہیں تھا اور اسلام سے پیشتر دُنیا کی تاریخوں میں بھی اُس کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ جب اِسلام نے دُنیا میں اپنا علم بلند کیا، تو اُس نے یہ عمدہ اور شائستہ اصول جاری کیے۔ علاوہ اِسکے جن لوگوں نے عہدِ نبوت کے معرکوں کی تاریخ کو مطالعہ کیا ہے، اُن کو یہ بات معلوم ہوگی کہ ہمارے پیغمبر (علیہ الصلوۃ والسلام) نے حدیبیہ کی صلح میں جس معاہدہ پر دستخط کیے تھے، وہ سب سے پہلا امن مشتمل معاہدہ تھا۔

جب مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق کے عہدِ حکومت میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا، تو اُن عیسائیوں نے جن کا محاصرہ کیا گیا تھا، خیال کیا کہ مذہبی آزادی اور انصاف کا جو وعدہ مسلمانوں نے اُن سے کیا ہے، وہ غالباً دھوکے اور فریب پر مبنی ہوگا۔ اِسی خیال سے اُنھوں نے کہا کہ ہم تمھارے خلیفہ کے سوا اور کسی کو یہ شہر سپرد نہ کریں گے اگر تمھارے خلیفہ یہاں آکر معاہدہ پر بذاتِ خود دستخط کر دیں، تو ہم بے تکلف تمھاری اطاعت کو منظور کر لینگے۔ اُن کے اصرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمر خود بنفس نفیس

بیت المقدس کو تشریف لے گئے اور اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے اُس مشہور معاہدہ پر دستخط کیے جسکے باعث سے بیت المقدس مسلمانوں کے دائرہ حکومت میں شامل ہوگیا۔ اسوقت عیسائیوں نے مسلمانوں کا نہایت خوشی سے استقبال کیا اور اُنھوں نے مسلمانوں کی اطاعت کو دل سے قبول کیا۔ اسلام نے غلامی اور ذلت کا وہ طوق اُن کے گلے سے نکال ڈالا، جو رومی حکومت نے مدتِ دراز کر ڈال رکھا تھا۔ بہت سے یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے اِس عمدہ اور فیاضانہ سلوک کو دیکھکر مسلمان ہوگئے، مگر جو مسلمان نہیں ہوئے اُنھوں نے اسلامی حکومت کے سایہ میں صدیوں تک نہایت امن و امان اور آرام و اطمینان سے زندگی بسر کی۔ یہ آزادی اور یہ آسایش جو مسلمانوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کو دی تھی رومیوں کی حکومت میں اُن کو کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ یہی سبب تھا کہ اُن کو رومیوں کی سلطنت پر زوال آنے کا مطلق رنج نہیں ہوا اور یہی وہ چیز تھی، جس نے غیر قوموں کے دلوں کو مسخر کیا اور جس سے شہر کے شہر بغیر جنگ و پیکار کے مطیع اور محکوم ہوگئے۔ ہرقل جو اُس زمانہ میں رومی سلطنت کا حکمران تھا اور جو بہادری اور دلیری میں مشہور تھا، اُس نے مسلمانوں کے ساتھ ایکدفعہ سے زیادہ مقابلہ نہیں کیا۔ یہ

معرکہ یرموک میں پیش آیا تھا اور اِس میں باوجود اِسکے کہ اُس کی فوجیں مسلمانوں کی فوجوں سے بہت زیادہ تھیں، وہ کامیاب نہیں ہوا۔ آخر میدانِ جنگ سے بھاگنے کے وقت بلند آواز سے کہا کہ "اے پیارے ملکِ شام! میں اب تجھ سے رخصت ہوتا ہوں اور تجھپر ہمیشہ حکومت کرنیکی حسرت، جو میرے دل میں ہے، اپنے ساتھ لیے جاتا ہوں"۔ ہرقل کو اِس بات کا اچھی طرح یقین ہوگیا تھا کہ مسلمانوں نے تلوار کے زور سے فتح حاصل نہیں کی، بلکہ اُن کی فتح کا بڑا باعث یہ ہے کہ اُن کی حکمرانی کے اُصول نہایت شائستہ ہیں اور وہ معاہدہ کے سخت پابند ہیں۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں نے انھیں عمدہ اور پاکیزہ اُصولوں کی برکت سے افریقہ اور ایشیا کے بڑے حصہ کو فتح کرلیا اور اِن ملکوں کے باشندے یا تو اسلام کے دائرہ میں داخل ہوگئے یا ذمی ہوکر اُن کی حکومت کے سایہ میں آزادی اور آسایش سے رہنے لگے۔

سنہ ۷۱۱ء میں اسپین کے عیسائیوں نے مسلمانوں کو اپنے ملک میں بلایا، تاکہ وہ اُس ملک کو فتح کرکے قوم گاتھ کے ظلم و ستم سے اُن کو آزاد کریں۔ اِس فتح میں بھی اُنھوں نے اسپین کے باشندوں پر کوئی جبر نہیں کیا، بلکہ اُن کو پوری مذہبی آزادی عطا کی۔

بخلاف اس کے جب ۔۔۔ میں صدی
۔۔۔ صدی میں مسلمان [illegible] میں داخل ہوئے
تو اُن کے جنرل نے اس شہر کے باشندوں
کے ساتھ نہایت ظالمانہ برتاؤ کیا اور یہ اُس
برتاؤ کے بالکل مخالف تھا، جو حضرت عمر نے
تین صدی پہلے اُن کے ساتھ کیا تھا۔

صلیبی معرکوں کے زمانہ میں مسلمانوں
اور عیسائیوں کے درمیان جو تعصب اور
عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی، اُس سے
غالباً ہر شخص واقف ہوگا۔ باوجود اس کے
صلاح الدین نے ایک منٹ کے لیے بھی اُن
قوانین سے غفلت نہیں کی جو اسلام نے قوموں
کے درمیان تعلقات قائم کرنے کے لیے وضع
کیے تھے۔ وہ صلح کے وقت اپنے دشمن رچرڈ
کو اپنے پاس کھانے میں شریک کرنے کے لیے
بلاتا تھا اور اُس کے ساتھ ایسا بے تکلفی کا
برتاؤ کرتا تھا کہ جو شخص اُن کو دیکھتا تھا، یقین
نہیں کر سکتا تھا کہ اِن دونوں میں کوئی عداوت
ہے، یا دونوں نے کسی وقت ایک دوسرے کے
قتل کے لیے تلوار اُٹھائی ہے۔ اسی طرح جب
وہ رچرڈ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتا تھا،
تو مشکل سے اس بات پر یقین آسکتا تھا کہ یہ
دونوں ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا
چکے ہیں۔

• وہ خاص حکم جس کے باعث سے اسلام بہ نسبت
دیگر مذہبوں کے ممتاز ہے، یہ ہے کہ تمام مسلمان
آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اُن میں کوئی
امتیاز اور کوئی فرق نہیں ہے۔ ذمیوں کی
جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے جو احکام
اسلام نے نافذ کیے ہیں، وہ بھی ایسے عمدہ ہیں
کہ جب غیر قوم کے آدمی بطور ذمی کے مسلمانوں کے
دائرۂ حکومت میں شامل ہو جاتے ہیں، تو اُن میں
اور مسلمانوں میں کوئی ظاہری امتیاز باقی
نہیں رہتا۔

یہی وہ مہتم بالشان اصول ہیں، جن کی وجہ سے
اسلام آسانی سے دنیا میں پھیل گیا اور جس سہولت
اور سرعت کے ساتھ مسلمانوں نے شام اور
افریقہ کو فتح کیا تھا، اُسی آسانی اور تیزی کے
ساتھ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان
کو، سلجوقیوں نے ایشیائے کوچک کو اور
ترکوں نے رومن امپائر کے ملکوں کو فتح کر لیا۔

دولتِ عثمانیہ کی بنیاد رکھنے والے اپنے
آبائی اصلی ملک پر قانع تھے اور شریعتِ اسلامی
کے قوانین پر پورا عمل کرتے تھے اور اُن کی
شجاعت اور داد گستری مشہور تھی۔ نیکیاہ
نیکومیدیا اور صوبۂ بی تھینیا کے دیگر شہروں کے
باشندوں نے اُن کو اپنے شہروں میں
بلایا اور اُن کی اطاعت جان و دل سے
قبول کر کے اُن کو اپنے شہروں پر قابض کر دیا۔
جن اشخاص نے سلطان عثمان اول کی

تاریخ کو مطالعہ کیا ہوگا، وہ اس بات کو جانتے ہونگے کہ اس سلطان نے صوبہ مذکور کو جبر وستم اور تلوار کے زور سے فتح نہیں کیا تھا، بلکہ خود اس صوبہ کے باشندوں نے چاہا تھا کہ رومیوں کے ظلم وستم سے آزاد ہوکر سلطان کے سایۂ حکومت میں آجائیں، جس میں اُن کو انصاف اور بہبودی کی زیادہ توقع تھی۔ اِسی نمونہ کو پیش نظر رکھکر بروسہ کے باشندوں نے سلطان اورخان کی اطاعت قبول کی اور اپنا شہر ترکوں کے سپرد کر دیا۔ اِس زمانہ سے پیشتر دُنیا کے کسی مُلک میں باقاعدہ اور تنخواہ دار فوج نہ تھی۔ سلطان اورخان نے ینیچری فوج بھرتی کرکے سلاطین یورپ کے لیے ایک نہایت عمدہ مثال قایم کی، جسکو دیکھکر اُنھوں نے بھی باضابطہ تنخواہ دار فوجیں رکھنی شروع کر دیں۔

صوبۂ تھریسیا کے حاکموں نے بھی، جو رومی گورنمنٹ کی طرف سے اِس صوبہ پر حکمرانی کرتے تھے، ترکوں کو اپنے صوبہ میں بُلاکر اُسپر قابض کر دیا۔ اِس واقعہ پر کوئی شخص تعجب نہیں کرسکتا؛ کیونکہ مسلمان اسپین میں بھی اِسی طرح داخل ہوئے تھے اور کونٹ جولین نے اپنے بادشاہ کے ظلم وستم سے تنگ ہوکر اُنکی فوج کو اپنے ملک کے ساحل پر اُترنے کی اجازت دے دی تھی۔

جب ایشیائے کوچک اور تھریسیا پر ترکوں کا قبضہ ہوگیا اور اُن کو خونریزی کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، تو عیسائی یورپ کو یہ امر سخت ناگوار ہوا۔ اُنھوں نے ترکوں کے بخلاف صلیبی لڑائیاں برپا کرنی شروع کر دیں۔ اِس دفعہ یورپ کے عیسائیوں کا یہ مقصد نہیں تھا کہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑالیں؛ بلکہ اُن کا مقصد اعظم اِن معرکوں اور خونریزیوں سے یہ تھا کہ قسطنطنیہ کے میدانوں کو ترکوں کے خون سے رنگین کریں اور اِس شہر پر اُن کو حکومت نہ کرنے دیں۔ اِن لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوص اوہ، نیکوپولی اور وارنا کے میدانوں میں بیشمار انسانوں کا خون بہایا گیا؛ تاہم ترکوں نے اسیرانِ جنگ کے ساتھ نہایت مروّت اور شرافت کا برتاؤ کیا اور جب وہ اپنے ملکوں کو واپس گئے، تو نہ اُن سے فدیہ لیا گیا، نہ اُن کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا گیا۔ اُنھوں نے رومن امپائر میں داخل ہونے کے وقت عیسائیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا، جو حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ اُن کو کامل مذہبی آزادی عطا کی گئی اور اُن کے ساتھ نہایت فیاضی اور ترحم کا برتاؤ کیا گیا۔

تمام فتوحات میں مسلمانوں کا یہی طریقہ رہا۔ اُنھوں نے دیگر فاتحوں کی طرح کبھی اِس مقولہ پر عمل نہیں کیا کہ "جو قوم مغلوب ہو، اُسکو پامال

کھول ڈالو" تاریخ سے اِس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ سلطان فاتح ہمیشہ مفتوح قوموں کے ساتھ مروّت اور انسانیت سے پیش آئے ہیں۔

سلطان سلیم اوّل کے عہد حکومت میں جب ترکوں نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا، تو دُنیا کے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ سلاطین ترک سے بہتر کوئی حکمران ایسا نہیں مل سکتا، جو حرمین کی کامل حفاظت کر سکے۔ اِس بنا پر خاندان عثمانیہ کے سب سے اخیر بادشاہ نے جو اس وقت مصر میں موجود تھا، سلطان کو امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین تسلیم کر کے اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ فی الحقیقت اُس زمانہ میں کوئی مسلمان بادشاہ اس قابل نہیں تھا کہ مسلمانوں اور غیر قوموں کے درمیان عمدگی اور خوبی سے تعلق قایم رکھ سکے اور شریعت کے احکام کو قوت کے ساتھ نافذ کر سکے۔

سلطان سلیمان اعظم کے زمانہ میں ترکوں کی سلطنت معراج کمال پر پہنچی تھی۔ یورپ کے تمام سلاطین اِس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ ترکوں کی بری اور بحری فوجیں تمام یورپ میں بے نظیر ہیں اور اُن کی ساتھ شجاعت اور قواعد دانی کے لحاظ سے یورپ کی کوئی فوج ہمسری نہیں کر سکتی۔ وائنا (دارالخلافہ آسٹریا) کا محاصرہ اس زمانہ کا نہایت مشہور اور عظیم الشان واقعہ ہے، جس سے ترکوں کی بری فوج کی عظمت اور قوت ثابت ہوتی ہے۔ اُن کی بحری فوج کے کمانڈروں خیر الدین اور درغوت کے نام سے بھی غالباً ہر شخص واقف ہوگا، جنھوں نے میڈی ٹرےنین (بحیرۂ روم) میں ایک تہلکہ برپا کر رکھا تھا اور جن کے حملوں سے غیر قوموں کے جہاز ہمیشہ لرزتے تھے۔

ابن خلدون نے سلطنت اور حکومت کو انسان کے جسم کے ساتھ تشبیہ دی ہے، جو رفتہ رفتہ نشو و نما کر کے جوانی تک پہنچتا ہے۔ پھر بیماریاں اُس پر طاری ہوتی ہیں اور طبیبوں سے معالجہ کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

دُنیا کی دیگر حکومتوں اور سلطنتوں کی طرح دولتِ عثمانیہ پر بھی شان و شوکت اور ادبار و تنزل کے زمانے گذر گئے ہیں۔ جس طرح بیمار کو حاذق طبیبوں کا میسر آنا خوش قسمتی کی دلیل ہے، اسی طرح دولتِ عثمانیہ کو سلطان عبد الحمید اوّل سلطان عبد المجید اور سلطان عبد الحمید ثانی کا ہاتھ آنا اِس بات کی دلیل ہے کہ اب اُس کی بدبختی کا ستارہ غروب ہونے کو ہے۔ اِن سلاطین نے دولتِ عثمانیہ کی خرابیوں کو معلوم کر کے نہایت استقلال کے ساتھ اُن کا تدارک کیا ہے۔ سلطان حال عبد الحمید خان ثانی کے تخت نشین ہونے سے پہلے جو افسوسناک حالت دولتِ عثمانیہ کی تھی، اُس کو ہم کسی طرح

فراموش نہیں کر سکتے اسی طرح ہمارے زمانہ میں جو رونق اور آب و تاب ٹرکی میں دکھائی دیتی ہے اور جو سرسبزی اور ترقی ٹرکوں کی حکومت کو حاصل ہوئی ہے، وہ بھی کسی طرح نظر انداز نہیں ہو سکتی، مگر اسمیں شک نہیں کہ موجودہ حالت سلطانِ حال کی کوششوں اور سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔ ٹرکی کی موجودہ حالت کا کسیقدر اندازہ اِس بات سے ہو سکتا ہے کہ اِس زمانہ میں ٹرکوں کے ملکی اور فوجی، طبی اور قانونی کالج نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں گونگوں اور بہروں کے لیے جدا مدرسے قائم ہیں۔ تجارت، زراعت، صنعت و حرفت اور فنونِ لطیفہ کے مدرسے جدا جاری کیے گئے ہیں دوسرے درجہ کے مدرسے تو اِس کثرت سے جاری ہیں کہ ممالکِ محروسہ کا شاید ہی کوئی گاؤں یا قصبہ تعلیم کی برکت سے محروم رہا ہو۔ اِسکے علاوہ رصدگاہیں اور عجایب خانے بھی علمی تحقیقات کی غرض سے کھولے گئے ہیں۔ ریلوے کی بہت سی لائنیں ٹرکی کی اطراف میں جاری کی گئی ہیں اور بہت سی لائنیں زیرِ تجویز ہیں سلغار طاغ، قیبا [illegible] دکانی معدن، ادکلی اور قرہ سی وغیرہ کانوں سے جدید علمی طریقوں کے موافق دھاتیں کھود کر نکالی اور صاف کی جاتی ہیں۔ قسطنطنیہ، بیروت اور سالونیکی وغیرہ بندرگاہوں میں جہازوں کے لنگر کرنے کے مقامات نہایت عمدہ اور شاندار بنائے گئے ہیں اسکندرونہ، چانئے اکزی او۔ قرہ آغاج وغیرہ مقامات میں جو وسیع دلدلیں تھیں اور جن کا آب و ہوا نہایت مضر اثر ہوتا تھا، زمانہ حال کے علمی طریقوں کے موافق پاٹ دی گئی ہیں اور اُن میں اب نہایت کامیابی کے ساتھ زراعت ہوتی ہے۔ زراعتی بنک، سیونگ بنک ملکی اور فوجی بنک غرضکہ ہر قسم کے بنک بھی جو یورپ کے ملکوں میں پائے جاتے ہیں، ممالک عثمانیہ میں جاری کیے گیے ہیں۔ کئی شہروں میں ٹرامویے جاری ہے۔ بہت سے کارخانے کھولے گئے ہیں جن میں دخانی قوت سے کام لیا جاتا ہے ہزاروں نئی مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں۔ بہت سی جدید سڑکیں نکالی گئی ہیں۔ عام کتب خانے اور عام حمام قائم کیے گئے ہیں۔ اِسکے سوا سلطنتِ عثمانیہ کی مالی حالت اَب اِسقدر عمدہ ہے کہ یورپ کے ملکوں میں عام طور پر اُسکے اعتبار کا درجہ بہت بڑھ گیا ہے۔ یہ تمام ترقیاں سلطانِ حال کے زمانہ میں ہوئی ہیں اور اُن کی عالی دماغی اور روشنضمیری کا کافی ثبوت دیتی ہیں۔

ان صحیح واقعات کے بیان کرنے کے بعد میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ مجھکو اور دیگر تمام ہم مذہب اور ہم وطن انسانوں کو اِس بات پر سخت افسوس آتا ہے کہ ہر سال یورپ کے سیاح اور آثار قدیمہ کے جویا علمی تحقیقات کی

غرض سے ممالک عثمانیہ میں وارد ہوتے ہیں اور اُن صورتوں اور کتبوں کی نسبت اپنی معلومات کو وسیع کرنا چاہتے ہیں، جو اُنھوں نے ممالک یورپ کے بڑے بڑے عجائب خانوں میں دیکھے ہیں اور جو اس ملک سے منتقل ہو کر گئے ہیں؛ مگر جب وہ اُن عمارتوں کو دیکھتے ہیں، جو آج سے دو ہزار یا تین ہزار برس پہلے گذشتہ فرمانرواؤں نے تعمیر کی تھیں اور جن کی رونق اور آب و تاب اب باقی نہیں رہی ہے، تو وہ قرآن مجید کے احکام سے ناواقف ہونے کے سبب سے اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اسوقت جو کھنڈر ممالک عثمانیہ میں نظر آتے ہیں، وہ مسلمانوں کے مذہبی تعصب کو ظاہر کر رہے ہیں اور صاف طور سے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جن چیزوں کو مسلمان اپنے مذاق یا اپنے عقیدے کے برخلاف جانتے تھے اُن کے برباد کرنے میں اُن کو ذرا تامل نہیں ہوتا۔ اُن کا یہ خیال کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے ساتھ تعصب کا اظہار کیا ہے، غالباً اس سبب پیدا ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے اپنے مخالفوں کی مذہبی تحقیقات کرنے اور اُن کو سخت ترین سزائیں دینے کے لیے ایک محکمہ ایجاد کیا تھا، جس کو انکوئی ذیشن کہتے تھے اور جس نے بیشمار آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ علاوہ اس کے وہ ہولناک واقعہ بھی اُن کے نظر کے سامنے ہے، جبکہ سینٹ بار[تھا]

لومیو کے عرس کے دن رومن کیتھولک عیسائیوں نے پروٹسٹنٹ مذہب کے عیسائیوں کو تحلیل الاقتدار کیا تھا۔ ہم کوئی وجہ نہیں جانتے کہ وہ مسلمانوں کو بھی ایسا ہی ظالم اور متعصب کیوں خیال کرتے ہیں اور فونی، شاتو بریان، رینان اور کلیسائی اسقفوں کی دریدہ دہنی اور بدزبانی کی تقلید کر کے اُن کو اور اُن کے مذہب کو کیوں برا بھلا کہتے ہیں۔ قدیم یادگاروں کا برباد کرنا اسلام کا کوئی حکم نہیں ہے اور اگر کسی نادان مسلمان نے ایسا کیا بھی ہو، تو یہ الزام خاص اُسکی ذات پر آتا ہے، مسلمانوں کی قوم اور اُن کے مذہب پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی۔ اسلام نے غیر قوموں اور غیر مذہب والوں ہی کے ساتھ رواداری اور تحمل کرنے کی تعلیم نہیں دی؛ بلکہ اُس نے یہ بات بھی سکھائی ہے کہ نہ کسی شخص کو جبر کے ساتھ مسلمان کیا جائے، نہ مذہب کی اشاعت میں فریب آمیز طریقوں کا استعمال کیا جائے، جس پر اور مذہب والے کاربند ہیں۔ اسلام نے جو چودہ صدیوں تک دنیا کی بہت سی قوموں اور شایستہ ملکوں پر حکمرانی کی ہے، اُس کی وجہ اِسکے سوا کوئی نہیں ہے کہ اُسکے تمام طریقے انصاف اور تحمل پر مبنی ہیں۔ جنگ کا اصول قرآن مجید میں یہ بتایا گیا ہے کہ "جو لوگ تم پر ظلم و زیادتی سے حملہ کریں، تم بھی اُن پر حملہ کرو، مگر انتقام کی حد سے تجاوز نہ کرو"

اِس حکم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے کسی قوم پر ابتداءً حملہ نہیں کیا اور نہ وہ آئندہ کرے گا، بلکہ اسکی اڈمنسٹریشن کے بنیاد حمایتِ ضعفا پر رہی ہے۔ غالب یا مغلوب ہونا ایک تقدیری امر ہے اور کسی قوم کے قبضۂ اختیار میں نہیں ہے۔

شاید کوئی معترض اس موقع پر یہ کہے کہ اگر فی الواقع اسلام نے قدیم یادگاروں کو برباد کرنے کا حکم نہیں دیا اور مسلمانوں نے گذشتہ قوموں کی نشانیوں کو روئے زمین سے نہیں مٹایا، تو اسکی کیا وجہ ہے کہ یورپ کے ملکوں میں اس کثرت کے ساتھ قدیم عمارتوں کے کھنڈر دکھائی نہیں دیتے، جیسے کہ مشرق میں نظر آتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرق میں جو یادگاریں برباد کی گئی ہیں، وہ اسلام سے بہت پیشتر کی ہیں اور اُن قوموں کی کشمکش اور جنگ و جدال میں برباد ہوئی ہیں، جو مسلمانوں سے پہلے حکومت کر چکی ہیں اور جن میں خود غرضی اور حسد غایت درجہ کا تھا اور یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے، جبکہ قوموں کے درمیان تعلق قایم کرنے کے لیے کوئی قانون ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اگر اہلِ یورپ کا یہ خیال صحیح ہو کہ مشرق کی یادگاریں مسلمانوں کی برباد کی ہوئی ہیں اور اُن کے تعصب اور جہالت کی تصویر دکھائی دیتی ہیں، تو آخر اس بات کا کیا جواب ہے کہ مسلمانوں نے چھ سو برس تک اسپین پر حکومت کی ہے، جو یورپ کا ایک مشہور ملک ہے، تاہم کارڈووا، گرانیڈا، ٹولیڈو، کارتھیجینا اور سویل وغیرہ مقامات میں سے کوئی جگہ ایسی نہیں ہے، جہاں مسلمانوں کے قاہر اور زبردست ہاتھوں سے کوئی یادگار برباد کیا گیا ہو اور جس کے کھنڈر اب موجود ہوں۔ اگر یورپ کے نکتہ چین مورخوں کا دعویٰ صداقت اور نیک نیتی پر مبنی ہے، تو اُن کو کسی ایسے شہر کا نام لینا چاہیے، جس کو انھوں نے برباد کر ڈالا ہو، یا کسی ایسے واقعہ کا پتا دینا چاہیے، جسمیں انھوں نے تعصب اور عناد سے غیر مذہب والوں کو ذبح کر ڈالا ہو۔ حاشا و کلا! ایسا ثابت کرنا بالکل ناممکن ہے اور اگر کوئی مثال ایسے واقعات کی ہو، تو وہ صرف فولنی اور رینان جیسے متعصب علمائے یورپ کے خیال میں پائی جا سکتی ہے۔

میں نے جو امر بیان کیا ہے، اُسکی طرف میں انٹرنیشنل اورینٹل کانگرس کے ممبروں اور یورپ کے دیگر عالموں اور سیاحوں کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور اپنی ہم قوموں اور ہم مذہب کی طرف سے اس بات کی درخواست کرتا ہوں کہ جو لوگ یورپین علمی تحقیقات کی غرض سے مشرق کا سفر کریں، وہ ہمیشہ اُن معاملات کو پیش نظر رکھیں جن کو میں نے ابھی ظاہر کیا ہے اور اسلام نے نوعِ انسان پر اور تمدن اور شائستگی پر جو احسان کیا ہے، اُس کو فراموش نہ کریں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس طریقہ سے تحقیقات در

کریں گے، اُسکی بُنیاد حقیقت اور صداقت پر ہوگی اور اُن کو اسلام کے اُصولوں اور مسلمانوں کے عقیدوں اور اُن کی تاریخی واقعات سے واقف ہونے کے بعد کوئی موقع ایسا نہیں ملیگا جسمیں وہ اُن پر، یا اُن کے مذہب پر کوئی الزام قایم کر سکیں۔ یورپ کو فولی، شاتوبریان، رینان اور گلیڈ استون جیسے متعصب شخصوں کی اِسقدر ضرورت نہیں ہے، جسقدر کہ منصف مزاج اور محقق عالموں اور سیاحوں کی ہے، کیونکہ ایسے ہی اشخاص کی محنتوں اور سرگرمیوں سے علم کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور اُس کو دِن دونی، رات چوگنی ترقی نصیب ہوتی ہے اور تمدن او تہذیب کی عمارت بھی ایسے ہی بزرگوں کی کوششوں سے بلند ہوتی ہے۔ میں آخر میں اپنی سمع خراشی کی معافی مانگتا ہوں۔

(رشید احمد سالم)

مسئلۂ جہاد

پر

ایک فرانسیسی عالم

کا

مضمون

اگرچہ یورپ میں زمانۂ دراز سے ایسی کتابیں لکھی جا رہی ہیں، جن سے مذہب اسلام کو اہلِ یورپ کی نظر میں ہولناک ثابت کیا جاتا ہے اور خاص کر مسئلۂ جہاد پر جو مضامین لکھے گئے ہیں، اُن سے تو اور بھی بھیانک شکل اُس مذہب کی دکھائی گئی ہے، جس کو اِس زمانہ میں کرۂ ارض کے دو سو بیس ملین باشندے مانتے ہیں، تاہم اُس برِ اعظم میں ایسے منصف مزاج اور محقق عالم بھی موجود ہیں، جنھوں نے نہایت غور و تامل سے مذہب اسلام کا مطالعہ کیا ہے اور اُس کے مسائل و عقاید کی نہایت موشگافی کے ساتھ چھان بین کی ہے اور یورپ کی غلط فہمیوں اور بیجا نکتہ چینیوں کی تردید کے لیے مضامین اور کتابیں لکھی ہیں۔ اِنھیں انصاف پرست عالموں میں سے ایک شخص موسیو اوجین کلافل بھی ہے، جس نے یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے مذہبی مسائل و عقائد کی تحقیقات میں اپنی تمام عمر صرف کر دی ہے۔ یہ منصف مزاج عالم مُلک فرانس کا ایک باشندہ ہے۔ اُس نے اسلام کے اُن تمام معرکۃ الآرا مسائل پر جدا جدا مضامین لکھے ہیں، جن پر یورپ کے مصنف کئی صدیوں سے نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ ذیل میں اُس کا وہ مضمون ترجمہ کیا جاتا ہے، جو اُس نے جہاد کے مسئلہ پر لکھا ہے۔ ہم کو اُمید ہے کہ معارف کے ناظرین اِس مضمون کو دلچسپی اور تامل کے ساتھ مطالعہ کرینگے۔ و ھو ھٰذا۔

(عبد العلی خان)

مذہبِ اسلام کی بُنیاد توحید پر رکھی گئی ہے۔ عرب کے اُس جلیل القدر پیغمبر نے جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے پکارا جاتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی طرح بُت پرستی سے ہمیشہ

نفرت ظاہر کی ہے۔ اُن کی مقدس زندگی کا یہ ایک اہم واقعہ ہے کہ اُنھوں نے تین سو ساٹھ بتوں کو جو کعبہ میں موجود تھے اور جن کی اسلام سے پہلی نہایت شد و مد کے ساتھ پرستش ہوتی تھی، طرفۃ العین میں برباد کر دیا۔ قرآن مجید میں بت پرستی کو مٹانے اور بت پرستوں کے ساتھ جنگ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ صنم پرستی پر اعتقاد رکھنا مذہب اسلام کی نظر میں ایک اخلاقی جرم ہے۔

مگر جو مذہب اسلام سے پہلے موجود تھے اور جو خدا کی وحدانیت کی تعلیم دیتے تھے، اُن کے ساتھ اسلام نے اِس طرح کا برتاؤ نہیں کیا؛ بلکہ اُن مذہبوں کی عزت کرنے اور اُن مذہبوں کے ماننے والوں کو اپنی حفاظت میں لینے اور اُنکے ساتھ فیاضی سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اسلام نے عیسائیوں اور یہودیوں کو مومنوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا ہے اور جو رعایت اُن کے ساتھ کی ہے وہ بہ نسبت اُس رعایت کے جو مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہے کم ہے؛ مگر اس بات سے کوئی نکتہ چینی اسلام پر نہیں ہو سکتی۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ غیر مذہب والوں کو مسلمانوں کی سوسائٹی میں اسی طرح شامل کر لیا جاتا، جس طرح کہ مسلمانوں کو شریک کیا جاتا تھا؟ یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ جو لوگ عقیدۂ اسلام کو مانتے ہیں، اُن کو اُنکے ساتھ جو اس عقیدے سے انکار کرتے تھے برابر سمجھا جاتا۔

پیغمبرِ اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے اُس زمانہ میں، جبکہ اُنھوں نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا، اُن لوگوں کے ساتھ رعایت اور شفقت سے پیش آنے کا حکم دیا، جو خدا کی وحدانیت اور قیامت کو مانتے تھے اور نیکی کے کام کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ایک آیت اِس مضمون کی ہے کہ "مسلمان، یہودی، عیسائی اور صابی جو خدا کی وحدانیت پر ایمان لائے ہیں اور جو قیامت کے آنے کو تسلیم کرتے ہیں اور جو نیک کام کرتے ہیں اُنکو خدا اُن کی نیکیوں کا ثواب دیگا۔ آئندہ زندگی میں اُن کو کوئی خوف نہیں ہے اور وہ اُس زندگی میں غمگین نہیں ہونگے"

قرآن مجید میں ایک اور آیت ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ "جو لوگ اسلام کے سوا کوئی اور دین رکھتے ہیں، اُن کا دین خدا کے نزدیک مقبول نہیں ہے اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھائینگے"۔

ہر دو آیت مذکورۂ بالا کو جو شخص نظرِ انصاف سے دیکھیگا، اِس بات پر مزید یقین کریگا کہ اِن آیتوں میں کوئی بات ایسی نہیں ہے، جو غیر مذہب والوں کے ساتھ فیاضی اور تحمل کا برتاؤ کرنے کے خلاف ہو۔ اِن آیتوں میں کوئی اشارہ اِس بات کا نہیں ہے کہ جو لوگ اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتے ہوں، اُن پر کسی طرح کا جبر و ستم

کیا جائے۔ دوسری آیت میں صرف اس امر کو بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا اور کوئی عقیدہ خدا کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ اس سے صرف یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اسلام اپنے گروہ کو اور گروہوں سے ممتاز اور جدا رکھنا چاہتا ہے اور یہ ایک ایسا مقصد ہے کہ اسپر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

سب سے زیادہ توجہ کے قابل وہ آیتیں ہیں، جن میں پادریوں اور راہبوں کی حمایت اور حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ اسلام رہبانیت کا سخت دشمن ہے اور اُس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ قرآن مجید کی پانچویں سورت کی ایک آیت کا یہ مضمون ہے کہ مسلمانوں کے سب سے زیادہ پکے دوست وہ لوگ ہیں، جو اپنے تئیں عیسائی کہتے ہیں، کیونکہ اُن میں پادری اور راہب لوگ شامل ہیں اور اُن میں تواضع اور فروتنی کے سوا تکبر کی کوئی بات نہیں ہے۔

قرآن مجید کے مفسروں نے پادریوں اور راہبوں کو اُن لوگوں میں شامل رکھا ہے، جن کا لڑائی کے وقت مسلمانوں کو ہمیشہ لحاظ رکھنا چاہیے اور اُن کے ساتھ فیاضی اور مروت کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ مثلاً ایک مشہور عالم نے جس کا نام امام خلیل ہے، جنگ کے زمانہ میں عیسائیوں کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی جان بچانے اور پادریوں اور راہبوں کی حفاظت اور حمایت کرنے کی سخت تاکید کی ہے اور اس کو اسلام نے اُن احکام میں شمار کیا ہے جنکے خلاف کرنے سے آدمی سخت گنہگار ہوتا ہے۔

وہ قاعدے جنکی رو سے مسلمانوں کو عیسائیوں کی حمایت اور حفاظت کرنی چاہیے، اس عہدنامہ میں نہایت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، جو پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے عیسائیوں کو لکھوا کر دیا تھا۔ اس عہدنامہ کو شیخ عطاء اللہ آفندی نے جو روس میں شیخ الاسلام ہیں، روسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ایک مشہور ترکی عالم مزید وقت بے نے بھی اس عہدنامہ کو اپنی ایک کتاب میں درج کیا ہے۔

اس عہدنامے کے چند فقرے یہ ہیں کہ جو راہب لوگ کسی پہاڑ پر ہوں، یا کسی وادی میں، کسی شہر میں ہوں، یا کسی جنگل میں، کسی گرجا میں ہوں یا کسی خانقاہ میں، میں خود اُن کی جان و مال کی حفاظت کروں گا اور میرے تمام دوست اور رفقا بھی اُن کی نگہبانی اور حفاظت کرینگے، کیونکہ وہ میری رعیت ہیں اور میری حمایت کے سایہ میں ہیں۔ کوئی بات ایسی نہیں کی جائیگی جس سے وہ ناراض ہوں، یا اُن کو تکلیف پہنچے، یا جس میں اُن کا ضرر ہو، نہ اُنپر کسی طرح کا جبر کیا جائیگا، نہ اُنکے ساتھ بدمروتی اور بے رحمی کا برتاؤ کیا جائیگا، نہ اُنکے قاضیوں کو اُن کے منصب سے ہٹایا جائیگا، نہ راہبوں کو خانقاہوں سے نکالا جائیگا، نہ اُن کا کوئی سامان لوٹا جائیگا،

نہ اُن کا کوئی گرجا برباد کیا جائیگا، اور نہ اُنکی کوئی چیز جو جبر و ستم سے لی گئی ہو مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو سکیگی"۔

کوئی مسلمان جنگ کے زمانہ میں اُن کو لڑنے یا تلوار اُٹھانے پر مجبور نہیں کریگا۔ خود مسلمان اُن کی طرف سے لڑیں گے اور اُن کی حفاظت اور حمایت کا پورا حق ادا کرینگے۔ اگر اُن کے ساتھ مناظرہ اور مباحثہ کیا جائیگا، تو نہایت سنجیدگی اور نرمی کے ساتھ اُن سے مباحثہ کیا جائیگا، جیسی کہ قرآن مجید میں ہدایت کی گئی ہے"۔

کیا اس عہدنامہ کو دیکھنے کے بعد کوئی عیسائی کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے عیسائیوں کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ نہیں کیا اور اُن کو جبراً مسلمان کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ بُت پرستوں کو اسلام نے وہ حقوق عطا نہیں کیے، جو اُس نے عیسائیوں اور یہودیوں کو دیئے ہیں اور اِس لحاظ سے شاید ہم اِس بات کے کہنے کی بھی جرأت کر سکتے ہیں کہ اسلام نے اُن کو انسانیت کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے اور اسی سبب سے اُن کی نسبت کوئی حکم اسلامی کتابوں میں نہیں پایا جاتا اور اسی سبب بُت پرستوں اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات قایم نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اسکے مسلمانوں اور عیسائیوں، یا یہودیوں کے درمیان تعلق ہو سکتا ہے مگر یہ ہے کہ عیسائی مرد اور مسلمان عورت کے درمیان رشتۂ ازدواج قایم ہونے سے قرآن مجید میں ممانعت کی گئی ہے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو اپنے شوہروں کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اِس لئے مسلمان عورت کے عیسائی یا یہودی ہو جانے کا اندیشہ ہے، مگر مسلمان مرد اور عیسائی یا یہودی عورت کے درمیان زناشوئی کے تعلق پیدا ہونے کو اسلام نے روا رکھا ہے۔

مذکورۂ بالا احکام کے بیان کرنے کے بعد ہم کو اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ ہم اسلام کے فیاضانہ طریقوں پر زیادہ گہری نظر ڈالیں؛ کیونکہ انھیں احکام کے لحاظ سے اسلام کو مذہب عیسوی پر بہت زیادہ فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ مذہب عیسوی میں نکاح کی سب سے ضروری شرط یہ ہے کہ دولھا اور دلھن ایک مذہب کے ہوں، اُس نے ہرگز اِس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ عیسائیوں اور غیر مذہب کے آدمیوں کے درمیان مناکحت کا رشتہ قایم ہو۔

جو عیسائی یا یہودی عورت کسی مسلمان کی بیوی ہو اُس کو وہ تمام حقوق عطا کیے جاتے ہیں، جو مسلمان بیویوں کو دیئے جاتے ہیں۔ مسلمان شوہر کو اِس بات کی سخت تاکید ہے کہ وہ عیسائی یا یہودی بیوی کے ساتھ مسلمان بیوی کی طرح برتاؤ کرے۔ پیغمبر اسلام کے اُس عہدنامہ میں، جسکی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، یہ فقرے موجود ہیں کہ "اگر کوئی عیسائی عورت کسی مسلمان

مرد سے شادی کرنی چاہیے، تو یہ اُسی عورت کی رضامندی پر منحصر ہے اور مسلمان مرد کے ساتھ بیوی بن کر رہنے کی صورت میں اُس کو کبھی گرجا میں جانے سے نہیں روکا جائیگا"

یہ سچ ہے کہ عیسائی عورت اپنے مسلمان شوہر کے ورثہ پر قبضہ نہیں کر سکتی، مگر مسلمان مرد بھی اپنی عیسائی بیوی کے ترکے سے محروم کر دیا گیا ہے۔ تاہم مسلمانوں کو اس بات کی اجازت بھی دی گئی ہے کہ وہ اگر چاہیں، تو کسی یہودی، یا عیسائی کے لیے اپنی جائداد میں سے جسقدر حصہ کی چاہیں، وصیت کر دیں، اس صورت میں جو جائداد وصیت کے ذریعہ سے کسی یہودی یا عیسائی کو ملیگی، اُس میں تصرف کرنے کا اسکو کامل اختیار رہے اور اس اختیار سے اُسے کوئی شخص محروم نہیں کر سکتا۔

ہم اس مضمون میں اُن تمام قواعد پر مفصل بحث نہیں کر سکتے جنکے ذریعہ سے عیسائیوں اور یہودیوں کو مسلمانوں کی فیاضی سے حصہ ملتا ہے، تاہم جسقدر ہم نے بیان کیا ہے، وہ اس دعوی کے ثابت کرنے کے لیے شاید کافی ہوگا کہ اسلام نے بہ نسبت دیگر مذہبوں کے اُن لوگوں کے ساتھ جو اسکے عقاید او مسائل سے منکر ہوں، نہایت فیاضانہ برتاؤ کیا ہے۔ اگر ان قواعد میں کوئی بات حیرت انگیز ہے، تو وہ یہ ہے کہ یہ قواعد جنکی بنیاد مذہب اور ذہن کی آزادی پر ہے، ساتویں صدی عیسوی میں وضع کیے گئے تھے جبکہ یورپ کی تمام قومیں وحشیانہ حالت میں تھیں اور جہالت کے اندھیرے میں بھٹکتی پھیر رہی تھیں۔

ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ بعض نکتہ چین یورپ میں ایسے بھی موجود ہیں، جو ہماری اس تحریر کو پڑھکر ہم پر نہایت شد و مد سے اعتراض کرینگے اور قرآن مجید کی اُن آیتوں سے استدلال کر کے، جن میں جہاد کا حکم ہے ہم سے یہ کہیں گے کہ جو احکام تم نے بیان کیے، شاید وہ صحیح ہوں؛ مگر ان میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے، جو اسلام کو کفار کے برباد اور ہلاک کرنے سے مانع آسکے۔ مذہب اسلام کا اصلی حکم یہی ہے کہ جو شخص اسلام کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، اُس کو فوراً قتل کرنا لازم ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ آج کل جو شخص مذہب اسلام پر اعتراض کرتا ہے، اسکے اعتراض کی بنیاد اسی قسم کے خیالات پر ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص غور و تامل سے مذہب اسلام کا مطالعہ کریگا، تو اُس کو صاف طور پر یہ بات معلوم ہوجائیگی کہ جہاد کا مسئلہ بھی منجملہ اُن مسائل کے ہے، جنکی نسبت تمام یورپ میں غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اور یہ بات ناممکن ہے کہ اسلام جیسے مذہب میں، جس پر تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں اور جس کے احکام پر دو سو ملین انسانوں کی گردنیں جھکتی ہیں، ایسے احکام موجود ہوں، جو ایک دوسرے کے برخلاف ہوں، جیسا کہ مخالفان اسلام کا خیال ہے۔

ہم کو اس بات پر سخت افسوس ہے کہ فی الواقع

یورپ کے مصنفوں اور عالموں کا ایک گروہ اِس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن مجید میں جہاد کے جو احکام موجود ہیں، وہ اِس بات پر واضح طور سے دلالت کرتے ہیں کہ اسلام تعصب کی تعلیم دیتا ہے اور اُس نے غیر مذہب والوں کے ساتھ فیاضی کا سلوک کرنے کی بالکل اجازت نہیں دی۔ یہ مصنف اور علما فی الحقیقت نہ قرآن مجید کی آیتوں پر غور کرتے ہیں نہ اُنکے معنے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ اُن کی نظر قرآن مجید کی تفسیروں پر ہے، جو مسلمانوں میں مسلّم خیال کیجاتی ہیں، نہ اُن عالموں کے اقوال کو اُنھوں نے مطالعہ کیا ہے جو مسلمانوں میں معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ایسا کرتے، تو اُن کو اس بات میں شبہ کرنے کی مطلق گنجائش نہ ہوتی کہ یورپ نے جو الزام مذہبِ اسلام پر لگائے ہیں، وہ بالکل غلط اور محض ناواجب ہیں۔ نیز اُن کو اِس بات کا بھی یقین ہو جاتا کہ اُنھوں نے مذہبِ اسلام کے احکام پر رائے دینے میں شتاب زدگی اور عجلت سے کام لیا ہے اور اِسی سبب سے وہ گہری اور تاریک غلطیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

ہمارے مضمون کے مطالعہ کرنے والوں کو اِس سے پیشتر کہ ہم مسئلۂ جہاد پر کچھ لکھیں، یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے اسلام کی مدح و ستائش کرنی مقصود نہیں ہے ہم حتی الوسع اپنے تئیں جنبہ داری کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں اور اظہارِ حقیقت کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے۔ مسئلہ جہاد پر بھی آیندہ جو کچھ ہم لکھنا چاہتے ہیں، اُس سے بھی یہی غرض ہے کہ یورپ میں جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں، وہ ہماری ناچیز کوشش سے دور ہو جائیں۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ آیا مذہبِ اسلام میں اصلاح و ترمیم کی گنجایش ہے یا نہیں؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ عام مسلمان اِسکے بالکل قائل نہیں ہیں؛ کیونکہ اُنکے نزدیک مذہب کے احکام کی بنیاد الہام پر ہے، نہ انسانوں کی مرضی اور خواہش پر؛ مگر وہابیوں کا خیال اِسکے بالکل برخلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اِسلامی احکام پر جدید احکام کا اضافہ ہو سکتا ہے اور گذشتہ صدیوں میں جو تغیر لوگوں کے حالات میں ہوا ہے، اُسکے بموجب اُن احکام کی اِصلاح بھی ہو سکتی ہے۔ مسلمانو اِس گروہ کے نزدیک اصلاحِ احکام ایک ضروری چیز ہے اور اُن کو پچھلے چند سالوں میں اپنی مرضی کے موافق اسلامی احکام میں کسیقدر تغیر و تبدل کرنے میں کامیابی بھی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعادت [illegible] اِس بات کو نہایت شد و مد سے بیا[illegible] کہ اسلام میں اصلاح کی قابلیت [illegible] احکام میں حسبِ ضرورت اصلاح کرنا اُسکے [illegible] عل ہے۔ ہم خود اِس بات کے قائل ہیں [illegible] کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو [illegible] ہو سکے اور جس پر

عمدہ سے عمدہ تر ہونے کی قابلیت موجود نہ ہو۔ اگر ہم اس بات سے بھی قطع نظر کرلیں کہ اسلام کے احکام میں اصلاح و ترمیم ہو سکتی ہے یا نہیں اور صرف موجودہ احکام ہی پر تامل اور انصاف کی نظر ڈالیں، تاہم یہ بات واضح طور پر دکھائی دے گی کہ اسلام انسان کے اعلےٰ سے اعلےٰ خیالات کا نمونہ ہے اور نوع انسان کے لیے وہ بہتر سے بہتر قوانین اور احکام پیش کرتا ہے

اب ہم جہاد کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں، مگر اس سے پیشتر یہ مناسب جانتے ہیں کہ ہم اُن قوموں کے مذہبی اور تمدنی قوانین پر ایک سرسری نظر ڈالیں، جو مسلمانوں سے پہلے ہو گزری ہیں اور اس بات کا سُراغ لگائیں کہ اُن قوموں نے اپنے سوا اوروں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے اِس سے ہم با سانی اِس بات کا اندازہ کرسکیں گے کہ مسلمانوں اور اُن قوموں میں کس قوم کا مذہب زیادہ فیاض اور زیادہ تحمل پسند اور انصاف دوست ہے۔

دنیا کے قوانین میں سب سے زیادہ شاندار وہ قوانین تھا ہیں جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئے تھے اور جو یہ انہوں کو عطا کیے گئے تھے جو انہوں کے مذہب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے (اول) یہ کہ وہ خدا اپنے واحد کے سوا اور کسی معبود کی پرستش نہ کریں (دوم) یہ کہ وہ اپنے مذہب کو دنیا میں پھیلائیں اور اُس کی حکومت دنیا میں قایم کریں اور اپنی قوم کو دُنیا کی دیگر اقوام سے بالاتر رکھیں۔ جو انہوں کے پاس صرف مذہبی قوانین ہی کا مجموعہ نہیں ہے؛ بلکہ وہ سوشیل اور پولٹیکل ہدایتوں پر بھی حاوی ہے۔ اُن کا مذہب اِس بات کی سخت تاکید کرتا ہے کہ یہودیوں کو ایک ہی وقت میں ملکی اور روحانی حکومت کرنی چاہیے؛ مگر اُس نے آخرت میں جزا اور سزا کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے؛ بلکہ اُس نے اپنے احکام پر عمل کرنے والوں کو اسی دُنیا میں سرسبزی اور کامیابی کی بشارت دی ہے اور جو لوگ اُسکے احکام پر نہ چلیں، اُن کو بھی اسی دُنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونے کی دھمکی دی ہے چنانچہ اُن کی الہامی کتاب کے چند فقرے یہ ہیں کہ "اگر تم خدا کی آواز پر کان لگاؤگے، اور اُسکے احکام کی تعمیل کروگے، جو تم پر فرض کیے گئے ہیں، تو دُنیا میں تمھارا بول بالا ہوگا اور تمھاری قوم دُنیا کی تمام قوموں پر برتری حاصل کرے گی" اسی طرح ایک اور مقام پر یہ فقرے درج ہیں "اگر تم خدا کے احکام کی اطاعت نہیں کروگے اور اُسکی آواز پر کان نہیں لگاؤگے، تو خدا کی لعنت تم پر نازل ہوگی اور تم کو یہ سزا دیجائیگی کہ روے زمین سے تمھارا وجود مٹا دیا جائیگا"

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) جو انہوں کو بُت پرستی سے نہایت تاکید کے ساتھ منع کرتے تھے اور دُنیا کی دیگر اقوام سے اپنی اُمت کو الگ تھلگ

رکھنا چاہتے تھے اور تاریخ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ انھوں نے اس مطلب کے حاصل کرنے میں غایت درجہ کی کوشش کی۔ یہی سبب ہے کہ یہودیوں کی قوم آج تک دنیا کی دیگر قوموں سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ اگر یہ بات محض غلط ہے کہ شریعت موسوی نے بت پرستوں کے مال لوٹنے کو جائز رکھا ہے، تاہم اس میں تو ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ غیر قوموں کے جو لوگ فلسطین میں آباد تھے، وہ تمدنی اور ملکی حقوق سے محروم کر دیے گئے تھے اور عبرانیوں کے نزدیک نہ وہ ملکی ہونے کی قابلیت رکھتے تھے، نہ ملکی علیہ ہونے کی۔ اس شریعت کا یہ حکم تھا کہ اگر کوئی یہودی غیر قوم کے کسی آدمی کو قرض دے، تو تو اس سے معقول رقم سود کی ٹھیرا لے؛ مگر جب غیر قوم کا کوئی آدمی کسی یہودی کو قرض دے تو اس کو سود لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مذکورۂ بالا بیان سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ عبرانیوں کی شریعت میں غیر قوموں کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کرنے کا حکم نہیں ہے؛ بلکہ برخلاف اس کے ایسے احکام شد و مد کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، جن سے تعصب اور جنبہ داری کی بو آتی ہے۔ اس شریعت نے غیر قوم کے آدمیوں کو صرف وہی قدرتی حقوق عطا کیے ہیں، جو ہر انسان کو انسان ہونے کے لحاظ سے حاصل ہیں۔

میدیا اور قدیم فارس کے باشندوں کے قوانین بیان کرنے کی اس موقع پر بالکل حاجت نہیں ہے؛ کیونکہ خود کتاب اوستا میں ایسے قوانین بتفصیل بیان نہیں ہوے ہیں، جن سے غیر قوموں کے ساتھ وہ کوئی تعلق قائم کر سکتے۔ اگرچہ ان قوانین کی رو سے انسانوں کے مختلف درجے اور مرتبے قرار دیے گئے ہیں؛ مگر در حقیقت وہ سب بکریوں کے ایک گلے کے مانند ہیں، جن میں چرواہے کو اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا پورا اختیار ہے۔ اس کے علاوہ انسانیت اور اخلاق کا ان قوانین میں مطلق لحاظ نہیں کیا گیا ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک لڑکی اور اس کے باپ میں اور بھائی اور اس کی بہن میں زناشوئی کا تعلق ہو سکتا ہے۔ غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کو رائے اور مذہب کی آزادی مطلق نہیں دی گئی ہے اور ایسے فیاضانہ طریقے کا ان قوانین میں نام و نشان بھی نہیں ہے۔

جن لوگوں نے قدیم مصریوں کے قوانین کا مطالعہ کیا ہے، ان کو یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی ہے کہ عبرانیوں کی بہ نسبت ان کا سلوک غیر قوموں کے ساتھ زیادہ سخت تھا؛ کیونکہ مصریوں کے قوانین کے مطابق کاشتکاروں اور تلوار باندھنے والوں کے سوا کسی کو بھی ملکی حقوق نہیں دیے گئے۔ صنعت و حرفت یا زراعت کا پیشہ کرنے والے ملکی حقوق کے علاوہ تمدنی حقوق سے بھی محروم کیے گئے ہیں: یہاں تک کہ وہ اپنی حاصل کی ہوئی

جائداد پر بھی مالکانہ طور پر قبضہ نہیں کر سکتے تھے جب مصریوں کی قانون میں خود مصریوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی گئی ہے، تو غیر قوم کے آدمی اُن سے رعایت اور مروت کی کیا توقع رکھ سکتے تھے اجنبی ملکوں کے باشندوں سے مصریوں کو یہانتک نفرت تھی کہ بہت قدیم بادشاہوں کے زمانہ میں کسی شخص کو مصر میں آنے کی اجازت نہیں تھی اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ مصر کی پاک زمین اجنبی لوگوں کے قدموں کی چھونے سے ناپاک ہوتی ہے، اس حکم سے مقصد یہ تھا کہ نہ مصر کا کوئی باشندہ مصر سے باہر جا سکے نہ کوئی غیر ملک کا باشندہ مصر میں قدم رکھ سکے۔ نامور مورخ ھیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ مصر میں اجنبی ملکوں کی باشندوں کو داخل ہونے کی بالکل ممانعت تھی؛ اب تھوڑی ہی دنوں سے اُن کو اِس ملک میں آنے کی اجازت دی گئی ہے، یہ مورخ پانچویں صدی قبل مسیح میں موجود تھا۔ اِس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصر میں غیر ملکوں کے باشندوں کو داخل ہونے کی اجازت تقریباً (۲۴۰۰) سال سے دی گئی ہے۔ اِس مورخ نے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے جو بیان کیا ہے کہ اجنبی لوگوں کو مصر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہے، اِس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اِس ملک میں جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور جہاں چاہیں ٹھیر سکتے [illegible] ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تمام ملک مصر میں [illegible] قراطیس ہے، جہاں غیر ملک کے باشندوں [illegible] اجازت ہے اور بس۔ اِسکے علاوہ کسی مصری [illegible] باشندہ [illegible] کی اجازت نہ تھی کہ وہ کسی یونانی یا [illegible] جگہ بیٹھکر کھانا کھائے؛ کیونکہ یہ بات اُنکے نزدیک نہایت ننگ و عار کی تھی۔ مذکورۂ بالا بیانات سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو گئی ہو گی کہ غیر فیاضانہ برتاؤ کرنا مصریوں کے تمدنی قانون کا ایک ضروری عنصر تھا اور یہ برتاؤ اجنبیوں ہی کے ساتھ محدود نہ تھا، بلکہ اہل شمشیر و اہل مذہب کے سوا باقی تمام مصری بھی اِسی قانون کی ذیل میں داخل تھے۔

ھندوستان میں غیر قوموں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا تھا، اُس سے زیادہ بدتر کوئی برتاؤ نہیں ہو سکتا اور اجنبی لوگوں پر اُس ملک میں جو ظلم و ستم کیا جاتا تھا، اُس کی بیان کرنے کے لیے الفاظ میں بالکل طاقت نہیں ہے چنانچہ شودر جو درحقیقت اسی ملک کے اصلی باشندے تھے، مگر آریا نسل سے نہ تھے، اُن کو آریا ایک ایسی ناپاک مخلوق تصور کرتے تھے، جس کو دُنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ اُن کو ملکی اور تمدنی حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا اور اُن کو وہ اُسی طرح نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، جس طرح مثل ایجز (قرون متوسطہ) میں اُن لوگوں کو دیکھا جاتا تھا، جو برص یا جذام میں مبتلا ہوتے تھے۔ موسیو اذلباش نے لکھا ہے کہ بودھ مذہب نے شودروں کے دل میں یہ عقیدہ پیدا کر دیا تھا کہ دُنیا میں اُن سے بھی کمتر اور ادنی درجہ کے لوگ

موجود ہیں اور اس سے غیر ملک کے باشندے مُراد لیے گئے تھے۔ اس تعلیم سے غرض یہ تھی کہ شودر اپنی حالت پر قانع رہیں۔ مذکورۂ بالا بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان والوں کے مذہب میں فیاضانہ طریقے نام و نشان کو نہ تھے؛ بلکہ وہ غیر قوموں کے ساتھ جو برتاؤ کرتے تھے، وہ نہایت بیہودہ اور قابل نفرت تھا۔

یونانیوں نے اجنبی ملکوں کے باشندوں کے ساتھ تعصب کا دو طریقے سے ثبوت دیا۔ ایک تو وہ طریقہ تھا، جو اسپارٹا کے مقنن لیکورچ نے وضع کیا تھا۔ دوسرا وہ طریقہ تھا، جو ایتھنز کے مقنن سولن نے قرار دیا تھا۔ مصر کی طرح اسپارٹا میں بھی اجنبی لوگوں کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ خود اسپارٹا کے باشندوں کو اپنے ملک سے باہر قدم نکالنے کی اجازت نہ تھی اور اگر کوئی ایسا کرتا، تو فوراً قتل کیا جاتا تھا۔ اجنبی ملکوں کے باشندوں کو اسپارٹا کے سواحل پر بھی قیام کرنے کی اجازت نہایت مشکلوں سے دی جاتی تھی اور وہ بھی کبھی کبھی۔ جب اجنبی شخص کو کسی جگہ ٹھیرنے کی اجازت دی جاتی تھی، وہ ہمیشہ اس خطرہ میں رہتا تھا کہ اسپارٹا والے جب چاہیں، اُس کو نکال سکتے ہیں۔ اسپارٹا کے باشندوں کو جو ملکی اور تمدنی حقوق حاصل تھے، وہ اجنبی لوگوں کو ہرگز نہیں دیے جاتے تھے۔ کسی اجنبی کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنی محنت سے کچھ کما سکے، یا جو چیز اُس کے پاس ہے، اُسکی ملکیت کا دعویٰ کرسکے، یا اپنی مرضی کے موافق اُس کو استعمال کرسکے۔ عدالت کے دروازے بھی اجنبی لوگوں کے لیے بند کردیے گئے تھے؛ کیونکہ نہ وہ کوئی نالش کرسکتے تھے؛ نہ اپنے مال کو کسی غاصب سے واپس لے سکتے تھے۔ غیر قوموں کے جو باشندے گرفتار ہوتے تھے اُن کے ساتھ تو نہایت ہی ظالمانہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اُن کو غلاموں کی طرح ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اُن سے ایسا بُرا سلوک کیا جاتا تھا کہ اُس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ غلاموں کے لیے سخت تاکید تھی کہ وہ اپنی حالت پر قانع رہیں۔ اگر کوئی غلام اس درجہ سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا، تو وہ فوراً قتل کیا جاتا تھا۔

ایتھنز میں اگرچہ وہ مذہب جو حکومت کا تھا، اس بات میں بدنام تھا کہ وہ اپنے ہی احکام کے مقلدوں کو ہر قسم کے امتیازات و منصب عطا کرتا ہے؛ تاہم سولن نے، جو قوانین وضع کیے تھے، وہ اجنبی ملکوں کے باشندوں کے حق میں کسیقدر نرم تھے۔ سرکاری مذہب کی حالت تو یہ تھی کہ جو شخص اُسکے برخلاف ایک حرف بھی زبان سے نکالتا تھا، وہ یا تو یونان سے جلاوطن کیا جاتا تھا، یا فوراً اُسکی گردن اُڑادی جاتی تھی؛ سقراط، پروٹاگورس، دیاگورس، انکساگورس، سٹلبون اور مبیاد وغیرہ نامور لوگوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ جو کام

کرتے تھے، اس میں مذہبی تعصب کی بو پائی جاتی تھی اور ان میں تو ہر ایک شخص مذہبی رسموں کی سخت پابندی کرتا تھا۔ یونانیوں نے اپنے ملک کے جدت پسند امور اور مشہور آدمیوں اور حکیموں کی نسبت قتل یا سزا کے احکام جاری کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کی ہے اور یہ برتاؤ اس حالت میں کیا گیا ہے، جبکہ ان کی طرف سے ذرا بھی اس بات کا شک پیدا ہوا کہ وہ سرکاری مذہب کے کسی عقیدہ یا مسئلہ سے منکر ہیں؛ مگر باوجود اس مذہبی تعصب کے وہ لوگوں کے ساتھ کسی قدر مروّت کا برتاؤ بھی کرتے تھے، اگرچہ وہ اجنبی ملکوں کے باشندے ہی کیوں نہ ہوں۔ رفتہ رفتہ ان کی اس عادت نے یہاں تک ترقی کی کہ یونانیوں اور غیر ملکوں کے باشندوں میں تعلقات کا سلسلہ جاری ہو گیا اور وہ اجنبیوں کے ساتھ اخلاق و مدارات سے پیش آنے لگے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ایتھنز کمزوروں، مظلوموں، بیکسوں اور غریب الوطنوں کے لیے جائے پناہ بن گیا۔ اس کے بعد اجنبی لوگوں کو رفتہ رفتہ یہ حق بھی حاصل ہو گیا کہ وہ یونانیوں کی قوم میں شامل ہو کر رہیں۔ اور [illegible] ان کو وہ عام حقوق دیے جا[illegible] یونانیوں کو حاصل تھے [illegible] برتاؤ کے سبب ایتھنز کو [illegible] ان کا لقب دیا گیا تھا اور یہ شہ[illegible] یہی لقب سے مشہور تھا۔

مگر ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ اجنبی ملکوں کے باشندوں کو یونانی اپنی قوم میں شامل کر لیتے تھے۔ اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ یونان کے اصلی باشندوں کو جو ملکی اور تمدنی حقوق حاصل تھے، وہ سب ان کو عطا کر دیے جاتے تھے۔ حاشا و کلا! ایسا ہرگز نہیں تھا؛ بلکہ نہ وہ سرکاری عہدوں پر مامور ہو سکتے تھے، نہ ان کو اپنی یونانی بیویوں پر وہ اختیار تھا، جو شوہروں کو اپنی بیویوں پر ہوا کرتا ہے۔ جو حقوق ان کو دیے گئے تھے، وہ صرف ایسے حقوق تھے جو ہر انسان کو قدرتی طور پر حاصل ہیں۔ اگر وہ اس درجہ سے آگے بڑھنا چاہتے، تو ان کو یونان میں رہنے کا حق نہیں رہتا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ امن عام میں خلل انداز ہوتے ہیں۔

اگر کوئی اجنبی شخص کسی ایسے حق کا دعویٰ کرتا تھا، جو یونان کے اصلی باشندوں کو حاصل تھے، تو یا تو اس کو جلاوطن کر دیتے تھے، جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے، یا اس کی آزادی چھین لیتے تھے اور اس کو کسی یونانی کا غلام بن کر رہنا پڑتا تھا اور اپنی ذات پر اس کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا تھا۔ اگر کوئی آقا اس کو نہ ملتا جو اس کو اپنی خدمت میں رکھ سکے اور اس کے نان و نفقہ کا کفیل ہو سکے، تو جلاوطنی کے سوا اور کوئی علاج اس کے لیے نہیں تھا۔　(باقی آئندہ)

شاعرانہ خیالات

اِس عنوان کا یہ مقصد ہے کہ جو خیالات غیر زبانوں کی نظم و نثر میں ایسے دلفریب طریقہ سے ادا کیے گئے ہوں جو معمولی شاعروں اور انشاپردازوں کی عام شاہراہ سے بالکل نرالا ہو، اُن کو ترجمہ کے ذریعہ سے نئے اردو لباس میں جلوہ گر کیا جائے۔ اگرچہ پہلے بھی معارف کے بعض نمبروں میں اس قسم کے نمونے ہدیۂ ناظرین کیے گئے ہیں، مگر اب ہمارا یہ ارادہ ہے کہ اگر گنجائش ہوئی، تو تقریباً ہر ایک نمبر میں بقدر ایک آدھ صفحہ کے اِس عنوان سے کوئی مضمون درج ہوا کرے گا۔

اگرچہ زیادہ تر اِس قسم کے خیالات عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی لٹریچر سے اخذ کیے جائیں گے، مگر جہاں تک ممکن ہوگا، ہم اَور زبانوں سے بھی مستفید ہونے میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ ہمارے نزدیک جس طرح اردو لٹریچر کی وسعت اور پھیلاؤ کے لیے اُس میں نئے نئے لفظوں اور اصطلاحوں کے داخل کرنے کی ضرورت ہے، اسی طرح اُس کی فصاحت اور بلاغت کا درجہ بلند کرنے کے لیے اِس بات کی ضرورت ہے کہ اُس کو بیان کے نئے نئے اسالیب اور پیرایوں سے سرمایہ دار کیا جائے اور اِس مقصد کے لیے کوئی ذریعہ اِس سے بہتر خیال میں نہیں آتا کہ دوسری اعلیٰ درجہ کی ترقی یافتہ زبانوں کے شعرا اور فصحا کے کلام سے دریوزہ گری کی جائے اور وقتاً فوقتاً اہل ملک کو اُن کے مختلف اور رنگ برنگ کے نمونے دکھائے جائیں۔ غالباً ہر شخص کا خیال بادی النظر میں اِس طرف جائے گا کہ نظم کا ترجمہ نظم میں اور نثر کا نثر میں ہونا زیادہ مناسب اور مفید ہوگا، لیکن ہمارے نزدیک جس غرض کے لیے اِس عنوان کا التزام کیا جاتا ہے، وہ بغیر اِسکے کہ نظم و نثر دونوں کا ترجمہ نثر اُردو میں کیا جائے اور مصنفین کے اصلی خیالات آزادی کے ساتھ اپنی زبان میں ادا کیے جائیں، کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے جو مضمون اِس عنوان میں درج کیا جائیگا وہ ہمیشہ نثر میں ہوگا۔ (اڈیٹر)

(یونان کا موسم سرما)

جنوری کے مہینے سے خبردار رہو! اُن ضرر رساں دنوں سے ہوشیار رہو، جن کی تیزی کے ساتھ سرایت کرنے والی ہوا بیلوں کی کھالیں کھینچے ڈالتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے، جبکہ برف باری دنیا پر آفتیں ڈھاتی ہے، زمین کو یخ بستہ کر ڈالتی ہے اور ہوا کے جھونکے کو تلوار کی طرح کاٹ کرنا سکھاتی ہے۔ شمال کی سرد ہوا [illegible] کی طرف سے، جہاں [illegible] کا کھیت ہے، تیز و تند آتی ہے اور سمندر میں ہیجان پیدا کر ڈالتی ہے۔ اُسکے [illegible] نیستان ساحل گونج اٹھتے ہیں اور [illegible]

چیاڑی کے تناور درختوں کو، جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر کھڑے ہوتے ہیں اور اوک کے بلند درختوں کو جن سے جہازوں کے تختے تیار کیے جاتے ہیں، اُکھاڑ ڈالتی ہے اور اُن کو نہایت آسانی سے پہاڑوں کے دامنوں میں اُچھال اُچھال کر پھینک دیتی ہے۔ پھر یکایک پہاڑوں کی بلندی سے ہوا کا ایک جھکڑ تیزی اور تندی کے ساتھ اُٹھتا اور میدانوں کی طرف رُخ کرتا ہے۔ اُسوقت طوفان کا شور بلند ہوتا ہے اور تمام جنگل صدائے پُرخروش سے بھر جاتا ہے۔ اِس موسم میں تمام چوپایے لرزاں و ترساں اور دم دبائے رہا کرتے ہیں اور سرد ہوا کے اثر سے اکڑ کر تھرّاتے اور کانپتے رہتے ہیں۔ اگرچہ بعض جانوروں کی کھالوں پر بال جابجا نظر آتے ہیں اور بال بھی لمبے لمبے ہوتے ہیں، مگر یہ زمہریری ہوا اُن کے جسموں سے پار نکل جاتی ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ نہ میدان کے بیلوں کو اپنی موٹی کھال سے کچھ فائدہ ہوتا ہے، نہ پہاڑی بکریاں، جن کے بدن پر پشم ہوتی ہے، اپنے تئیں سردی سے بچا سکتی ہیں۔ ہاں بھیڑوں کو شمال کی اِس سرد ہوا سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا، کیونکہ گھنے بال جو اُن کے جسموں پر ہوتے ہیں، اُن کی اچھی طرح حفاظت کرتے ہیں، اِس موسم میں وہ جانور جنکے سر پر سینگ ہوتے ہیں اور وہ جانور جنکے سر پر سینگ نہیں ہوتے اور جو جنگلوں میں رہا کرتے ہیں بھوک سے اپنے جبڑے بجاتے ہیں اور سردی سے ٹھٹھرتے اور کانپتے ہوئے پہاڑوں کی کھوہوں کی طرف بھاگ نکلتے ہیں، جہاں اوک کے بلند اور تناور درخت کھڑے ہوتے ہیں۔ اُن میں سے بعض تو پہاڑی جھاڑیوں میں جا چھپتے ہیں اور بعض گہرے اور تاریک غاروں میں پناہ لیتے ہیں۔ جس طرح بوڑھے آدمی ناتوانی کے مارے منہ جھکائے لکڑی کے سہارے پر کانپتے اور تھرّاتے چلتے ہیں، یہی حال اِس موسم میں چوپایوں کا ہوتا ہے، جو برف باری کے صدمہ سے اپنے تئیں بچانا چاہتے ہیں اور رینگتے ہوئے چلا کرتے ہیں۔

(انسان کی عظمت)

یوں [illegible] عجیب و غریب ہیں، مگر انسان سے زیادہ کوئی چیز حیرت انگیز نہیں ہے۔ وہ اسقدر [illegible] کی حالت میں ایسے سمندر میں چلا جاتا ہے، جہاں ہر طرف موجوں کے سوا کچھ نظر نہ [illegible] و جنوب ہواؤں سے زیادہ زبردست اور پائدار ہے، وہ ہر سال اپنے متصرف میں [illegible] ت ہل چلا چلا کر اُسکے ڈھیلوں کو توڑتا ہے۔ دُنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جب [illegible] ت کامیاب نہ ہوتا ہو، غرضکہ قدرت کا سب سے عجیب نمونہ انسان ہے اور اُسکی عظمت [illegible] میں نہیں آسکتی۔

[illegible] یونانی کے مشہور [illegible] ترجمہ

[illegible] کا وجود [illegible] سیاحت جہان [illegible] ہندو مسلمانوں کا میل جول [illegible]
الیکٹرسٹی کا مزا اور اسکا خاتمہ - جنرل ہنی بال - قدیم اور جدید خیالات - ہماری زمین اور تمام ستارے کیونکر
پیدا ہوئے؟ تعلیم کے قدیم اور جدید طریقے - دنیا کی گذشتہ اور موجودہ اقوام میں - کیا بچانا اور خرچ کرنا
ایک ہی بات ہے؟ گھر کے اندر ہم کیونکر خوش رہ سکتے ہیں؟ آثار قدیمہ - لوازم شاعری (نظم) سوالِ آب (نظم)
برسات کا پہلا دن (نظم)، تو ہینِ جنگ (نظم) "الفاروق" پر ریویو "طبیب حاذق" پر ریویو "دیوان انوری"
ریویو "الہارون" پر ریویو-

جلد سوم معارف

(جولائی سنہ ۱۹۰۰ء - دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء)

اس غرض سے کہ خریداران معارف کو حساب فہمی میں کوئی غلطی اور دقت واقع نہ ہو معارف کی تیسری جلد کو ششماہی پر تمام کر دیا گیا ہے اور آئندہ سے ہر جلد جنوری سے دسمبر تک پوری ہوا کرے گی - جلد سوم (۲۰ × ۲۶) تقطیع کے (۲۷۲) صفحات پر مشتمل ہے اور اسکی قیمت دو روپے ہے - اسمیں علاوہ ایک دلچسپ ناول کے ترجمے کے جس کا نام "بہشتِ شداد" ہے اور جو (۵۶) صفحہ پر تمام ہوا ہے بعض عمدہ اور پاکیزہ مضامین حسب ذیل ہیں دریا کا آغاز و انجام (نظم)، مذہب و علم - ترکِ حیوانات - تصوف یا مسلمانوں کا روحانی فلسفہ - سامان کے بعض عین طبیعیات اور اہل اسلام - ناولوں کا اثر ہماری زندگی پر - پارۂ الماس - (نظم) مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ - مسلمانوں کا تنزل اور اس کا اصلی سبب - شمع ہستی (نظم) اردو لٹریچر اور تعلیم یافتہ - "تمدنِ عرب پر" ایک جدید ریویو - حامیانِ ہندی اور ان کا مغالطہ - بت پرستی اور دہریت - نغمۂ زندگی (نظم) ایک ترکی خاندان اور اسکی گذشتہ اور موجودہ حالت - نشہ کی پہلی ترنگ - ناسق کمال بے - تربیت کے عام اصول توحید باری تعالیٰ - خلافتِ الٰہی - تلوار کی آنچ (نظم) کیا مسلمانوں کو علم و دولت کی ضرورت ہے؟ اسلام سے کیا مراد ہے؟ جدید تعلیم حالی (نظم) ابن رشد - جامع ازہر - مشرقی اور مغربی طبیعیات -

کتابیں جو دفتر معارف سے مل سکتی ہیں

(۱) جوش مذہبی (مذہبی جوش سے عمدہ کام لینے کی ترکیب) قیمت . . .
(۲) [illegible] کپڑے رنگنے رنگوں کو کھانے اور انکے تیار کرنے کی ترکیبیں . . .
(۳) [illegible] میں ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ . . . .

اڈیٹر ـ مولوی وحید الدین سلیم
مقام اشاعت ـ دفتر معارف ـ پانی پت
عام خریداروں سے قیمت سالانہ
مع محصول ڈاک للعہ قیمت فی پرچہ
نمونہ مع محصول ڈاک ۵/

معارف

اس رسالہ کی قیمت کسی حال میں اور کسی شخص
یا انجمن یا مدرسہ کے لیے کم نہیں ہو سکتی

یہ رسالہ ہر مہینے کی آخری تاریخ کو شائع
ہوتا ہے۔ اسمیں علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی
ملکی، تمدنی، تاریخی اور ادبی مضامین
نکلتے ہیں۔ مشرقی اور مغربی طرز کی عمدہ تہذیب
اور ایک پاکیزہ ادبی مذاق پیدا کیا جاتا ہے

قیمت نقد بھیجیے یا ویلیو پے ایبل کی اجازت دیجیے۔ نمونہ کے لیے ٹکٹ ارسال کیجیے۔ نام اور پتہ صاف لفظوں میں لکھیے۔ پتہ
بدلنے پر فوراً اطلاع دیجیے۔ خط و کتابت یا ارسال زر اڈیٹر کے نام کیجیے۔ کوئی پرچہ گم ہو جائے تو ایک ماہ کے اندر اطلاع دیجیے

جلد ۳ | دسمبر ۱۹۱۹ء | نمبر ۱۲

مسئلہ جہاد پر
ایک فرانسیسی عالم کا
مضمون

(دیکھو سلسلہ کے لیے رسالہ نومبر ۱۹۱۹ عیسوی)

رومیوں کا جو برتاؤ غیر قوم اور غیر مذہب والوں کے ساتھ تھا، اُسکے لحاظ سے وہ تمام گذشتہ قوموں میں سب سے زیادہ بدنام ہیں۔ رومی اجنبی گروں سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ اگرچہ رفتہ رفتہ ان کا کینہ کسیقدر تہذیب کے سانچے میں ڈھل گیا تھا، مگر درحقیقت نفرت اور عداوت کا عنصر اُنکے اخلاق میں مدت دراز تک موجود رہا۔ بت پرست رومیوں نے جو ظلم عیسائیوں پر کیے اور جن کے سننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور ہم کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اُن خونریزیوں اور سفاکیوں کی تشریح کریں۔

بت پرست قوموں کا جو برتاؤ غیر ملکوں اور غیر قوموں کے آدمیوں کے ساتھ رہا، اُسکا مختصر بیان ہم کر چکے ہیں اور غالباً وہ اس بات کے اندازہ کرنے کے لیے کافی ہوگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں قوانین معاشرت و اخلاق نے جو ترقی ہوئی تھی۔ اسکے لحاظ سے مسلمانوں اور بت پرستوں کی روحانی اور اخلاقی حالت کیا تھی اور دونوں قوموں کا برتاؤ اپنے سوا دوسری قوموں کے ساتھ کیسا تھا۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے

پانسو ستر برس پہلے دُنیا میں ایک عجیب انقلاب
ہوا تھا اور اُس سے ہماری مُراد حضرت عیسیٰ
(علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا مبعوث ہونا ہے۔ اُنھوں نے
اُن تمام قوموں کو جنکی گردنوں میں ذلّت کے
طوق تھے، جن کے پاؤں میں جہالت کی
بیڑیاں تھیں، جو غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھیں
ایک ایسے دین کی طرف بُلایا جو اُن کو انسانیت
کے بلند ترین درجہ پر پہنچانے کی قابلیت رکھتا تھا
اور جو اُن کو جہالت اور نادانی کے اندھیرے سے
نکال کر آزادی کی روشنی میں لا سکتا تھا۔
جب یہ مذہب ایک حد تک پھیل چکا، تو اُسکے بعد
اسلام نے اپنا علَم بلند کیا اور دونوں مذہبوں کے
ماننے والے اس بات پر مائل ہوگئے کہ ان دونوں
مذہبوں کا مقابلہ کریں اور دونوں کے مسائل
اور حقائق کا امتحان کرکے ایک کو دوسرے پر
فضیلت دیں۔

ہم اس مباحثہ اور مجادلہ میں پڑنا نہیں
چاہتے اور اس کو فریقین کے اُن لوگوں پر
چھوڑتے ہیں، جو ہر دو مذاہب کے مسائل کی
کامل واقفیت رکھتے ہیں؛ کیونکہ ہمارے نزدیک
اس قسم کے مباحثوں اور مناظروں سے کوئی
فائدہ نہیں ہے؛ بلکہ اور اُلٹا نقصان ہوتا ہے
(یعنی) رنجشوں اور غلط فہمیوں کا دائرہ وسیع
ہوجاتا ہے۔ ہمارا مقصد اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے
کہ ہم دونوں مذہبوں کا موازنہ عقلی طریقہ پر
کریں اور اُن کے اہم اور ضروری مسائل کو
ایک دوسرے کے مقابل لا کر جانچیں۔

ہم کو اس بات پر پورا یقین ہے کہ قرآن مجید
اور انجیل کا مقصد ایک دوسرے سے مختلف ہے
اگر کوئی شخص اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ان
دونوں میں مشابہت اور مطابقت کا ہونا
ثابت کرے، تو ہماری رائے میں وہ غلطی پر ہے
اور وہ یقیناً غلط نتیجے نکالے گا اور راہِ راست سے
دُور جا پڑیگا۔ ہمارے نزدیک حضرت مسیح
(علیہ السلام) ایک ایسا مذہب لیکر آئے تھے، جو
دل شکستوں کا ساتھی اور مظلوموں کا حامی تھا
اُنھوں نے پیشین گوئی کی ہے کہ ایک زمانہ ایسا
آئے گا کہ تمام انسان بمنزلہ ایک گلّے کے ہونگے
اور اُن پر ایک ہی چرواہا حکومت کریگا۔ اس سے
مذہب عیسوی کا تمام دُنیا پر غالب آجانا مُراد
لیا جاتا ہے۔ یہ پیشین گوئی انجیل میں بار بار بیان
ہوئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک
ایسا مقصد ہے، جو ایک نہ ایک دن ضرور پورا
ہوکر رہیگا، مگر ہمارے نزدیک اس پیشین گوئی
کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عیسائی آخرکار دُنیا کے کُل
مُلکوں پر قابض ہوجائینگے؛ بلکہ اس سے صرف
دلوں کا تسخیر ہوجانا اور مذہب عیسوی کا نوعِ
انسان کی روحوں پر قابض ہونا مُراد ہے۔
چنانچہ حضرت مسیح (علیہ السلام) نے اپنے
حواریوں کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ میری حکومت

دنیادی چیزوں پر نہیں ہوگی۔

مذہب عیسوی میں اِس بات کی تلاش کرنا کہ اِس نے عیسائیوں کو غیر قوموں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کرنے کی تعلیم دی ہے، محض بے سود ہے کیونکہ اِس مذہب میں ایسے احکام کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ مذہب عیسوی کی انتہائی تعلیم یہ ہے کہ تمام انسان ایک بڑی سوسائٹی کے ممبر ہیں اور اُن کو آخرت کی لذتوں اور نعمتوں میں شریک ہونے کا یکساں حق ہے، گو اُن کی قومیں مختلف ہوں اور وہ درجے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے امتیاز رکھتے ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ وہ مذہب عیسوی کو قبول کریں اور اُس کے احکام پر گردن جھکائیں، ورنہ اُن کا انجام دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) مثل ایک حکیم اور فلسفی کے نہ تھے، جو دنیا میں اخلاق کی تعلیم دینے، خدا کی وحدانیت اور بقائے روح کے دقیق مسائل سمجھانے اور نیکیوں کی ہدایت کرنے کے لیے آئے ہوں، بلکہ وہ ایک خاص سلسلے کی بنیاد رکھنے والے تھے، جس میں وہ تمام شریک شامل ہیں، جن کو خود اُنھوں نے پسند کیا۔ اُنھوں نے جو کلیسا قائم کیا ہے، اُس سے باہر رہ کر کوئی شخص نہ سلامت رہ سکتا ہے، نہ اُس کی نجات ہو سکتی ہے۔ اِس مضمون کو اُنھوں نے اپنی تقریروں میں بار بار بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ جو میرے ساتھ نہ ہو، وہ میرا مخالف ہے اور جو درخت خاردار ہوں، اُن کو جڑ سے اُکھاڑنا اور آگ میں ڈالنا مناسب ہے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اکثر مثالیں دے کر اِس بات کو سمجھایا ہے کہ آخرت میں وہی لوگ روحانی نعمتوں اور لذتوں میں شریک ہوں گے، جو مذہب عیسوی کو مانتے ہیں اور جو اُس سے منکر ہیں، وہ دوزخ کی آگ میں جھونکے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت کہا گیا ہے کہ اُن کا وجود نوع انسان کے لیے سراسر رحمت ہے اور وہ اِس غرض سے دنیا میں آئے ہیں کہ لوگوں پر رحم کریں اور اُن پر مہربان ہوں؛ مگر متی کی انجیل میں یہ الفاظ پڑھ کر ہم حیران ہوتے ہیں کہ "یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ میں صلح کرانے نہیں آیا، بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں۔ میں اِسلیے آیا ہوں کہ بیٹے کو باپ سے، بیٹی کو ماں سے اور بہو کو ساس سے جدا کروں۔ اب تم دیکھو گے کہ آدمی کے دشمن اُسکے گھر ہی کے لوگ ہونگے۔" اِن الفاظ کے پڑھنے سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ہر آدمی کو مذہب عیسوی کے احکام پر اپنی گردن جھکانی چاہیے، گو کہ اُسکے تمام رشتہ دار مخالف ہو جائیں اور آپس میں تلوار چل جائے۔

مذہب عیسوی بلند آواز سے پکارتا ہے کہ

جو شخص اس مذہب کو منکر ہے، وہ آسمانی برکتوں سے محروم رہتا ہے اور جب تک کوئی آدمی اپنے اصلی مذہب کو چھوڑ کر اس مذہب کو قبول نہ کرے، آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کا اس کو کوئی حق نہیں ہے۔ انجیل کی تمام ہدایتیں اس نقطہ پر آکر ٹھیرتی ہیں کہ تمام دنیا کو مذہب عیسوی کے سایہ میں زندگی بسر کرنی چاہئے اس نے ہمیشہ عیسائیوں کو غیر قوم کے آدمیوں پر ترجیح دی ہے۔

تاہم ہم کو یہ اقرار کرنا چاہئے کہ مذہب عیسوی نے جو حکومت دنیا میں قایم کرنی چاہی، وہ مادی حکومت نہیں تھی، بلکہ اخلاقی حکومت تھی اور اسکے لئے تلوار اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی، لیکن مذہب اسلام کا یہ حال نہیں، چھٹی صدی عیسوی میں عرب کے تمام قبیلے غیر منتظم حالت میں تھے۔ ان میں قومی، مذہبی یا ملکی نظام بالکل نہیں تھا، جو ان کو ایک علم کے سایہ میں جمع کرسکتا۔ بت پرستی لوگوں کی حالت پر بہ نسبت دیگر قوموں کے بہت بلند تھی یہودیوں کے مذہب کا آفتاب لب بام آچکا تھا۔ عیسائیوں کے مذہب کا بھی مختلف کلیساؤں کے قایم ہونے سے شیرازہ بکھر چکا تھا اور ان میں طرح طرح کی بدعتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ... گرد و پیش کی دنیا میں جو قومیں آباد ہیں، ان میں کوئی قومی یا ملکی نظام صحیح ... ارادہ کیا کہ ان مختلف الجنس ... ایک سلسلہ میں لائیں اور ان سے ایک نئی قوم بنائیں، اور روئے زمین پر اخلاقی فتح ہی نہیں، بلکہ مادی فتح بھی حاصل کریں۔ (۱۰)

فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خدا کے رستہ میں جان دے، مگر اس کی یہ غرض نہیں ہے کہ وہ دنیوی فائدے کے حاصل کرنے کے لیے اپنے تئیں جان جوکھوں میں ڈالے، بلکہ اسکی غرض یہ ہونی چاہئے کہ روحانی برکتیں حاصل کرے۔ ہمارے نزدیک امام صاحب کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ پیغمبر اسلام نے جو مقصد پیش نظر رکھا تھا وہ محض روحانی نہیں تھا، بلکہ ان کی بڑی غرض یہ بھی تھی کہ ایک عظیم الشان سلطنت قایم کریں۔

قرآن مذہبی قواعد و احکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اس میں سوشیل احکام بھی ہیں، جو نوع انسان کے لیے زندگی کی ہر حالت میں مفید ہیں۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ایسا مجموعہ ہے، جس سے تمدن کے قوانین، جرایم اور ان کے سزاؤں کے قوانین، وہ قوانین جن سے دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان تعلق کا سلسلہ قایم ہوتا ہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ حفظان صحت کے قوانین بھی

معلوم ہوتے ہیں - اس میں شک نہیں کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس نظام کو جس کا دائرہ وسیع ہے، دنیا کی تمام قوموں کے درمیان پھیلانا چاہتے تھے، بلکہ اُن کو مجبور کرنا چاہتے تھے کہ وہ اس نظام کو قبول کریں - پس اُن کا مقصد اعظم یہ تھا کہ مسلمانوں کو مادی ترقی کا بلند ترین درجہ حاصل ہو - اس لحاظ سے مسلمانوں کے قومی اتفاق کا مسئلہ جو آجکل یورپ میں زیر بحث ہے، کوئی نئی بات نہیں ہے، کیونکہ مذہب اسلام کی بنیاد ہی اس اصول پر رکھی گئی ہے اور اسکی غرض ہی یہ ہے کہ دنیا کی مختلف قومیں اسلام کے علم کے نیچے جمع ہوں - مسلمانوں کے اتفاق کا مسئلہ سلاؤ اور جرمن قوموں کے خیالات سے مختلف ہے اور دونوں کی ایک غرض نہیں ہے -

یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ مذہب عیسوی کی آسمانی کتاب نے اس مذہب کو وعظ ہی کے ذریعہ سے پھیلانے کی ہدایت کی ہے، مگر اسلام نے اس دنیا کے فتح کرنے کے لیے تلوار اٹھانے کی بھی اجازت دی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام روئے زمین پر صرف ایک ہی مذہب ہو اور وہ مذہب اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے -

اب ہم یہ تو بیان کر چکے کہ اسلام نے جس غرض سے تلوار اٹھائی وہ کیا تھی، مگر ابھی یہ بیان کرنا باقی ہے کہ وہ کیا وسائل تھے، جنکے ذریعہ سے اسلام نے دنیا کو فتح کر لیا - اس سے ناظرین یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی اُمت کو کافروں کے برباد کرنے اور اُن قوموں کے تباہ کرنے کا حکم نہیں دیا، جو اسلام کے سوا اور مذہب پر ہوں اور یہ خیال جو یورپ کے مصنفوں کا ہے محض غلط ہے - قرآن مجید میں اس بات کو صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو کوئی لڑائی ظلم وستم کی بنیاد پر شروع کرنی نہیں چاہیے - چنانچہ دوسری سورت کی (١٨٦) آیت میں صاف صاف یہ حکم ہے کہ "اے مسلمانو! تم خدا کے رستہ میں لڑو، مگر اُنہیں سے، جو تم سے لڑیں اور انصاف کی حد سے کبھی تجاوز نہ کرو، کیونکہ خدا اُن لوگوں کو جو ظلم وستم کرتے ہیں اور انصاف کی حد سے تجاوز کرتے ہیں، کبھی پسند نہیں کرتا"

جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عرب میں نمایاں فتح حاصل ہوئی اور اس بات کی ضرورت ہوئی کہ اسلام کے دائرۂ حکومت کو وسیع کیا جائے، تو اُنہوں نے جہاد کو اُن مذہبی اُمور میں داخل کر دیا، جن کا لحاظ رکھنا مسلمانوں کو واجب ہے، گو جہاد فروعی مسائل میں داخل ہے، اصولی مسائل میں داخل نہیں ہے (دیکھو صفحہ ١٦ دیباچہ کتاب موسیو ترناؤ) علاوہ اسکے قرآن مجید کے مفسروں نے بیان کیا ہے کہ جہاد خاص اوقات اور خاص حالت میں واجب ہوتا ہے - پس

بیانِ بالا سے ہر شخص کو واضح طور پر معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمان جب جنگ کا اعلان کرتے ہیں، تو وہ پہلی دفعہ انکار کرنے کا نتیجہ نہیں ہوتا ہے بلکہ دوسری دفعہ انکار کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے، یعنی جب کفار مذہب اسلام کو قبول کرنے سے انکار کریں، تو اُن پر جہاد کرنا واجب نہیں ہوتا، بلکہ جب وہ جزیہ دینے سے انکار کریں، تو اُن پر جہاد کرنا واجب ہوتا ہے - یہ شرط نہایت مناسب ہے اور ہر زمانہ اور ہر ملک میں جنگ کے وقت اس پر عملدرآمد ہوتا رہا ہے - ستادلمین جس نے مغرب میں تہذیب اور شائستگی کی بنیاد ڈالی، خود ان قاعدوں پر عمل کرتا تھا - چنانچہ جب اس نے سیکسن قوم پر حملہ کیا، تو اُس نے یہی دو شرطیں پیش کی تھیں کہ یا تو تم ہماری اطاعت قبول کرو، یا مرنا منظور کرو - ان ہر دو شرائط میں سے جو شرط تمھیں منظور ہو، اُس پر عمل کرنے کا تمھیں پورا اختیار ہے -

امام خلیل نے لکھا ہے کہ جو شخص ظاہری طور پر اسلام کے مذہبی عقاید کو منظور کرلے، گو کہ وہ دل سے ایمان نہ لایا ہو، اُسکے ساتھ مسلمانوں کی شریعت کے بموجب وہی برتاؤ کیا جائیگا، جو دل سے ایمان لانے والے مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے - جو شخص مسلمان ہونا نہ چاہے، مگر اسلامی حکومت کے سایہ میں رہنا منظور کرے، اُس کو وہ تمام حقوق نہیں دیے جائیں گے، جو مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں، لیکن اُسکی آزادی بدستور باقی رہیگی اور وہ اپنے تمام تمدنی حقوق سے مستفید ہو سکے گا - اور اُسکی جائداد محفوظ ہوگی اور جو شخص اُس پر ظلم کرے، اُس کو سزا دی جائیگی اور اُسکے ساتھ انصاف کا برتاؤ کیا جائیگا - ان تمام رعایتوں کے مقابلہ میں اُس کو اپنی حفاظت کے لیے جزیہ کی ایک اَدنیٰ سی رقم دینی پڑے گی اور اپنی جائداد کا لگان دینا ہوگا - اسکے سوا اُس سے اور کچھ نہیں لیا جائے گا -

اِس موقع پر اِس بات کو بھی فراموش کرنا نہیں چاہیے کہ مسلمان جن ملکوں کو بزورِ شمشیر فتح کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، اُن کے باشندوں کی جائدادیں ضبط نہیں ہوئیں، کیونکہ مذہب اسلام کی رو سے مسلمان حاکموں کو جس طرح مُردہ اور لاوارث زمینوں پر قبضہ کرنے کا حق ہے، آباد زمینوں پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے - وہ مالکوں کے پاس بدستور رہتی ہیں - مسلمان حاکم اِس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ صلح اور امن و امان ہوجانے کے وقت تک ایسی زمینوں کو وقف کردے، مگر جب اُنکے مالک اسلامی حکومت کو منظور کرلیں اور مطیع ہوجائیں، تو وقف کا حکم اُن زمینوں پر جاری نہیں رہتا اور وہ اُسی حالت پر آجاتی ہیں، جس پر پہلے تھیں یعنی مالکوں کو سونپ دی جاتی ہیں اور وہ اُن سے ہر طرح نفع اُٹھانے

اور اُن کو رہن یا بیع کرنے کے مختار کر دیئے جاتے ہیں۔
(دیکھو ایشیاٹک جرنل جولائی و اگست ۱۸۹۶ء جن میں موسیو رسیا کے مضامین نکلے ہیں اور اسلامک جرنل نمبر ۱۱ و ۱۲ جلد اول)

جو شخص جہاد کے مسئلہ پر غور کرنا چاہتا ہے، اُس کو لازم ہے کہ جہاد اور کفار کے متعلق قرآن مجید میں جو آیتیں ہیں، اُن کو پہلے جمع کرے۔ پھر اُن کو ایسی طرح ترتیب دے کہ ہر آیت کے معنی واضح طور پر معلوم ہو جائیں اور کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہونے پائے۔ جب کوئی شخص قرآن کی آیتوں کو اس طرح مرتب کریگا، تو وہ ہماری طرح یقیناً ذیل کے نتائج پر پہنچیگا:

(اول) یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک کامل مجموعہ تمدنی قوانین کا دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

(دوم) یہ کہ اُنھوں نے مذہب اسلام کو دُنیا میں پھیلانے کا حکم دیا ہے، مگر جبر کے طریقوں کے استعمال کرنے سے سخت ممانعت کی ہے۔

(سوم) یہ کہ اُنھوں نے مذہب کی حمایت کے لیے مسلمانوں کو ایک پولیٹیکل و سوشل ہدایت نامہ بھی دیا ہے، جس سے مذہب کی کامیابی اور اُسکو دُنیا پر حکمران ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے حکم دیا ہے کہ مذہب کی حمایت اور اشاعت میں اول نرمی اور رحمدلی کے طریقوں کو استعمال کیا جائے۔ اگر اُن سے کام نہ نکلے، تو دلائل سے کام لیا جائے اور اگر اُن سے بھی کوئی نفع نہ ہو، تو مجبوراً ہتھیار اُٹھانے چاہئیں۔

اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی اگر اپنے دین پر قائم رہنا چاہیں اور اپنے عقیدوں کو ترک کرنا نہ چاہیں، تو جزیہ اور لگان ادا کرنے کی شرط پر اُن کے تمام قانونی حقوق اسلامی حکومتوں میں محفوظ رہتے ہیں؛ مگر جو اہل کتاب اسلامی حکومت میں رہ کر مسلمانوں کی اطاعت سے انکار کریں اور جزیہ اور لگان ادا کرنا نہ چاہیں، اُن کے ساتھ وہی برتاؤ ہوتا ہے، جو باغیوں سے کیا جاتا ہے، اور وہ مسلمانوں کی شریعت کے نزدیک کفار سمجھے جاتے ہیں۔

مذکورۂ بالا بیانات سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ لفظ کافر سے وہ لوگ مُراد نہیں ہیں، جو مسلمانوں جیسے عقائد نہ رکھتے ہوں؛ بلکہ اس لفظ سے وہ لوگ مراد ہیں، جو اسلامی ملکوں میں رہکر اسلامی حکومت کی اطاعت سے انحراف کرتے ہوں۔ یہ بات عام ناظرین کو شاید تعجب خیز معلوم ہوگی، مگر ہم اس کی تائید میں امام خلیل کے اس مقولہ کو پیش کرتے ہیں کہ "جن لڑائیوں میں کفار کے قتل کرنے کا حکم ہے، اُن میں راہب مردوں اور عورتوں کا قید کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔" اس سے ناظرین کو یقین ہو جائیگا کہ مذہبی اعتقاد کو ایسی لڑائیوں میں

بالکل دخل نہیں ہے اور اگر ایسا ہوتا، تو مخالف مذہبوں کے پیشوا اور مقدس لوگ جنگ کے زمانہ میں کبھی زندہ نہ رکھے جاتے۔

آیتوں کی جس ترتیب کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، اس میں بہت سے فائدے ہیں۔ ہم نے اس ترتیب سے جو نتائج نکالے ہیں، اگر اُن کو تسلیم نہ کیا جائے، تو کافروں کے مقابلہ میں جہاد کرنا اور اسلامی حکومتوں میں اہل کتاب کا محفوظ رہنا یہ دو متناقض اُمور ہیں، جن میں موافقت نہیں ہوسکتی۔ نیز اہل کتاب کی حمایت اور حفاظت کے جو احکام شد و مد کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور اُن کے ساتھ جو رعایتیں اسلام نے روا رکھی ہیں، اُن کے کوئی معنے نہیں رہتے۔ اسی طرح مسلمان مردوں کا عیسائی یا یہودی عورتوں کے ساتھ نکاح کرسکنا اور پادریوں اور خانقاہ نشین راہبوں کی نسبت عزت اور حرمت کی تاکید ہونا بھی محض بے معنی ہوجاتا ہے۔

ہم نے جس طریقہ پر اسلامی احکام پر غور و فکر کی نظر ڈالی ہے، اُس سے اِن احکام میں کوئی تناقض باقی نہیں رہتا اور جو اصلی حقیقت ہے، وہ نہایت واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے اور ہم ایک ایسے نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں، جس میں کوئی غلطی نہیں ہے اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمام دنیا فتح کرنا اور اسلام کا بول بالا کرنا چاہا، مگر غیر مذہب والوں پر کسی طرح کا جبر و ستم کرنا روا نہیں رکھا۔ اُن کو مذہب اور دولت کی آزادی عطا کی اور اُن کے تمدنی حقوق قایم رکھے۔

جب ہم اُس زمانہ پر خیال کرتے ہیں، جس میں پیغمبر اسلام نے اپنی نبوت اور رسالت کا علم بلند کیا اور جس میں ایک ایسا کامل مجموعہ قوانین تیار کیا گیا، جو دنیا کی ملکی، مذہبی اور تمدنی ضرورتوں کے لیے کافی ہے، تو ہم نہایت حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام، جسکی بنیاد کامل اور سچی آزادی پر ہے، کس طرح قایم کیا گیا۔ پس ہم دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسا مجموعہ قوانین ہے، جو ایک بلند ترین انسانی دماغ کا نتیجہ ہے۔*

(حسن العلی خاں)

ابو دلامہ

اور

اسکے لطیفے

ابو دلامہ عباسیوں کے زمانہ کا ایک مشہور زندہ دل اور ظریف شاعر تھا۔ سفاح اور منصور اور مہدی کے زمانہ میں اُسنے اپنی شعر گوئی اور بذلہ سنجی سے بے حد انعام پایا۔ اُسکے اشعار اور لطائف سے عربی

* موسیو اوجین کلاول کے مضمون میں بہت سی باتیں ایسی ہیں، جن سے ہم اتفاق نہیں کرسکتے، لیکن ہم نے اس مضمون کو، جیسا کہ پہلا شائع کیا ہے کہ اس سے اسلامی مسائل پر ایک عیسائی عالم کے خیالات معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اُس نے بے تعصبی سے ظاہر کیے ہیں۔ (اڈیٹر)

ادب کی کتابیں مالامال ہیں۔ ہم ذیل میں اسکے چند لطیفے درج کرتے ہیں:

ایکدفعہ وہ مفلس ہوگیا۔ اس نے اپنی بیوی اُمّ دلامہ کے ساتھ اس باب میں مشورہ کیا کہ افلاس کی مصیبت کیونکر دُور ہو۔ اُس نے کہا کہ تمھیں کوئی ایسی تدبیر سوچو، جس سے کچھ نقد ہاتھ آئے۔ ابودلامہ نے کہا: شعر و شاعری کی تو اب کچھ زیادہ قدر نہیں رہی۔ البتہ ظرافت سے کام نکل سکتا ہے۔ میں آج خلیفہ مہدی کے پاس جاکر اُسکے سامنے یہ بات ظاہر کروں گا کہ میری بیوی اُمّ دلامہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ یقین ہے کہ وہ بہت افسوس کریگا اور میری گریہ وزاری پر رحم کھاکر کچھ روپیہ تجہیز و تکفین کے لیے ضرور دے گا۔ اُمّ دلامہ نے کہا: واہ واہ تم نے خوب تدبیر نکالی۔ مجھکو جیتے ہی جی قبر تک پہنچادیا۔ میں تو کبھی اس بات کو قبول نہیں کروں گی کہ تم میرا مرنا خلیفہ پر یا کسی اور پر ظاہر کرو۔ ابودلامہ نے کہا: یہ تو صرف ایک حیلہ ہے اس سے خدانخواستہ تم مر تو نہ جاؤگی۔ اگر اس سے تم بُرا مانتی ہو، تو تم بھی یہ کرنا کہ جب میں خلیفہ کے پاس سے آجاؤں، تم محل میں جانا اور خلیفہ کی چہیتی کنیز خیزران کے پاس جانا اور اُس سے روکر یہ ظاہر کرنا کہ میرا شوہر ابودلامہ مرگیا ہے یقین ہے کہ وہ بھی رحم کھاکر تم کو کچھ نہ کچھ روپیہ ضرور دیگی اس طرح ہم دونوں طرف سے خوب ہاتھ رنگیں گے اور افلاس کے سبب سے جو تکلیف ہم آجکل جھیل رہے ہیں، وہ بھی دُور ہوجائیگی۔ اُمّ دلامہ نے بڑی مشکل سے اس بات کو منظور کیا، مگر آخر میں یہ کہا کہ اگر خلیفہ پر تمھاری یہ عیاری اور حیلہ بازی ظاہر ہوگئی، تو وہ ہم دونوں کو ضرور سزا دیگا۔ ابودلامہ نے کہا: تم تسلی رکھو میں اُس کا تدارک بھی کروں گا۔

یہ کہکر ابودلامہ خلیفہ کے پاس گیا۔ جب اُس نے خلیفہ کو سلام کیا اور خلیفہ نے اُسکی طرف آنکھ اُٹھاکر دیکھا، تو اُس نے چلاکر رونا شروع کیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ ابودلامہ، خیر ہے؟ تم پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے، جو اسقدر گریہ وزاری کرتے ہو؟ ابودلامہ نے رونے کے لہجہ میں کہا: امیرالمومنین! مجھپر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ میرا گھر تباہ ہوگیا ہے۔ میں اب کہیں کا نہیں رہا۔ خلیفہ نے دلاسا اور تسلی دیکر پوچھا کہ آخر بیان تو کرو، وہ کیا مصیبت ہے، جس میں تم مبتلا ہوئے ہو؟ ابودلامہ نے کہا: امیرالمومنین! میری بیوی اُمّ دلامہ کئی روز سے بیمار تھی۔ آج اُس کا انتقال ہوگیا۔ ایسی خوبصورت اور خوش سیرت بیوی کا ملنا محال نہیں، تو دُشوار ضرور ہے۔ میری زندگی اب تلخ ہوگئی۔ میرا عیش مکدر ہوگیا۔ اب مجھے ساری عمر رنج و تکلیف کا سامنا کرنا پڑیگا۔ امیرالمومنین! میری زبان میں طاقت اور الفاظ میں قدرت نہیں ہے کہ میں اس مصیبت اور درد کو بیان

کرسکوں، یہ کہکر ابودلامہ نے چند اشعار دردناک لہجہ میں پڑھے، جن کا مضمون یہ تھا کہ "موت ایک ایسی خوفناک چیز ہے، جس کا ذکر سنکر ہر انسان لرز جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بات یقینی ہے کہ ہر انسان موت کا شکار ہوگا، مگر کوئی انسان نہیں چاہتا کہ اس دلفریب دُنیا کو اپنے وجود سے خالی کرے۔ عزیزوں کی موت پر ہر انسان کو رنج و صدمہ ہوتا ہے، مگر بعض عزیزوں کی موت ایسی مصیبت انگیز ہوتی ہے کہ صبر و تحمل کی طاقت باقی نہیں رہتی، اور وہ لوگ جنکے وہ عزیز دنیا سے چل بسے ہیں، زندہ درگور ہوجاتے ہیں"

خلیفہ نے یہ اشعار سنکر ابودلامہ سے کہا: تقدیر الٰہی پر صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، اب تم جاؤ اور اپنی بیوی کی تجہیز و تکفین سے جلد فراغت حاصل کرو۔ پھر خزانہ کے ایک افسر سے خلیفہ نے کہا کہ ہماری طرف سے ابودلامہ کو ایک ہزار درہم دیدو، تاکہ وہ اپنی بیوی کی وفات کی تقریب میں اس رقم کو صرف کرے۔

ابودلامہ ایک ہزار درہم لیکر خوش خوش اپنے مکان پر آیا اور اپنی بیوی کے سامنے ہزار درم کی تھیلی رکھکر کہا کہ میں نے اپنے دعویٰ کو پورا کیا اور میرا حیلہ چل گیا۔ اب اگر تم بھی خیزران کے پاس جاکر میرا مرنا ظاہر کرو، تو کچھ عجب نہیں ہے کہ وہ بھی اسیقدر روپیہ تمکو عطا کرے۔ اگر تم بھی اِس حیلہ میں کامیاب ہوئیں، تو ہم بہت سے دنوں کے گزارہ کیلیے روپیہ جمع کرلینگے۔ پھر آیندہ خدا مالک ہے۔

اُمّ دلامہ اپنے شوہر کے کہنے سے راضی ہوگئی اور ماتمی لباس پہنکر شاہی محل میں پہنچی۔ اُس وقت خیزران تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔

اُمّ دلامہ کو دیکھکر اُس نے کہا کہ اُمّ دلامہ! تم آج کس حالت میں ہو اور یہ سوگ کا لباس تم نے کیوں پہنا ہے؟ اُمّ دلامہ نے مصنوعی طور سے رونا شروع کیا اور وہ اِسقدر روئی کہ گویا ہچکی بندھ گئی۔ چونکہ عورتیں عموماً رقیق القلب ہوتی ہیں، اُمّ دلامہ کی اِس حالت کا خیزران پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ بے اختیار اُس کے بھی آنسو نکل آئے۔ پھر اُس نے تسلی اور تشفی کی باتیں کرکے اُمّ دلامہ سے دریافت کیا کہ تمھاری یہ دردناک حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ خدا کے واسطے جلد بیان کرو کہ تم پر کیا حادثہ نازل ہوا ہے اور تم اِسقدر روتی اور چلاتی کیوں ہو؟ اُمّ دلامہ نے ظاہرا بمشکل سے اپنے تئیں ضبط کیا اور چلا کر ازسرنو رونے کی آواز میں کہا: ہائے میرا گھر لٹ گیا۔ میں تباہ ہوگئی۔ آج میرے سر سے تاج اُتر گیا۔ میں جیتے جی مرگئی۔ بارالٰہا! تو نے اُس نیک بندے کو دُنیا سے اُٹھا لیا۔ اب

میری گون خبر لے گا؟ اب میں کسکی ہو کر رہونگی کس کس کے در بھیک مانگتی پھروں گی؟ کس کس کا گھر مجھے جھانکنا پڑیگا؟ الٰہی! تو نے انکو اپنے پاس بلا لیا، تو مجھے بھی اب دنیا سے اٹھا لے میں اب اس دنیا میں کیونکر رہ سکوں گی؟ اب قبر ہی کی مٹی تو میری آبرو ڈھکی جائیگی اور بس۔

خیزران نے ام دلامہ کا بین سنکر کہا: ام دلامہ کیا خدانخواستہ تمہارے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے؟ ام دلامہ نے کہا: ہاں بیوی! آج صبح مجھ پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔ یہ کہکر ام دلامہ نے چیخیں مار مار کر رونا شروع کیا۔ خیزران نے ابودلامہ کی موت کی خبر سنکر بہت افسوس کیا اور اسے ام دلامہ کی حالت پر اسے بہت رحم آیا۔ اس نے ایک عورت سے کہا کہ ابھی دو ہزار درم لاکر ام دلامہ کو دو تاکہ وہ اپنے شوہر کی تجہیز و تکفین اچھی طرح کر سکے۔ پھر اس نے ام دلامہ سے کہا: بیوی صبر کرو۔ صبر کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔ خدا اس مرحوم پر رحمت کرے۔ افسوس! کیا زندہ دل آدمی تھا۔ روتوں کو ہنسا دینا اس کا ادنیٰ کام تھا۔ شعر بھی خوب کہتا تھا اور بہت نیک اور شریف آدمی تھا۔ ام دلامہ نے جب دو ہزار درم خیزران سے وصول کر لیے، تو اس نے اس کی عنایت اور ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور یہ کہکر محل سے نکل آئی کہ سب لوگ میرے گھر پر جنازے کی تیاری کر رہے منتظر ہوں گے۔ میں اب حضور سے رخصت ہوتی ہوں۔

ام دلامہ جب مکان پر پہنچی، تو اس نے دو ہزار درم کی دو تھیلیاں اپنے شوہر کے سامنے جا رکھیں اور کہا کہ دیکھو میں تم سے بھی زیادہ کامیاب ہوئی۔ ابودلامہ نے کہا: تدبیر تو میری ہی ایجاد کی ہوئی ہے۔ تم تو اس راستے سے اتفاق بھی نہیں کرتی تھیں۔ خیر اب تین ہزار درم تو آ گئے ہیں، جو ایک مدت تک گذر کے لیے کافی ہیں؛ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری اس عیاری اور حیلہ سازی کی خبر خلیفہ کو کب ہوتی ہے اور وہ ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے۔ ام دلامہ نے کہا: اس موقع کی تدبیر بھی سوچ رکھو؛ ورنہ کیا کرایا کام سب ایک دم سے بگڑ جائے گا اور اس وقت کوئی بات بنائے نہیں بن سکیگی۔ ابودلامہ نے کہا: تم بے فکر رہو۔ میں آپ کوئی تدبیر کر لوں گا اور تم پر اور اپنے آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دونگا۔

خلیفہ جب دربار سے فارغ ہوا اور تمام سب آدمی دربار سے اٹھ گئے، تو وہ اپنے محل میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس نے جو ذکر خیزران سے چھیڑا، وہ یہ تھا کہ آج ہم کو نہایت افسوس ہے کہ ام دلامہ جو ہمارے ظریف شاعر ابودلامہ کی نوجوان بیوی تھی، آج انتقال کر گئی۔ اب اس غریب

سخت تکلیف اور پریشانی ہوگی اور ہم کو بھی نہایت افسوس ہوگا۔ خیزران نے کہا: امیرالمؤمنین! ام دلامہ کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ حضور کے ظریف شاعر ابودلامہ نے وفات پائی ہے اور فی الحقیقت یہ ایک افسوسناک واقعہ ہو، خلیفہ نے کہا: واہ سبحان اللہ! ابودلامہ کا انتقال کیوں ہونے لگا، وہ تو بالکل تندرست اور زندہ ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ وہ میرے پاس آیا تھا اسی نے اپنی بیوی کے مرنے کی خبر دی تھی۔ خیزران نے کہا: یہ نہیں ہوسکتا، حضور کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ ام دلامہ میرے پاس ابھی روتی اور چلاتی آئی تھی اور اس نے اپنے شوہر کے انتقال سے مجھکو مطلع کیا تھا، میں کس طرح کہوں کہ ابودلامہ کی جگہ ام دلامہ کا انتقال ہوا ہے۔ خلیفہ نے کہا: میری نزدیک تم دھوکے میں ہو۔ میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ ابودلامہ آج میرے پاس آیا اور اس نے اپنی بیوی کے مرنے کی خبر دی۔ میں ہی نہیں، بلکہ میرے دربار کے سب آدمی گواہ ہیں۔ وہ شخص بھی گواہ ہے، جس نے میرے حکم سے ابودلامہ کو ایک ہزار درہم لاکر دیے تھے۔ خیزران نے کہا: امیرالمؤمنین! ایسی غلطی نہیں ہوسکتی کہ ام دلامہ میرے پاس آئی ہو اور میں حضور کے سامنے یہ ظاہر کردوں کہ وہ آئی تھی اور اس نے اپنے شوہر کے مرنے کی خبر دی تھی، حضور کو یقیناً دھوکا ہوا ہے، حضور

میری لونڈیوں سے دریافت فرما سکتے ہیں کہ وہ یہاں آئی تھی یا نہیں اور اس نے اپنے شوہر کی وفات کی خبر دی تھی یا نہیں۔ وہ دیکھیے! حضور کے سامنے میری وہ کنیز بھی موجود ہے، جس نے میرے اشارہ پر اس کو دو ہزار درہم لاکر دیے، تاکہ وہ اپنے شوہر کی تجہیز و تکفین کی رسم اچھی طرح ادا کرے۔ کیا میں حضور کے سامنے جھوٹ بول سکتی ہوں؟ خلیفہ نے خیزران کی بات کو پھر رد کیا۔ خیزران نے بھی اپنی بات پر تکرار اصرار کیا اور خلیفہ کی بات کو جھٹلایا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ دونوں نے تنگ ہوکر کہا: اب زیادہ بحث کرنے سے کچھ فائدہ نہیں، یہ مثل مشہور ہے "قصہ زمین بر سر زمین" ہم بھی انکے گھر پر چلتے ہیں اور دریافت کیے لیتے ہیں کہ ہم میں سے کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ یہ کہکر دونوں ابودلامہ کے مکان پہنچے ابودلامہ نے دروازہ سے نکلکر استقبال کیا۔ اس کو دیکھکر خلیفہ نے خیزران کی طرف ہنسکر دیکھا اور کہا: اب تم نے دیکھ لیا کہ ابودلامہ زندہ ہے اور جو سانحہ پیش آیا ہے، وہ اسکی بیوی کے متعلق ہے۔ خیزران نے خلیفہ کی بات کا کچھ جواب نہیں دیا اور سیدھی مکان کے اندر چلی گئی۔ وہاں پہنچکر اس نے دیکھا کہ ام دلامہ موجود ہے۔ اس نے آگے بڑھکر ادب سے سلام کیا۔ اتنے میں خلیفہ بھی اندر پہنچ گیا۔ خیزران نے

خلیفہ کی طرف مخاطب ہوکر کہا: دیکھیے اب بھی سچی ہوں۔ اُم دلامہ زندہ ہے اور میں نے جو واقعہ بیان کیا تھا، وہ اُسکے شوہر ابودلامہ کے متعلق تھا۔

ابودلامہ اور اُم دلامہ کو زندہ اور سلامت دیکھکر خلیفہ اور خیزران پر تعجب کا عالم طاری ہوگیا۔ خلیفہ نے ہنسکر ابودلامہ سے پوچھا کہ آخر اس عیاری کا کیا سبب تھا، جو تم دونوں سے ظہور میں آئی؟ ابودلامہ نے چند اشعار پڑھے، جن کا مضمون یہ تھا کہ "ضرورت حیلے کے دروازے کھول دیتی ہے۔ افلاس دھوکے اور فریب کو جائز کردیتا ہے۔ ایسا مکر و فریب تو بیشک ناجائز ہے جس سے کسیکو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو، مگر جب اُس سے ایک کو فائدہ ہو اور دوسرا اُس پر ہنسے، تو اُسکے ناجائز ہونے کا فتویٰ کون فقیہ دے سکتا ہے؟"

یہ اشعار سنکر خلیفہ اور خیزران دونوں ہنسے اور ابودلامہ کو انعام دے کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

کہتے ہیں کہ ابودلامہ لڑائی کے نام سے بہت ڈرتا تھا اور ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ مجھے خدا میدان جنگ میں نہ لیجائے۔ رفتہ رفتہ مہدی کو اس بات کی خبر ہوگئی کہ وہ لڑائی سے بہت ڈرتا ہے۔ اس نے ابودلامہ کو بلاکر کہا: روح بن حاتم عنقریب ایک مہم پر جانے والا ہے، تم کو بھی لازم ہے کہ فوج میں شریک ہوکر اسکے ساتھ میدان جنگ کو جاؤ۔ ابودلامہ نے کہا: امیرالمومنین! میں نہ خود سپاہی ہوں، نہ میرے باپ دادا سپاہی تھے۔ مجھسے یہ کام ہرگز نہیں ہوگا۔ خلیفہ نے کہا: تمھاری اس لڑائی میں جانے کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ ایک فوجی سپاہی نے رخصت لی ہے اور اُسکی جگہ سردست کوئی آدمی بھرتی نہیں ہوسکتا۔ ابودلامہ نے کہا: حضور میرے سوا کسی اور کو بھیجدیں، میں کئی روز سے بیمار ہوں۔ اس حالت میں کیا خاک لڑسکتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا: اور کوئی آدمی فالتو نہیں ہے، جو لڑائی پر بھیجا جائے۔ اگر تم نہ جاؤگے، تو فوراً قتل کیے جاؤگے۔

قتل کا نام سنکر ابودلامہ کے ہوش اُڑ گئے اور وہ اپنی ظرافت اور ہنسی کی باتوں کو بھول گیا۔ اس نے بہت منت سماجت کی کہ کسی طرح اُس کو لڑائی پر جانے سے معاف کردیا جائے، مگر خلیفہ پر اُس کا کوئی منتر نہیں چلا۔ ناچار اُسنے مرنے پر کمر باندھی اور روح بن حاتم کے ساتھ بادل ناخواستہ چل پڑا۔ میدان جنگ میں پہنچکر بھی اُس نے بہت سی تدبیریں کیں کہ اُس کو لڑائی کے لیے نہ بھیجا جائے، مگر خلیفہ نے روح کو سمجھادیا تھا۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ ابودلامہ کی بزدلی اور نامردی کا تماشا نہ دیکھتا۔ جب روح نے جنگ پر جانے کے لیے بہت سا اصرار کیا، تو

اس نے کہا کہ میرے پاس نہ تو ایسا عمدہ گھوڑا ہے
جیسا کہ آپ کے پاس ہے، نہ ایسے عمدہ ہتیار ہیں،
جیسے کہ آپ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کیونکر
ممکن ہے کہ میں دشمن کو مغلوب کر سکوں۔ اگر میرے
پاس ایسا نفیس گھوڑا اور ایسی نادر تلوار ہوتی
تو دشمن سے ایک دو ہاتھ کرنے میں کوئی
مضائقہ نہیں تھا۔ مُروح کو ابودلامہ کی بات
بہت ہنسی آئی اور اُس نے کہا: خدا کی قسم میں
یہی گھوڑا اور یہی تلوار تم کو سپرد کر دوں گا۔ پھر
دیکھوں گا کہ تم لڑائی کے وقت کیا منہ دکھاتے ہو۔
یہ کہکر وہ اپنے گھوڑے سے اتر کھڑا ہوا اور
اپنی تلوار جو گلے میں حمائل تھی، اس کو دیکر کہا:
لو اب میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور لڑنے
تیار رہو۔ ابودلامہ نے جب دیکھا کہ کسی طرح پیچھا
نہیں چھوٹتا اور جو تدبیر کرتا ہوں، وہ اُلٹی پڑتی
ہے، تو وہ چاروناچار گھوڑے پر سوار ہو گیا
اور تلوار گلے میں حمائل کر لی۔ اس بات کو تھوڑی ہی
لمحے گذرے ہونگے کہ ایک قوی ہیکل سپاہی
دشمن کی فوج سے نکل کر میدان میں آیا اور
اُس نے خلیفہ کی فوج کی طرف پکار کر کہا کہ
اگر کوئی تم میں سے مردِ میدان ہو، تو وہ مجھ سے
مقابلہ کرنے کے لیے باہر نکلے۔ مُروح نے ابودلامہ
کو حکم دیا کہ جاؤ اس سپاہی کو نیچا دکھاؤ۔ ابودلامہ
نے کہا: یہ تو بہت قوی ہیکل ہے۔ میں اس کا مقابلہ
کیونکر کر سکتا ہوں۔ خدا کے واسطے آپ میرا
خون اپنی گردن پر نہ لیں۔ میں یقیناً اس کے
ہاتھ سے مارا جاؤں گا۔ مُروح نے کہا: ابھی سے
کیوں گھبراتے ہو؟ اُس سے ایک دو ہاتھ تو
ہو لینے دو۔ بغیر مقابلہ ہوئے یہ کیونکر معلوم
ہو سکتا ہے کہ تم اُس کی جوڑ کے نہیں ہو؟
ابودلامہ نے کہا: بس میں ایسے مقابلہ سے
باز آیا۔ میں اسکے سامنے چڑیا سے زیادہ حقیقت
نہیں رکھتا۔ ایسے دیو سے مقابلہ کرنے کے لیے
آپ کسی اور پہلوان کو بھیجیں۔ مجھے تو بغیر مقابلہ
ہی کے معلوم ہو گیا کہ اگر میں اُس کے سامنے
گیا، تو میری جان کی خیر نہیں۔ میں آپ کو خلیفہ
کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ آپ اس سے لڑنے کو مجھے
نہ بھیجیں۔ مُروح نے کہا: نہیں تم کو ضرور جانا ہوگا۔
آخر جب تم میرے ہی گھوڑے پر سوار ہو اور
میری ہی تلوار تمھارے گلے میں حمائل ہے، تو پھر
ڈرنے اور لڑائی سے جی چرانے کے کیا معنی ہیں؟
ابودلامہ نے کہا: میں اس گھوڑے سے اُتر
پڑتا ہوں۔ آپ اس کو مجھ سے واپس لے لیں
اور میں آپ کی تلوار بھی واپس کرتا ہوں۔
یہ کہکر اُس نے گھوڑے سے اُترنا چاہا اور
لرزتے اور کانپتے ہاتھوں سے تلوار جدا کرنے کی
کوشش کرنے لگا۔ مُروح نے غصہ سے گرج کر
کہا: خبردار! اگر تم گھوڑے سے اترے، یا
تلوار اپنے گلے سے نکالی، تو اسی وقت قتل
کیے جاؤ گے۔ تم کو اپنے حریف سے لڑنے اور

مقابلہ کرنے کے لیے جانا ہوگا۔ اور ضرور جانا ہوگا
ابوکلامہ نے کہا: خیر اگر مجھے قتل کرانا ہی منظور ہے
تو میں بھی اپنی تقدیر پر راضی ہوں، مگر آج دنیا کی
زندگی کا آخری دن اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن
ہے۔ میں اس دنیا میں پھر لوٹ کر نہیں آؤنگا۔
اگر آپ کی یہی مرضی ہے کہ میں لڑنے کے لیے
میدان میں جاؤں، تو میں بھوکا ہرگز نہیں
جاؤں گا۔ اسوقت بھوک بہت غالب ہے
اگر آپ میرے لیے کچھ کھانے کا حکم دیں،
تو مناسب ہے۔ کھانا کھا کر شاید مجھے طاقت
آجائیگی، اور میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ اگر
حریف پر حملہ نہ کر سکوں، تو کم سے کم اس کے
وار کو تو جھیل سکوں گا۔ شرح نے اپنے نوکروں
کو حکم دیا کہ ابوکلامہ کے لیے کھانا لائیں۔ نوکروں
نے ایک بھنی ہوئی مرغی اور کچھ روٹیاں لا کر
ابوکلامہ کے سامنے رکھدیں۔ ابوکلامہ نے
کچھ کھایا اور پیٹ بھر کر گھوڑے پر
سوار ہو کر اپنے حریف کی طرف چل کھڑا ہوا۔ جب
ابوکلامہ اپنے حریف کے سامنے جا کر کھڑا ہوا تو
اس کو معلوم ہوا کہ وہ مذہباً خارجی ہے
اور یہ تمام فوج، جو خلیفہ کی فوج سے لڑنے کو
تیار ہے، خارجیوں ہی کی ہے۔ خارجی نے ابوکلامہ
کو اپنی طرف آتے دیکھ کر پہچان لیا تھا اور
گھوڑے کو ایڑ دے کر اس کی طرف لپکا تھا کہ
ابوکلامہ نے بلند آواز سے کہا: ٹھیرو! ٹھیرو! ان

جلدی کیا ہے۔ پہلے ایک بات سن لو پھر ہم تم
دونوں ایک دوسرے پر وار کرینگے۔ خارجی
ابوکلامہ کی آواز سن کر کھڑا ہوگیا اور حیران
ہوکر اس سے پوچھا کہ تم یہاں لڑنے کے لیے
آئے ہو، یا باتیں کرنے کے لیے؟ ابوکلامہ
نے کہا: سنو بھائی! لڑنے سے ہم ڈرتے
نہیں ہیں اور جب ہم دونوں اپنی اپنی فوج سے
نکلکر میدان میں آگئے، تو ٹھیک اسی لیے
آئے ہیں کہ ایک دوسرے پر وار کریں؛
مگر مجھے ایک ضروری بات تم سے کہنی ہے جبتک
وہ بات تم سن نہ لو، مجھ پر تلوار کا وار کرنا
تم پر حرام ہے۔ خارجی نے کہا: اچھا کہو۔ وہ
کیا بات ہے؟ ابوکلامہ نے کہا: تمھارا کیا مذہب ہے؟
خارجی نے کہا: میں خارجی المذہب ہوں۔
ابوکلامہ نے کہا: میرا بھی یہی مذہب ہے۔ اب میں
تم سے پوچھتا ہوں کہ اپنے ہم مذہب پر تلوار
اٹھانی جائز ہے یا نہیں؟ خارجی نے کہا: نہیں
ابوکلامہ نے کہا: جو تم سے لڑنا نہ چاہے، کیا
اس پر بھی تم حملہ کرنا جائز سمجھتے ہو؟ خارجی نے
کہا: نہیں! ابوکلامہ نے کہا: جب میں اور تم دونوں
ہم مذہب ہیں اور میں تم سے لڑنا بھی نہیں چاہتا،
تو یہ کیونکر جائز ہے کہ تم مجھ پر تلوار کا وار کرو۔
خارجی ابوکلامہ کی بات سنکر خاموش ہوگیا اور
دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ ابوکلامہ نے کہا: مجھے
ایک بات تم سے اور پوچھنی ہے اور وہ یہ ہے کہ

کیا میرے اور تمھارے درمیان آج سے پہلے بھی دشمنی ہوئی تھی؟ خارجی نے کہا: نہیں۔ ابودلامہ نے کہا: کیا میرے رشتہ داروں اور تمھارے رشتہ داروں کے درمیان قدیم سے کوئی عداوت چلی آتی ہے؟ خارجی نے کہا: نہیں۔ ابودلامہ نے کہا: اب تمھیں انصاف کرو کہ نہ میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں، نہ تمھارے عقیدہ اور مذہب کے خلاف کوئی عقیدہ اور مذہب رکھتا ہوں، نہ میرے اور تمھارے درمیان آج سے پہلے کوئی بات ایسی ہوئی ہے، جس سے دشمنی اور عداوت پیدا ہوا اور وہ انتقام لینے پر آمادہ کرے، نہ میرے اور تمھارے خاندان کے آدمیوں کے درمیان قدیم سے کوئی عداوت چلی آتی ہے، پھر ہم دونوں کا آپس میں لڑنا اور ایک دوسرے پر حملہ کرنا تمھارے نزدیک حماقت اور نادانی ہے یا نہیں؟ خارجی نے کہا: واللہ تم نے سچ کہا، ہم اور تم آپس میں ہرگز نہیں لڑسکتے۔ جب ہم تم آپس میں یار دوست اور بھائی بھائی ہیں، تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ایک دوسرے پر تلوار اٹھائیں، یا برچھا تان کر حملہ کریں۔ ابودلامہ نے کہا: خدا تمھارا بھلا کرے۔ تم حقیقت میں نہایت دوراندیش اور سمجھدار آدمی ہو۔ میں اپنے ساتھ کچھ کھانا لایا ہوں اگر تم پسند کرو، تو ہم اور تم دونوں گھوڑوں سے اتر پڑیں اور زمین پر بیٹھکر اور آپس میں ملکر کھانا کھائیں۔ اس سے دوستی اور محبت میں ترقی ہوگی اور ہم کو یقین ہوجائیگا کہ جو تعلق ہم دونوں میں قایم ہوا ہے، وہ نہایت پختہ اور مضبوط ہے۔ خارجی نے اس بات کو منظور کیا۔ دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے اور زمین پر ایک رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ کھانا درمیان میں رکھا گیا اور دونوں نے کھانا شروع کیا۔

روح بن حاتم، ابودلامہ کی ان حرکتوں کو دور سے دیکھ رہا تھا اور ہنستے ہنستے بیتاب ہوا جاتا تھا۔ جب دونوں نے کھانے سے فراغت پائی، تو ابودلامہ نے دسترخوان طے کیا اور خارجی سے کہا کہ ہم تم دونوں کو مصافحہ اور معانقہ کرنا چاہیے اور اس بات کا قسم کھاکر اقرار کرنا چاہیے کہ اگر ہماری فوج کے افسر ہمکو ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے کے لیے بھیجینگے، تو ہم انکار کردینگے اور میدان میں نہیں آئینگے۔ خارجی نے ابودلامہ سے ہاتھ ملایا اور اس سے بغلگیر ہوا اور قسم کھائی کہ اگر تم سے لڑنے پر میں مجبور کیا گیا، تو صاف انکار کروں گا اور ہرگز میدان میں نہیں آؤں گا۔ یہ کہکر خارجی نے رکاب میں پاؤں رکھا اور جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ ابودلامہ بھی فورًا اپنے گھوڑے پر سوار ہوا پھر دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور اپنی اپنی فوج کی طرف روانہ ہوگئے۔

جب ابودلامہ فوج میں پہنچا، تو رَوح بن حاتم نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے اس خارجی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ جادو پڑھا تھا کہ وہ تمہارا ہی کلمہ پڑھنے لگا۔ اور تمہارے ساتھ بیٹھکر اُس نے کھانا کھایا، اور بے لڑے واپس چلا گیا؟ ابودلامہ نے وہ تمام گفتگو بیان کی، جو اُس کے اور خارجی کے درمیان ہوئی تھی۔ رَوح نے بے اختیار ایک قہقہہ مارا اور دیر تک ہنستا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور سپاہی دشمن کی فوج کا میدان میں آیا اور اُس نے خلیفہ کی فوج کو خطاب کرکے کہا کہ اگر تم میں کوئی بہادر اور غیرتمند آدمی ہو، تو میدان میں آئے اور مجھ سے مقابلہ کرے۔ رَوح نے ابودلامہ کی طرف دیکھکر کہا: جاؤ اس دشمن کو بھی مغلوب کرو۔ ابودلامہ نے چند اشعار فی البدیہ کہکر پڑھے، جن کا مضمون یہ تھا کہ "میں رَوح سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھکو لڑائی پر نہ بھیجے، کیونکہ اس کا انجام یہی ہونا ہے کہ بنی اسد مجھکو ذلیل اور رسوا کرینگے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جب حریف آپس میں لڑتے ہیں، اور ایک دوسرے پر تلوار کا وار کرتے ہیں، تو روحوں اور جسموں میں تفرقہ پڑ جاتا ہے۔ بہادر سپہ سالار! موت اسی لیے پیدا کی گئی ہے کہ وہ تمام دنیا پر حملہ آور ہو اور تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو کہ موت سے ہی توڑ کرلو۔ مطلب جو تمہارے خاندان کا سب سے نامور بزرگ ہوا ہے اُس نے اپنی اولاد کو، میدان جنگ میں مرنے کی آرزو کرنا سکھایا ہے اور یہ خصلت تم نے اسی بزرگ سے ورثہ میں پائی ہے؛ مگر میرے بزرگوں نے یہ ورثہ میرے لیے نہیں چھوڑا۔ اگر میرے قالب میں دو جانیں ہوتیں، تو میں ضرور ایک جان کو تم پر فدا کر دیتا اور لڑنے سے کبھی گریز نہ کرتا، مگر مشکل تو یہ ہے کہ میرے جسم میں ایک ہی جان پیدا کی گئی ہے، اگر میں اسکو دے بیٹھوں، تو پھر کیا کرونگا"

رَوح نے یہ اشعار سنکر جو ابودلامہ نے نہایت عاجزی اور التجا کے لہجے میں پڑھے تھے، ابودلامہ پر رحم کیا اور اُس کو دوبارہ میدان میں لڑنے کے لیے نہیں بھیجا۔ خلیفہ مہدی بھی اس قصہ کو سنکر بہت ہنسا اور اُس نے ابودلامہ کو انعام واکرام سے سرفراز کیا۔

ابودلامہ ایکدن سفاح کے دربار میں گیا، جو خاندان عباسیہ کا سب سے پہلا تاجدار تھا۔ سفاح نے خوش ہوکر اُس سے کہا کہ جو کچھ تمہیں درکار ہو، وہ مجھ سے طلب کرو۔ ابودلامہ نے کہا: امیرالمؤمنین! مجھے ایک شکاری کتے کی ضرورت ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کو ایک شکاری کتا دیا جائے۔ ابودلامہ نے کہا: امیرالمومنین! میں اس شکاری کتے کے ذریعہ سے جب شکار کرنا چاہوں گا، تو کیا اسکے ساتھ جنگل میں دوڑتا پھروں گا؟ جب تک حضور ایک گھوڑا اسکے ساتھ

ت نہ کریں، یہ شکاری کتا بے کار ہے۔
نے حکم دیا کہ اس کو ایک گھوڑا بھی سواری
یے دیا جائے۔ ابودلامہ نے کہا: امیرالمومنین!
کی عنایت سے میں اس قابل تو ہو گیا ہوں
ر سکوں، لیکن جو شکار مار کر لاؤں گا
ں کو کون اٹھائے گا اور کتے کی نگہبانی
پرورش کون کرے گا؟ اگر ایک غلام
ت ہو، تو البتہ وہ کتے کی نگرانی بھی کر سکیگا
ر بھی اٹھا کر لے آیا کریگا۔ خلیفہ نے حکم دیا
ں کو ایک غلام بھی دیا جائے۔ ابودلامہ
ہا: امیرالمومنین! اتنی حضور کی عنایتوں کا
ہ ادا نہیں کر سکتا، مگر ایک ضرورت
اور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں
ر مار کر اپنے مکان پر لاؤں گا، تو اس کو
ں تیار کرے گا اور کون پکا کر مجھکو کھلائیگا
کے لیے ایک کنیز کی ضرورت ہے۔
یہ بھی عنایت ہو تو میں نہایت ممنون
ں گا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسکو ایک کنیز
دی جائے۔ ابودلامہ نے کہا: یہ گھوڑا،
، اور یہ غلام اور کنیز آخر کہاں رہیں گے؟
ے پاس تو ایسا کوئی مکان نہیں ہے
یں ان سب کی گنجایش ہو۔ اگر حضور
۔ مکان عنایت کریں، تو البتہ ان
ب کی گنجایش اس میں ہو سکتی ہے۔ خلیفہ
کم دیا کہ اس کو ایک مکان بھی دیدیا جائے

ابودلامہ نے کہا: حضور نے ابھی تک اس بات پر
خیال نہیں فرمایا کہ یہ جانور اور آدمی جو میرے
ساتھ رہیں گے، کس چیز پر گزارہ کریں گے۔
میرے پاس تو نہ کوئی جائداد ہے، نہ کوئی
معین آمدنی ہے، جس سے اُن کا گزارہ ہوسکے
خلیفہ نے ہنسکر کہا: ہم تم کو بنی اسد کے
میدانوں میں سے دس گاؤں عامرہ اور
دس گاؤں غامرہ عنایت کرتے ہیں۔
ابودلامہ نے کہا کہ امیرالمومنین! عامرہ
تو سرسبز اور آباد زمینوں کو کہتے ہیں؛
مگر غامرہ کے معنے میں نہیں سمجھا۔ خلیفہ نے
کہا: غامرہ اُن زمینوں کو کہتے ہیں جنمیں
روئیدگی نہ ہوتی ہو اور جو بنجر اور ویران
ہوں۔ ابودلامہ نے کہا: امیرالمومنین! ایسے
سو گاؤں تو میں بھی بنی اسد کے میدانوں
میں سے آپ کو دے سکتا ہوں۔ خلیفہ ابودلامہ
کی اس بات کو سنکر ہنس پڑا اور اس نے
کہا کہ اچھا بجائے غامرہ کے وہ دس گاؤں
بھی تم کو عامرہ ہی دیے جائینگے۔ ابودلامہ
نے خلیفہ کا شکریہ ادا کیا اور ان سب عطیوں
کی نسبت ایک فرمان لیکر دربار سے رخصت ہوا۔

منصور کے زمانہ میں جب ملک شام
میں عبداللہ بن علی نے خروج کیا اور
منصور نے اُس کی سرکوبی کے لیے فوج
بھیجنی چاہی، تو اس نے ابودلامہ سے کہا کہ

تم کو بھی اِس فوج کے ساتھ جنگ پر جانا پڑیگا۔ ابو دُلامہ نے کہا: امیر المومنین! میں میدانِ جنگ میں جانے کے لیے تیار ہوں، مگر یہ یاد رہے کہ میں لوگوں میں منحوس اور سبز قدم مشہور ہوں۔ منصور نے کہا: تمھاری نحوست کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا، کیونکہ فوج کے ساتھ ہمارے اقبال کی سعادت ہوگی اور وہ سعادت تمھاری نحوست پر غالب آجائیگی۔ ابو دُلامہ نے کہا: یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ حضور کی سعادت میری نحوست پر غالب آئیگی یا نہیں، مگر میرا منحوس ہونا یقینی ہے اور مجھے اپنی ذات کی نسبت جسقدر تجربہ اور واقفیت ہے، اُتنی حضور کو نہیں ہے۔ منصور نے کہا: بس، ان باتوں کو جانے دو اور حیلے حوالے پیش نہ کرو۔ تمھیں جنگ پر ضرور بالضرور جانا پڑیگا۔ ابو دُلامہ نے کہا: میں حضور سے بالکل سچ کہتا ہوں کہ میں اُنیس فوجوں کے ساتھ لڑائی میں شریک ہو چکا ہوں اور کوئی فوج ایسی نہیں تھی، جس نے شکست نہ پائی ہو۔ پس اگر حضور جان بوجھکر چاہتے ہیں کہ بیسویں فوج بھاگنے اور شکست پانے والی زِرہ فوج ہو، جس کو حضور ملکِ شام کی طرف بھیجنا چاہتے ہیں، تو میرا اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ منصور ابو دُلامہ کی اِس گفتگو کو سُن کر بے اختیار ہنس پڑا اور اُس کو لڑائی پر جانے سے معاف کر دیا۔

ایکدفعہ ابو دُلامہ بیمار ہوا۔ ایک طبیب نے اُس کا علاج کیا۔ جب وہ اچھا ہو گیا، تو طبیب نے اپنی فیس طلب کی۔ ابو دُلامہ نے کہا: تمھاری فیس دینے کے لیے تو میرے پاس ایک حبہ بھی نہیں۔ ہاں اگر تم فلاں امیر یہودی پر اپنے قرضہ کی جھوٹی نالش کر دو، تو میں اور میرا بیٹا دونوں عدالت میں چلکر گواہی دیسکتے ہیں اور اِس طرح جو روپیہ اُس یہودی سے تمھارے ہاتھ آئیگا، اُس کو تم اپنی فیس میں محسوب کر لینا۔ طبیب نے ابو دُلامہ کے کہنے کے موافق یہودی پر قرضہ کی نالش کر دی۔ قاضی نے جب یہودی سے دریافت کیا، تو اُس نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میں نے اِس طبیب سے کبھی قرض نہیں لیا۔ طبیب نے ابو دُلامہ اور اُس کے بیٹے دُلامہ کو گواہ لکھوایا تھا۔ عدالت نے فوراً دونوں کو طلب کیا۔ جب ابو دُلامہ عدالت میں پہنچا، تو اُس نے دو شعر قاضی کے سامنے پڑھے، جن کا مضمون یہ تھا کہ "اگر لوگ میری ساتھ چشم پوشی کا برتاؤ کرینگے، تو میں بھی اُن کی عیب شماری نہیں کروں گا اور اگر اُنھوں نے مجھ سے عیب گیری کی، تو میں بھی اُن کی قلعی کھولنے کو تیار رہوں"۔ یہ شعر پڑھکر اُس نے قرضہ کی نسبت شہادت دی۔ پھر اُسکے بیٹے دُلامہ نے گواہی دی۔ قاضی ابو دُلامہ کے اشعار سُنکر اس بات سے ڈر گیا تھا کہ وہ کہیں میری ہجو نہ کہہ ڈالے۔ اُس کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ

ابودلامہ میری کوئی شکایت خلیفہ سے نہ کرو گے۔
اُس نے شہادت کے ختم ہونے کے بعد کہا :
تم دونوں کی شہادت مقبول ہے اور فیصلہ
مدعاعلیہ کے خلاف کیا جاتا ہے۔

موسیٰ بن داؤد نے ایک سال حج کا ارادہ
کیا۔ ابودلامہ سے بھی کہا کہ اگر تم میرے ساتھ
حج کو چلو، تو دس ہزار درم تم کو دیئے جائیں گے۔
ابودلامہ نے کہا: میں حج کو چلنے کا اقرار کرتا ہوں؛
مگر وہ دس ہزار درم ابھی عنایت ہوں۔ موسیٰ
نے دس ہزار درم اُس کو دلوا دیے۔ جب حج
کو جانے کا وقت آیا اور موسیٰ نے ابودلامہ
کو تلاش کرایا، تو اُس کا کہیں سُراغ نہ ملا۔
مجبوراً وہ حج کو روانہ ہوگیا۔ قادسیہ کے قریب
پہنچکر معلوم ہوا کہ ابودلامہ اِسی نواح میں ہے
اور شراب وکباب کے جلسوں میں مشغول ہے۔
موسیٰ نے اُس کو گرفتار کرالیا اور اپنے اونٹ
پر اُس کو سوار کر کے مکّہ کی طرف روانہ ہوا۔
اُس وقت ابودلامہ نشہ کے سبب سے مدہوش تھا۔
جب اُس کو ہوش آیا، تو اُس نے موسیٰ
کی طرف خطاب کر کے اپنے چند اشعار فی البدیہ
کہکر پڑھے۔ اُن اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "اے
لوگو! تم سب مل کر موسیٰ بن داؤد کی سلامتی
کی دعا کرو۔ اے ابن داؤد! میں تمہیں حاتم
کی روح کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھکو حج پر جانے سے
باز رکھو۔ مجھکو معلوم ہوا ہے کہ مکّہ کے رستہ میں
شراب نہیں ملتی اور میں شراب کا عادی ٹھیرا۔
ذرا خیال تو کرو کہ مجھکو کسقدر تکلیف ہوگی۔ اگر
میں نے حج بھی کیا، تو ذرا انصاف کرو کہ تم کو
مجھ بدمست کے حج سے کیا ثواب ملیگا؟ مجھے تو
لوگ بددین اور لامذہب بتلاتے ہیں۔" موسیٰ
نے ان اشعار کو سنکر ابودلامہ کو اپنے اونٹ سے
اُتار دیا اور اُس سے کہا کہ جا ملعون! اُدھر مر۔

ایکدفعہ خلیفہ مہدی خراسان کے سفر سے
واپس آیا۔ ابودلامہ اُس کی حضور میں پہنچا۔
اور دو شعر فی البدیہ کہکر اُس کو سنائے جن کا
مضمون یہ تھا کہ "میں نے یہ منت مان رکھی تھی
کہ جب آپ خراسان سے واپس آئیں گے،
تو میں آپ سے دو باتوں کی خواہش کرونگا؛
ایک تو یہ کہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود
بھیجیں۔ دوسرے یہ کہ آپ میری گود درہموں
سے بھر دیں۔" مہدی نے اِن اشعار کو سُنکر
کہا: پہلی بات تو میں منظور کرتا ہوں مگر دوسری
بات منظور نہیں کرتا۔ ابودلامہ نے کہا: امیر المومنین
یہ بات آپ کی شان کے خلاف ہے کہ دونوں
باتوں میں سے جو بات آپ کو زیادہ آسان
معلوم ہو، اُسی کو اختیار کرلیں اور دوسری
بات کو پورا نہ کریں۔ مہدی ہنسا اور اُس نے
حکم دیا کہ ابودلامہ کی گود درہموں سے بھر دی جائے۔

ایکدن ابودلامہ منصور کی حضور میں حاضر
ہوا اور اُس نے چند اشعار پڑھکر سنائے،

جن کا مطلب یہ تھا کہ "آج رات کو میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے میری قرض کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھکو ایک نہایت عمدہ ریشمی قبا عنایت کی ہے، جس کا رنگ بنفشئی ہے، اب میرے خواب کا جھوٹا یا سچا کرنا آپکے اختیار میں ہے" منصور نے یہ اشعار سنکر خلعت اور انعام کا حکم اُس کے لیے جاری کر دیا۔ پھر اُس سے کہا کہ دیکھنا پھر کوئی خواب ہمارے سامنے بیان نہ کرنا؛ ورنہ ہم اُس کو خواب پریشاں سمجھینگے اور اُس کی تعبیر پوری نہیں ہوگی۔

ایکدفعہ مہدی نے ابودلامہ سے انعام کا وعدہ کیا، مگر بہت دن گذر گئے اور وہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ ابودلامہ چند اشعار لیکر مہدی کی حضور میں گیا اور وہ اشعار اُس کو سنائے۔ اُن میں سے ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ "اگر اور نہیں تو آپ اُس رشتہ ہی کا خیال کیجیے، اپنے وعدہ کو پورا کیجیے، جو میرے اور آپکے درمیان ہے" مہدی نے اس شعر کو سنکر کہا: ارے کمبخت! میرے اور تیرے درمیان رشتہ کیا؟ ابودلامہ نے کہا: خدا آدم اور حوّا پر رحمت نازل کرے۔ کیا آپ اِن دونوں کو بھول گئے؟ مہدی بے اختیار ہنس پڑا اور اُس نے انعام دیکر اُس کو مالا مال کر دیا۔

ایکدفعہ ایک مقدمہ میں ابودلامہ کو ایک قاضی کی عدالت میں جانا پڑا۔ اُس قاضی کا نام عافیہ تھا۔ اُس نے قاضی کی نسبت چند اشعار فی البدیہہ کہکر پڑھے، جن میں سے ایک شعر کا مطلب یہ تھا کہ "ملک میں ایسے قاضی بھی ہیں، جو فیصلوں میں نا انصافی کرتے ہیں اور اُن کی نا انصافی سے میں ڈرتا ہوں؛ مگر اے عافیہ! میں تم سے بالکل بھی خوف نہیں کرتا۔ قاضی نے اِس شعر کو سنکر کہا: تم نے میری سخت ہجو کی ہے۔ میں خلیفہ سے تمھاری شکایت کروں گا۔ ابودلامہ نے کہا: اگر تم شکایت کروگے، تو خلیفہ تم کو فوراً موقوف کر دیگا۔ قاضی نے کہا: کیوں؟ ابودلامہ نے کہا: اِس لیے کہ میں نے تمھاری تعریف کی ہے اور تم اُس کو ہجو سمجھتے ہو۔ جب تم تعریف اور ہجو میں بھی تمیز نہیں کر سکتے، تو خلیفہ ضرور خیال کریگا کہ تم قاضی کے عہدہ کے لائق نہیں ہو۔ خلیفہ منصور کو ابودلامہ اور قاضی کے سوال و جواب کی خبر پہنچی، تو وہ بہت ہنسا اور اُس نے ابودلامہ کو انعام دیکر سرفراز کیا۔

عیسےٰ خلیفہ منصور کا چچا تھا۔ اُسکی بیٹی حمادہ نہایت حسین اور سلیقہ شعار تھی۔ منصور کا اُسکے ساتھ نکاح ہو گیا تھا اور وہ اُس سے بہت محبت کرتا تھا۔ جب اُس کا انتقال ہوا، تو منصور کو نہایت رنج اور صدمہ ہوا۔ حمادہ کے دفن کرنے کے وقت منصور اُس کی قبر پر موجود تھا۔ ابودلامہ بھی اُسکے

قریب جا بیٹھا۔ منصور نے قبر کی طرف اشارہ کرکے ابودلامہ سے کہا: تم نے اس کے لیے بھی کچھ تیار کیا ہے؟ ابودلامہ نے کہا: کیا اس کے لیے حضور کی جیالی بھی کافی نہیں ہے؟ منصور بے اختیار ہنس پڑا اور ابودلامہ سے کہا: کمبخت! تو ایسے رنج و غم کے وقت میں بھی ہنسی کرنے سے باز نہیں آتا ہے۔

ایکدفعہ مہدی اور علی بن سلیمان شکار کے لیے نکلے، ابودلامہ بھی اُن کے ساتھ تھا۔ مہدی نے ایک ہرن کی طرف نشانہ باندھکر تیر چلایا۔ اسکے نشانہ نے خطا نہیں کی، مگر علی بن سلیمان نے جو تیر چلایا، وہ ہرن تک نہیں پہنچا اور ایک کُتّے کے جا لگا۔ ابودلامہ نے چند اشعار فی البدیہ کہکر سنائے، جن کا مطلب یہ تھا کہ مہدی نے ہرن پر تیر چلایا اور اسنے ہرن کے دل پر کاری زخم لگایا۔ علی بن سلیمان نے ہرن کو تو شکار نہیں کیا۔ البتہ ایک کُتّے کو اُسنے بھی زخمی کر ڈالا۔ اے مہدی! اور اے ابن سلیمان! تم دونوں میں سے جس نے جو شکار کیا ہے، وہ اسکو مبارک ہو۔ یہ اشعار سنکر علی بن سلیمان تو رنجیدہ ہوا، مگر مہدی نے ابودلامہ کو تیس ہزار درم انعام عطا کیا۔

ایکدن مہدی کے دربار میں بہت سے ہاشمی موجود تھے۔ اس نے ابودلامہ سے کہا کہ حاضرین دربار میں سے ایک کی ہجو تم کو ضرور کرنی پڑے گی اور اگر تم نے کسی کی بھی ہجو اس وقت نہ کی، تو میں تمھاری گردن اُڑا دونگا۔ ابودلامہ نے ہاشمیوں کو دیکھا، تو اُن میں کوئی بھی ایسا نہیں نکلا، جو معزز نہ ہو۔ اس کے علاوہ ہاشمیوں نے اس کو اشارہ کیا کہ اگر تم ہم میں سے کسی کی ہجو کروگے، تو جان سے مارے جاؤگے۔ ابودلامہ نے کچھ دیر تامل کرکے کہا: امیرالمومنین! آپ کے حکم کی بجاآوری میں مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ حاضرین دربار میں سے کسی ایک کی ہجو تم کو ضرور کرنی پڑے گی۔ سو میں ان معزز اور شریف لوگوں میں سے کسی کو اس قابل نہیں جانتا کہ اُس کی ہجو کروں۔ البتہ میں خود اس بات کا مستحق ہوں کہ اپنی ہجو آپ کروں۔ چنانچہ میں نے چند اشعار فی البدیہ اپنی ہجو میں کہے ہیں۔ وہ اشعار، جو ابودلامہ نے پڑھکر سنائے، اس مضمون کے تھے کہ اے ابودلامہ! تو نہ معزز اور شریف لوگوں میں شامل ہے نہ تجھ میں کوئی بات شرافت اور لیاقت کی ہے۔ جب تو اپنے سر پر عمامہ رکھتا ہے، تو مثل بندر کے معلوم ہوتا ہے اور جب عمامہ کو سر سے اُتار ڈالتا ہے، تو ہو بہو سُور کی شکل نظر آتا ہے۔ تو بدصورتی اور بدسیرتی کا مجموعہ ہے اور تجھ میں دُنیا بھر کے عیب جمع ہیں

اگر تو چند روز دُنیا میں عیش منا لے، تو کیا ہوتا ہے؟ آخر ایک دِن قیامت ضرور آئے گی اور تو اپنے کیے کی سزا ضرور پائے گا" یہ اشعار سُنکر مہدی اور تمام حاضرینِ دربار ہنس پڑے اور سب نے اپنی اپنی استطاعت کے موافق اُس کو انعام واکرام دیا۔

تاریخ اور اَدَب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ابودُلامہ کا اصلی نام زند اور اُسکے باپ کا نام جون تھا اور وہ کوفہ کا ایک حبشی غلام تھا۔ اُس کی ابتدائی عمر بنی اسد کی غلامی میں گُزری۔ شاعری کے لحاظ سے وہ اوسط درجہ کے شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔ اُسکے اشعار ظرافت اور زندہ دلی کی تصویر ہیں۔ اُس نے مدح وقدح میں کمال درجہ کی مہارت حاصل کی تھی۔ وہ مذہبی باتوں کی مطلق پروا نہیں کرتا تھا۔ شراب اکثر پیا کرتا تھا۔ غرضکہ عبّاسیوں کے زمانہ میں، جبکہ بڑے بڑے متشرع لوگ ہر طرف نظر آتے تھے اور دینداری کا بہت چرچا تھا، وہ رندی اور میخواری میں اپنے اوقات بسر کرتا تھا اور کچھ تو اُسکی ظرافت کے سبب سے اور کچھ اِس سبب سے کہ اُسکی ہجوگوئی سے سب کانپتے تھے، کسی کو یہ جراَت نہیں ہوتی تھی کہ اُس پر اعتراض کرے اور وہ بھی نہایت بیباکی سے جو چاہتا کر گذرتا تھا، بارہا لوگوں سے روپیہ دیکر اُس سے پیچھا چھڑایا ہے۔ منصور بخل میں اور مہدی خونریزی میں بدنام تھا؛ مگر منصور سے بار بار انعام حاصل کرنا اور مہدی کے سامنے دلیرانہ اور بیباکانہ گفتگو کرنا ابودُلامہ ہی کا کام تھا۔ ابودُلامہ کے جسقدر لطائف ہم نے لکھے ہیں، وہ اگرچہ بہت تھوڑے ہیں اور اَدَب کی کتابوں میں اُسکی بیشمار لطیفے درج ہیں؛ مگر اِس مختصر سے مضمون میں اِسقدر لطائف بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ابودُلامہ نے سنہ ۱۶۱ ہجری میں وفات پائی۔ اِس بات پر تو سب مورخ متفق ہیں کہ ابودُلامہ نے سفّاح، منصور اور مہدی کا زمانہ دیکھا ہے اور اُن سے انعام واکرام پایا ہے؛ مگر بعض مورخ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ہارون رشید کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔ ہارون رشید کا دَورِ حکومت سنہ ۱۷۰ ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے یہ بات بالکل خلافِ قیاس معلوم ہوتی ہے؛ کیونکہ سنہ ۱۶۱ ہجری میں ابودُلامہ کا وفات پانا ایک ایسا امر ہے، جس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ وَاللہُ اَعلَمُ بِالصَّوَاب۔

(عزیز الرحمن عزیز)

کلیاتِ دلمیرؔ

کلیاتِ دلمیر ایک نئی قسم کا دیوان ہے، جس سے غالباً خاص خاص شخصوں کے سوا بہت کم لوگ واقف ہوں گے۔ صاحبِ دیوان ایک بزرگ منو خان نام دلمیرؔ تخلص، رئیس میرٹھ ہیں، سنہ ۱۸۵۰ء میں انھوں نے کچھ غزلیں گنواری زبان میں، جو میان دوآب و ہریانہ کے دیہات میں عموماً بولی جاتی ہے، لکھکر مرحوم ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ کی حضور میں پیش کی تھیں۔ وہاں ان نظموں کی بہت داد ملی اور بادشاہ نے انعام اور خلعت عنایت کیا۔ اس قدردانی نے میاں دلمیر کے خیالات پر وہی اثر کیا، جو سلطان سنجر کے ملک الشعرا کا تزک و احتشام دیکھکر اوحد الدین انوری کے دل پر ہوا تھا۔ انھوں نے اسی گنواری زبان پر اپنی شاعری کی بنیاد رکھی اور رفتہ رفتہ ایک نئی قسم کا دیوان مرتب کرلیا، جو اسوقت ہمارے سامنے موجود ہے۔

میرے ایک لائق دوست نے جو شاعری کا صحیح مذاق رکھتے ہیں، مجھ سے یہ فرمائش کی ہے کہ اس دیوان میں جو شاعرانہ خوبیاں اور محاسن ہیں، ان کو کسیقدر پبلک پر ظاہر کروں اور لوگوں سے میاں دلمیر اور ان کے کلام کو روشناس کراؤں۔

جس زبان میں یہ دیوان مرتب ہوا ہے، وہ درحقیقت ایک قسم کی بگڑی ہوئی اردو ہے، جیسا کہ ہر ملک میں دیہاتیوں اور گنواروں کی زبان شہر والوں کی بگڑی ہوئی زبان ہوتی ہے۔ پس اس دیوان میں زیادہ تر وہی الفاظ ہیں جو فصیح اردو میں صحیح طور پر مستعمل ہوتے ہیں، کسیقدر تغیر کے ساتھ گنواری بول چال میں استعمال ہوئے ہیں، جیسے خالق اور کھالک، باپ اور باپو، ہمارے اور ہمارے، چپے چپے اور چپتاں چپتاں، تونے اور تیں نے، کیا اور کینا، دیا اور دینا وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ایک موزون طبع آدمی کو جسکی مادری زبان شہری فصیح اردو ہو، بگڑی ہوئی اردو کا سیکھ لینا اور اس میں اشعار موزون کرنا زیادہ دشوار نہیں ہے، مگر جو بات دشوار اور سخت دشوار ہے اور جس سے سوا اُس شخص کے جو ماں کے پیٹ سے شاعر پیدا ہوا ہو، کوئی قادر نہیں ہوسکتا، وہ یہ ہے کہ جو مضمون ایک گنواری زبان میں بیان کیا جائے اس کا پیرایۂ بیان بھی گنواروں کے محدود خیالات کی حد سے متجاوز نہ ہو، کیونکہ فصاحت درحقیقت اس کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے کہ مثلاً اگر بچوں کے ساتھ بات چیت کرو، تو بچے بن جاؤ اور گنواروں کے ساتھ گفتگو کرو، تو اپنے تئیں ٹھیٹ گنوار بنالو، جیسا کہ کہا گیا ہے "کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم" اس دیوان میں یہی وہ چیز ہے، جو دلمیرؔ کے اصلی

میں نے کے تری بھو ری کھیدیا
(میں نے کیا تری بھوری لے لی)
بے مرے کا ڑے بر چھی چھید ہو
(اور مجھے بھی چھوڑی ہی)

اپنے صاحب یعنی خدا سے کہتا ہے کہ کیا میں نے تیری بھوری بھینس چھین لی ہے، جو تو نے مجھ پر مصیبت ڈالی ہے۔ چونکہ گنوار لوگ بھوری بھینس کو بہت عزیز رکھتے ہیں، اس لیے انھیں کے خیالات کے موافق خدا سے کہتا ہے کہ کیا میں نے تیری بھوری بھینس چھین لی ہے، جس کا تو نے مجھ سے یہ بدلا لیا ہے۔

چھوٹ گئے سب نانی دادی
دادا، نانا، پوتے، پڑپوتی
ناؤ، مامن، پالی، کیرے
جھاں بت میرے ڈا نگر گھیرے
کہاں گئے اوہ ایکھ کے گانڈے
کہاں گئے اوہ منڈیرے واڈے
کہاں گئی اوہ کھیتی سھاری
کہاں گئی اوہ گاجر کیاری

اسی طرح کہیں کھیتی کھتے اور چوپائے کے ساتھیوں کو یاد کرتا ہے، کہیں جھاڑ کے بانوں سے بنی ہوئی کھاٹ، گشتولی، گوبر کی ڈھیریوں، سانی کی ناندوں، دودھ دہی کی کوری منکیوں، سرسوں کے ساگ اور مکئی کی روٹی اور اسی قسم کی اور چیزوں کا، جو دیہاتی زندگی کے مناسب ہیں، حسرت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔

سب سے زیادہ لحاظ کے قابل اس دیوان میں یہ بات ہے کہ ظاہرا دلیپ سے پہلے کسی نے گنواری زبان میں دیوان مدون نہیں کیا اور نہ اتنے مختلف مضامین، جتنے کہ اس دیوان میں ہیں، کبھی اس زبان میں بیان کیے گئے، اس میں حمد، نعت، منقبت، اخلاق، مدح، ہزل، عشق، ہجر، وصل، رشک، غرضکہ وہ تمام بیانات جو اردو کے عام دیوانوں میں پائے جاتے ہیں، موجود ہیں۔ پس اردو ئے معلّےٰ کے شعرا، جو کئی سو برس سے اسی ایک ٹھیکرے کو پھوڑتے چلے آتے ہیں، ان میں اور دلیپ میں وہی فرق ہے، جو مقلد اور موجد میں ہوتا ہے۔ وہ لوگ جب مضامین مذکورہ بالا میں سے کسی مضمون کو باندھنا چاہتے ہیں، تو اس کے ادا کرنے کے لیے سیکڑوں اسلوب بیان اور الفاظ و محاورات و تراکیب اردو لٹریچر میں مہیا پاتے ہیں۔ ان کے سامنے مختلف مقدار کے بندھے ہوئے موتیوں کا انبار موجود ہے۔ جیسے موتی کی ضرورت ہوتی ہے بے تکلف لڑی میں پرو لیتے ہیں۔ برخلاف اس شخص کے، جس کو اول غوطہ لگا کر دریا میں سے سیپیاں بہم پہنچانی پھر ان میں سے موتی نکالنے ہیں، پھر ان کو جلا کرنا ہے، پھر بیندھنا ہے، پھر لڑی میں پرونا ہے۔

اس سے زیادہ مشکل یہ بات ہے کہ گنواری زبان ایک جاہل قوم کی زبان ہے، جس کا دائرہ نہایت تنگ اور محدود ہے۔ باوجود اس کے

ڈائنیز سے نے اُس میں بہت سے ایسے مضامین بیان کیے ہیں، جن کا ایک گنواری زبان میں سمانا سخت مشکل ہے، مثلاً انگریزی عملداری کی تعریف میں نو ایجاد توپوں اور بندوقوں کا بیان، ریل، تار برقی سڑکوں اور نہروں کا بیان، برف کی کل اور واٹر ورکس کا بیان، دیا سلائی، گیس اور برقی روشنی کا بیان وغیرہ وغیرہ۔ مذکورۂ بالا بیان میں سے چند اشعار یہاں لکھے جاتے ہیں:

جگ جگ رہے پرنگی راج
پوراجے، راجوں سر تاج
راجا راجی سنگی کسال
پوراجا پرجا کی حال
بڑے باچھا، بڑے نایچھ
بڑے اکل دو بڑے سا ایچھ
انگریجاں کا ملکوں راج
راجا بڑے گریب نواج
انگریجاں کی بانکی سوج
جابڑ چڑے سمندر موج
بڑے سمندروں گھے جہاج
جایں راکھیں بھر بھر لاج
کھاوے پھوج، انگھاوے پھوج
بیٹھی باجے بجاوے پھوج
توپاں چلیں گھٹ گھن گھور
کا سوں ہو سے کار کی جو
تورا لگے نہ دار و موکھ
آپو آپو چلیں بندوکھ
ہند بند، کماں لبی نال
داگی، گمیں نہ دو دو سال
ہند راج کھولی تر وار
گاجر کٹے نہ سو سو بار
راج پچھے نکی رہے اسنار
جد لگ امبر، سورج چند
ریل لکاڑی، کاڈھے تار
دان میں ہیالے سیل ہجار
تار کھر سوں راتوں رات
لاکھ کوس سوں کرو بات
اچرج بڑی بریچھ کی کل
واسے گھوما وے کو سامل؟
کاج دام چلاوے کون!
ایسا ٹھاڈا آوے کون؟
سڑک بنائیں کھو دیں نہر
کھیت کھیت پانی کی لہر
جاسے ہو ملکوں من ناج
کدھیں رہیں نا ٹھالی جہاج
بھے دیے دھرتی ماں گال
تلے تلے پانی کی چال
بگڑا بگڑا مانہہ لاسے نل
جایں آوے بڑنل جل
باہر سوں جلیں چراگ
نا باتی، نا تیل، نہ آگ

شاعرانہ خیالات

(سمندر سے خطاب)

اے عظیم الشان سمندر! تیرے کناروں پر اسیریا، گریک، روم اور [illegible] کی سلطنتیں آباد تھیں۔ اب بدل گئیں، [illegible] مگر تو نہیں بدلا۔ تیری ساحلی خشکی [illegible] ان کو کاٹتی اور گھٹاتی رہی۔ پھر فاتحوں نے ان کو [illegible] دیا۔ اب ان ملکوں پر خونخوار اور وحشی انسان حکمراں ہیں۔ قدیم سلطنتوں کے زوال نے ان ملکوں کو خشک کرکے ریگستان بنا دیا ہے، مگر تیری خونخوار اور وحشیانہ لہروں کا کھیل اب تک برابر جاری ہے۔ تیری نیلگوں پیشانی پر زمانہ بڑھاپے کی جھریاں نہیں ڈال سکا۔ جیسا کہ صبح آفرینش نے تجھے دیکھا تھا، ویسا ہی تو اب بھی زور شور کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ تو وہ شاندار آئینہ ہے جس میں خدا کی شکل طوفانوں میں نظر آتی ہے۔ تو خاموش ہو، یا موجزن ہو، [illegible] رہی ہو، یا طوفان کی تند ہوائیں تیرے پانی کو اچھال رہی ہوں، تو قطبوں کے قریب برف بنکر منجمد ہوتا ہو، یا [illegible] ملکوں میں تاریک ہوکر بہتا ہو، غرضکہ ہر وقت اور ہر حالت میں تو خوفناک اور عظیم الشان ہے۔ لازوال قدرت کی تصویر ہے اور اس خدا کا تخت ہے جو ہم سب کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ تیری ہی مٹی سے سمندر کے دیو یعنی بڑی بڑی مچھلیاں بنتی ہیں۔ ہر منطقہ تیرا محکوم ہے۔ تو بہتا رہا ہے اور بہتا جائیگا خوفناک، بے تھاہ اور اکیلا۔

(معشوقہ سے خطاب)

اے پیاری! تو کس حسین نوجوان کو، جو عطریات میں ڈوبا ہوا ہے، خلوت میں ہم آغوش کیے رہتی ہے؟ کس کیلیے اپنی زلفیں سادگی کے ساتھ سنوارا کرتی ہے؟ ہزار حیف کہ وہ تیری طرف سے مطمئن ہو رہا ہے۔ اسے کیا خبر ہے کہ تیری بیوفائیوں اور کج ادائیوں کے سبب سے رات دن اسے رونا پڑیگا۔ وہ نہیں جانتا کہ تو ایکدم میں کیا سے کیا ہو جاتی ہے۔ تو وہ سمندر ہے جسکی لہریں ہوا کے جھونکوں کے ساتھ بے چین رہتی ہیں اور لمحہ لمحہ کے بعد کروٹ بدلتی رہتی ہیں۔ اے پیاری! جس نوجوان نے تجھ پر بھروسا کیا ہے کہ تو اس کی ہو رہی ہے، وہ ہوا کے رخ اور دریا کے بہاؤ کو بالکل نہیں پہچانتا۔ کمبخت وہ ہیں جنکی آنکھوں میں تو کھپ جاتی ہے اور تیری صورت انھیں پیاری نظر آتی ہے، انھیں تیری حقیقت معلوم نہیں ہے۔ میری سرگذشت تو اس تصویر سے ظاہر ہے، جو سمندر [illegible] کے مندر میں آویزاں ہے اور میرے بھیگے ہوئے کپڑے بھی، جو وہاں لٹکے ہوئے ہیں، اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ہم نہایت مشکل سے ڈوبتے ڈوبتے بچے ہیں۔

[illegible] سے ماخوذ ہے۔

[illegible]

کیا معارف اب جاری نہ رہیگا؟

یہ سچ ہے کہ سنہ ۱۹[illegible]ء کے آخری مہینوں اور سنہ ۱۹[illegible]ء کی ابتدا میں خاکسار اڈیٹر کی علالت کی وجہ سے معارف کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی اور چھپائی اور صحت کا بھی کافی اہتمام اسوجہ سے نہ ہوسکا، مگر جو روپیہ خریداروں کا ہمارے ذمہ تھا اُس کو آخرکار کوشش کر کے ہم نے اپنے ذمہ سے اتار دیا اور ہم رسالوں کی تعداد پوری کر کے آج بالکل سبکدوش ہوگئے۔ اور ہمارے ذمہ خریداروں کا کچھ باقی نہیں ہے۔

ہم نے جب (علی گڈھ) سے معارف کو جاری کیا تھا، تو ہم کو امید تھی کہ اِس رسالہ کو ہندوستان میں پسندیدگی اور وقعت کی نظر سے دیکھا جائیگا اور فی الحقیقت ہمارا خیال صحیح تھا، چنانچہ ہندوستان کے سربرآوردہ، ممتاز اور نامور مسلمانوں نے بہت عمدہ اور پاکیزہ رائیں اِس رسالہ کی نسبت لکھیں، ان میں سے چند رائیں گذشتہ سال اور سالِ حال کے رسالوں میں شائع کی گئی ہیں اور بہت سی رائیں دفترِ معارف میں موجود ہیں، جن کی شائع کرنے کا اب تک ہم کو موقع نہیں ملا۔ تاہم افسوس کہ ہم کو اب یہ بات ظاہر کرنی پڑتی ہے کہ شاید اِس قسم کے بلند پایہ اور بلند مذاق رسالوں کے شائع کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا، کیونکہ جب سے یہ رسالہ جاری کیا گیا ہے، اُس وقت سے آجتک اس کی مالی حالت درست نہیں ہوئی اور اُس کا خرچ ہمیشہ آمدنی سے زیادہ رہا۔ اِس لحاظ سے ہم بالفعل اس کو بند کرتے ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر پانسو خریداروں کی درخواستیں ہمارے پاس پہنچ جائیں تو ہم اس رسالہ کو جاری کر دینگے اور جس آب و تاب اور عمدگی سے ہم اُس کو جاری کرنا چاہتے ہیں ہم اُس کا بخوبی انتظام کر لیا جائیگا۔ بالفعل اِس التوا کے لیے ہم اپنے معزز خریداروں سے معافی چاہتے ہیں، جو اِس رسالہ کی دل سے قدر کرتے ہیں اور جو اُس کو بمقابلہ دیگر رسالوں کے، جو اِس وقت ہندوستان میں جاری ہیں، بدرجہا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

خاکسار

اڈیٹر

دفترِ معارف

(پانی پت)